فتاویٰ حقانیہ

جلد سوم

نام کتاب ... فتاویٰ حقانیہ (جلد سوم)

افادات ...... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب ... ... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاد شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ... . ۷۲۸ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع ... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر ... . جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد سوم

عنوانات	صفحہ

باب تسویۃ الصفوف

باب الجماعۃ

باب المسبوق واللاحق

باب مفسدات الصلوٰۃ

باب العشر

کتاب
الصلوۃ

باب المواقیت

(نمازوں کے اوقات)

نماز کو مقررہ وقت سے مؤخر کرنا

سوال:- ہمارے علاقہ کی مساجد میں جماعت کے اوقات مقرر ہیں لیکن بعض اوقات امام صاحب وقتِ مقررہ سے تاخیر کر کے آتے ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے چلے جاتے ہیں، کیا نمازوں کو مقررہ وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- نمازوں کے لیے مقرر شدہ اوقات حتمی نہیں بلکہ نمازیوں کی سہولت کو مدِنظر رکھ کر مقرر کیے جاتے ہیں، اگر ان اوقات میں کچھ تقدیم و تاخیر ہو جائے بشرطیکہ مکروہ وقت داخل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم اگر امام تنخواہ دار ہو تو دیگر نمازیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے مقررہ وقت سے تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ نماز مستحب وقت میں پڑھی جائے۔

قال الحصکفیؒ: (ویجلس بینهما) بقدر ما یحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب، (إلا في المغرب). (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۸۹ باب الأذان)[۱]

فجر کی نماز کا وقت

سوال:- فجر کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ اور طلوعِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا ہے؟

الجواب:- نمازِ فجر کا وقت صبحِ صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہوتا ہے جس کی مقدار تقریباً سوا گھنٹہ ہے تاہم کمی و زیادتی بھی ممکن ہے۔ اور صبحِ صادق کی علامت یہ ہے کہ اس وقت آسمان کے افق پر سفید سی نمودار ہوتی ہے جو آسمان کے افق میں پھیلی ہوتی ہے۔

---

[۱] وفي الهندیة: وینتظر المؤذن الناس ویقیم للضعیف المستعجل ولا ینتظر رئیس المحلة وکبیرها کذا في معراج الدرایة. ینبغي أن یؤذن في أول الوقت ویقیم في وسطه حتی یفرغ المتوضئ من وضوئه والمصلي من صلاته والمعتصر من قضاء حاجته کذا في التاتارخانیة. (الهندیة ج۱ ص۵۳ باب الأذان) ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۵۵ باب الأذان۔

قال الحصکفیؒ: وقت صلاة (الفجر) ... (من) اول (طلوع الفجر الثانی) وهو البیاض المنتشر المستطیر لا المستطیل (الی) قبیل (طلوع ذکاء) بالضم غیر منصرف اسم الشمس۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۴۲ کتاب الصلوٰة) لـه

رمضان میں صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنا

سوال:۔ ہمارے علاقوں میں رمضان کے مہینے میں صبح کی نماز عموماً غلس (تاریکی) میں پڑھی جاتی ہے جس سے جماعت میں کثرت ہوتی ہے کیا فقہ حنفی کی رو سے یہ درست ہے؟

الجواب:۔ جواز سے کسی کو انکار نہیں لیکن فقہ حنفی میں اسفار کے استحباب میں رمضان کا استثناء کہیں نہیں لکھا ہے، اس لیے شاید تکثیر جماعت کی مصلحت کی رو سے بہتر ہو لیکن فقہی اعتبار سے اسفار مستحب ہے۔

لما قال شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الیمنی: ویستحب الاسفار بالفجر ... قیل هو ان یصلی فی وقت لو صلی بقرأة مسنونة مرة فاذا فرغ ظهر له فساد فی طهارته امکنه الوضوء والاعادة قبل طلوع الشمس وهذا کله فی السفر والحضر فی الازمنة کلها الا یوم النحر بالمزدلفة للحاج۔
(الجوهرة النیرة ج۱ ص۵۰ کتاب الصلوٰة) ـ لـه

نماز کے لیے مستحب وقت کیا ہے؟

سوال:۔ جواز سے قطع نظر نمازوں کے اوقات مستحبہ کی حقیقت کیا ہے؟ تعجیل افضل ہے یا تاخیر؟

لـه وفی الهندیة: وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البیاض المنتشر فی الافق الی طلوع الشمس ولا عبرة بالکاذب وهو البیاض الذی یبدو طولاً ثم یعقبه الظلام فبالکاذب لا یدخل وقت الصلاة ولا یحرم الاکل علی الصائم. کذا فی الکافی۔
(الهندیة ج۱ ص۵۱ الباب الاول فی المواقیت) ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۲ کتاب الصلوٰة

لـه قال الحصکفیؒ: والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر باسفار والختم به هو المختار بحیث یرتل اربعین آیة ثم یعیده بطهارة لو فسد وقیل یؤخر جداً لان الفساد موهوم لا الحاج بمزدلفة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۴۶ کتاب الصلوٰة)
ومثله فی شرح الوقایة ج۱ ص۱۲۸ کتاب الصلوٰة۔

الجواب: مطلقاً تعجیل یا تاخیر مستحب نہیں بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فجر کا مستحب وقت اسفار ہے اور گرمیوں میں ظہر کو مؤخر اور سردیوں میں مقدم کر کے پڑھنا افضل ہے، عصر کو گرمی و سردی دونوں میں مؤخر کرنا افضل ہے بشرطیکہ سورج متغیر نہ ہو اور عشاء کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا افضل ہے، تاہم اگر آسمان ابر آلود ہو تو عصر و عشاء کو مقدم کر کے اور باقی کو مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ویستحب) للرجل (الابتداء) فی الفجر (باسفار والختم به) هو المختار بحیث یرتل اربعین آیة ثم یعیده بطهارة لو فسد وقیل یؤخر جداً لان الفساد موهوم (الا لحاج بمزدلفة) فالتغلیس افضل کمرأة مطلقاً وفی غیر الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة (وتاخیر ظهر الصیف) بحیث یمشی فی الظل مطلقاً ... (وتاخیر عصر) صیفاً وشتاءً توسعة للنوافل (ما لم یتغیر ذکاء) بان لا تحار العین فیها فی الاصح (و) تاخیر (عشاء الی ثلث اللیل) الی آخره۔

ویستحب تعجیل ظهر شتاء یلحق به الربیع وبالصیف الخریف وتعجیل عصر وعشاء یوم غیم ... والتفصیل فیهما فیه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۶ تا ۳۶۹ کتاب الصلوٰة)[1]

نمازِ عصر میں تاخیر کی مقدار

سوال: نمازِ عصر میں فقہاء نے تاخیر کو مستحب لکھا ہے لیکن تاخیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے

---

[1] وفی الهندیة یستحب تاخیر الفجر ولا یؤخرها بحیث یقع الشک فی طلوع الشمس بل یسفر بها ... ویستحب تاخیر الظهر فی الصیف وتعجیله فی الشتاء ... ویستحب تاخیر العصر فی کل زمان ما لم تتغیر الشمس ... ویستحب تعجیل المغرب فی کل زمان کذا فی الکافی ... ویستحب تاخیر العشاء الی ثلث اللیل والوتر الی آخر اللیل لمن یثق بالانتباه ... وفی یوم الغیم یؤخر الفجر کما فی حال الصحو ویؤخر الظهر کیلا یقع قبل الزوال ویعجل العصر خوفاً من ان یقع فی الوقت المکروه ویؤخر المغرب حذراً من الوقوع قبل الغروب ویعجل العشاء کیلا یمنع مطر وثلج عن الجماعة۔
الهندیة ج ۱ ص ۵۱، ۵۲ کتاب مواقیت الصلوٰة، ومثله فی شرح الوقایة ج ۱ ص ۱۲۷ کتاب الصلوٰة

بارے میں معلومات فراہم فرما دیں؟

الجواب:- عصر کی نماز میں بلا شک وشبہ تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر کرنا جو اصفرارِ شمس تک پہنچے مکروہ تحریمی ہے، سورج پر زردی کے آثار ظاہر ہونے سے قبل ہی نمازِ عصر سے فارغ ہونا چاہیے۔

قال الحصکفیؒ: (و) أخّر (العصر إلى اصفرار ذكاء) فلو شرع فيه قبل التغير فمدّه إليه لا يكره۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۹ كتاب الصلاة)[1]

ظہر کی نماز کا وقت

سوال:- مثلِ ثانی میں ظہر کی نماز پڑھنا ادا ہے یا قضاء؟ جبکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام صاحبؒ نے مثلِ ثانی کے قول سے رجوع کر لیا تھا لہٰذا مثلِ ثانی میں پڑھی گئی نماز ادا نہیں بلکہ قضاء ہے، حقیقت واضح فرما دیں؟

الجواب:- محققین احناف کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ مثلِ ثانی میں ظہر کی نماز پڑھنا ادا ہے قضاء نہیں، اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ افضل اور احتیاط یہ ہے کہ مثلِ ثانی سے قبل ادا کی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام، نهاية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط وينابيع، وهو المختار، وغياثية، واختاره الإمام المحبوبي وعوّل عليه النسفي وصدر الشريعة، تصحيح قاسم، واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون، فقول الطحاوي وبقولهما نأخذ لا يدل على أنه المذهب، وما في الفيض من أنه يفتى بقولهما في العصر والعشاء مسلّم في العشاء فقط على

---

[1] قال ابن نجيمؒ: (قوله والعصر ما لم تتغير) أطلقه فشمل الصيف والشتاء لما في ذلك من تكثير النوافل لكراهتها بعد العصر، والمراد بالتغير أن تصير الشمس بحال لا تحار فيها العيون على الصحيح، فإن تأخيرها إليه مكروه لا الفعل لأنه مأمور بها منهي عن تركها فلا يكون الفعل مكروها، كذا في السراج۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۷ مواقيت الصلاة)
ومثله في الهندية ج۱ ص۵۳ مواقيت الصلاة

ما فيه وتمامه في البحر. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۱ كتاب الصلوٰة) ـــ له

سورج غروب نہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال: بعض اوقات مغرب کی جانب سفر کرتے وقت سورج غروب ہوتا نظر نہیں آتا، ایسی حالت یا ایسے ممالک میں جہاں پر سورج غروب نہیں ہوتا، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جہاں پر سورج کے غروب نہ ہونے کی وجہ سے رات و دن کا امتیاز ناممکن ہو تو قریبی ممالک کے اوقات کا اعتبار دے کر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے، تاہم اگر کہیں سفر کی حالت میں وقت مقررہ پر سورج کا غروب ممکن ہو تو پھر سورج کے غروب میں تاخیر سے نماز کے اوقات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصكفيؒ: وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في اربعينية الشتاء مكلف بهما فيقدر لهما ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه فزعم المصنف أنه المذهب.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۲ كتاب الصلوٰة) ـــ ۲

له قال ابن نجيمؒ: (قوله والظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثليه سوى الفيء) أي وقت الظهر ..... والأولى قول أبي حنيفة قال في البدائع إنها المذكورة في الأصل وهو الصحيح وفي النهاية إنها ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وفي غاية البيان وبها أخذ أبو حنيفة وهو المشهور عنه وفي المحيط والصحيح قول أبي حنيفة وفي الينابيع وهو الصحيح عن أبي حنيفة وفي تصحيح القدوري للعلامة قاسم أن برهان الشريعة المحبوبي اختاره وعول عليه النسفي. (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۵ كتاب الصلوٰة)

۲ لما أخرجه الإمام مسلم بن الحجاج القشيري عن النواس بن سمعان حديثاً طويلاً ... ما لبثه في الأرض قال أربعون يوماً، يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم قلنا يا رسول الله فذلك اليوم الذي كسنة أتكفينا فيه صلوٰة يوم قال لا اقدروا له قدره ... الخ (الصحيح لمسلم ج۲ ص۴۰۱ باب ذكر الدجال)

زوال کا وقت

سوال :- میں ایک طالب علم ہوں۔ تعلیم کی غرض سے ایک شہر میں آیا ہوں یہاں ایک بات بہت مختلف دیکھی ہے وہ یہ کہ یہاں کی مسجد کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کا وقت ۱۲/۵۵ سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہم نماز ۱۲/۴۰ بجے پڑھتے ہیں کیا ہم اس مولوی صاحب کی بات کا اعتبار کرکے ۱۲/۵۵ بجے سے پہلے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب :- زوال کا وقت موسم کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور اختلاف مکان کی وجہ سے زوال کے اوقات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے تحقیق کرکے معلوم کیا جائے کہ زوال کا وقت اس وقت ہمارے پردیس کیا ہے؟

ہمارے بلاد میں جو نماز ظہر پڑھی جاتی ہے مستحب وقت میں پڑھی جاتی ہے اگر کوئی اس سے قبل بھی پڑھنا چاہے تو وقت زوال معلوم کرکے پڑھ سکتا ہے البتہ زوال کے وقت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

والزوال ظهور زيادة الظل لكل شخص في جانب المشرق كذا في الكافي وطريق معرفة زوال الشمس ووقت الزوال أن تغرز خشبة مستوية في أرض مستوية فما دام الظل في الانتقاص فالشمس في حد الارتفاع وإذا أخذ الظل في الازدياد علم أن الشمس قد زالت فاجعل على رأس الظل علامة فمن موضع العلامة إلى الخشبة يكون فيء الزوال۔

(الهندية ج ۱ ص ۵۱ الفصل الأول في أوقات الصلاة)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ...... وعند الانتصاف إلى أن تزول۔ (الهندية ج ۱ ص ۵۲ الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها)۔ لہ

لہ قال ابن نجیمؒ: وفي معرفة الزوال روايات أصحها أن يغرز خشبة مستوية في أرض مستوية ويجعل عند منتهى ظلها علامة فإن كان الظل ينقص عن العلامة فالشمس لم تزل وإن كان الظل يطول ويجاوز الخط علم أنها زالت وإن امتنع الظل من القصر والطول فهو وقت الزوال كذا في الظهيرية۔ (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۵ باب كتاب الصلاة)

ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة والجنازة عند الطلوع والاستواء (بحر الرائق جلد ۱ ص ۲۴۹)

مکروہ اوقات کی مقدار کا حکم

سوال:۔ طلوع اور غروبِ آفتاب کے دوران مکروہ وقت کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب:۔ فقہاءِ کرام نے ان اوقات میں مکروہ وقت کی پہچان کی علامت یہ لکھی ہے کہ طلوع یا غروبِ آفتاب کے وقت جب کوئی سورج کو دیکھے تو دیر تک دیکھ سکے اور اس کی آنکھوں کو کسی قسم کی دشواری محسوس نہ ہو بشرطیکہ آسمان بالکل صاف ہو، بادل وغیرہ نہ ہوں تو یہ وقت مکروہ ہے۔ تحقیقی مقدار یہ ہے کہ جب سورج ایک رمح (نیزہ جو کہ بارہ بالشت کا ہوتا ہے) کے برابر اونچا ہو جائے تو اس کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے اس سے قبل کا وقت مکروہ ہے اور غروب کے وقت جب سورج ایک رمح سے کم ہو جائے تو مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اس وقت صرف اُسی دن کی نمازِ عصر پڑھی جا سکتی ہے باقی نمازیں جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتاخیر عصر صیفاً وشتاءً توسعۃ للنوافل ما لم یتغیر ذکاء بان لا تحار العین فیہا فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی الاصح) صححہ فی الہدایۃ وفی الظہیریۃ: ان امکنہ اطالۃ النظر فقد تغیرت، وعلیہ الفتوٰی کما فی النصاب وغیرہ وبہ نأخذ وھو قول مشائخنا الثلاثۃ ومشائخ بلخ وغیرہم ۔۔۔۔ وقیل حد التغیر ان یبقی للغروب اقل من رمح۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۶۶ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ)

قال ابن عابدینؒ ایضاً: (تحت قولہ مع شروق) ما دامت العین لا تحار فیہا فہی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انہ الاصح کما فی البحر۔ اقول: ینبغی تصحیح ما نقلوہ عن الاصل للامام محمد من انہ ما لم ترتفع الشمس قدر رمح فہی فی حکم الطلوع لان اصحاب المتون مشوا علیہ فی صلوٰۃ العید حیث جعلوا اول وقتہا من الارتفاع ولذا جزم بہ فی الفیض ونور الایضاح۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۷۱ کتاب الصلوٰۃ اوقات الصلوٰۃ)[1]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وذکر فی الاصل ما لم ترتفع الشمس قدر رمح فہی فی حکم الطلوع ولذا الفضلی ان الانسان ما دام یقدر علی النظر الی قرص الشمس فی الطلوع فلا تحل الصلوٰۃ فاذا عجز عن النظر حلت۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۵۰ کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت)

وفی الہندیۃ: وعند احمرارہا الی ان تغیب الا عصر یومہ ذلک فانہ یجوز اداؤہ عند الغروب۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۲ الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لا تجوز فیہا الصلوٰۃ)

استواء شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار

سوال:- استواء شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں، بعض لوگ دو تین منٹ اور بعض بیس پچیس منٹ کا دورانیہ بتلاتے ہیں، جس سے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اندریں صورت مکروہ وقت کی صحیح مقدار از روئے شرع بیان فرمائیں؟

الجواب:- زوال میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور نہ اس کے لیے کوئی متعین وقت مقرر ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ نصف النہار سے چند منٹ قبل اور چند منٹ بعد نماز پڑھنے سے توقف کرنا چاہیے۔[1]

ھٰکذا فی فتاویٰ محمودیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ ۔ اھ

مکروہ اوقات میں نماز جنازہ و سجدۂ تلاوت کا حکم

سوال:- مکروہ اوقات یعنی غروب آفتاب، طلوع آفتاب اور استواء شمس کے وقت نماز جنازہ پڑھنا یا سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مکروہ اوقات ہی میں اگر جنازہ تیار ہو جائے یا سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے تو ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر جنازہ پہلے سے تیار ہو یا سجدۂ تلاوت پہلے سے واجب ہو چکا ہو تو پھر ان اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ صلوٰۃ مطلقاً ولو قضاءً او واجبۃ او نفلاً وعلی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو لا شکر قنیۃ مع شروق واستواء وغروب الا عصر یومہ ..... و سجدۃ تلاوۃ وصلوٰۃ جنازۃ تلیت فی کامل وحضرت الجنازۃ قبل لوجوبہ کاملاً فلا یتأدی ناقصاً فلو وجبتا فیہا لم یکرہ فعلہما ای تحریماً وفی التحفۃ الافضل ان لا تؤخر الجنازۃ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ وفی التحفۃ الخ) [illegible]

[1] قال الشیخ المحقق محمد یوسف اللدھیانویؒ: زوال میں تو بہت زیادہ منٹ نہیں لگتے لیکن احتیاطاً نصف النہار سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز میں توقف کرنا چاہیے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ صفحہ ۱۱۰ اوقات نماز)

في سجدة التلاوة دون صلوة الجنازة۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۷۲ کتاب الصلوٰۃ الاوقات) [له]

فجر اور عصر کے بعد قضا نمازوں کا حکم

سوال: کیا طلوعِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک قضا نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: طلوعِ فجر کے بعد نمازِ فجر سے پہلے صرف دو رکعت سنتیں ہیں اس کے علاوہ اور کوئی نفل نماز جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اور عصر کی نماز کے بعد نوافل جائز نہیں، البتہ قضا نمازیں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وكره نفل قصدًا ولو تحية مسجد ولو سنة الفجر بعد صلوة فجر وصلوة عصر ولو المجموعة بعرفة ولا يكره قضاء فائتة ولو وترًا. الخ
قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله وكره نفل) والكراهية هٰهنا تحريمية ايضًا كما صرح به في الحلية ولذا عبر في الخانية والخلاصة بعدم الجواز والمراد عدم الحل لا عدم الصحة كما لا يخفى۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۷۳ کتاب الصلوٰۃ۔ اوقات الصلوٰۃ) [له]

حرمین شریفین میں مثلین سے قبل نمازِ عصر پڑھنے کا حکم

سوال: جو لوگ جب حج یا عمرہ کے لیے حرمین شریفین جاتے ہیں تو وہاں

له في الهندية: ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلوة الجنازة ولا سجدة التلاوة ... هذا اذا وجبت صلوة الجنازة وسجدة التلاوة في وقت مباح واخرتا الى هذا الوقت فانه لا يجوز قطعًا اما لو وجبتا في هذا الوقت وادیتا فيه جاز لانها اديت ناقصة كما وجبت ... لكن الافضل في سجدة التلاوة تاخيرها وفي صلوة الجنازة التاخير مكروه۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲ الفصل الثالث في بيان الاوقات التي لا تجوز فيها الصلوٰة وتكره فيها)
ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۴۹ مواقيت الصلوٰة۔

له قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: واما الوقتان الآخران ... فانه يكره فيهما التطوع قصدًا ولا يكره فيهما الفرض ... وهما: الوقتان المذكوران من بعد طلوع الفجر الى ان ترتفع الشمس فانه يكره في هذا الوقت النوافل كلها الا سنة الفجر ... وما بعد صلوة العصر الى غروب الشمس لحديث ابن عباسؓ (كبيري ص۲۳۸ کتاب الصلوٰۃ، الشرط الخامس)
ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۵۱ اوقات الصلوٰة۔

عصر کی نماز مثلین سے قبل ہوتی ہے تو کیا ہم لوگ جماعت میں شامل ہو کر عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا مثلین تک تاخیر کریں؟

الجواب: عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگرچہ اس میں جماعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لیے ہے حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ حرمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: وعليه عمل الناس اليوم (وانظر هل اذا لزم من تأخيره العصر الى المثلين فوت الجماعة يكون الاولى التاخير ام لا؟ والظاهر الاول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام.

(رد المحتار ج۱ ص۳۵۹ كتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة)

افطاری کی وجہ سے نماز مغرب میں تاخیر کرنا

سوال: رمضان المبارک میں افطاری کی وجہ سے لوگ مغرب کی نماز میں تاخیر کر دیتے ہیں کیا افطاری کی وجہ سے نماز مغرب میں تاخیر کرنا جائز ہے؟

الجواب: مغرب کی نماز میں دو رکعت نماز کی مقدار تاخیر کرنا تو بالاتفاق جائز ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے البتہ رمضان المبارک میں جب بھوک زیادہ ہو تو چند منٹ کی تاخیر جائز ہے بشرطیکہ یہ تاخیر ستاروں کے کثرت تعداد میں چمکنے تک نہ پہنچے، اس لیے کہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وكره تأخير لا الفعل لانه مأمور به تحريماً الا بعذر كسفر وكونه على اكل. قال ابن عابدينؒ: (قوله الا بعذر) فيباح ... كسفر ومرض وحضور مائدة او غيم. (رد المحتار ج۱ ص۳۶۹ كتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة)

مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کے تعین کا حکم

سوال: آجکل مساجد میں نماز کے لیے دائمی کیلنڈر ہوتے ہیں جو

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: واما المغرب فيكره تاخيرها الى اشتباك النجوم وفي السراجية الا بعذر السفر او ان كان على المائدة. (الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص[illegible] كتاب الصلوٰة، المواقيت)

نزل اس کے مطابق نماز کے اوقات تبدیل کرتے ہیں، ان میں سے بعض کیلنڈروں میں مغرب و عشاء کا درمیانی وقت پورے دو گھنٹے اور بعض میں ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت درج ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان صحیح وقت کتنا ہے؟

الجواب: مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی متعین وقت مقرر نہیں، البتہ مفتی بہ قول کی رو سے شفق احمر کے غروب کے بعد عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے، جبکہ خط استواء کے درمیانی مقام پر معتدل ایام میں ۴۵ منٹ کے بعد شفق احمر غروب ہوتا ہے اور ۶۰ منٹ کے بعد سفیدی غروب ہوتی ہے، دیگر مقامات میں اس سے زیادہ وقت بھی ہو سکتا ہے اور اس زیادتی کی کوئی تحدید نہیں، بہتر مغرب کی اذان کے سوا گھنٹہ بعد عشاء کی اذان دینی چاہئے۔

قال العلامة الحصكفي: ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما في شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب. قال ابن عابدين: (تحت قوله: إليه رجع الإمام) أي إلى قولهما الذي هو رواية عنه أيضاً وصرح في المجمع بأن عليها الفتوى.

(رد المحتار ج۱ ص۲۴۲ اوقات الصلوۃ مطلب في الصلوۃ الوسطى)[1]

نصف شب کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے کا حکم

سوال: ہم نے عام کتابوں میں پڑھا ہے کہ نماز عشاء کا وقت غروب شفق سے لے کر طلوع فجر تک ہے یعنی اس دوران نماز عشاء پڑھنا جائز ہے لیکن مجموعۃ الفتاوی (ریویو ایڈیشن ۲۰۰۱ء ایچ ایم سعید کراچی) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز نصف شب کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور صبح کے وقت نماز کا اعادہ واجب ہے، گویا کہ نصف شب کے بعد نماز نہیں ہوتی حالانکہ یہ وقت نماز ہی کا ہے۔

الجواب: عشاء کی نماز کو نصف شب تک مؤخر کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک نصف شب تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور یہ بھی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ

---

[1] وفي الهندية: ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى.
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۱ الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول في أوقات الصلوۃ)
ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۴۶ مواقيت الصلوۃ.

ادا کی جائے تو واجب الاعادہ ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ احسن کے علت تقلیل جماعت ہے، کراہت تنزیہی وہ بھی خلاف اولیٰ ہے اور یہی رائے راجح اور مفتی بہ ہے اس لیے نصف شب کے بعد بھی عشاء کی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا اعادہ بھی واجب نہیں صرف خلاف اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: فان اخرها الى ما بعد النصف كره لتقليل الجماعة ---

قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله كره) اى تحريماً كما ياتى تقييده فى المتن او تنزيهاً وهو الاظهر كما تذكره عن الحلية۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۶۸ كتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة)

ايضاً وقال ابن عابدينؒ: (تحت قوله الاتى) اى تحريماً كذا فى البحر عن القنية لكن فى الحلية ان كلام الطحاوى يشير الى ان الكراهة فى تاخير العشاء تنزيهية وهو الاظهر۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۶۹ كتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة) ؎۱

تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے تہجد پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح صادق سے پہلے اٹھنا میرے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، اگر میں آدھی رات کے بعد تہجد پڑھ کر سو جاؤں تو کیا میری تہجد کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ تہجد کے وقت کے بارے میں اگرچہ مختلف روایات مروی ہیں مگر راجح یہ ہے کہ نصف شب کے بعد تہجد کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اگر کوئی نصف شب کے بعد دو چار رکعت پڑھ لے تو تہجد ادا ہو جائے گی چاہے وہ سویا ہو یا نہ، تاہم سو کر اٹھنے کے بعد تہجد پڑھنا افضل ہے۔

لما قال العلامة شاه عبد العزيز الدهلويؒ: اول وقت آں بعد از نصف شب است سواء سبقه النوم ام لا۔ (فتاوی عزیزی ص۵ کتاب الصلوٰة) ؎۲

؎۱ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: وفى الغياثية الا اذا كان فيه تفريق الجماعة وبعده الى نصف الليل مباح غير مكروه. قال الطحاويؒ: وبعد نصف الليل الى طلوع الفجر مكروه اذا كان التاخير لغير عذر۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص[illegible] كتاب الصلوٰة، المواقيت)

؎۲ قال المفتی عبد الرحیم اللاجپوری: حنفی مذہب یہ ہے کہ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ اس سے پہلے سویا ہو یا نہ سویا ہو، ہاں سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج۴ ص۲۹۳ باب اوقات الصلوٰۃ)

مغرب کے وقت کی مقدار

سوال: نمازِ مغرب میں تعجیل کی فضیلت کو دیکھ کر بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ مغرب کا وقت نہایت مختصر ہے اس کی مقدار عموماً کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب: مغرب کا وقت مفتیٰ بہ قول کے مطابق غروبِ الشمس سے شروع ہو کر شفق احمر کے غروب تک رہتا ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک شفق ابیض تک رہتا ہے۔

مغرب کا وقت موسم اور علاقہ جات کے قرب و بعد میں متاثر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ بعض علاقوں میں گھنٹہ اور بعض علاقوں میں ایک گھنٹہ تین منٹ اور بعض میں ایک گھنٹہ پندرہ منٹ اور بعض میں ایک گھنٹہ بیس منٹ وقت ہوتا ہے، عموماً مغرب اور عشاء کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ کا وقفہ ہونا چاہیئے۔

تاہم مغرب کی نماز شفق احمر سے پہلے پڑھنی چاہیئے تاکہ اختلاف سے محفوظ ہے۔ البتہ مسافر یا دوسرے صاحبِ عذر کے لیے شفق ابیض میں پڑھنا مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ (و) وقت (المغرب منہ إلی) غروب (الشفق وھو الحمرۃ) عندھما وبہ قالت الثلاثۃ والیہ رجع الامام کما فی شرح المجمع وغیرھا فکان ھو المذھب (و) وقت (العشاء والوتر منہ الی الصبح. (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۸ کتاب الصلوۃ)

XXXXX

---

[۱] ووقت المغرب منہ الی غیبوبۃ الشفق وھو الحمرۃ عندھما وبہ یفتی ھکذا فی شرح الوقایۃ وعند ابی حنیفۃ الشفق ھو البیاض الذی یلی الحمرۃ ھکذا فی القدوری وقولھما اوسع للناس وقول ابی حنیفۃ احوط لان الاصل فی باب الصلوٰۃ ان لایثبت فیھا رکن ولا شرط الا بما فیہ یقین کذا فی النہایۃ ناقلاً عن الاسرار ومبسوط شیخ الاسلام ووقت العشاء والوتر من غروب الشفق الی الصبح ھکذا فی الکافی۔

(الھندیۃ ج ۱ ص ۵۱ الباب الاول فی المواقیت)

باب الاذان والاقامة

(اذان اور اقامت کے بیان میں)

اذان کا شرعی حکم

سوال: اذان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کن کن نمازوں کے لیے اذان دینی چاہیئے؟

الجواب: اذان پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے دینا سنت مؤکدہ ہے، فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر پوری قوم باتفاق اذان ترک کردے تو اس کے ساتھ قتال کیا جائے، البتہ پانچ وقتہ نماز اور جمعہ کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں مثلاً صلوٰۃ کسوف و خسوف، تراویح یا جنازہ وغیرہ کے لیے اذان نہیں دی جائے گی۔

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة هي كالواجب في لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاء لأنه سنة للصلاة حتى يبرد به لا للوقت لا يسن لغيرها كعيد۔ قال ابن عابدينؒ تحت قوله كعيد: أي ووتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح الخ

لہ {رد المحتار ج۱ ص۳۸۴ باب الاذان
مطلب في المواضع التي يندب لها الاذان}

یک وقت تعدد اذان

سوال: ہمارے شہر میں ایک محلہ ایسا ہے جس میں ... کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے امام قاری ... صاحب

لہ قال العلامة صدر الشريعة: وهو سنة للفرائض الخمس والجمعة ... وليس بسنة في النوافل۔ قال العلامة عبد الحي اللكنويؒ تحت قوله وليس بسنة في النوافل: أراد بالنوافل ما سوى الفرائض فإن كل ما عدا الفرائض ...

(شرح الوقاية مع عمدة الرعاية ج۱ ص۱۰۹ باب الاذان)

ومثله في مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي ص۱۰۶ باب الاذان۔

پہلی صف میں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں اور مسجد کے چاروں کونوں میں پھونک مارتے ہیں اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز شروع کرتے ہیں کیا عندالشرع ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا کوئی ثبوت ہے اور ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مشار الیہ اذان اور اقامت کے درمیان متعدد بار اذان کہنا عندالشرع اس کا کوئی ثبوت نہیں یہ اپنی جانب سے اختراع اور بدعت ہے، اذان صرف فرض نماز کے لیے مشروع ہے اس کے علاوہ اذان کی سنیت ثابت نہیں۔

قال الحصكفي: لانه سنة للصلوٰة حتى يبرد به لا للوقت (لا) يسن (لغيرها) كعيد (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان، كتاب الصلوٰة)[۱]

ظالم کی اذان کا حکم

سوال: ایک شخص جو خود بھی ظالم ہے اور اس کے بیٹے بھی ایک جرم کی پاداش میں گرفتار ہو گئے ہیں، ان کی رہائی کے لیے اس نے رشوت دی اور ان کو رہا کروایا، یہ شخص مستقل طور پر ایک مسجد کا مؤذن بھی ہے کسی کو اذان کہنے نہیں دیتا، کیا اس شخص کی یہ اذان صحیح ہے؟

الجواب: ظلم کرنا اور رشوت دینا وغیرہ فسق میں سے ہے ایسے شخص کی اذان مکروہ تحریمی ہے البتہ ایسی اذان پر نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ وہ واجب الاعادہ ہے جبکہ ایسی اذان پر نماز باجماعت بھی پڑھی جا سکتی ہے تاہم اذان کا دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصكفي: ويكره اذان جنب واقامته واقامة محدث لا اذانه على المذهب (و) اذان (امرأة) وخنثى (وفاسق) ولو عالما لكنه اولى بامامة واذان من جاهل تقي ..... ويعاد اذان جنب ندبا. قال ابن عابدين: (ويعاد اذان جنب) زاد القهستاني والفاسق ..... (رد المحتار باب الاذان ج ۱ ص ۳۹۲، ۳۹۳)[۲]

[۱] وفي الهندية: الاذان سنة لاداء المكتوبات بالجماعة كذا في فتاوى قاضي خان وليس لغير الصلوٰة الخمس والجمعة نحو السنن والوتر الى آخره. (الهندية ج ۱ ص ۵۳ باب الاذان)

[۲] قال ابن نجيم تحت قوله: ويكره اذان ..... والفاسق (ثم) ان الفاسق ..... قوله لا يوثق به ولا يقبل في الامور الدينية ولا يلزم احد فلم يوجد الاعلام ..... صرح بكراهة اذان الفاسق ولا يعاد فيه الاعادة فيه تبنيه على وجه السنة. (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۳ باب الاذان) ومثله في فتح القدير ج ۱ ص ۲۲۲ باب الاذان.

اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ اذان کے جواب میں درود شریف پڑھتے ہیں، کیا اس کا پڑھنا سنت ہے؟

الجواب:۔ درود شریف کا پڑھنا ایک امر حسن ہے لیکن اذان کے جواب میں اس کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ اذان کے جواب میں اجابت مسنون ہے یعنی جو کلمہ مؤذن سے سنے وہ سامع کہے البتہ چند کلموں میں اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے اذان کا جواب دیا جائے۔ البتہ اگر کسی نے درود شریف پڑھ لیا تو کوئی حرج نہیں تاہم اذان کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔

لما قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوۃ صلی اللہ علیہ بہا عشراً۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۶۶)

وفی الہندیۃ: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ وہی ان یقول مثل ما قال المؤذن الا فی قولہ حیّ علی الصلوۃ حیّ علی الفلاح فانہ یقول مکان حیّ علی الصلوۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الی آخرہ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۷ الفصل الثانی فی کلمات الاذان) [1]

اشہد ان لا الہ الا اللہ کے آخر میں ہا کہنا

سوال:۔ ہمارے علاقے میں جب اذان دی جاتی ہے تو بعض لوگ اشہد ان لا الہ الا اللہ کے آخر میں ہا ہا وغیرہ کہتے ہیں تو اس پڑھنے کا حکم عند الشرع کیا ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی لفظ کی زیادتی یا کمی سے معنی میں تغیر فاحش لازم آئے تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں، اگر تغیر معنی نہ آئے تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ غلطی سے فساد معنی اگرچہ نہیں آتا لیکن بچنا لازمی ہے۔

قال الحصکفیؒ ومنہ القراءۃ بالالحان ان غیّر المعنی والا لا الا فی حروف مد ولین اذا فحش والا لا۔ و تخفیف مشدد وعکسہ بزیادۃ

---

[1] وصفۃ الاجابۃ ان یقول کما قال ای مثل الفاظ المؤذن الا فی الحیعلتین فیقول بدل کل منہما لاحول ولا قوۃ الا باللہ ای لاحول لنا عن معصیۃ ولا قوۃ لنا علی طاعۃ الا بفضل اللہ (فی سماعہ الحیعلتین)۔ (مراقی الفلاح علی الطحطاوی) ومثلہ فی رد المحتار ج۱ ص۳۹۸ باب الاذان

حرف فاکثر (احسن الفتاویٰ ج۳ ص۱۳۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ) ۱؎

اذان میں بھول جانا

سوال:۔ اگر اذان میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم و تاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا تدارک کرکے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔

قال الحصكفيؒ: ولو قدم فيهما مؤخرًا أعاد ما قدم فقط، ولا يتكلم فيهما أصلًا ولو رد السلام فإن تكلم استأنفه. (الدر المختار ج۱ ص۲۸۶ باب الاذان) ۲؎

اذان واقامت کیلئے دائیں جانب کا تعین

سوال:۔ اذان واقامت میں عموماً دائیں جانب کی رعایت کی جاتی ہے، بسا اوقات بائیں طرف اقامت کہنے یا اذان دینے پر ڈانٹا بھی جاتا ہے، از روئے شرع کیا یہ تعیین درست ہے؟

الجواب:۔ اذان واقامت کے لیے کسی خاص جانب کا تعین ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ اذان ایسی جگہ پر دی جائے جہاں سے کامل طور پر سب لوگ اذان سن سکیں، چاہے مسجد کی دائیں جانب ہو یا بائیں جانب۔

۱؎ وأما إن قرأ حرفًا مكان حرف أو زاد حرفًا أو نقص أو قدم المؤخر أو أخر المقدم وأما إن كان كلمة أو زاد كلمة أو نقص أو قدم وأخر وأما إن قرأ آية مكان آية أو نقص أو زاد و قدم المؤخر أو أخر المقدم إلخ إذا قرأ حرفًا مكان حرف ولم يغير المعنى بأن قرأ إن المسلمين إن المسلمون لا يفسد. (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۰۱ الفصل الثاني عشر في زلة القارى)

۲؎ إذا قدم في أذانه وإقامته شيئًا بأن قال أولًا أشهد أن محمدًا رسول الله ثم قال أشهد أن لا إله إلا الله فعليه أن يقول بعد كلمة الشهادة أشهد أن محمدًا رسول الله وإذا أذن ومكث ساعة ثم أخذ في الإقامة فظن أنها أذان وصنع فيها ما صنع في الأذان فتبين له هذه إقامة فإنه يستقبل الإقامة من أولها.
(خلاصة الفتاوى ج۱ ص۴۹ الفصل الأول في الأذان)

قال ابن عابدینؒ (قوله وینبغی ... نہائیؒ) یعنی ان لم یتم الاعلام بتحویل وجهه مع ثبات قدمیه ولم یکن فی زمنه صلی الله علیه وسلم مئذنة قال رحمتیؒ قلت وذکر فی شرح الهدایة بین علاء الدین السیوطیؒ ان اول من رقی منارة مصر للاذان شرحبیل بن عامر المرادی وبنی مسلمة المنائر للاذان بامر معاویةؓ ولم یکن قبل ذلک. وقال ابن سعد بالسند الی ام زید بن ثابتؓ کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجده فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شیء فوق ظهره.

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۸۶ باب الاذان) ــ۱؎

اذان اور اقامت کی اہمیت

سوال: ازروئے شرع اذان اور اقامت کی اہمیت کیا ہے؟ اگر سنت کے تحت انہیں چھوڑ دی جائے تو اس کا اثر کیا رہے گا؟

الجواب: اذان اور اقامت دین کے اہم امور میں سے ہیں، بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں اور بعض کے نزدیک واجب ہیں، اگر کسی محلہ والے دائمی اذان واقامت چھوڑ دیں تو ان سے قتال کرنے کا بھی حکم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (هی کالواجب) بل اطلق بعضهم اسم الواجب علیه لقول محمد لو اجتمع اهل بلدة علی ترکه قاتلتهم علیه ولو ترکه واحد ضربته وحبسته و عامة المشائخ علی الاول وانه قاتل علیه لما انه من اعلام الدین وفی ترکه استخفاف ظاهر به.

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۴ باب الاذان) ــ۲؎

۱؎ وفی الهندیة والسنة ان یؤذن فی موضع عال یکون اسمع لجیرانه ویرفع صوته ولا یجهد نفسه ..... ویقیم علی الارض هکذا فی القنیة وفی المسجد هکذا فی البحر الرائق۔ (الهندیة ج ۱ ص ۵۵ باب الاذان) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان.

۲؎ قال ابن نجیمؒ (قوله سن للفرائض) ای سن الاذان للصلوات الخمس والجمعة سنة مؤکدة قویة قریبة من الواجب حتی اطلق بعضهم علیه الوجوب ولهذا قال محمد لو اجتمع اهل بلد علی ترکه لقاتلتهم علیه وعند ابی یوسف یحبسون ویضربون وهو یدل علی تأکده لا علی وجوبه لان المقاتلة لما یلزم من الاجتماع علی ترکه من استخفافهم بالدین بخفض اعلامه لان الاذان من اعلام الدین.
(البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان) ومثله فی خلاصة ج ۱ ص ۴۸ باب الاذان.

وقت سے قبل اذان دینا

سوال: بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ رات میں صبح کی اذان طلوعِ فجر سے پہلے دی جاتی ہے۔ ایسی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اذان قبل از وقت باتفاقِ علماء مشروع نہیں، اس کا اعادہ ضروری ہے البتہ اگر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے تو اس میں کوئی فساد نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: (فیعاد اذان وقع بعضه) قبله (کالاقامة خلافاً للثانی فی الفجر)

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان) لہ

اذان میں روانگی سنت ہے

سوال: بعض جگہ مؤذن اذان کے ہر کلمہ کو جدا جدا کرکے کہتا ہے جبکہ مشہور یہ ہے کہ اذان میں تکبیر دو دو کلمے ملا کر کہنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص کلماتِ اذان اس طرح جدا جدا پڑھتا ہے تو اس سے صحتِ اذان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان میں ترسل سنت ہے یعنی تکبیر دو دو کلمے ملا کر کہے، البتہ اگر کسی نے ایسا نہیں کیا بلکہ جدا جدا کلمے کہے تب بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے تاکہ سنت کے مطابق اذان ادا ہو جائے۔

قال الحصکفیؒ: (ویترسل فیه) بسکتة بین کل کلمتین ویکره ترکه وتندب اعادته۔ قال ابن عابدینؒ (قوله بسکتة) ای قدر الاجابة، مدنی عن ملا علی قاری ولفظ السکتة بعد کل تکبیرتین کلیهما کما افاده فی الامداد اخذاً من الحدیث وبه صرح فی التاتارخانیة (قوله وتندب اعادته) ای لو ترک الترسل۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۸۶ باب الاذان) ۲ه

لہ وفی الهندیة: تقدیم الاذان علی الوقت فی غیر الصبح لا یجوز اتفاقاً وکذا فی الصبح عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی وان قدم یعاد فی الوقت هکذا فی شرح مجمع البحرین لابن الملک وعلیه الفتوی هکذا فی التاتارخانیة ناقلاً عن الحجة (الهندیة ج ۱ ص ۵۳ باب الاذان) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۹ باب الاذان)

۲ه قال ابن نجیم: (قوله ویترسل فیه ویحدر فیها) ای یتمهل فی الاذان ویسرع فی الاقامة وحده ان یفصل بین کلمتی الاذان بسکتة بخلاف الاقامة للتوارث ولو جعل الاذان اقامة یعید الاذان ولو جعل الاقامة اذاناً لا یعید لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة۔ قال ابن عابدین فی حاشیته ثم الاعادة انما هی افضل۔ (البحر الرائق مع منحة الخالق ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۸ باب الاذان) ومثله فی طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۱۶۱ باب الاذان۔

نشہ کی حالت میں اذان کا حکم

سوال :- ہماری مسجد کا ایک مؤذن ہے جو اعمال کے لحاظ سے کمزور ہے، مثلاً افیون و چرس وغیرہ کا استعمال بھی کرتا ہے اسی حالت میں اذان بھی دیتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے اور نشہ ہی کی حالت میں وہ مسجد میں سوتا بھی ہے، تو کیا عند الشرع ایسے مؤذن کی اذان درست ہے؟ نیز مؤذن کے شرائط بھی تحریر فرما دیں۔

الجواب :- فقہاء کرام نے مؤذن کے لیے جو شرائط لکھی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مؤذن عاقل، صالح، متقی اور عالم بالسنۃ ہو، نیز اوقات اور لوگوں کے احوال کو بھی جانتا ہو اور جماعت سے تخلف کرنے والوں پر زجر بھی کر سکتا ہو اور خود بھی اذان پر مواظبت رکھتا ہو اور بہتر یہ ہے کہ مؤذن ہی تکبیر کا کہنے والا ہو۔

وفی الهندیة: وینبغی أن یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنة کذا فی النهایة وینبغی أن یکون مهیباً ویتفقد أحوال الناس ویزجر المتخلفین عن الجماعات کذا فی القنیة. وأن یکون مواظباً علی الأذان هکذا فی البحر الرائق والتتارخانیة وأن یکون محتسباً فی أذانه کذا فی الظهیریة والأحسن أن یکون إماماً فی الصلاة کذا فی معراج الدرایة والأفضل أن یکون المؤذن هو المقیم هکذا فی الکافی۔

(الهندیة ج۱ ص۵۳ باب الأذان)

لہٰذا جو شخص چرسی، افیمی ہو تو بحکم فسق کے اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی واجب الاعادہ ہے، تاہم اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه علی المذهب (و) أذان (امرأة) وخنثی (وفاسق) ولو عالماً لکنه أولی بإمامة وأذان من جاهل تقی ویعاد أذان جنب ندباً. قال ابن عابدینؒ تحت قوله ویعاد أذان الجنب [illegible] (رد المحتار ج۱ ص۳۹۲، ۳۹۳ باب الأذان) اھ

لہ قال ابن نجیمؒ تحت هذا القول ویکره أذان ... والفاسق: أما الفاسق فلأن قوله لا یوثق به ولا یقبل فی الأمور الدینیة فلا یلزم احتماله بوجود الإعلام۔
(البحر الرائق ج۱ ص۲۶۳ باب الأذان)

تہجد کے لیے اذان کا حکم

سوال:۔ تہجد کے لیے اذان دینا کیا حیثیت رکھتی ہے؟ بعض مقامات میں اس کا اہتمام حرمین میں دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

الجواب:۔ ابتداء اسلام میں تہجد کے لیے اذان دی جاتی تھی لیکن بعد میں صحابہ کرامؓ نے چھوڑ دی۔ اس لیے احناف کے ہاں تہجد کی اذان منسوخ ہے اور دینا خلاف سنت ہے۔

اخرج الامام الطحاوی عن ابراہیم قال شیعنا علقمة الی مکة فخرج بلیل فسمع مؤذنا یؤذن بلیل فقال اما هذا فقد خالف سنة اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لو کان نائما کان خیرا له فاذا طلع الفجر اذن فاخبر علقمة ان التاذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنة اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم۔[1]

(شرح معانی الآثار ج۱ ص۸۳ باب التاذین للفجر ای وقت هو بعد طلوع الفجر او قبل ذلک)

تثویب کا حکم

سوال:۔ تثویب یعنی مسنون اذان کے بعد دوبارہ نماز کے لیے بلانے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

الجواب:۔ تثویب ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے البتہ فقہاء کرام نے عوام الناس کی سستی کو دیکھ کر اس کو جائز کہا ہے لہٰذا اس دور میں اگر تثویب کی جائے تو اس پر بدعت کا اطلاق کرنا مناسب نہیں البتہ اس کو عادت بنانا بھی مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویثوب بین الاذان والاقامة فی الکل للکل بما تعارفوه ای حکل الصلوة لصعود المتوانی فی الامور الدینیة قال فی العنایة احدث المتأخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ما تعارفوه فی جمیع الصلوة سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وهو تثویب الفجر وما راٰه المسلمون حسنا فهو

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ هو سنة مؤکدة للفرائض الخمس فی وقتها ولو قضاء لانه سنة للصلوة حتی یبرد به لا للوقت ولا یسن لغیرها کعید فیعاد اذان وقع قبله قال العلامة السید احمد الطحطاوی وقوله کعید ادخلت الکاف الوتر والجنازة والکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن الرواتب۔ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۱۸۹ باب الاذان) ومثله فی منحة الخالق علی البحر الرائق ج۱ ص۲۵۵ باب الاذان۔

... الله حسنٌ. (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص۳۸۹ باب الاذان) ۔ [1]

اذان سے قبل تعوذ اور تسمیہ کا حکم

سوال: اذان سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ آجکل اکثر مساجد میں ایسا ہوتا ہے۔ آیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟

الجواب: اذان سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہراً پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ زیادۃ علی الشرع کے مترادف ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، اگر آہستہ طور پر پڑھے تو کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

قال الحصکفیؒ: (هو) لغة الاعلام (وشرعاً) (اعلام مخصوص) لم يقل بدخول الوقت ليعم الفائتة وبين يدي الخطيب (على وجه مخصوص بالفاظ كذلك) اي مخصوصة. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص۳۸۳ باب الاذان) [2]

اذان دینے کیلئے بہتر جگہ کونسی ہے

سوال: اذان کے لیے کونسی جگہ موزوں ہے؟ اگر کسی اونچی جگہ سے اذان دینے میں قرب و جوار میں بے پردگی کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: اذان کے لیے بہتر یہی ہے کہ مسجد کے باہر اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر دی جائے البتہ اگر ایسا کرنے سے بے پردگی کا احتمال ہو تو احتیاط بہتر ہے۔

لما قال العلامة قاضی خان: وينبغي ان يؤذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد. (الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص۷۸) [3]

---

[1] وفی الهندية: والتثويب حسن عند المتأخرين في كل صلاة الا في المغرب هكذا في شرح النقاية للشيخ ابي المكارم وهو رجوع المؤذن الى الاعلام بالصلوة بين الاذان والاقامة۔ (الهندية ج ۱ ص۵۶ باب الاذان) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۱ باب الاذان۔

[2] وفی الهندية: الاذان خمس عشرة كلمة وآخره عندنا لا اله الا الله كذا في فتاوى قاضي خان۔ (ج ۱ ص۵۵ باب الاذان) ومثله في قاضي خان على هامش فتاوى هنديه ج ۱ ص۷۸۔

[3] قال ابن نجيمؒ: وينبغي للمؤذن ان يؤذن في موضع يكون اسمع للجيران ويرفع صوته ولا يجهد نفسه لانه يتضرر بذلك وفي الخلاصة ولا يؤذن في المسجد۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۵۸ باب الاذان) ومثله في الهندية ج ۱ ص۵۵ باب الاذان۔

وضو کے بغیر اذان دینا

سوال:- وضو کے بغیر اذان دینے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں اذان کا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب:- اذان کے لیے چونکہ طہارت شرط نہیں اسلئے بلا وضو اذان دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی واجب الاعادہ ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ بلا وضو اذان دینے کو عادت نہ بنایا جائے۔

قال الحصکفیؒ ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۹۲ باب الاذان)[1]

نابالغ کی اذان کا حکم

سوال:- نابالغ کی اذان عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر صبی ممیز قریب البلوغ ہو اور عاقل ہو تو اس کی اذان جائز ہے اور اگر صبی غیر عاقل ہو تو اس کی اذان جائز نہیں بلکہ واجب الاعادہ ہے۔

قال العلامہ التمرتاشیؒ ویجوز اذان صبی مراہق وعبد واعمی وولد الزنا واعرابی ۔۔۔ ویعاد اذان جنب لا اقامتہ وکذا اذان امرأۃ ومجنون وصبی لا یعقل۔

(تنویر الابصار علی رد المحتار ج۱ ص۲۹۱ باب الاذان)[2]

حی علی الفلاح پڑھنے کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم

سوال:- ہمارے علاقہ کی بعض مساجد میں لوگ اقامت کے وقت صفوف میں بیٹھ جاتے ہیں اور جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچتا ہے تو اس وقت کھڑے ہوتے ہیں، اس عمل کے ثبوت کے لیے بہت سی کتب مثلاً عالمگیری، شرح وقایہ، بحرالرائق کا حوالہ دیتے ہیں اور اس بیٹھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، جبکہ مسجد میں بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اور اس کے عامل کو مبتدعین میں شمار کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا حی علی الفلاح کے وقت یا اس سے قبل اٹھنا سنت ہے؟

---

[1] وفی الہندیۃ: ولا یکرہ اذان المحدث فی ظاہر الروایۃ ھکذا فی السراج ۔ (ہندیہ ج۱ ص۵۴ باب الاذان) ومثلہ فی البحرالرائق ج۱ ص۲۶۳ باب الاذان۔

[2] واذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراہۃ فی ظاہر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل واذان الصبی الذی لا یعقل لا یجوز ویعاد ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۴ باب الاذان) ومثلہ فی البحرالرائق ج۱ ص۲۶۴ باب الاذان ۔

الجواب:۔ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا شرعاً مندوب ہے البتہ اس کو سنت مؤکدہ سمجھنا یا اس کو لازمی سمجھنا بدعت ہے۔

کتب فقہ میں قیام الی الصلوٰۃ کے لیے مختلف قسم کی روایات منقول ہیں عند الاقامۃ، وسط الاقامۃ اور عند الفراغ عن الاقامۃ، جس وقت بھی تسویہ صفوف ہو جائے نماز کو شروع کر دینا بہتر ہے البتہ اگر کوئی حی علی الفلاح سے قبل کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں اور نہ ہی یہ واجب انتظار ہے بلکہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے والے کو بدعتی کہنا صحیح نہیں جبکہ وہ اس کو سنت یا واجب قرار نہ دیتا ہو۔

قال الحصکفیؒ: (ولها آداب) ترکه لا یوجب اساءة ولا عتاباً کترک سنة الزوائد لکن فعله افضل ..... (و) القیام (لامام و مؤتم) (حین قیل حی علی الفلاح) خلافاً لزفر فعنده عند حی علی الصلوٰة ..... (و شروع الامام) فی الصلوٰة (مذ قیل قد قامت الصلوٰة) ولو اخر حتی اتمها لا بأس به اجماعاً وهو قول الثانی والثلاثة وهو اعدل المذاهب کما فی شرح المجمع لمصنفه وفی القهستانی معزیاً للخلاصة انه الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷) [لہ]

مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کرنا

سوال:۔ اقامت کے لیے مؤذن کا ہونا ضروری ہے یا کوئی اور بھی اقامت کہہ سکتا ہے بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ غیر مؤذن کی اقامت کو لوگ اقامت ہی تصور نہیں کرتے، ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہتر یہی ہے کہ مؤذن اقامت کہے اگر مؤذن موجود نہ ہو تو غیر مؤذن کی اقامت بلا کراہیت درست ہے۔ اگر مؤذن موجود ہو اور کسی دوسرے کی اقامت کو برا محسوس نہیں کرتا تو اقامت بلا کراہیت درست ہے اگر برا محسوس کرتا ہے تو پھر مکروہ تنزیہی ہے

[لہ] ومن الادب (شروع الامام) ای احرامه (مذ قیل) ای عند قول المقیم (قد قامت الصلوٰة) عندهما وقال ابو یوسف یشرع اذا فرغ عن الاقامة فلو اخر حتی یفرغ من الاقامة لا بأس به فی قولهم جمیعاً۔ (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی ص۱۵۲ باب الامامة)

ومثله فی الفتاوی التاتارخانیہ ج۱ ص۴۳۰ کتاب الصلوٰۃ آداب۔

دوسرا اُکرا ہے لیکن بوقتِ ضرورت جب مقتدی اقامت سے جاہل ہوں تو امام کے لیے اقامت کہنے میں کوئی قباحت نہیں، فقہی ذخائر میں اس کے نظائر موجود ہیں جیسا کہ ایک آدمی خود اذان اور اقامت دے کر نماز پڑھے۔

قال ابن عابدینؒ: فی التاتارخانیۃ لو لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یذھب الیہ ویؤذن فیہ ویصلی ولو کان وحدہ لان لہ حقاً علیہ فیؤدیہ۔
(رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۴۰۵ احکام المساجد)[1]

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پر وقف کرنا

سوال: قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پڑھنے کی کیا کیفیت ہے؟ ہر کلمہ پر وقف ضروری ہے یا پہلے کلمہ کا وصل کر کے دوسرے پر وقف کیا جائے؟

الجواب: اذان اور اقامت پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن کر کے پڑھے اذان میں حقیقتاً وقف کیا جائے اور اقامت میں بہ نسبت وقف ساکن پڑھا جائے، اسی طرح قد قامت الصلوٰۃ کو بھی دونوں مرتبہ بہ نیت وقف ساکن کر کے پڑھا جائے، البتہ اذان و اقامت کے تکبیرات میں ہر دو تکبیر ایک کلمہ شمار ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاری یترسل فی الاذان ویحدر فی الاقامۃ .... الترسل ان یقول اللہ اکبر اللہ اکبر ویقف ثم یقول مرۃ اخری مثلہ وکذلک یقف بین کلمتین الی اخر الاذان والحدر الوصل والسرعۃ۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۵۱۹ باب الاذان)[2]

---

[1] وفی الخلاصۃ وان لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یؤذن ویصلی وان کان ھناک واحد فان کان لا یعلم احد کیف یصنع المؤذن قال یؤذن ویقیم ویصلی وحدہ۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۲۸)

[2] قال العلامۃ الشرنبلالیؒ ویتمھل ای یترسل فی الاذان بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین ویسرع ای یحدر فی الاقامۃ للامر بھما فی السنۃ قال السید احمد الطحطاوی تحت قولہ بین کلمتین ای جملتین الا فی التکبیر الاول فان السکتۃ تکون بعد تکبیرتین (الطحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۱۰۵،۱۰۶ باب الاذان) ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۵۶۔

اذان کے دوران انگلیوں کا کانوں کے سوراخ میں رکھنے کا حکم

سوال:۔ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا مستحب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز میں تیزی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ آجکل کے دور میں لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اب یہ علت و سبب اختیار کرنے کی وجہ مفقود ہے اس لیے کہ بدون اس کے آواز بلند ہوتی ہے مگر تواتر کی وجہ سے آج بھی یہ عمل سنت ہے۔

لما قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ: وانما کان ذلک ابلغ فی الاعلام لان الصوت یبدأ من مخارج النفس فاذا سد اذنیہ اجتمع النفس فی الفم فخرج الصوت عالیا مسموعا غیر ضرورۃ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۰ باب الاذان)[1]

ریڈیو وغیرہ سے اذان کا حکم

سوال:۔ آجکل ریڈیو میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہے کیا اس اذان پر اکتفاء کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اسی طرح ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی کیسٹوں کے ذریعے دی گئی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں اذان دینے والے کا عاقل ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ صبی لایعقل کی اذان کالعدم ہے۔ چونکہ ریڈیو / ٹیپ ریکارڈ اور ان میں یہ شرائط موجود نہیں اس لیے ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو وغیرہ کی اذان اذان شرعی نہیں اس سے اذان کی سنیت ادا نہ ہوگی۔

قال العلامہ ابوبکر الکاسانیؒ: واما اذان الصبی الذی لایعقل فلا یجزئ ویعاد لان ما یصدر لا عن عقل لا یعتد بہ کصوت الطیور۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۵۰ فصل بیان سنن الاذان)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (وجعل قولہ ویجعل اصبعیہ) لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال رضی اللہ عنہ اجعل اصبعیک فی اذنیک فانہ ارفع لصوتک وان جعل یدیہ علی اذنیہ فحسن۔ (رد المحتار ج ۱ ص۲۸۵ باب الاذان)

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (واذان الصبی الذی لایعقل لایجزئ ویعاد لان ما یصدر لا عن عقل لایعتد بہ کصوت الطیور۔ رد المحتار ج ۱ ص۲۹۰ باب الاذان)

مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ یہاں دیہات میں مساجد کے اندر اذانیں دی جاتی ہیں، کیا مساجد کے اندر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ مسجد سے باہر اذان دینے پر اصرار کرتے ہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اذان دینا بالاتفاق جائز ہے البتہ اس کی کراہت اور عدم کراہت میں علماء کا تھوڑے اختلاف ہے بعض تو کراہت جواز کے قائل ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ مسجد میں اذان دینا تو جائز ہے مگر کراہت تنزیہی کے ساتھ۔

لما قال فخر الدین القاضی خانؒ: وینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد۔ (الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۷۸ باب الاذان ومسائل الاذان)[1]

قد قامت الصلوٰۃ کے جواب کا حکم

سوال:۔ اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں تو اقامت کے دوران قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں کیا کہنا چاہیئے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامها الله وادامها فرماتے تھے اس لیے اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامها الله وادامها کہنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویجیب الاقامة ندبا اجماعا کالاذان ویقول عند قد قامت الصلوٰۃ اقامها الله وادامها۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله ویقول الخ) کذا رواه ابوداؤد وزاد ما دامت السموات والارض وجعلنی من صالحی اهلها۔

(رد المحتار ج۱ ص۲۹۷ باب الاذان)[2]

---

[1] لما فی الهندیة: وینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۵ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة)
ومثله فی کتاب الاصل ج۱ ص۱۳۱ باب الاذان۔

[2] لما فی الهندیة: واجابة الاقامة مستحبة هکذا فی فتح القدیر واذا بلغ قوله قد قامت الصلوٰۃ یقول السامع اقامها الله وادامها ما دامت السموات والارض وفی سائر الکلمات یجیب کما یجیب فی الاذان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۷ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة)

ویؤذن فی أذنه الیمنی ویقیم فی الیسری ویلتفت فیهما بالصلوٰۃ لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدۃ الاذان فی أذنه انه یدفع ام الصبیان عنه ۔

(تقریرات الرافعی ج۱ ص۴۵ باب الاذان)

اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

سوال:۔ اذان کے دوران جب مؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ پڑھے تو سننے والوں کے لیے اس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ صرف اذان کے وقت جب اذان ہو رہی ہو تو اشہد ان محمد رسول اللہ کے سننے پر شفاءِ عینین کے حصول کے لیے بغیر نیت ثواب اور سنت یا واجب سمجھے انگوٹھے چومنا جائز ہے اگرچہ بعض نے مستحب لکھا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ عمل صرف اذان کے ساتھ خاص ہے دیگر مقامات میں نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قوله لو لم یجبه حتی فرغ لم اره) یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادۃ: صلی اللہ علیک یا رسول اللہ۔ وعند الثانیۃ منها: قرت عینی بک یا رسول اللہ۔ ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائداً له الی الجنة۔

(رد المحتار جلد ۱ ص۳۹۸ باب الاذان) [۱]

لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ آج کل لاؤڈ سپیکر کو اذان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ آواز دور تک پہنچ سکے، شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان کی مشروعیت کا مقصد نماز کیلئے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نماز کی اطلاع دی جائے، اسلئے فقہاء کرام نے مسجد کے مینارہ پر چڑھ کر اذان کہنے کی ترغیب دی ہے

---

[۱] قال العلامۃ الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: یستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشهادتین للنبی صلی اللہ علیه وسلم صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرت عینی بک یا رسول اللہ اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ابهامیه علی عینیه۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۶۵ باب الاذان)

ومثله فی السعایۃ ج۲ ص۱۱ باب الاذان۔

اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ موڑنے کو سنت قرار دیا ہے چونکہ موجودہ آلہ لاؤڈ سپیکر سے یہ مقصد بطریق احسن حاصل ہو سکتا ہے اسلئے لاؤڈ سپیکر پر اذان دینا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: ویحول وجھہ للصلوٰۃ والفلاح یمنۃ ویسرۃ لانہ خطاب للقوم فیواجھھم بہ وان استدار فی صومعتہ فحسن ومرادہ اذا لم یستطع تحویل الوجہ یمیناً وشمالاً مع ثبات قدمیہ مکانھما کما ھو السنۃ بان کانت الصومعۃ متسعۃ فاما من غیر حاجۃ فلا والافضل للمؤذن ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ بذلک امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالاً ولانہ ابلغ فی الاعلام۔ (ھدایۃ ج۱ باب الاذان)[1]

دفع وبا کیلئے اذان دینے کا حکم

سوال: وبائی امراض کے دفعیہ کیلئے بطور علاج اذان دینا شرعاً کیا ہے؟

الجواب: نماز کے علاوہ بعض مواقع ایسے ہیں جن میں سلف صالحین سے اذان دینا نقلاً چلا آرہا ہے۔ مثلاً جہاد کے دوران، غم اور ذہنی پریشانی کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، مرگی آجائے، جانور یا انسان کی بدخلقی ظاہر ہو جائے، اسی طرح وبائی امراض کے پھیلاؤ کے وقت اذان دینا بھی منقول ہے اسلئے ان مواقع میں فی ذاتہٖ اذان دینا جائز ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: وفی حاشیۃ البحر للخیر الرملی: رأیت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسن الاذان لغیر الصلوٰۃ کما فی اذن المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق ..... وعند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیہ اقول: ولا بعد فیہ عندنا۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۸۵ باب الاذان، مطلب فی المواضع التی یندب لھا الاذان)[2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال اجعل اصبعیک فی اذنیک فانہ ارفع لصوتک۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص۱۰۶ باب الاذان)

[2] قال العلامۃ الشیخ اشرف علی تھانویؒ: ان مواقع میں اذان سنت ہے: فرض نماز، بچہ کے کان میں بوقت ولادت، آگ لگنے کے وقت، جنگ کفار کے وقت، مسافر کے پیچھے، جب شیاطین ظاہر ہوں، رنج کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، جب کسی کو مرگی آوے، جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو۔ اس کو صاحب رد المحتار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض وخوف غرق کے بھی دیکھا ہے۔ (امداد الفتاوی ج۱ ص۱۰۷ باب الاذان)

ومثلہ فی کفایۃ المفتی ج۳ ص۱۱ باب الاذان۔

کلماتِ اذان میں وقفہ کی مقدار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مؤذن اذان دیتے وقت کلماتِ اذان میں کتنی دیر وقفہ کرے؟ یا بلا وقفہ کے مسلسل اذان دیتا رہے؟ شریعتِ مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یہ اذان کے آداب میں سے ہے کہ مؤذن کلماتِ اذان کے درمیان اتنی دیر وقفہ کرے کہ جواب دینے والا پڑھے گئے کلمات کا جواب آسانی سے دے سکے۔

قال العلامة عبد الحی اللکنوی: ویترسل فیہ ای فی الاذان بان یفصل بین کل الکلمتین ولا یجمع بینھما فانہ سنۃ۔ (السعایۃ ج ۲ ص ۱ باب الاذان) لہ

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا کیا جواب ہے

سوال:۔ جوابِ اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ و حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے مقابلے میں تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھا جائے گا لیکن فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کے جواب میں کیا پڑھا جائے گا؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب مؤذن اذانِ فجر میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کہے تو جواب دینے والا جواباً صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کے الفاظ یا مَاشَآءَ اللّٰہ کے الفاظ کہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ: فی اذان الفجر قال المجیب صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ بفتح الراء الاولی وکسرھا او یقول مَاشَآءَ اللّٰہ عند قول المؤذن فی اذان الفجر الصّلٰوۃ

لہ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: (ویتمھل) یترسل فی الاذان بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین۔ قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ بین کل کلمتین) ای جملتین لا فی التکبیر الاول فان السکتۃ تکون بعد تکبیرتین۔

(طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۵۸ باب الاذان)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۵۱۱ باب الاذان۔

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم۔ (مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی ص۱۱۱ باب الاذان) ۔ [1]

اذان قبلہ رخ ہوکر پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اذان دیتے وقت قبلہ رخ کھڑے ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مؤذن کو چاہیئے کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہوکر اذان دے شریعت اسلامی میں یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے اس کے خلاف اذان نہ دی جائے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب ان یکون المؤذن ... صالحاً ای متقیاً لانہ امین فی الدین ...... مستقبل القبلۃ کما فعلہ الملک النازل۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۱۰۹ باب الاذان) [2]

اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو لمبا کرکے پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض مؤذنین اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھتے ہیں تو کیا لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان میں لفظ اللہ کے الف کو لمبا کرکے پڑھنے سے ہمزہ استفہام پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے جو کہ تغیر معنی کا سبب ہے اسلئے فقہاء کرام نے لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھنے سے منع کیا ہے

---

[1] وفی الهندیۃ: وکذا قول المؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم لا یقول السامع مثلہ ولکن یقول صدقت وبررت کذا فی المحیط۔
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۵۷ الباب الثانی فی الاذان)
ومثلہ فی السعایۃ ج۲ ص۴۱ باب الاذان۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: والمستحب للمؤذن ان یستقبل القبلۃ استقبالاً هکذا روی عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ عن النازل من السماء وفی شرح الطحاوی ولو ترک استقبال القبلۃ اجزاہ ویکرہ۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۵۱۳ باب الاذان)

لہٰذا ان دونوں جگہ الف پر مد نہ کیا جائے۔

قال العلامة عبدالحی اللکھنویؒ: لا یقول المؤذن آالله اکبر بمد الالف فانه استفهام وانه خطأ شرعی۔ (السعایة ج۲ ص۳ باب الاذان) ؎۱

مؤذن کے کلماتِ اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم

سوال:- اذان کے کلمات کا جواب کب دیا جائے؟ یعنی اگر کوئی شخص مؤذن کے کلماتِ اذان مکمل طور پر پڑھنے سے قبل جوابی کلمات پڑھے تو کیا اس سے اذان کا جواب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- اذان کا جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے کلماتِ اذان ختم کرنے کے بعد ان کا جواب دیا جائے، اور اگر کوئی شخص مؤذن کے کلماتِ اذان مکمل پڑھنے سے قبل ان کا جواب دیدے تو یہ فلسفۂ جوابِ اذان کے خلاف ہے۔

قال الشیخ الدکتور وھبة الزحیلی: ان یقول مثل ما یقول مثنیٰ مثنیٰ عقب کل جملة الا فی الحیعلتین فیحوقل۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۱ ص۶۹۵ باب الاذان) ؎۲

نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی نومولود کے کانوں میں اذان دینے والے کے لیے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری ہے یا کہ منہ پھیرے بغیر بھی یہ سنت ادا ہو جائے گی؟

الجواب:- کسی نومولود کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا

؎۱ وفی الهندیة: والمد فی اول التکبیر کفر وفی آخره خطأ فاحش۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۶ الفصل الثانی فی الاذان)

؎۲ فی الهندیة: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابة وهی ان یقول مثل ما قال المؤذن الا فی قوله حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح فانه یقول مکان حی علی الصلوٰۃ لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۷ الباب الثانی فی الاذان الفصل الثانی)

سنت ہے البتہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری نہیں بغیر منہ پھیرے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: قال جماعة من اصحابنا يستحب ان يؤذن في اذنه اليمنى ويقيم الصلوٰة في اذنه اليسرى وقد روينا في كتاب ابن السني عن الحسين بن علي رضي الله عنهما مرفوعا من ولد له مولود فاذن في اذنه اليمنى واقام في اذنه اليسرى لم تضره ام الصبيان۔ قال المصنف: قلت وما ذكره بعض الفقهاء من تحويل الوجه في هذا الاذان يمينا وشمالا لم اجد له اصلا ولا يصح قياسه على التحول في الاذان للصلوٰة لانه للاعلام ولا حاجة الى مثل هذا الاعلام ههنا (اعلاء السنن ج ۴ ص ۱۲۳ باب التحلية والتحنيك في العقيقة)

خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہیے

سوال: جس طرح مرد اذان کا جواب دیتے ہیں تو خواتین کے لیے بھی اسی طرح اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان کا جواب جس طرح مرد دیتے ہیں اسی طرح خواتین بھی اذان کا جواب دے سکتی ہیں بلکہ ان کی بھی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ اذان کا جواب دیا کریں۔

عن ميمونة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام بين صف الرجال والنساء فقال يا معشر النساء اذا سمعتن اذان هذا الحبشي واقامته فقلن كما يقول فان لكن بكل حرف الف الف درجة قال عمرؓ فهذا للنساء يا رسول الله فما للرجال قال ضعفان يا عمرؓ۔ (الترغيب والترهيب ج ۱ ص ۱۸۵ الترغيب في اجابة المؤذن) له

حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے

سوال: کیا خواتین حالت حیض میں اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان

له قال العلامة عبد الحی اللکھنویؒ: قد صرح [illegible] ان الاجابة باللسان واجبة من الانسان الطاهر حدثا وهو ظاهر عبارات فقهائنا۔

(السعاية ج ۲ ص ۴۵ باب الاذان)

کا جواب دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا یجیب الجنب ولا نفساء لعجزهما عن الاجابة بالفعل. (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۱۱۰ باب الاذان)

قد قامت الصلوۃ میں الصلوۃ کے تا پر پیش پڑھنے کا حکم

سوال:- اقامت کہتے وقت اکثر مکبرین یا اقامت کہنے والے، قد قامت الصلوۃ کے تا پر پیش اور دوسرے جملہ قد قامت الصلوۃ کے تا پر سکون (جزم) پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب:- اقامت کہتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہر کلمہ کے آخر میں پیش کی جگہ جزم (سکون) پڑھی جائے چاہے وہ اللہ اکبر کی را ہو یا قد قامت الصلوۃ کی تا ہو، اس لیے الصلوۃ کی تا پر پیش پڑھنا صحیح نہیں بلکہ جزم پڑھی جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وروی ذلک عن النخعی موقوفا علیه ومرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الاذان جزم والاقامة جزم والتکبیر جزم وفیه وفی الامداد ویجزم الراء ای یسکنها فی التکبیر الخ

(رد المحتار ج۱ ص۳۸۶ باب الاذان، مطلب فی الکلام علی حدیث الاذان جزم) لہ

بعد اذان دعا میں ہاتھ اٹھانا

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اذان کے بعد دعا وسیلہ کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب:- اذان کے بعد دعا وسیلہ (مسنون دعا) کرتے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت

لہ قال العلامة عبد الحی اللکنویؒ: ولا یجیب الحائض والنفساء لعجزهما عن الاجابة بالفعل فکذا بالقول. (السعایة ج۲ ص۴۴ باب الاذان)

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ تحت قوله یترسل فیه ویحدر فیها: یسکن کلمات الاذان والاقامة لکن فی الاذان ینوی الحقیقة وفی الاقامة ینوی الوقف ذکره الشارح وفی المجتبی والتکبیر جزم. (البحر الرائق ج۱ ص۲۵۵ باب الاذان)

ومثله فی السعایة ج۲ ص۱۱ باب الاذان۔

بلکہ بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگی جائے تاہم اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی سنت کے خلاف ہے۔

قال الشیخ مولانا محمد اشرف علی التھانویؒ: بالتخصیص دعا کے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ و فعلیہ مرفوعہ و موقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے تو من غیر تخصیص بدعاء دون دعاء ایسی دعا اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوگا۔ (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۱۰۱ باب الاذان)

کیا حضرت بلالؓ اذان میں شین کو سین پڑھتے تھے؟

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سنا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے وقت اَشْہَدُ کی بجائے اَسْہَدُ یعنی شین کی جگہ سین پڑھتے تھے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: اگرچہ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کی جگہ سین پڑھتے تھے لیکن علماء محققین نے اس کی تردید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ فصیح اللسان اور تیز و تند آواز والی شخصیت تھے اور جو بات ان کے بارے میں مشہور ہو چکی ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

قال العلامة عبدالحی اللکھنویؒ: اشتهر على ألسنة العوام ان بلالاً كان يبدل الشين المعجمة سيناً مهملة وليس كذلك قال الشيخ علي القاري نقلاً عن البرهان السفاقسي انه قد اشتهر على الألسنة ولم نره في شيء من الكتب۔ وقال ابن كثير لا اصل له ولا يصح۔ (السعاية ج ۲ ص ۴ باب الاذان)

باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا

(نماز کے شرائط و ارکان کا بیان)

زبان سے نیت کرنے کا حکم

سوال: نماز کی نیت اگر صرف زبان سے کی جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز کے لیے دل سے نیت کرنا فرض ہے البتہ متاخرین فقہاء کرام نے زبان سے نیت کو مستحسن قرار دیا ہے تاکہ دل و دماغ دونوں حاضر ہو جائیں، البتہ اگر صرف زبان سے نیت کرے مگر دل کی نیت نہ ہو تو یہ نیت لغو اور بیکار ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والتلفظ عند الارادۃ بہا مستحب ھو المختار۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۱۵ شروط الصلوٰۃ۔ بحث النیۃ) ۔ لہ

زبان سے نیت کے الفاظ میں غلطی کا حکم

سوال: ہمارے ساتھ اکثر یوں ہوتا ہے کہ ہم جب مسجد میں ایک وقت کی نماز میں شامل ہوتے ہیں مگر زبان پر غلطی سے کسی دوسرے وقت کی نماز کے الفاظ کا اجراء ہو جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نیت دل کا عمل ہے، اگر دل میں اس وقت کی نماز کا ارادہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے اگرچہ زبان پر غلطی سے دوسرے وقت کی نماز کا ذکر ہو جائے ایسی غلطی کا کوئی اعتبار نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: وخلص من النیۃ بالاجماع وھی الارادۃ المرجحۃ ..... لا مطلق العلم فی الاصح ..... والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۱۵ باب شروط الصلوٰۃ، مطلب بحث النیۃ) ۔ لہ

لہ وفی الہندیۃ: ولا عبرۃ للذکر باللسان فان فعلہ لتجتمع عزیمۃ قلبہ فہو حسن۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۶۵ الفصل الرابع فی النیۃ)

ومثلہ فی البنایۃ فی شرح الہدایۃ ج۲ ص۹۹ باب شروط الصلوٰۃ

لہ وفی الہندیۃ: النیۃ ارادۃ الدخول فی الصلوٰۃ والشرط ان یعلم بقلبہ ای صلوٰۃ یصلی وادناہا ان لو سئل لامکنہ ان یجیب علی البدیہۃ ..... ولا عبرۃ للذکر باللسان (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۶۵ الفصل الرابع فی النیۃ)

وفیہ ایضاً: لو نوی الظہر وجری علی لسانہ العصر یجزیہ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۶۶ الفصل الرابع فی النیۃ)

امام کی اقتداء کی نیت کا مسئلہ

سوال:- اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو مگر اس نے امام کی اقتداء کی نیت نہ کی تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- امام کی اقتداء کی نیت صحت صلوٰۃ کے لیے شرط نہیں بلکہ تحصیل ثواب کے لیے شرط ہے، اگر کسی نے امام کی اقتداء کی نیت نہیں کی صرف نماز کی نیت کر کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی تو نماز تو ہو جائے گی مگر امام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یشترط لصحة الاقتداء نیة امامة المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد به قبله. قال ابن عابدینؒ: (قوله لنیل الثواب) معطوف علی قوله لصحة الاقتداء ای بل یشترط نیة امامة المقتدی لنیل الامام ثواب الجماعة. (رد المحتار ج۱ ص۴۲۴ شروط الصلوٰۃ مطلب بحث النیة) [۱]

تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں

سوال:- کیا نماز میں تعداد رکعات کی تعیین کر کے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- فرض نمازوں کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ رکعات کی گنتی ضروری نہیں بغیر نیت تعداد رکعات کے بھی نماز ہو جائے گی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا بد من التعیین عند النیة ..... لفرض ..... ولو قضاء لکنه یعین ظهر یوم کذا علی المعتمد ... وواجب انه وتر او نذر او سجود تلاوة وکذا شکر بخلاف سهو دون تعیین عدد رکعاته لحصولها ضمناً فلا یضره الخطأ فی عددها. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۱۸ باب شروط الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامة الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا، پس حصول ثواب امامت کے لیے تو امامت کی نیت ضروری ہے۔
(امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۳۳ باب شروط الصلوٰۃ)

[۲] قال العلامة ابن نجیمؒ: لان نیة عدد الرکعات لیست بشرط فی الفرض والواجب لان قصد التعیین مغن عنه ولو نوی الظهر ثلاثاً والفجر اربعاً جاز (البحر الرائق ج۱ ص۲۸۶)

رکوع و سجدہ میں ترتیب کا وجوب

سوال:۔ اگر کوئی شخص رکوع کیے بغیر سجدہ میں چلا گیا تو دوبارہ رکوع کی ادائیگی پر سجدہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رکوع و سجدہ میں ترتیب چونکہ واجب ہے اس لیے اگر کوئی شخص رکوع سے پہلے سجدہ کرے تو یہ سجدہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ رکوع کی طرف لوٹ کر رکوع ادا کرنے کے بعد از سرِ نو سجدہ کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: الترتیب بین الرکوع والسجود مثلاً فانہ فرض حتی لو سجد قبل الرکوع لم یصح سجود ھذہ الرکعۃ لان اصل السجود یشترط ترتبہ علی الرکوع فی کل رکعۃ کترتب الرکوع علی القیام۔

(ردالمحتار ج۱ ص۳۱۲ واجبات الصلوٰۃ) [1]

جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ جیب میں نسوار یا سگریٹ رکھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے لیے مکان (جگہ) بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی شرط ہے، اور نسوار فی ذاتہ ایک پاک چیز ہے اس میں نجاست کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اگر کسی کی جیب میں نسوار وغیرہ ہو تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

تطہیر النجاسۃ من بدن المصلی وثوبہ والمکان الذی یصلی علیہ واجب۔ ھکذا فی الزاھدی فی باب الانجاس۔ (الہندیہ ج۱ ص۵۸ الفصل الاول فی الطہارۃ) [2]

تکبیرِ تحریمہ کی فرضیت

سوال:۔ نماز کے لیے تکبیرِ تحریمہ شرط ہے یا سنت یا مستحب؟ اگر کوئی تکبیر نہ کہے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

---

[1] فالترتیب فیہ فرض حتی لو رکع قبل القیام او سجد قبل الرکوع لا یجوز۔ (الہندیۃ ج۱ ص۷۱ واجبات الصلوٰۃ) ومثلہ فی البحرالرائق ج۱ ص۲۹۶ واجبات الصلوٰۃ۔

[2] قال الحصکفیؒ: (طہارۃ بدنہ) ای جسدہ لدخول الاطراف فی الجسد دون البدن فلیحفظ (من حدث) بنوعیہ وقدمہ لانہ اغلظ (وخبث) مانع کذلک (وثوبہ)۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۱ ص۴۰۲ باب شروط الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الاختیار ج۱ ص۴۵ باب ما یفعل قبل الصلوٰۃ۔

الجواب: تکبیر تحریمہ نماز کے فرائض میں سے ہے، بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہوتی۔
قال الحصکفیؒ: من فرائضها التی لا تصح بدونها التحریمة قائماً وهی شرط فی غیر جنازة علی قائم
به یفتی. قال ابن عابدینؒ رحمه الله تحت قوله علی القائم: متعلق بشرط یعنی ان المفترض ای وهی
شرط مفترض علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص[illegible] باب صفة الصلوٰة) [1]

نماز کی نیت کا حکم

سوال: ہمارے علاقہ میں چونکہ پشتو زبان بولی جاتی ہے اور اکثر نمازی پشتو میں ہی نیت کے الفاظ کہہ لیتے ہیں، اور ایسے ہی بعض لوگ دل میں نیت کر لیتے ہیں، کیا شرعاً دل میں نیت کرنا کافی ہے یا زبان سے بھی نیت کرنا ضروری ہے؟

الجواب: نیت نماز کے فرائض میں سے ہے، لیکن نیت کا دائرہ زیادہ تر دل تک محدود ہے، تاہم عوام الناس اس سے غافل رہتے ہیں لہٰذا ان کے لیے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرنا بہتر ہے تاکہ زبان پر بولنے سے دل کے ارادے کا اظہار ہو سکے۔

ولا عبرة للذکر باللسان فان فعله لتجتمع عزیمة قلبه فهو حسن کذا فی الکافی ومن عجز عن احضار القلب یکفیه اللسان کذا فی الزاهدی
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۶۵ باب شروط الصلوٰة) [2]

---

[1] ومنها التحریمة .... وهی شرط عندنا حتی ان من یحرم للفرائض کان له ان یؤدی بها التطوع هکذا فی الهدایة۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۶۸ باب صفة الصلوٰة الفصل الاول)
ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۳۰۵ باب صفة الصلوٰة۔

[2] قال الحصکفیؒ: والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذکر باللسان ان خالف القلب لانه کلام لا نیة . الا اذا عجز عن احضاره لهموم اصابته فیکفیه اللسان۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۱۵ شروط الصلوٰة)
ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۲۷۷ باب شروط الصلوٰة۔

ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: ایک شخص ہسپتال میں ملازم ہے اور وہ ہر وقت زخمیوں کو اٹھاتا ہے اور ان کو دوائیاں وغیرہ دیتا ہے ان زخمیوں کی وجہ سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں کیا اس شخص کے لیے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: نماز پڑھنے کے لیے چند شرائط ہیں جن میں کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اس لیے اگر ہسپتال کے ملازم کے کپڑے زخمیوں کے خون یا پیپ کے ذریعے ناپاک ہوئے ہوں تو یہ کپڑے تبدیل کر کے دوسرے کپڑوں میں نماز پڑھے البتہ اگر دوسرے پاک کپڑے مہیا نہ ہو سکتے ہوں تو بوجہ مجبوری انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الشرط شرعاً ما يتوقف عليه الشيء ولا يدخل فيه وهي ستة طهارة بدنه .... وكذا ما يتحرك بحركته أو يعد حاملاً له كصبي عليه نجس ... الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۰۲ باب شروط الصلوٰة)[1]

دوکان میں نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: میری دوکان کے اوپر دوسری منزل میں ایک چھوٹی سی منزل ہے کیا میں اپنی دوکان میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ جبکہ بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تمہاری نماز نہیں ہوتی اس لیے کہ دوکان میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

الجواب: نماز کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے تو وہ کوئی بھی جگہ ہو چاہے دوکان ہو یا گھر مسجد ہو یا حجرہ بشرطیکہ پاک ہو اس لیے دوکان میں نماز پڑھنا درست ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الشرط ... شرعاً ما يتوقف عليه الشيء ولا يدخل فيه وهي ستة طهارة بدنه أي جسده لدخول الأطراف في الجسد دون البدن من حدث بنوعيه وخبث مانع كذلك وثوبه ..... ومكانه أي موضع قدميه أو إحداهما إن رفع الأخرى وموضع سجوده اتفاقاً في الأصح. الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۰۲ باب شروط الصلوٰة)[2]

---

[1] وفي الهندية: تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۸ الباب الثالث في شروط الصلوٰة، الفصل الأول في الطهارة)

[2] وفي الهندية: تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۸ الباب الثالث في شروط الصلوٰة، الفصل الأول في الطهارة)

جیل خانہ کی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ سیکھ پٹ ورنگل جیل سے ایک دوست نے ایک جائے نماز بھیجی ہے کیا میں اس پر نماز پڑھ سکتا ہوں جبکہ وہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز کا پاک ہونا ضروری ہے چونکہ یہ پاکی یقینی ہوتی ہے جو شک سے زائل نہیں ہوتی اس لیے جیل سے آیا ہوا جائے نماز پاک ہے اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: لو شك في نجاسة ماء او ثوب او طلاق او عتق لم يعتبر۔ قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله ولو شك) في التاتارخانية من شك في انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة اولا فهو طاهر ما لم يستيقن الخ۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۵۱ قبيل مطلب في ابحاث الغسل) لہ

مسجد کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

سوال:۔ آجکل لوگوں کا ایک دستور بن چکا ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے اپنی ٹوپیاں یا رومال وغیرہ ساتھ نہیں لاتے بلکہ مسجد میں پڑی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لیتے ہیں، دیکھ بازار یا دیگر مقامات میں ان ٹوپیوں کے ساتھ آنے جانے کو عار سمجھتے ہیں تو کیا مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز ایسی اہم عبادت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوتی ہے اس لیے نماز پڑھنے کے لیے عمدہ اور بہترین لباس پہننا افضل ہے ورنہ کم از کم ایسا لباس پہننا چاہیئے کہ جس کے ساتھ دیگر مقامات میں جانے کو عار نہ سمجھا جائے اسلئے فقہاء کرام نے ثیاب بذلہ یعنی گندے لباس کے ساتھ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر نمازی اپنی ٹوپی ساتھ لائے ورنہ بصورت دیگر مساجد کی ٹوپیاں استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں تاہم نماز ہو جائے گی۔

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: من شك في انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة أم لا فهو طاهر ما لم يستيقن۔
(الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص۱۲۱ كتاب الطهارة الوضوء نوع مسائل الشك)

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اُٹھایا جائے

سوال:- تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ تفصیلاً ارشاد فرمائیں۔

الجواب:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مختلف روایات مروی ہیں، فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق کانوں کی لَو تک ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ انگلیوں کے سروں کو کانوں کی لَو کے برابر کیا جائے جبکہ انگوٹھوں کو کندھوں کے مقابل کیا جائے تو دونوں روایات پر عمل ہو جائے گا۔

رواہ ابو داؤد السجستانی: عن وائل بن حجر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ابہامیہ فی الصلوٰۃ الی شحمۃ أذنیہ۔ (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج ۲ ص ۱۸ باب افتتاح الصلوٰۃ) [1]

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا ارسال یا سیدھا باندھنا

سوال:- بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر پھر باندھتے ہیں، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب:- تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر باندھا جائے یا بغیر لٹکائے باندھا جائے دونوں طرح درست ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھا جائے لٹکانا نہیں چاہئے، یہی افضل ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذاً رسغہا بخنصرہ وابہامہ ہو المختار وتضع المرأۃ والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیہا کما فرغ من التکبیر بلا ارسال فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ (بلا ارسال) ہو ظاہر الروایۃ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۷ ارکان الصلوٰۃ، مطلب فی بیان المتواتر الشاذ) [2]

---

[1] عن مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر رفع یدیہ حتی یحاذی بہما اُذنیہ وفی روایۃ حتی یحاذی بہما فروع اُذنیہ۔

(اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۶۱ باب افتراض التحریمۃ وسننہا)

ومثلہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸ باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔

[2] قال الشیخ عبدالحی اللکھنویؒ (تحت قولہ تحت سرتہ) وعند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ یعتمد کما فرغ من التکبیر فلا یرسل فیہ حتی لا ینبغی فی ثنائہ ولم یذکر خلافہ فی الہدایۃ ج ۱ ص ۱۰۲ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہ فی امداد الاحکام ج ۱ ص ۴۲۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

مکی کیلئے نماز پڑھتے وقت عین کعبہ یا جہت کعبہ کا حکم

سوال:۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مکی کے لیے عین کعبہ اور آفاقی کیلئے جہت کعبہ ضروری ہے، لیکن آجکل شہر مکہ میں بڑی بڑی عمارتیں مسجد حرام اور مکی کے درمیان حائل ہیں، اس صورت میں سمت قبلہ کی تعیین کس طرح کی جائے؟

الجواب:۔ یہ حکم اس مکی کے لیے ہے جس کو کعبہ نظر دکھائی دیتا ہو تو اس پر لازمی ہے کہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے اور جس کو کعبہ دکھائی نہ دیتا ہو تو اس کے لیے بھی آفاقی کی طرح جہت کعبہ کافی ہے اگرچہ وہ شہر مکہ میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فللمكي إصابة عينها يعم المعاين وغيره لكن في البحر أنه ضعيف والأصح أن من بينه وبينها حائل كالغائب۔ [1]

(رد المحتار على صدر در المختار ج۱ ص۴۲۸ باب شروط الصلوٰۃ)

حطیم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ ہم نے کتابوں میں دیکھا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے لہٰذا اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ خبر آحاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ ہے لیکن یہ امر ظنی ہے اور استقبال قبلہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہے، چنانچہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرے تو نماز نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدينؒ تحت قوله لا استقباله احتياطاً: أي لا يصح استقباله في الصلوٰۃ لأن فرضية استقبال القبلة ثبتت بالنص القطعي وكون الحطيم من الكعبة ثبت بالآحاد فصار كأنه من البيت من وجه دون وجه۔ (رد المحتار ج۲ [illegible] بحث الطواف) [2]

سمت قبلہ کی تعیین کے لیے قبلہ نما کے استعمال کا حکم

سوال:۔ دور حاضر میں لوگ قبلہ کی تعیین کے لیے قبلہ نما استعمال کرتے ہیں اس کی

---

[1] قال العلامة إبراهيم الحلبيؒ: وفي الدراية من كان بينه وبين الكعبة حائل الأصح أنه كالغائب۔ (كبيري ص۲۱۶ الشرط الرابع)

[2] قال العلامة إبراهيم الحلبيؒ: الكعبة اسم للعرصة... ولو صلى إلى الحطيم وحده لا يجوز۔ (كبيري ص۲۲۵ الشرط الرابع فروع في شرح الطحاوي)

شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے ایک اہم رکن شہروں اور دیہاتوں میں استقبالِ قبلہ ہے یا جہتِ قبلہ ہے۔ فقہاء کرام نے اس کی پہچان کے لیے پہلے زمانے کی مساجد اور ان کے محرابوں کو دلیل ٹھہرایا ہے اور صحراء میں ستاروں کو دلیل قرار دیا ہے جس سے غالب گمان ہوتا ہے کہ قبلہ اس طرف ہے۔ چونکہ موجودہ دور کا پیمانہ (قبلہ نما) ظنِ غالب کی تحصیل کے لیے زیادہ کارآمد ہے اس لیے قبلہ کی تعیین کے لیے اس کا استعمال شرعاً درست ہے اور اس سے قبلہ کا صحیح رخ متعین ہو جاتا ہے۔

لما قال فی الهندیة: وجهة الکعبة تعرف بالدلیل والدلیل فی الامصار والقریٰ المحاریب التی نصبها الصحابة والتابعون فعلینا اتباعهم فان لم تکن فالسؤال من اهل ذلک الموضع واما فی البحار والمفاوز فدلیل القبلة النجوم۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ الفصل الثالث فی استقبال القبلة)

ریل گاڑی میں دورانِ نماز استقبالِ قبلہ ضروری ہے

سوال:۔ ریل گاڑی میں سفر کے دوران نماز کا وقت بھی آجاتا ہے لیکن اس میں قبلہ کا بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ قبلہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا اور اگر پتہ بھی چل جائے تو ریل گاڑی کبھی کبھی عین نماز کے دوران قبلہ کی طرف سے رخ موڑ جاتی ہے تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بعض ٹرینوں کی وضع اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ مسلمان کے لیے ان میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہوتا ہے لہٰذا شروعِ نماز سے اختتام تک قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے۔ اگر ابتداء میں قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کی اور درمیان میں ریل گاڑی قبلہ رخ سے ہٹ گئی تو نمازی دورانِ نماز اپنا رخ قبلہ کی طرف پھیرے تاہم اگر ریل گاڑی میں ہجوم اتنا زیادہ ہو کہ رخ پھیرنا ممکن نہ ہو تو بصورتِ مجبوری نماز ہو جائے گی۔ اس کی مثال فقہی ذخائر میں لنگر انداز کشتی جیسی ہے۔

لہ وتعرف بالدلیل وهو فی القریٰ والامصار محاریب الصحابة والتابعین وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله کالقطب) ...... وعلمها وشروطها من الآلات کالربع والاسطرلاب فانها ان لم تفد الیقین تفید غلبة الظن للعالم بها وغلبة الظن کافیة فی ذلک۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۱ ص۴۳۰ کتاب الصلوٰة مکان الفرائض)

دوران نماز قیام میں دونوں پاؤں کے درمیانی فاصلہ کا حکم

سوال:۔ بحالت قیام میں نمازی کو دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہیے؟ بعض لوگ دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت تک فاصلہ رکھتے ہیں ان کا ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ نماز کے آداب میں سے ہے کہ نمازی دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کے برابر فاصلہ رکھے، اتنا فاصلہ نہ رکھے جس سے توازن بگڑ جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله منها القیام) وینبغی ان یکون بینهما مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۴۴ فرائض الصلوٰۃ)[1]

بلا عذر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نماز میں ایک پاؤں پر بلا عذر شرعی کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے، فقہاء کرامؒ نے ایک پاؤں پر بلا عذر کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں سستی اور کاہلی ظاہر ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله ومنها القیام) ویکره القیام علی احد القدمین فی الصلوٰۃ بلا عذر۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۴۴ فرائض الصلوٰۃ)[2]

نماز میں قرأت کا حکم

سوال:۔ نماز میں قرأت قرآن کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں قرآن کریم کی قرأت لا علی التعیین فرض ہے جس کی مقدار ایک آیت ہے، اس مقدار کی قرأت نفل، وتر اور سنن کے تمام رکعات میں فرض ہے اور فرائض کی دو رکعات میں البتہ تین آیات یا سورت اور فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں واجب ہے

---

[1] قال العلامة عبدالحی اللکھنویؒ: ویستحب ان یکون بین الرجلین عند القیام مقدار اربعة اصابع کذا فی الخزانة وغیرها لکونه اقرب الی الخشوع۔ (السعایة ج۲ ص۱۱۱ باب صفة الصلوٰۃ)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۵۳ فصل اول باب صفة الصلوٰۃ۔

[2] وفی الهندية: ویکره القیام علی احد القدمین من غیر عذر وتجوز الصلوٰۃ والعذر لا یکره۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۶۹ الباب الرابع فی صفة الصلوٰۃ الفصل الاول)
ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۵۸ باب صفة الصلوٰۃ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله منها القراءة) ای قراءة آیة من القرآن وهی فرض عملی فی جمیع رکعات النفل والوتر وفی رکعتین من الفرض کما سیأتی متنًا فی باب الوتر والنوافل واما تعیین القراءة فی الاولیین من الفرض فهو واجب وقیل سنة لا فرض کما سنحققه فی الواجبات واما قراءة الفاتحة والسورة او ثلاث آیات فهی واجبة ایضًا۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۴۷ فرائض الصلوٰة)[1]

سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اولاً ہاتھ رکھنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اولاً ہاتھ رکھتے ہیں اور پھر گھٹنے حالانکہ ہم نے علماء کرام سے سنا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھنے چاہئیں پھر ہاتھ، تو کیا مذکورہ صورت جائز ہے اور اس طرح سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں دونوں طرح کی صورتیں مروی ہیں، حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں وضع الرکبتین قبل الیدین (گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے) کے الفاظ ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں وضع الیدین قبل الرکبتین کا ذکر ہے مگر علماء احناف نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کو دیگر مؤیدات کی وجہ سے راجح قرار دیا ہے اسلئے سنت یہ ہے کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھے جائیں اور پھر ہاتھ، البتہ اگر کوئی عذر ہو تو پہلے ہاتھ رکھے جاسکتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویسجد واضعا رکبتیه اولاً لقربهما من الارض ثم یدیه الا لعذر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۹۷ فصل: اذا اراد الشروع)[2]

حالتِ سجدہ میں پاؤں کا اٹھانا

سوال:۔ نماز میں سجدہ کے دوران بعض لوگ دونوں پاؤں اوپر اٹھا لیتے ہیں، اس طرح کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے

---

[1] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: وفرض القراءة آیة۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۱ ص۳۳۲ باب صفة الصلوٰة)

[2] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: ثم کبر ووضع رکبتیه ثم یدیه ثم وجهه بین کفیه. قال ابن نجیم المصریؒ: (تحت قوله ثم کبر ووضع الخ) لما کان یفعله علیه السلام ــــ الخ اذا اراد السجود یضع اولاً ما کان اقرب الی الارض فیضع رکبتیه اولاً ثم یدیه ... الخ (البحر الرائق ج۱ ص۳۱۶ باب صفة الصلوٰة)

ہوتا نہیں؟

الجواب:۔ سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ زمین پر رکھنا ضروری ہے اگرچہ ایک انگلی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر قدمین میں سے کوئی بھی حصہ زمین پر نہ لگایا تو سجدہ صحیح نہ ہوگا جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

قال الحصکفیؒ: ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط۔
قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وقدميه) يجب اسقاطه لان وضع اصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد وافاد انه لو لم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود وهو مقتضى ما قدمناه آنفا۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۴۷ بحث الركوع والسجود) ـلـه

کور عمامہ یا ٹوپی کے بل پر سجدہ کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جو عمامہ پہنتے ہیں وہ عمامہ کے کور پر ہی نماز میں سجدہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے نہ ناک زمین پر لگتی ہے اور نہ پیشانی تو کیا اس طرح سجدہ کرنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عمامہ کا کور پیشانی پر ہو تو اسی حالت میں عمامہ کے کور پر سجدہ کرنا مکروہ ہے اور اگر کور عمامہ پیشانی سے اوپر ہو اور سجدہ کور عمامہ پر کیا جائے تو اس صورت میں سجدہ ادا نہیں ہوا اس لیے کہ پیشانی یا ناک زمین پر نہیں رکھی گئی لہٰذا اس صورت میں نماز پڑھنا درست نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: كما يكره تنزيها بكور عمامته الا بعذر وان صح عندنا بشرط كونه على جبهته كلها او بعضها كما مر اما اذا كان على رأسه فقط وسجد عليه مقتصرا اي ولم تصب الارض جبهته ولا انفه على القول به لا يصح لعدم السجود على محله الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۳۴۰ فصل اذا اراد الشروع) ـه

لـه وفي الهندية: ولو سجد ولم يضع قدميه على الارض لا يجوز ولو وضع احدهما جاز مع الكراهة ان كان بغير عذر۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۷۰ الباب الرابع في صفة الصلوٰة۔ الفصل الاول)
وَمِثْلُهُ في كبيري ص۲۸۶ في صفة السجدة۔

ـه قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وكره بالجبهة او بكور عمامته۔ قال ابن نجيمؒ (تحت قوله وكره...) يعني اذا سجد على كور عمامته اذا كان الكور على الجبهة او بعضها اما اذا كان على الرأس فقط وسجد عليه ولم تصب جبهته الارض على القول بتعيينها ولا انفه على القول بعدم تعيينها فان الصلوٰة لا تصح لعدم السجود على محله وكثير من العوام يتساهل في ذلك۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۱۹ باب صفة الصلوٰة)
ومثله في الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص۱۱۴ فصل شروط الصلوٰة واركانها۔

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ آجکل لڑکیوں کے والدین شادی کے وقت جہیز میں لڑکے والوں کے لیے فرنیچر میں نماز پڑھنے کے لیے ایک تخت بنواتے ہیں جس کو پشتو میں "تختہ پوش" کہا جاتا ہے شرعاً اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ ایسے تخت لکڑی سے بنائے جاتے ہیں جو کہ سخت ہوتے ہیں، حالت سجدہ یا رکوع یا قیام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لیے ایسے "تختہ پوش" پر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ زمین پر رکھا ہوا ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا یصح لعدم السجود علی محله وبشرط طهارة المکان وان یجد حجم الارض۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ان یجد حجم الارض) تفسیره ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلک فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة ان کانت علی الارض لا علی ظهر حیوان کبساط مشدود بین اشجار۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۰۱ فصل اذا اراد الشروع)[1]

قالین اور فوم کے گدوں پر نماز کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کے لیے قالین بچھایا ہے جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے۔ لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہو سکتا ہو تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں، چونکہ آجکل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے اس لیے قالین کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ موٹے اور نرم گدے اور فوم پر نماز جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا یصح لعدم السجود علی محله وبشرط طهارة المکان وان یجد حجم الارض۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ان یجد حجم الارض) ..... وحیث انّ ان وجد حجمه

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: والاصل کما انه یجوز السجود علی الارض یجوز علی ما هو بمعنی الارض مما تجد جبهته حجمه وتستقر علیه وتفسیر وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلک فیصح السجود علی الطنفسة والحصیر والحنطة والشعیر والسریر والعجلة ان کانت علی الارض لانه یجد حجم الارض۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۱۹ باب صفة الصلوٰة)

ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۵۱ فصل اول صفة الصلوٰة۔

ومن هنا يعلم الجواب عن الطرحة القطن فان وجد الحجم جاز والا فلا ۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۰۵ فصل اذا اراد الشروع) ۔ اھ

قعدۂ اخیرہ کا حکم

سوال:۔ نماز میں قعدۂ اخیرہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی فرض ہے یا واجب؟

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض فرض کہتے ہیں، بعض کی رائے رکنیت کی ہے جبکہ بعض اس کو شرط قرار دیتے ہیں، راجح یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض اور شرط ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ومنها القعود الاخير فالذي يظهر انه شرط لانه شرع للخروج كالتحريمة للشروع. قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله والذي يظهر) اختلف في القعدة الاخيرة قال بعضهم هي ركن اصلي. وفي كشف البزدوي: انها واجبة لا فرض لكن الواجب هنا في قوة الفرض في العمل كالوتر وفي خزانة الروايات انها فرض وليست بركن اصلي بل هي شرط للتحليل وجزم بانها فرض في الفتح والتبيين. (رد المحتار ج۱ ص۴۴۷ فرائض الصلوٰة ذيل بحث القعود الاخير) ؎

قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر کافر نہیں

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں دو آدمیوں کے درمیان بحث ہو رہی تھی، ایک نے کہا کہ جو شخص نماز میں قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر ہو تو وہ کافر نہیں اور دوسرا اس کو کافر کہہ رہا تھا، اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے اور کون حق پر ہے؟

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف روایات فقہاء کرام سے مروی ہیں

؎ قال العلامة ابن نجيمؒ: والاصل كما انه يجوز السجود على الارض يجوز على ما هو بمعنى الارض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك. (البحر الرائق ج۱ ص۳۱۹ باب صفة الصلوٰة)

؎ قال العلامة بدر الدين العينيؒ: وذكر في الايضاح ان القعدة الاخيرة من جملة الفرائض وليست من الاركان لان الشيء ما يتقوم به ذلك الشيء وتقوم الصلوٰة تقع بالقعدة وانما تقع بالقيام والقراءة والركوع والسجود وانما انتفت الركنية في القعدة لانها احد شيئين فلا ينبئها الا ان الصلوٰة لتعظيم وهو بالقيام ويزداد بالركوع ويتناهى بالسجود والقعدة للخروج. (البناية ج۲ ص۱۰۸ باب صفة الصلوٰة)

و مثله في الطحطاوي حاشيه مراقي الفلاح ص۱۲۸ باب شروط الصلوٰة واركانها ۔

سنت اعمال جزو دی ہیں ہے۔ قعدۂ اخیرہ واجب ہے فرض نہیں لیکن یہ وجوب فرضیت کے حکم میں ہے۔ اور صاحب خزانۃ الروایات فرماتے ہیں کہ فرض ہے اور اسی کو ابن امیر الحاج اور ملتقی نے راجح قرار دیا ہے۔

بنا بریں اختلاف اگر کوئی نماز میں قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر ہو تو کافر نہیں البتہ مشروعیت کا منکر کافر ہے۔ اس لیے اول شخص کی بات صحیح ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله لا يكفر منكره) ظاهره ان المراد منكر فرضيته لانه قيل بوجوبه كما في القهستاني واما منكر اصل مشروعيته فينبغي ان يكفر لثبوته بالاجماع بل معلوم من الدين بالضرورة افاده ح وفيه ما قدمناه في السنن الرواتب من لم يرها حقا كفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۸ فرائض الصلوة بحث قوله ولا يكفر منكره)

ہوا خارج ہونے کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم

سوال: ایک شخص کو دوران نماز سجدہ کرتے وقت ہوا خارج ہونے کی بیماری ہے لیکن قیام اور رکوع کی حالت میں درست اور صحیح رہتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے نماز میں سجدہ کرنا ضروری ہے یا صرف اشارے سے سجدہ کرلے؟

الجواب: صورت مسئولہ عذر شرعی کی کیفیت ہے اس لیے یہ شخص نماز میں قیام اور رکوع کے بعد اشارے سے سجدہ کرے، اگر کھڑے ہو کر اشارے سے سجدہ کرنا آسان ہو تو کھڑے ہو کر اشارے سے سجدہ کرے ورنہ بیٹھ کر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامة الشرنبلاليؒ: وان تعذر الركوع والسجود وقدر على القعود ولو مستندا صلى قاعدا بالايماء للركوع والسجود برأسه ولا يجزئه مضطجعا وجعل ايماءه برأسه للسجود اخفض من ايمائه برأسه للركوع۔

(مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۲۳۵ باب صلوة المريض)

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وحكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمدا وعدم اكفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو لنقص الصلوة بتركه سهوا۔ اھ

(مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۱۲۹، ۲۰۰ فصل في واجبات الصلوة)

ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج ۱ ص ۶۲۴ الفصل الخامس اركان الصلوة۔

باب واجبات الصلوٰۃ

(نماز کے واجبات کے بیان میں)

جماعت میں امام کا تنہا رہ جانا

سوال:- اگر کہیں امام کے مقتدی دورانِ جماعت امام کو اکیلے چھوڑ کر بھاگ جائیں تو امام تکبیرات میں جہر کرے گا یا اخفاء؟

الجواب:- مقتدیوں کے بھاگ جانے سے امام کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اس صورت میں امام کی حالت ایک منفرد کی ہوجائیگی لہٰذا سری نمازوں میں اخفاء کرے اور جہری نمازوں میں جہر جائز ہے۔

وان كان منفرداً ان كانت صلوٰة يخافت فيها يخافت حتماً هو الصحيح وان كانت صلوٰة يجهر فيها فهو بالخيار والجهر افضل ولكن لا يبالغ مثل الامام لانه لا يسمع غيره كذا في التبيين ولا يجهد الامام نفسه بالجهر كذا في البحر الرائق۔
(الفتاوى الهندية ج ١ ص ٧٢ واجبات الصلوٰة. الفصل الثاني)[1]

قعدۂ اولیٰ واجب ہے

سوال:- تین یا چار رکعت فرض نماز میں تو قعدۂ اولیٰ واجب ہے کیا نفل نماز (صلوٰۃ التسبیح وغیرہ) میں بھی قعدۂ اولیٰ واجب ہے؟

الجواب:- قعدۂ اولیٰ جس طرح تین یا چار رکعت فرض نماز میں واجب ہے اسی طرح نوافل، سنن اور وتر میں بھی واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولها واجبات ..... والقعود الاول ولو في نفل في الاصح۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ١ باب صفة الصلاة مطلب واجبات الصلاة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: والاسرار يجب على الامام والمنفرد فيما يسر فيه وهو صلوٰة الظهر والعصر (رد المحتار ج ١ ص ٤٩٨ واجبات الصلوٰة)
ومثله في البحر الرائق ج ١ ص ٣٠٣ واجبات الصلوٰة۔

[2] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ومن الواجبات القعدة الاولى (حلبي كبيري ص ٢٩٥ واجبات الصلوٰة)
ومثله في البحر الرائق ج ١ ص ٣٠٠ واجبات الصلوٰة باب صفة الصلوٰة۔

تعدیلِ ارکان واجب ہے

سوال :- بعض لوگ نماز کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ مرغا دانوں پر ٹھونگے مارتا ہے اس قسم کی نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ کا تعلق واجباتِ صلوٰۃ سے ہے۔ نماز میں ارکانِ نماز کو طمانیت اور تعدیل سے ادا کرنا واجب ہے، جو نماز تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا نہ کی جائے تو وہ واجب الاعادہ ہے البتہ اگر سہواً متروک ہو جائے تو سجدہ سہو سے نماز درست ہو جائے گی۔

قال الحصکفیؒ : لھا واجبات لا تفسد بترکھا وتعاد وجوباً فی العمد والسھو ان لم یسجد لہ وان لم یعدھا یکون فاسقاً اثم ...... وھی قرأۃ الفاتحۃ الخ .... وتعدیل الارکان۔[1]

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا صـ۴۵۶ و ۴۶۴ مطلب واجبات الصلوٰۃ)

نماز میں قومہ اور جلسہ واجب ہے

سوال :- بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع سے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ براہِ راست رکوع سے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بھی پوری طرح نہیں بیٹھتے بلکہ ایک سجدہ سے پوری طرح سر نہیں اٹھایا کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے گئے ہیں کیا نماز کو اس طرح ادا کرنا جائز ہے ؟

الجواب :- قومہ (یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا) اور جلسہ (یعنی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) دونوں واجب ہیں، اگر سہواً رہ جائیں تو سجدہ سہو کفایت کرتا ہے اور عمداً ترک کیا جائے تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : ولھا واجبات .... وھی قرأۃ فاتحۃ الکتاب .... تعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منھما علی ما اختارہ الکمال۔

قال ابن عابدینؒ : (تحت قولہ وکذا فی الرفع) ای یجب التعدیل ایضاً فی القومۃ من الرکوع والجلسۃ بین السجدتین وتضمن کلامہ وجوب نفس القومۃ والجلسۃ ایضاً الخ .... حتی لو ترکھا او شیئاً منھا ساھیاً یلزمہ السھو او عمداً یکرہ اشد کراھۃ ویلزمہ ان یعید الصلوٰۃ۔[2]

(رد المحتار ج ا صـ۴۶۴ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب واجبات الصلوٰۃ)

---

[1] قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ : وعند ھما تعدیل الارکان من الواجبات دون الفرائض (کبیری صـ۲۹۴ باب صفۃ الصلوٰۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ا صـ۲۹۹ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ : قال الشیخ کمال الدین بن الھمامؒ وینبغی ان تکون القومۃ والجلسۃ واجبتین للمواظبۃ۔ (کبیری صـ۲۹۴ بیان الثامن تعدیل الارکان)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ا صـ۳۰۰ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

باب سنن الصلوٰۃ

(نماز کی سنتوں کے بیان میں)

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے

سوال:- تشہد کی حالت میں سبابہ سے اشارہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کی حرمت کے قائل ہیں جبکہ روایات اس کے ثبوت اور استحباب و سنت پر دال ہیں!

الجواب:- تشہد میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت سبابہ (سواکی انگلی) سے اشارہ کرنا احادیث اور فقہی ذخائر سے ثابت ہے اس لیے نماز میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا مسنون ہے۔ جو حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں ان کی رائے احادیث صریحہ کے مخالف ہے۔

عن عبداللہ بن الزبیرؓ عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنٰی علی فخذہ الیمنٰی ویدہ الیسرٰی علی فخذہ الیسرٰی و اشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطٰی ویلقم کفہ الیسرٰی رکبتہ۔[1]

(الصحیح المسلم ج۱ ص۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ)

تحقیق رفع الیدین

سوال:- دوران نماز رفع الیدین یا ترک رفع الیدین میں سے کون سا عمل روایات صحیحہ کے موافق ہے؟

الجواب:- احادیث میں رفع الیدین اور ترک رفع الیدین دونوں کے متعلق روایات موجود ہیں لیکن احناف کی تحقیق کے مطابق ترک رفع الیدین اولیٰ و افضل ہے۔

---

[1] عن وائل بن حجر قال قلت لانظرن الی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وحلق بشر الابہام والوسطٰی واشار بالسبابۃ۔

(سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۰۵ باب رفع الیدین)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۰۸ آداب الصلوٰۃ۔

عن براء بن عازب قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود۔ (ابی داؤد ج ۱ ص۱۰۹)

عن علقمۃ قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح۔
رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی۔
(مشکوٰۃ ج ۱ ص۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ) [1]

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا

سوال:۔ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کا مسنون وقت کون سا ہے؟

الجواب:۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اگر تکبیر کہنے سے پہلے یا اس کے بعد یا تکبیر کے ساتھ اٹھا دیئے جائیں تو اس سے رفع یدین کی سنت ادا ہو جاتی ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے اور بعد میں تکبیر کہے۔

قال الحصکفی (و) رفع یدیہ) قبل التکبیر وقیل معہ قال ابن عابدین (قولہ رفع الیدین) للتحریمۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۴۴ سنن الصلوٰۃ) [2]

---

[1] عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین۔ (مسند حمیدی ج ۲ ص۲۷۷ رقم حدیث ۶۱۴، احادیث عبد اللہ بن عمر بن الخطاب)
ومثلہ فی الجامع الترمذی ج ۱ ص۵۹ باب رفع الیدین عند الرکوع۔

[2] قال المرغینانی یرفع یدیہ مع التکبیر وھو سنۃ لان النبی علیہ السلام واظب علیہ وھذا اللفظ یشیر الی اشتراط المقارنۃ وھو المروی عن ابی یوسف والمحکی عن الطحاوی والاصح انہ یرفع یدیہ اولا ثم یکبر لان فعلہ نفی الکبریاء عن غیر اللہ تعالیٰ والنفی مقدم ویرفع یدیہ۔
(الھدایۃ ج ۱ ص۱۰۱ صفۃ الصلوٰۃ)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص۷۳ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ۔

فلیخفف فان فیہم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ما شاء ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۱ باب ما علی الامام) لہ

نماز میں سجدہ کی حالت میں عورتوں کی مسنون کیفیت کیا ہے؟

سوال:۔ سجدہ میں عورتوں کو کیا کیفیت اختیار کرنا چاہیئے؟ کیا عورتیں بھی مردوں کی ہیئت کی طرح سجدہ کریں گی یا عورتوں کے لیے سجدہ کی کوئی خاص ہیئت ہے بالخصوص قدمین میں ان کی ہیئت کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب:۔ سجدہ میں عورتوں کی کیفیت مردوں سے الگ ہے بہتر یہ ہے کہ عورتیں سجدہ کرتے وقت قدمین کو نہ اٹھائیں، پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کریں جبکہ بازوؤں کو جسم کے ساتھ ملا کر زمین پر رکھیں یعنی جو کیفیت زیادہ استر ہو اختیار کریں۔

قال الحصکفیؒ: (والمرأۃ تنخفض) فلا تبدی عضدیہا (وتلصق بطنہا بفخذیہا) لانہ استر وحرر فی الحلیۃ انہا تخالف الرجل فی خمسۃ وعشرین۔ ذکر فی البحر انہا لا تنصب اصابع القدمین کما ذکرہ فی المجتبیٰ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۴ باب صفۃ الصلوٰۃ) سلہ

نماز میں بحالت قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ

سوال:۔ نماز میں بحالت قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ کیا ہے؟ بعض اوقات

لہ وفی المسلم: عن ابی هریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فی الناس الضعیف والسقیم وذا الحاجۃ۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

قال القدوری: یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلثا وذلک ادناہ۔ (مختصر القدوری ص ۳۳ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البخاری ج ۱ باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ما شاء ص ۹۷۔ الجوهرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۶۲ باب صفۃ الصلوٰۃ)

سلہ والمرأۃ لا تجافی فی رکوعہا وسجودها وتقعد علی رجلیہا وفی السجدۃ تفترش بطنہا علی فخذیہا کذا فی الخلاصۃ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۷۵ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۱ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

ہاتھ باندھتے وقت دوسرے ہاتھ کی کلائی پر گھڑی ہوتی ہے اس سے نماز میں کوئی کراہیت تو لازم نہیں آتی ؟

الجواب: نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھے اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے اس کی کلائی کو پکڑے اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

البتہ گھڑی کوئی مقصود بالذات نہیں اور نہ ہی اس کے باندھنے سے کسی قسم کی کاوٹ ہوتی ہے لہٰذا اس سے کوئی کراہیت نہیں آتی۔

قال الحصکفیؒ: (ووضع) الرجل (یمینه علی یساره تحت السرة) آخذا رسغها بخنصره وابهامه، هو المختار۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۸۷ صفة الصلوٰة) [1]

نماز میں آمین بالجہر کی کیفیت

سوال: نماز باجماعت میں آمین کہتے وقت کون سی کیفیت اختیار کرنی چاہیئے؟ حنفی مسلک والوں کے لیے باآواز بلند آمین کہنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: آمین کے متعلق دونوں قسم کی روایات وارد ہیں احناف کی تحقیق کے مطابق آمین میں اخفاء سنت ہے، البتہ اگر کوئی حنفی المسلک شخص آمین بالجہر کہتا ہے تو بھی جائز ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال الحصکفیؒ: (وامن الامام سرا کماموم ومنفرد) ولو فی السریة اذا سمعه ولو من مثله فی نحو جمعة وعید ماحدیث اذا امن الامام فامنوا فمن التعلیق بمعلوم الوجود فیتوقف علی سماعه منه بل بحصل بتمام الفاتحة بدلیل اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۹۲ آداب الصلوٰة) [2]

---

[1] وصفها ان یضع باطن کفه الیمنی علی ظاهر کفه الیسری ویحلق بالخنصر والابهام علی الرسغ ویوسل الباقی علی الذراع۔ (الهندیة ج ۱ ص۷۳ سنن الصلوٰة)

وَمِثلُه فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۰۳ باب صفة الصلوٰة۔

[2] واذا فرغ من الفاتحة قال آمین والسنة فیه الاخفاء کذا فی المحیط للمنفرد والامام سواء وکذا المأموم اذا سمع هکذا فی الزاهدی۔ (الهندیة ج ۱ ص۷۴ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰة)

وَمِثلُه فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۳۱ باب صفة الصلوٰة۔

نماز میں تسویۃ الصفوف کا حکم

سوال: نماز میں صفوں کو سیدھا کرنا کیسا ہے یعنی [illegible]

الجواب: نماز با جماعت میں صفوں کو [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا ہے نیز [illegible] حدیث میں صفوں پر بہت وعیدیں آئی ہیں۔

عن النعمان بن بشير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا حتى كأنما يسوي بها القداح حتى رأى أنا قد عقلنا عنه ثم خرج يوما فقام حتى كاد أن يكبر فرأى رجلا باديا صدره من الصف فقال عباد الله لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۷ باب تسویۃ الصفوف)[1]

تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رخ کس طرف کیا جائے

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی ہتھیلیوں کا رخ اپنے چہرے کی طرف کرتے ہیں کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرنا بھی جائز ہے اور اپنے چہرے کی طرف بھی، البتہ قبلہ کی طرف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ويستقبل بكفيه القبلة وقيل خديه۔[2]

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۲ باب صفة الصلوة قبيل مطلب في [illegible])

---

[1] قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: وفي حاشية البخاري عن العيني وحكى [illegible] ان تسوية الصفوف سنة الصلوة عند ابي حنيفة والشافعي ومالك (جلد ۱ ص ۱۰۰) قلت: والظاهر من كلام اصحابنا انها سنة مؤكدة [illegible] على [illegible] بكراهة مطلقة هي التحريمية الخ

(اعلاء السنن ج ۴ ص ۳۱۳ باب سنية تسوية الصفوف)

ومثله في معارف السنن ج ۲ ص ۲۹۶ باب ما جاء في اقامة الصفوف۔

[2] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ويوجه باطن كفيه نحو القبلة [illegible] الا عليها [illegible] وقال يجعل بطن كل كف الى الكف الاخرى۔ (كبيري ص ۳۰۰ صفة الصلوة)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

سوال: تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ بعض حضرات سینہ پہ ہاتھ باندھنے کی تاکید کرتے ہیں۔

الجواب:۔ علماء احناف کی تحقیق کے مطابق مرد حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں کیونکہ یہی سنت ہے، البتہ عورتیں اور خنثیٰ مشکل سینے کے نیچے ہاتھ باندھیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ووضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته آخذا رسغها بخنصره وابهامه هو المختار وتضع المرأة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۸۷ بحث صفة الصلوٰة مطلب في بيان المتواتر بالشاذ)[۱]

ثناء سے قبل اور تکبیر تحریمہ کے بعد ادعیہ کا مسئلہ

سوال:۔ احادیث کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیر تحریمہ کے بعد بعض دعائیں مروی ہیں، کیا یہ دعائیں فرائض وسنن سب میں پڑھی جاسکتی ہیں یا صرف نوافل میں؟

الجواب:۔ اگرچہ احادیث مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں مختلف مقامات پر مختلف ادعیہ منقول ہیں لیکن علماء احناف نے یہ روایات نوافل میں پڑھنے پر محمول کی ہیں اور یہ دعائیں نفل نماز میں پڑھی جائیں گی۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وقرأ كما كبر سبحانك اللهم تاركا وجل ثناؤك إلا في الجنازة مقتصرا عليه فلا يضم وجهت وجهي إلا في النافلة. قال ابن عابديؒ (تحت قوله إلا في النافلة) لحمل ما ورد في الاخبار عليها..... وفي الفتح أن وما ورد محمول على النافلة بعد الثناء في الأصح وتمامه في حاشية صحيح للزاهدي وغيره. (رد المحتار ج۱ ص۴۸۸ باب صفة الصلوٰة مطلب بيان المتواتر بالشاذ)[۲]

---

[۱] وفي الهندية: ويضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة كما فرغ من التكبير والمرأة تضعهما تحت ثديها. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۷۳ الفصل الثالث في سنن الصلوٰة) ومثله في كبيري ص۳۰۰ صفة الصلوٰة.

[۲] قال الشيخ المفتي عزيز الرحمنؒ: حنفیہ نے ان ادعیہ کو نوافل پر محمول کیا ہے لہٰذا نوافل میں ہی ان کو پڑھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۱۷۱ فصل سنن الصلوٰۃ)

الحاق کعبین (ٹخنوں کے ملانے) کا مسئلہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں نے الدر المختار میں دیکھا ہے کہ و ان یلحق کعبیہ کو رکوع میں کعبین کا الحاق یعنی ملانا مسنون ہے، کیا واقعی رکوع میں کعبین کا ملانا مسنون ہے؟ جبکہ شامی میں ہے کہ حالت قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے، جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں!

الجواب:- الحاق کعبین کا مسئلہ اگرچہ متاخرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر متقدمین سے اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے متاخرین کی اس تصریح کا محل اور مقام یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے وقت ایک دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ اپنا ٹخنہ ملایا جائے تاکہ صفیں سیدھی ہو جائیں، جیسا کہ حدیث شریف میں سووا صفوفکم، وتراصوا وسدوا الخلل۔ (مشکوٰۃ ج ص باب تسویۃ الصفوف) کا حکم وارد ہے لہٰذا حالت رکوع میں دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ اپنا ٹخنہ ملانا مسنون نہیں البتہ اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

لما قال الشیخ المحقق عبد الحی اللکنوی: ومنها الصاق الکعبین ذکرہ جمع من المتأخرین وجمهور الفقهاء لم یذکروه ولا اثر له في الکتب المعتبرة کالهدایة وشروحها النهایة والعنایة والبنایة والکفایة وفتح القدیر وغیرها والکنز وشرحه العیني وشرح النقایة لاخي جلبي زاده والبرجندي والقهستاني وفتاوی قاضي خان والبزازیة وغیرها من کتب الحدیث، وقد ذکره الزاهدي حیث قال في المجتبی برمز بط یسن في الرکوع الصاق الکعبین واستقبال الاصابع القبلة ...... وقد تبعه المتاخرون شیخ مشائخنا محمد عابد السندي المدنيؒ في طوالع الانوار شرح الدر المختار قوله والصاق کعبیه ای حالة الرکوع. قال الشیخ الرحمتي مع بعد تفریج ما بین القدمین قلت لعله یراد من الالصاق المحاذاة وذلك بان یحاذي کل من کعبیه الآخر فلا یتقدم

احد منہا علی الآخر۔ (السعایۃ ج۲ ص۱۸۱ باب صفۃ الصلوٰۃ) ؎

اگر تکبیرات انتقالات چھوٹ جائیں تو اس کا حکم

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی وجہ سے کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: تکبیر تحریمہ فرض ہے اور باقی تکبیرات انتقالات سنت، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما قال العلامۃ محمد یوسف البنوری: التکبیرات الانتقالات سنۃ عند الجمہور قال ابن المنذر: وبہ قال ابوبکر الصدیقؓ وعمرؓ وجابرؓ وقیس بن عبادۃؓ والشعبیؒ والاوزاعیؒ وسعید بن عبدالعزیزؒ ومالکؒ والشافعیؒ وابوحنیفۃؒ الخ

(معارف السنن ج۲ ص۴۲ باب ما جاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود) ؎

رفع سبابہ (انگلی اٹھانا) بدعت نہیں

سوال: نمازی جب التحیات میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ تک پہنچ جائے تو کیا اس کو انگلی اٹھانا چاہیئے؟ بلکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

؎ قال العلامۃ عبدالقادر الرافعی [illegible] علی قول الحصکفی قول الشارح ویشیر [illegible] نقل الشیخ ابوالحسن السندی الصغیر فی رسالتہ ان ہذہ السنۃ [illegible] ذکرہا من [illegible] ولیس لما ذکر فی الکتب المعتمدۃ کالہدایۃ وشروحہا [illegible] [illegible] علیہ [illegible] وذلک مما ورد [illegible] [illegible] حتی [illegible] وانا [illegible] [illegible] الی قبلۃ [illegible] مع [illegible] الخ (تقریرات الرافعی ج۱ ص۶۲ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل)

ومثلہ فی فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۲۰۳ فصل سنن الصلوٰۃ)

۲؎ قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی کل خفض ورفع وقیام وقعود .... وان التکبیر عام فی جمیع الانتقالات فی الصلوٰۃ۔

(اعلاء السنن ج۲ ص۱۷۲ باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض)

الجواب: تشہد میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہتے وقت انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا ثابت ہے جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول روایت و درایت کے خلاف ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وفي الشرنبلالية عن البرهان الصحيح أنه يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات واحترز بالصحيح عما قيل لا يشير لأنه خلاف الدراية والرواية۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۵۰۹، باب صفة الصلوٰة قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد) ۱؎

التحیات میں دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی جائے

سوال: التحیات (قعدہ) میں اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت کس ہاتھ کی انگلی اٹھانی چاہیے؟ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا رہا تھا۔

الجواب: التحیات میں اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت اٹھانا سنت ہے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله بل في متن درر البحار) ...... وصفتها أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطى ويقبض البنصر والخنصر ويشير بالمسبحة (رد المحتار ص۵۰۹ باب صفة الصلوٰة قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد) ۲؎

۱؎ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وفي الإشارة في التشهد أنه صلى الله عليه وسلم رفع إصبعه السبابة وقد حناها ومن قال إنه لا يشير أصلاً فهو خلاف الرواية والدراية۔
(مراقي الفلاح مع صدر الطحطاوي ص۲۱۸ فصل في سنن الصلوٰة)
ومثله في كبيري ص۳۲۹ باب صفة الصلوٰة۔

۲؎ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وسن الإشارة في التشهد لأنه صلى الله عليه وسلم رفع إصبعه السبابة وقد حناها شيئاً ومن قال إنه لا يشير أصلاً فهو خلاف الرواية والدراية ويكون بالمسبحة أي السبابة من اليمنى فقط يشير بها ...... يرفعها عند النفي ...... ويضعها عند الإثبات
(مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۲۱۸ فصل في سنن الصلوٰة)

تشہد میں وحدہٗ لاشریک لہٗ کے الفاظ پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی تشہد میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے بعد وحدہٗ لاشریک لہٗ کا اضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد مختلف طرق سے ثابت ہے بعض روایات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ کا پڑھنا بھی ثابت ہے مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اس میں نہیں ہیں اس لئے ان کا پڑھنا مناسب نہیں تاہم اگر کوئی ان الفاظ کو پڑھتا ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لما اخرجه ابوداؤد عن عطاء بن عبد الله الوراق يعني بهذا الحديث قد زادوا شرا ونقصوا قال في التشهد بعد اشهد ان لا اله الا الله زدت وحده لاشريك له ـ

(ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۴۰ ـ باب التشہد)[1]

قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی درود شریف پڑھنا چھوڑ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بوجہ مجبوری درود شریف پڑھنا رہ جائے تو نماز بلاکراہت ہو جائے گی البتہ قصداً ترک کرنے کی صورت میں نماز کراہت سے خالی نہیں جس کا اعادہ مستحب ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وسننها ... والصلوة على النبي في القعدة الاخيرة ـ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۷ باب صفة الصلوة)

وقال ايضا: وترك السنة لا يوجب فسادا ولا سهوا بل اساءة لو عامدا غير مستخف وقالوا الاساءة ادون من الكراهة

---

[1] عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم في التشهد ...... اشهد ان لا اله الا الله قال ابن عمر زدت فيها وحده لاشريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله ـ

(التلخيص الحبير ج ۱ ص ۲۶۴ باب صفة الصلوة)

ومثله في دار قطني ج ۱ ص ۳۵۱ باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه ـ

الکراھۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب فی قولہم الاساءۃ دون الکراھۃ)

درود شریف میں لفظ سیدنا کے اضافہ کا حکم

سوال:۔ نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اگر کوئی اس میں سیدنا کے لفظ کا اضافہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ تشہد میں بلا لفظ سیدنا کے پڑھنا بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ (تحت قولہ ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحہ علی منہاج النووی ونصہ و: لا افضل الاتیان بلفظ السیادۃ۔ کما قالہ ابن ظھیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ وان تردد فی افضلیتہ الاسنوی واما حدیث لا تسیدونی فی الصلوٰۃ فباطل لا اصل لہ کما قالہ بعض متأخری الحفاظ الخ (رد المحتار ج۱ ص۵۱۳، ۵۱۴ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب فی جواز الترحم علی النبی ابتداء) کہ

قعدہ اخیرہ میں دعا ترک ہو جائے تو اس کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب نماز میں التحیات اتنی

لہ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتسن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجلوس الاخیر الخ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۴۹ فصل فی بیان سننھا)

قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: ترک السنۃ لا یوجب فسادًا ولا سھوًا بل اساءۃ لو عامدًا غیر مستخف وقالوا الاساءۃ ادون من الکراھۃ۔

(طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۱۴۲ فصل فی بیان سننھا)

کہ قال العلامۃ الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: اضافۃ لفظ سیدنا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا بلا لفظ سیدنا ویسا ہی بہتر ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۶۹ فصل فی سنن الصلوٰۃ)

جلدی پڑھتے ہیں کہ ہم (مقتدی) ابھی درود شریف سے فارغ نہیں ہوتے کہ امام صاحب سلام پھیر دیتے ہیں، تو کیا ہم امام کی اتباع میں سلام پھیریں یا درود شریف مکمل کرنے کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھیں۔

الجواب:- تشہد اخیرہ میں دعا پڑھنا سنت ہے اور امام کی اتباع واجب ہے لہٰذا جب امام مقتدیوں کے دعا ختم کرنے سے قبل سلام پھیر دے تو امام کی اتباع میں سلام پھیرا جائے اگرچہ دعا متروک ہو جائے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو سلم الامام قبل ان یتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنۃ والناس عنہا غافلون۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی ادعیۃ التشہد) یشمل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۹۷ باب صفۃ الصلوٰۃ قبیل فصل اذا اراد الشروع)[1]

امام کی متابعت کی وجہ سے تسبیحات پوری نہ پڑھ سکنے کا حکم

سوال:- ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب رکوع اور سجدہ اتنی جلدی کرتے ہیں کہ مقتدی تین بار تسبیح بھی پوری نہیں کر سکتے، تو کیا مقتدی تین بار تسبیح پوری کریں یا امام کی اقتداء کریں؟

الجواب:- اولاً تو امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ رکوع و سجود میں اتنی مقدار ٹھہرے کہ مقتدی تین بار تسبیحات پڑھنا پوری کر سکیں لیکن اگر مقتدی امام کی اقتداء کرکے تین بار تسبیح نہ پڑھ سکیں تو ان کی نماز جائز اور صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ اھ۔ قال علامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وجب متابعتہ) ای وان لم یسبح فیہ ثلاثاً فانہ سنۃ علی المعتمد المشہور فی المذہب

---

[1] لما قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویسلم مع الامام لو تکلم قبل فراغ المقتدی من قراءۃ التشہد یتمہ لانہ من الواجبات ثم یسلم بخلاف حرمۃ الصلوٰۃ فامکن الجمع بالاتیان بہما وان بقیت الصلوٰۃ والدعوات یترکہا ویسلم مع الامام لان ترک السنۃ دون ترک الواجب۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۶۵ فصل فیما یفعلہ المقتدی بعد الخ)

ومثلہ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۶۵ فصل فی سنن الصلوٰۃ۔

لا فرض ولا واجب كما مر فلا يترك السنة بعد الواجبة لاجلها۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۵ باب صفة الصلوٰة فصل اذا اراد الشروع) ؎۱

خواتین سجدہ کیسے ادا کریں

سوال:۔ اگر کوئی خاتون مردوں کی طرح سجدہ کرتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خواتین کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بدن اور اس کے اعضاء کو سجدہ کے دوران خوب ملا کر سجدہ کریں، مردوں کی طرح بدن کو کھول کر سجدہ نہ کریں، ایسا کرنا خواتین کے لیے کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر کسی عورت کو عذر شرعی ہو تو بلا کراہت درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: تنخفض فلا تبدي عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لانه استر. قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله وحررنا في الخزائن) ...... وتضع يديها على ركبتيها ولا تحني ركبتيها وتنضم في ركوعها وسجودها وتفترش ذراعيها۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۴ باب صفة الصلوٰة فصل اذا اراد الشروع) ؎۲

فرض نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھنا

سوال:۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ فرض نماز کے بعد اپنا دایاں ہاتھ سر پہ رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ سر مبارک پر رکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: بسم الله الذي لا اله الا هو الرحمن الرحيم، اللهم اذهب عني الهم والحزن۔ اس لیے بہتر بلکہ سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد فرائض ہوں یا نوافل اور سنن وغیرہ دایاں ہاتھ سر پہ رکھ کر دعا

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وليس تسبيحه في ركوعه ثلاثا لقول النبي صلى الله عليه وسلم اذا ركع احدكم فليقل ثلاث مرات...... والامر للاستحباب فيكره ان ينقص عنها ولا يزيد الامام عليها قيل اتمام الثلاث ... انه يتابعه. (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۱۴۵ فصل في سنن الصلوٰة)

؎۲ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: والمرأة تخفض فتضم عضديها لجنبيها وتلزق بطنها بفخذيها لانه استر. (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۱۴۹ فصل في كيفية تركيب افعال الصلوٰة)

ومثله في الهداية ج ۱ ص ۱۱۱ باب صفة الصلوٰة۔

دعا پڑھنی چاہیئے۔

حدیث: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صلی وفرغ من صلوٰته یمسح بیمینه علی راسه وقال بسم الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحیم اللّٰهم اذهب عنی الهم والحزن۔ (حصن حصین ص ___) ۱؎

نیت کرنے سے قبل اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ الخ کے پڑھنے کا حکم

سوال:- عموماً نیت سے قبل جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ پڑھتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے ازراہ کرم اس مسئلہ کی توضیح عنایت فرمائیں۔

الجواب:- اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ الخ کے کلمات پڑھنے کے بارے میں علماء احناف کی مفتی بہ رائے یہ ہے کہ ان کلمات کو نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان نہ پڑھنا چاہیئے، اگرچہ قاضی ابو یوسفؒ سے ایک روایت سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ الخ کے بعد پڑھنے کی مروی ہے، اور فقیہ ابو اللیثؒ تکبیر سے پہلے پڑھنے کی کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس موقع میں یہ کلمات نہ پڑھے جائیں البتہ اگر نیت سے قبل پڑھے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: والاولی ان لا یاتی بالتوجه قبل التکبیر لتتصل النیة به هو الصحیح۔ (الهدایة ج۱ ص۸۶ باب صفة الصلوٰة) ۲؎

۱؎ لما قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا بسم الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحیم اذهب عنی الهم والحزن۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۲۱۱ فصل سنن الصلوٰة)

۲؎ قال العلامة صدر الشریعةؒ: ولا یوجه ای لا یاتی بالتکبیر سبحانک اللّٰهم وبعده ای لا یاتی بالتوجه قراءة انی وجهت وجهی بعد التحریمة — قال الشیخ عبد الحی اللکنویؒ: یختار المتأخرین اولویة قراءته قبله۔ قال فی الهدایة: الاولی ان لا یاتی بالتوجه قبل التکبیر لتتصل النیة بالتکبیر هو الصحیح۔ (السعایة فی حل شرح الوقایة ج۲ ص۱۵۲ باب صفة الصلوٰة)

ومثله فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۲۰۲ فصل سنن الصلوٰة۔

بائیں طرف سلام پھیرتے وقت آواز میں آہستگی اختیار کرنا

سوال: سلام پھیرتے وقت دونوں طرف آواز یکساں ہونی چاہئے یا اس میں کچھ فرق ہے؟

الجواب: سنت اور افضل یہی ہے کہ دوسرے سلام میں پہلے سلام کی بہ نسبت آہستگی اور پستی اختیار کرے، اگر کوئی شخص بلند آواز سے کہہ دے تو اس سے نماز میں کوئی کراہیت لازم نہیں آتی۔

قال الحصکفیؒ: ومن جعل الثاني أخفض من الأول، خصه في المنية بالإمام وأقره المصنف۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۴ باب صفة الصلوة) له

له والسنة في السلام أن تكون التسليمة الثانية أخفض من الأولى كذا في المحيط وهو الأحسن كذا في التبيين۔ (الهندية ج ۱ ص ۷۶ سنن الصلوة)
ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۲ باب صفة الصلوة۔

باب آداب الصلوٰة

(نماز کے آداب کے مسائل)

قیام کی حالت میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے

سوال:۔ دورانِ نماز قیام کی حالت میں نگاہ کہاں رکھنی چاہیئے؟ اگر کوئی شخص سجدہ کی جگہ نگاہ نہ رکھے تو اس سے نماز میں کوئی فساد یا کراہت تو لازم نہیں آتی؟

الجواب:۔ حالتِ قیام میں نگاہ کو سجدہ گاہ پر مرکوز رکھنا مستحب ہے البتہ اگر کوئی شخص ایسا نہ کرسکے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔[1]

قال الحصکفیؒ: ونظره الی موضع سجوده حال قیامه (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷ آداب الصلوٰة)

نماز میں جمائی آنے پر منہ کو چھپانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کو نماز کے دوران جمائی آجائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر کسی کو دورانِ نماز جمائی آجائے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ جمائی کو حتی الامکان روکے اور اگر روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے منہ کو چھپائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ سے کام لے اور باقی ارکان میں بائیں ہاتھ سے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وامساك فمه عند التثاؤب فائدة لدفع التثاؤب مجربة ولو بأخذ شفتيه بسنه فان لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى وقيل باليمنى لو قائما والا فيسراه (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷ باب صفة الصلوٰة)[2]

---

[1] ونظره (المصلي) سواء کان رجلا او امرأة (الی موضع سجوده قائما) حفظا له عن النظر الی ما یشغله عن الخشوع۔ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص۱۵۱ فصل من آدابها)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۷۲ سنن الصلوٰة وآدابها۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وهو الادب کظم فمه عند التثاؤب فان لم یقدر غطاه بیده او کمه لقوله صلی الله علیه وسلم التثاؤب فی الصلوٰة من الشیطان فاذا تثاءب احدکم فلیکظم ما استطاع۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۲۴ فصل آداب الصلوٰة)

آدابِ صلوٰۃ ترک ہو جانے کا حکم

سوال:- اگر کسی سے آداب یعنی مستحباتِ نماز رہ جائیں تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- نماز کے اندر آداب کا لحاظ رکھنا افضل اور بہتر ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے کچھ رہ جائیں تو نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہے، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولها آداب ترکه لا یوجب اساءة ولا عتابا کترک سنة الزوائد لکن فعله افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷ باب صفة الصلوٰة)[1]

امام اور مقتدی کس وقت نماز کے لیے کھڑے ہوں؟

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ امام اور مقتدیوں کو کس وقت نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیے؟

الجواب:- امام اور مقتدی دونوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں، اگرچہ بعض نے حی علی الصلوٰۃ کے وقت قیام کو مستحب قرار دیا ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافا لزفر فعنده عند حی علی الصلوٰة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۹ باب صفة الصلوٰة)[2]

امام نماز کس وقت شروع کرے

سوال:- امام کو نماز کس وقت شروع کرنی چاہیے؟

الجواب:- مستحب یہ ہے کہ امام نماز قد قامت الصلوٰۃ کے وقت شروع کرے، اگرچہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تکبیر (اقامت کہنے والے) کی فراغت

---

[1] قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: (وهی) ای الآداب ما فعله الرسول صلی الله علیه وسلم مرة او مرتین ولم یواظب علیه) وترکه لا یوجب اساءة ولا عتابا لکن فعله افضل اه
(طحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۱۴۲ فصل آدابها)

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: من الآداب القیام ای قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح۔ قال السید احمد الطحطاوی تحت قوله حی علی الفلاح (قال الحسن وزفر عند حی علی الصلوٰة۔ (طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۱۵۲ فصل آدابها)

تک انتظار کرے لیکن یہ اختلاف نفس استحباب میں ہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومن الآداب شروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل ای عند قول المقیم قد قامت الصلوٰۃ عندھما۔ وقال ابو یوسفؒ یشرع اذا فرغ من الاقامۃ فلو أخر حتی یفرغ من الاقامۃ لا بأس بہ فی قولہم جمیعاً۔
(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۲۵ فصل آداب الصلوٰۃ)[۱]

مقتدی کس وقت سلام پھیرے

سوال: مقتدی کو کس وقت سلام پھیرنا چاہیے؟

الجواب: مقتدی کیلئے بہتر یہ ہے کہ امام جب دائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی بھی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب امام دائیں طرف سے فارغ ہو کر بائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی امام کے بعد بائیں طرف سلام پھیرے یعنی امام سے مقدم نہ ہو۔

[۱] قال فخر الدینؒ قاضی خان: قال الفقیہ ابو جعفرؒ المختار ان ینتظر اذا سلم الامام عن یمینہ فیسلم المقتدی عن یمینہ فاذا فرغ الامام عن یسارہ یسلم المقتدی عن یسارہ۔ (فتاوی قاضیخان علیٰ ھامش الہندیۃ ج۱ ص۸۹ فصل فیمن یصح الاقتداء بہ وفیمن لا یصح)[۲]

سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا

سوال: نمازی کو سلام کے دوران کیا نیت کرنا چاہیے؟

الجواب: نمازیوں کی تین قسمیں ہیں (۱) امام (۲) مقتدی (۳) منفرد۔ اگر نمازی مقتدی ہو تو سلام کے دوران اگر امام دائیں طرف ہو تو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ملائکہ

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: و شروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمہا لا بأس بہ اجماعاً وھو قول الثانی والثلاثۃ وھو اعدل المذاھب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القہستانی معزیاً للخلاصۃ انہ الاصح۔
(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۱ ص۴۷۹ قبیل فصل اذا اراد الشروع)

[۲] قال الفقیہ ابو جعفرؒ: ان ینتظر اذا سلم الامام عن یمینہ یسلم المقتدی عن یمینہ واذا فرغ عن یسارہ یسلم المقتدی عن یسارہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۷۷ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ وآدابہا)

اُس طرف کے مقتدیوں اور امام کی نیت کرنی چاہیئے اور اگر امام بائیں طرف ہو تو مقتدی کے لیے ملائکہ وغیرہ کے علاوہ امام کی بھی نیت کرنی چاہیئے اور اگر مقتدی صف کے وسط میں امام کے پیچھے کھڑا ہو تو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر نمازی امام ہو تو امام کو دونوں طرف کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیئے۔ اور اگر نمازی منفرد ہو تو منفرد سلام میں ملائکہ حفظہ کی نیت کرنی چاہیئے۔

لما في الهندية: وينوي من عنده من الحفظة والمسلمين في جانبيه .... والمقتدي يحتاج الى نية الامام مع نية من ذكرنا فان كان الامام في الجانب الايمن نواه فيهم وان كان في الجانب الايسر نواه فيهم وان كان بحذائه نواه في الجانب الايمن عند ابي يوسفؒ وعند محمدؒ ينويه فيهما وهو رواية عن ابي حنيفةؒ وفي الفتاوى هو الصحيح والمنفرد ينوي الحفظة لا غير ولا ينوي في التسليمة عددا محصورا. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۷۶ الفصل الثالث في سنن الصلوة وآدابها) [۱]

فرض نماز کے بعد امام کے لیے جلد اٹھنے کا حکم

سوال: جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں تو امام کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: پنج وقتہ نمازوں میں سے بعض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں فراغت کے بعد امام کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ فوراً کھڑے ہو کر کچھ تقدیم و تاخیر کرکے باقی سنتیں ادا کرے، طویل ادعیہ میں مشغول ہونا خلاف اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاءؒ: وفي الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بادعية طويلة. (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۵۵۹ الفصل الثالث في بيان ما يفعله المصلي في صلاته بعد الافتتاح) [۲]

---

[۱] قال العلامة عبد الرحمن الجزائريؒ: ويسن ان ينوي المصلي بسلامه الاول من على يمينه وبسلامه الثاني من على يساره. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۲۶۶)

ومثله في الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص ۲۲۲ فصل سننها نية المصلي من على يمينه ويساره بالسلام۔

[۲] ومثله في الهندية: وفي الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بادعية طويلة. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۷۷ الفصل الثالث في سنن الصلوة الخ)

نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ نہ پڑھنے کی وجہ

سوال: نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ کیا یہ کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ الخ کے خلاف تو نہیں؟ دلائل سے ثابت کریں؟

الجواب: نماز میں ثناء (یعنی سبحانک اللھم) سے پہلے تسمیہ (بسم اللہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ تکبیر افتتاح کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانک اللھم کے بعد بسم اللہ پڑھنا احادیث میں منقول اور تمام کتب فقہ میں محفوظ ہے۔

لما ورد فی الحدیث عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک۔ (جامع ترمذی ص ۳۳ ج ۱ ابواب الصلوۃ باب ما یقول عند افتتاح الصلوۃ)

نماز میں نگاہ کہاں ہونی چاہئے

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو نماز کے اندر نگاہ کہاں رکھنی چاہئے؟

الجواب: نماز کے مختلف حالات میں مختلف مواقع پر نگاہ رکھنا مستحب ہے۔ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ، رکوع میں پاؤں کی انگلیوں پر، سجدہ میں ناک کی طرف، جلسہ و قعدہ میں اپنی گود میں اور پہلے سلام کے وقت دائیں کندھے پر اور دوسرے میں بائیں کندھے پر نگاہ رکھنی چاہئے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ والی ظہر قدمیہ حال رکوعہ والی ارنبۃ انفہ حال سجودہ والی حجرہ حال قعودہ والی منکبہ الایمن والایسر عند التسلیمۃ الاولیٰ والثانیۃ لتحصیل الخشوع۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۷ آداب الصلوۃ)

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ویضع یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ مستفتحا وقولہ مستفتحا حال من الموضع ای یضع قائلا سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک وقد تقدم انہ سنۃ لروایۃ الجماعۃ انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا افتتح الصلوۃ۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۲۵)

تشہد میں اشارہ کرنا مسنون ہے

سوال: بعض لوگ اشارہ فی التشہد کو حرام سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو حرام کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

الجواب: سبابہ سے اشارہ کرنا تشہد میں ایک مسنون فعل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث اس بارہ میں منقول ہیں، ائمہ مذاہب اربعہ سب اس پر متفق ہیں۔ احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طریقوں سے اشارہ کرنا ثابت ہے:۔

(۱) یہ کہ خنصر و بنصر اور وسطیٰ سب کا عقد کرکے ابہام کو سبابہ کی جڑ کے اصل (بیخ) کے ساتھ ضم کرکے سبابہ کے ساتھ اشارہ کیا جائے، اس عقد کو عرب کی اصطلاح میں ثلاث و خمسین کا عقد کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہی طریقہ مذکور ہے: عن ابن عمرؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى وعقد ثلاثة وخمسين وأشار بالسبابة۔ (مشکوٰۃ علی صدر مرقاۃ ج۲ ص۳۲۳ باب التشہد)

ملا علی قاری حنفی عقد ثلاثہ و خمسین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وهو أن يعقد الخنصر والبنصر والوسطى ويرسل المسبحة ويضم الإبهام إلى أصل المسبحة۔ (مرقاۃ ج۲ ص۳۲۳ باب التشہد)

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سبابہ کے ماسوا تینوں انگلیوں کا عقد کرکے ابہام کو وسطیٰ کی جڑ کے اوپر رکھا جائے، اس عقد کو عقد ثلاثہ و عشرین کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت میں منقول ہے: عن عبد الله بن الزبيرؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قعد يدعو وضع يده اليمنى على فخذه اليمنى ويده اليسرى على فخذه اليسرى وأشار بأصبعه السبابة ووضع إبهامه على أصبعه الوسطى. رواه مسلم (مشکوٰۃ ص۸۵)

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ خنصر و بنصر سے عقد کرکے وسطیٰ اور ابہام سے حلقہ بنائے۔ یہی طریقہ منقول ہے وائل ابن حجرؓ کی روایت سے: عن وائل بن حجر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثم جلس فافترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى وحد مرفقه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض ثنتين وحلق حلقة ثم رفع أصبعه يدعو بها. رواه أبو داود (مشکوٰۃ ص۹۱ باب التشہد)

مذکورہ بالا تین طریقوں کو فقہائے کرام نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور ثبوت طریقوں سے اشارے کو جائز اور سنت قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک مختار تیسرا طریقہ ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں: قال ابن حجرؒ وللفقہاء فی کیفیۃ عقدھا وجوہ احدھا ما ذکرناہ فی الطریق الاول وھو عقد ثلاثۃ وخمسین۔ والثانی ان یضم الابہام الی الوسطی المقبوضۃ کالقابض ثلثا وعشرین فان ابن الزبیر رواہ کذلک والثالث ان یقبض الخنصر والبنصر ویرسل المسبحۃ ویحلق الوسطی والابہام کما رواہ وائل بن حجر والاخیر ھو المختار عندنا قال الرافعی الاخبار وردت بھا جمیعاً وکانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع مرۃ ھکذا ومرۃ ھکذا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

رہا یہ کہ اشارہ کرنے میں انگلی کو شہادۃ ختم کرنے پر رکھا جائے گا یا اٹھائے رکھے گا اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ تقریباً سب فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اشہد ان لا الہ میں نفی پر اٹھا لے گا اور الا اللہ پر رکھے گا۔ لیوافق الرفع النفی والوضع الاثبات۔ البتہ بعض فقہاء نے ترمذی شریف کی ایک حدیث کے پیش نظر اٹھائے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور مولانا گنگوہیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے بھی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں یہ لکھا ہے کہ انہ انما رفعہا یستمر علی الرفع والعقد الی آخر الصلوٰۃ۔

اب آپ جس طرح چاہیں اشارہ کر سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام طریقوں سے اشارہ کرنا مسنون ہے اور جس کیفیت میں بھی کیا جائے جو احادیث میں منقول ہو تو جائز ہے۔

امام محمد بن حسنؒ "مؤطا" میں اشارہ کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۵۸ | ۱)

فقط واللہ اعلم

* * *

تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء سے قبل تسمیہ پڑھنے کا مسئلہ

سوال: نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنا کسی حدیث یا فقہاء کے اقوال سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنے کے لیے دلیل کے طور پر حدیث کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ عام درسی کتب میں یہی لکھا ہے کہ ثناء کے بعد تعوذ و تسمیہ پڑھا جاتا ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال صحابہ کرام اور فقہاء کرام اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں؟ براہ کرم اس مسئلے کا تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ میں ثناء یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ الخ سے پہلے تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ تکبیر افتتاح کے بعد متصلاً سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا احادیث میں منقول اور تمام کتب فقہ میں مذکور ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلوٰة قال سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔

(جامع الترمذي ج ۱ ص ۵۷ باب ما يقول عند افتتاح الصلوٰة)

عن أنس رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلوٰة كبّر ثم رفع يديه حتى يحاذي بإبهاميه أذنيه ثم يقول سبحانك اللهم الخ (الدارقطني ج ۱ ص [illegible] كتاب الصلوٰة باب دعاء الاستفتاح بعد التكبير) له

له قال العلامة ابن نجيم: ووضع يمينه على يساره تحت سرته مستفتحاً قوله مستفتحاً هو حال من الوضع أي يضع قائلاً سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك وقدمنا أنه سنة لرواية الجماعة أنه كان صلى الله عليه وسلم يقول إذا افتتح الصلوٰة۔ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص [illegible] باب صفة الصلوٰة)

نماز کے آداب اور خاصیتیں

حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

پیش نظر مقالہ حضرت مرحوم نے ایک سوالنامہ کے جواب میں تحریر فرمایا۔ سوال یہ تھا کہ نماز پڑھنے کے باوجود اس کے اثرات اور خاصیتیں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں؟ جس کے جواب میں حضرت علامہ مرحوم نے یہ بیش قیمت مضمون تحریر فرمایا تھا۔ جو کہ ماہنامہ الحق کی زینت رہا تھا۔ مقالہ ہذا کو کتاب الصلوٰۃ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے فوائد کیلئے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا گیا ہے۔ (مرتب)

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ (الآیۃ)

بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے۔

۱۔ نماز ایک حقیقت شرعیہ ہے جو کہ ہر عاقل بالغ سے مرد ہو یا عورت ہر حالت میں مطلوب ہے چاہے حالت صحت ہو یا بیماری حالت حضر یا سفر، جنگ ہو یا امن، سرکاری ملازم ہو یا قومی، امیر شخص ہو یا مزدور، زراعت میں مصروف ہو یا تجارت و حرفت میں۔ غرض یہ کہ جب تک انسان کے ہوش و حواس ٹھیک ہوں پنجگانہ نماز کی پابندی اس پر فرض عین ہے۔ کسی حالت میں ساقط نہیں ہو سکتی البتہ ہر شخص پر اس کی حالت اور استطاعت کے موافق فرض ہے۔ مریض معذور و مجبور کی نماز میں اور صحت اور مریض کی نماز میں فرق ہے۔ اسی طرح حالت جنگ اور امن کی نماز میں فرق ہے، اور اس میں شک نہیں کہ نماز کی پابندی نمازی کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ نماز چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک شرعی حقیقت ہے جس کے اجزاء ترکیبی ہیں جن کو ارکان و فرائض کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شرائط صحت ہیں ان دونوں کے بغیر حقیقت نماز تو درکنار صورت نماز بھی متصور نہیں ہو سکتی۔ ان ارکان اور شرائط میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو وہ نماز ازسرنو پڑھنا پڑے گی، اس کے علاوہ واجبات

سنن اور آداب ہیں، واجبات کے چھوٹنے سے اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے، اور سنن کے ترک سے اعادہ سنت ہے، مستحبات و آداب کے ترک سے اعادہ مستحب ہے۔ خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابی مذکور نماز سے فارغ ہو کر سلام کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا ارجع فصل فانک لم تصل (الحدیث) واپس جا پھر نماز پڑھ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اسی طرح حضورؐ نے انہیں تین مرتبہ واپس کر کے از سر نو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ایک بدری صحابی کی شان سے یہ مستبعد ہے کہ انہوں نے شروط صحت یا ارکان صلوٰۃ یا واجبات صلوٰۃ ترک کئے ہوں گے۔ غالب ظن یہ ہے کہ انہوں نے بعض سنن میں کوتاہی کی ہوگی۔ اس پر ان کو اعادہ صلوٰۃ کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی تکمیل بغیر سنن و مستحبات کی ادائیگی کے نہیں ہو سکتی۔

"شرائط صحت، فرائض صلوٰۃ، واجبات و سنن و مستحبات صلوٰۃ سے صورت صلوٰۃ کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ مگر نماز کے مقبول ہونے کی شرطیں ہیں۔ یعنی استحضار قلب و خشوع و خضوع و مناجات، اظہار عبودیت اس طور کہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک ہر ادا یعنی قرات، تکبیر، تسبیح، تشہد، قیام، قعود، رکوع، سجود حضور قلب سے ہو قلب غافل اور پریشان نہ ہو۔ ظاہراً و باطناً عجز و تذلل اور اظہار بندگی کے ساتھ ہو۔ یہ حضور قلب اور ظاہری و باطنی انقیاد بمنزلہ روح صلوٰۃ کے ہیں۔ اس کے بغیر حقیقت صلوٰۃ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ آیت مذکورہ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر اسی حقیقت کی پابندی کے ساتھ ادائیگی پر مرتب ہے۔ روح کے بغیر صورت کامل یا ناقص پر آثار و نتائج کا ترتب نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی گھوڑے کے نقش اور تصویر کو کاغذ یا دیوار پر کھینچ کر اس سے سواری یا بار برداری کا توقع رکھے چونکہ اس حقیقت کے احکام ہیں۔ قالب بے جان سے جاندار کے آثار کا تقاضا کرنا"

اس مختصر گزارش و تنبیہ کے بعد ذرا غور فرماویں کہ آجکل کے مسلمانوں کی نمازیں اس معیار کے مطابق ہیں؟ وہ حقیقت صلوٰۃ جس کی ادائیگی ہی نماز مطلوب ہے۔ خارج میں اس کا وجود ہے اگر ہو تو لامحالہ اس کی مواظبت سے ادائیگی پر یہ آثار مرتب ہوں گے۔ اور اگر نہیں تو محض ناقص صورت سے آثار و احکام کی توقع فضول ہے۔

۔ بعض جگہ میں اکثر مسلمان نمازی نہ تو شرائط صحت سے واقف ہیں نہ شرائط مقبولیت سے نہ ارکان اور واجبات و سنن وغیرہ سے باخبر ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی نمازوں کی صورت اگر حقیقی نماز کی صورت کے ساتھ موافق ہو تو اتفاقی حادثہ ہوگا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی شے کے اجزاء ترکیبی اور اجزاء تکمیلی و تحسینی اور ان کی ترتیب سے واقف نہ ہو، پھر اس شے کو صحیح ترکیب و ترتیب واقع کر سکے۔ الا یہ کہ اتفاقاً ایسا ہو جائے۔

آجکل کے مسلمان غیر تعلیم یافتہ تو درکنار اکثر سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ جو اسلامی تعلیم سے بے خبر ہوں۔ بسم اللہ اور اعوذ باللہ اور کلمہ توحید اور شہادت کے صحیح تلفظ پہ قادر نہیں تو ان کے صحیح معنی سے کیسے واقف ہوں گے؟

۲۔ دوسرا جواب یہ کہ نماز کے بے حیائی اور برائی سے روکنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں ——— اللہ تعالیٰ نے اس میں روکنے کی خاصیت رکھی ہے ——— جیسے بعض ادویہ میں بعض امراض کے دفع کرنے کی خاصیت رکھی گئی ہے۔ لیکن جس طرح کہ ادویہ ہر حال میں امراض کے دافع نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کی تاثیر بعض امور کے ساتھ مشروط ہے کہ خاص ترکیب ہو۔ خاص طریق استعمال ہو۔ خاص مقدار ہو۔ ایک مدت مخصوص تک مواظبت و دوام ہو۔ درمیان میں فصل نہ ہو دوا کی تاثیر کے منافی اشیاء سے پرہیز ہو۔ ان شروط کے تحقق اور موانع کے رفع کے بعد ادویہ امراض کے ازالہ میں مؤثر ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح نماز مؤثر بالخاصہ جبکہ شروط تاثیر موجود ہوں اور موانع مرتفع ہوں۔

دوسرے معنی یہ کہ نماز کو برائیوں سے روکنا بطریق تقاضا اور مطالبہ کے ہو۔ یعنی نمازی جبکہ نماز میں خضوع اور خشوع کے ساتھ اقرار الوہیت اللہ تعالیٰ کرے۔ اور اقرار خالقیت و ربوبیت اس کی کرے اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اپنی بندگی اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور معبودیت کا اعتراف کرے۔ تو نماز کی یہ مخصوص ہیئت اور اس کی پیرا و اور ہر جزو اس سے مطالبہ کرتا ہے زبان حال سے کہ اے غلامی اور بندگی کا دعویٰ کرنے والے! اس مولا کی جس کی ربوبیت خالقیت اور معبودیت کا تو اقرار کر چکا ہے۔ اس کی مخالفت سے باز رہ اور فواحش اور منکرات سے ترک جا۔ اور بد عہدی ترک اب کیوں باز آئے یا نہ آئے۔ مگر نماز کے اس تقاضا اور مطالبہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر (الآیۃ) پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے

ہو گئے ہیں برائی سے نہیں رکتا۔ تو نماز کے ہوتے ہوئے بھی اس کا نہ رکنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

۳۔ نماز سے غفلت کے اسباب مندرجہ سوال کے علاوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جب تک کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ کسی عمل کے متعلق ایک حاکم اعلیٰ (جو کہ عقاب دینے والا ہے) اور ہم کے سامنے جوابدہ نہ سمجھے تو اس کام سے غفلت برتتا ہے۔

۲۔ جب تک کہ انسان کسی کام کو اپنی دنیوی یا اخروی زندگی کی کامیابی کیلئے ضروری نہ سمجھے، تو اس عمل کے کرنے کی پرواہ نہیں رکھتا۔

۳۔ جب تک کہ انسان کسی عمل کے روحانی یا جسمانی فوائد شخصی انفرادی یا قومی اجتماعی منافع دنیوی یا اخروی مصالح سے ناواقف ہو۔ تو ایسے عمل کے کرنے کا سوال اس کے نزدیک عبث ہے بلکہ بسا اوقات اس عمل کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۴۔ جب تک کہ انسان کسی عمل کے ترک کے برے عواقب سے بے خبر ہو انفرادی اور اجتماعی نقصانات سے ناواقف ہو۔ دنیوی اور اخروی عقاب سے جاہل ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کام کی طرف توجہ دے۔

۵۔ جب تک انسان کی روحانیت پر بہیمیت، سبعیت، شیطنت غالب ہو جائے۔ تو انسانیت اور روحانیت مغلوب ہو کر اس کے تقاضے ناقابل اعتماد اور ناقابل فہم ہو جاتے ہیں۔ نماز اور دیگر فرائض ایمانی تقاضے ہیں۔ اور خود ایمان فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔

۶۔ بہت سے تارکین صلوٰۃ شیطان کے بہکانے سے اس امید پر ترک صلوٰۃ کے مرتکب ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں ان کے لئے شفاعت کر کے عقاب سے نجات دلائیں گے۔
شفاعتی لاہل الکبائر (الحدیث)

۷۔ اکثر عوام جو ترک صلوٰۃ اور دیگر کبائر میں مبتلا ہیں۔ نفس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور ناپیدا کنار مغفرت کا سبز باغ دکھا کر دھوکہ دیا ہے کہ اس رحمت واسعہ اور مغفرت کاملہ کے سامنے تمہارے معصیات ہیچ ہیں اور یہ رحمت اور مغفرت ضرور تمام مسلمانوں کو شامل حال ہوگی۔

۸۔ کسی سے سنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ (الحدیث) لہٰذا کلمہ پڑھنے والا ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ چاہے عمل کرے نہ کرے۔

۹۔ اہم سبب دین کی حقیقت سے بے خبری، اسلام کے فروع و اصول سے ناواقفی اسلامی تعلیم سے بیزاری ہے۔ عصر حاضر میں جہل یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ کہ علوم دینیہ کے عالم کو تعلیم یافتہ نہیں کہا جاتا۔ سکولوں اور کالجوں میں پڑھنا پڑھانا تحصیل علم اور تعلیم سمجھتے ہیں۔ اور اس میں

پڑھنے پڑھانے والوں کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ حالانکہ شرعی اصطلاح میں قرآن کریم، احادیث رسول
صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام دینیہ کے علوم کے علاوہ تمام فنون کو کسب، صنعت و حرفت اور فن کہا جاتا
ہے، فن انجینئری، فن ڈاکٹری، فن طب، فن زراعت وغیرہ وہاں لغت کے اعتبار سے علم کہنا صحیح
ہے کیونکہ لغت میں علم بمعنی دانستن یا سیکھنے کے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم
ثلاثۃ آیات محکمۃ وسنۃ قائمۃ وفریضۃ عادلۃ (الحدیث) علم تین ہیں، علم القرآن، مسلم
سنت ثابتہ، علم الفرائض یا احکام اجتہادیہ۔

۴۔ امور مذکورہ فی السوال میں ترک صلوٰۃ کو کافی دخل ہے۔ ان کے علاوہ ترک صلوٰۃ میں بہت سی
خرابیاں ہیں، جن کا بالتفصیل استقصا مشکل ہے مختصراً چند خرابیاں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ روحانی خرابیاں۔ صلوٰۃ درحقیقت ہیئات مخصوصہ میں اذکار خاصہ کا نام ہے، یعنی اللہ
کی حمد و ثنا، تلاوت قرآن، تکبیرات، تسبیحات، تشہد، درود، مناجات، خضوع وخشوع کے
ساتھ، اور روح انسانی چونکہ ملکی ہے، اس کی غذا بھی ذکر ہے، اسی کا اس کے استکمال اور ترقی
اور حیات کا مدار ہے، تارک الصلوٰۃ نے اپنی روح کو اپنی غذا سے محروم کرکے حیات جاودانی اور
کمال انسانی سے بے بہرہ کردیا۔

۲۔ روح کو جو تقرب عند اللہ فرائض ونوافل سے حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس پر جو عنایات اور
الطاف ربانی مرتب ہو سکتے تھے، ان سے محروم کردیا۔

۳۔ حدیث میں وارد ہے۔ الصلوٰۃ نور۔ یعنی صلوٰۃ دنیا میں روح انسانی کے لئے مانند نور کے
حق و صواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ سبب کشف معارف الٰہیہ ہے۔ قبر کی تاریکی کا ازالہ کرکے
روح کیلئے باعث انشراح اور سرور ہے۔ ظلمت قیامت میں سامان کشف واشراق ہے۔ تارک صلوٰۃ نے
ان تمام انواع انوار سے اپنی روح کو محروم کردیا اور برزخ اور قیامت کی تاریکیوں میں پریشان و سرگرداں کردیا۔

۴۔ حدیث سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ صغیرہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنے کے
لئے ایسے ہیں جیسے نہر کا پانی ازالہ نجاست کے لئے۔ بے نمازی نے تارک نماز ہوکر گناہوں سے روحانی
طہارت حاصل نہ کر سکا۔

جسمانی اور مادی نقائص

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سیماہم فی وجوہہم من اثر
السجود (الآیۃ) چہروں کی نورانیت جو نماز پڑھنے کا ثمرہ ہے۔ بے نماز کو یہ نور اور تجلی حاصل
نہیں ہوتا۔

۱۔ جسم کو نجاست اور احداث سے پاک کرنا نمازی کے لیے حقیقتاً وضو، غسل کے ذریعہ ضروری ہے۔ بے نمازی کو جبکہ نماز پڑھنے کی پرواہ نہیں، تو طہارت کا کیا خیال رکھے گا۔ لہٰذا اس کا جسم نجاست کے تلوث سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۲۔ نمازی پنجگانہ نماز کے لئے پانچ وقت وضو کرتا ہے جس سے اس کے اعضاء ظاہرہ پر میل کچیل گرد وغبار نہیں رہتا۔ بے نمازی اس جسمانی صفائی سے بے بہرہ رہتا ہے۔

۳۔ کسب اور کمائی میں برکت نہیں رہتی۔ بلکہ وہ مال جو نماز کے وقت میں نماز چھوڑ کر حاصل کیا گیا ہے۔ مال خبیث ہے۔ دوسرے پاک اموال میں اس کے ملنے سے خبیث پیدا کر دیتا ہے۔

۵۔ طبعی نشاط جسمانی چستی جو بدنی عبادت کے حرکات مختلفہ سے حاصل ہوتی ہے۔ بے نمازی کی بندگی چھوڑ کر اس سے محفوظ ہو سکتا۔ ہر ذہنی پریشانی کا روحانی علاج اشتغال بالصلوٰۃ ہے جیسا کہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر فزع الی الصلوٰۃ۔ یعنی شاق اور مشکل امور میں صبر و صلوٰۃ سے مدد لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر سے پریشان ہو جاتے۔ جلدی سے نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نماز میں مشغول ہو کر ہر غم واندوہ سے بلکہ ماسوی اللہ سے توجہ ہٹ کر صرف معبود حقیقی ملحوظ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر پریشانی و فکر سے ذہن فارغ ہو جاتا ہے۔ نیز مصلی اپنی نیاز مندانہ حاجات بذریعہ دعا تسبیح و تکبیر، قرأت و تہلیل، عاجزانہ رکوع و سجود کے ذریعہ معبود کریم کی رحمت اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ جس سے مشکل حل ہو کر پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دولت صرف نمازی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ نماز کی برکت سے سب سے بڑھ کر ہلاکت خیز خرابی جو قصداً ترک نماز سے پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض ائمہ کے نزدیک اگر یہ شخص توبہ نہ کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہوا۔ لہٰذا اس کی پاداش میں وہ ارتداداً قتل ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ پابندی سے نماز ادا کرو۔ اور مشرکین میں نہ ہوا کرو۔ اس کا مطلب ظاہر یہ ہے کہ نماز قصداً نہ پڑھنا مشرکین میں شامل ہونا ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے۔ ان بین العبد والکفر والشرک ترک الصلوٰۃ (رواہ مسلم) بے شک بندہ اور کفر و شرک کے درمیان فاصلہ ترک الصلوٰۃ ہے۔ یعنی بندہ اور کفر کے درمیان نماز مانع و حائل تھا۔ جب نماز چھوڑ دی، تو اب بندہ اور کفر و شرک کے درمیان کوئی حجاب نہ رہا۔ نیز وارد ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العہد الذی بیننا وبینہم الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارے اور ان کے یعنی کفار کے درمیان عہد نماز ہے جو
جس نے نماز چھوڑ دی۔ اس نے کفر کیا۔ اس مضمون کی بہت احادیث وارد ہیں جس کی وجہ سے
امام احمد صاحبؒ نے قصداً تارک الصلوٰۃ کو کفر کی حدود میں داخل سمجھ کر مرتد کا حکم لگایا۔ یعنی دوسرے
ائمہ اگرچہ فوری طور پر اس کو کافر نہیں کہتے۔ لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ کفر کے قریب پہنچ گیا۔ اگر توبہ نہ
کی۔ تو انجام کار ایمان کی حدود سے نکل جائے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص خشک بیابان میں سفر کرتا ہو اور
اس کے پاس پینے کے لئے پانی ختم ہو جائے۔ اس کے متعلق کہا جائے کہ فلاں ہلاک ہوا۔ اگرچہ وہ
بالفعل ہلاک نہیں۔ لیکن اسباب ہلاکت چونکہ پیدا ہو گئے ہیں۔ تو آخر کار ہلاک ہوگا۔
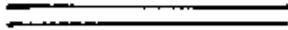
باب تسویۃ الصفوف

(صفوں کو سیدھا کرنے کے مسائل)

بوقتِ ضرورت پہلی صف خالی چھوڑنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے قبلہ کی جانب شمال و مشرق کی طرف ایک دیوار ہے جبکہ جنوب کی طرف کا حصہ خالی ہے لیکن جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو بعض لوگ شدتِ گرمی کی وجہ سے جنوب کے حصے کی جانب نہیں کھڑے ہوتے اور مسجد کے امام صاحب لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ پہلے اس صف کو پورا کیا جائے کیونکہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی صف جو باہر کے حصے میں ہے اور مسجد کے اندر جو دوسری یا تیسری صف ہے کیا یہ ثواب میں برابر ہیں یا ان کے درمیان فرق ہے؟

الجواب:۔ پہلی صف دوسری صفوف سے افضل ہے چاہے یہ دوسری صفوف مسجد کے اندر ہوں یا باہر ہوں اگر خدانخواستہ سخت دھوپ کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا لازم آتا ہے تو پہلی صف کا ترک کرنا بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا تاہم پہلی صف کی دوسری صفوف کے مقابلہ میں افضلیت احادیث میں ثابت ضرور ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا وخیر صفوف النساء آخرھا وشرھا اولھا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۱۸۲ باب تسویۃ الصفوف) [1]

صف میں کھڑا ہونے کا طریقہ

سوال:۔ نماز کے لیے صفیں باندھتے وقت صف کہاں سے شروع کی جائے؟ بعض کہتے ہیں کہ دائیں طرف سے جبکہ بعض کہتے ہیں درمیان سے، اگر کوئی بائیں طرف سے صف باندھے تو اس کا کیا

---

[1] عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا وخیر صفوف النساء آخرھا وشرھا اولھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۹۸ باب تسویۃ الصفوف) ومثلہ فی معارف السنن ج۳ ص۲۹۴ باب ما جاء فی فضل الصف الاول۔

حکم ہے؟

الجواب: اگر امام اور مقتدی ایک ہو تو بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑا ہو، بائیں طرف کھڑا ہونا خلافِ اولیٰ ہے، البتہ اگر مقتدی زیادہ ہوں تو پھر درمیان سے صف کا انعقاد کیا جائے، دائیں بائیں جانب سے بھی صف باندھنا جائز ہے اگرچہ خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ویقف الواحد) ولو صبیاً، اما الواحدة فتتأخر (محاذیاً) ای مساویاً (لیمین امامه) علی المذهب، ولا عبرة بالرأس بل بالقدم... (والزائد) یقف (خلفه)
قال ابن عابدینؒ: (قوله والزائد خلفه) عدل عبارة الوقایة عن قول الکنز والاثنان خلفه لایهامه خروج ما فوق الاثنین بل المراد ما زاد علی الواحد اثنان فاکثر لکن لم یفهم حکم الاکثر بالاولی وفی القهستانی وکیفیته ان یقف احدهما بحذائه والآخر بجنبه اذا کان الزائد اثنین، ولو جاء ثالث وقف عن یسار الاول والرابع عن یمین الثانی والخامس عن یسار الثالث وهکذا۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۶ باب الامامة)[1]

نابالغ کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا

سوال: سات یا آٹھ سال کا بچہ اگر بالغین کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ایک ہی ہوتا ہے اور پہلی صف میں جگہ خالی ہوتی ہے اور یہ بچہ پیچھے دوسری صف میں اکیلا کھڑا ہونے کے بجائے صفِ اول میں شامل ہو جاتا ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ بچے بالغین کی صف میں کھڑا ہونے کے بجائے اپنے لیے مستقل صف باندھیں، البتہ اگر بچہ ایک ہو یا زیادہ ہوں لیکن ان میں سے کوئی پہلی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر ایسا کرنا بہتر نہیں۔

---

[1] وفی الهندیة: اذا کان مع الامام رجل واحد وصبی یعقل الصلوٰة قام عن یمینه وهو المختار ولا یتأخر عن الامام فی ظاهر الروایة هکذا فی المحیط ولو وقف علی یساره جاز وقد اساء کذا فی محیط السرخسی... وافضل مکان المأموم حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وهو الاحسن هکذا فی المحیط۔
(الهندیة ج ۱ ص ۸۸ باب الامامة) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۳ باب الامامة۔

قال الحصکفیؒ (ثم الصبیان) ظاھرہ تعددھم فلو واحداً دخل الصف۔
قال ابن عابدینؒ (قوله فلو واحداً دخل الصف) ذکرہ فی البحر بحثاً قال وکذا لو کان المقتدی رجلاً وصبیاً یصفھما خلفه لحدیث انس فصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا وھذا بخلاف المرأۃ الواحدۃ فانھا تتأخر مطلقاً کالمتعدد اتباعاً للحدیث المذکور۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۷۱ باب الامامة) ـــه

امام سے بلا ضرورت دور کھڑا ہونا

سوال:۔ ایک شخص مسجد میں آکر امام کی اقتداء میں نیت باندھ لیتا ہے لیکن صف میں کھڑا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات امام کمرہ میں ہوتا ہے اور مقتدی برآمدہ میں کھڑے ہو کر امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے، ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص صفوں کو چھوڑ کر اکیلا امام کی اقتداء کرتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔
وفی الھندیۃ.... ولو اقتدی بالامام فی اقصی المسجد والامام فی المحراب فانه یجوز کذا فی شرح الطحاوی۔ (الھندیۃ ج۱ ص۸۸ باب الامامة) ٢ـه

نماز میں ٹخنوں اور کندھوں کے ملانے کا حکم

سوال:۔ نماز میں ٹخنے اور کندھے ملا کر کھڑا ہونا چاہئے یا بغیر کندھے ملائے ہوئے صف بندی کی جائے؟

الجواب:۔ نماز میں اصل چیز صف کا سیدھا رکھنا مطلوب ہوتا ہے اور جن بعض روایات

ـه وفی الھندیۃ: اذا کان مع الامام رجل واحد، وصبی یعقل الصلوۃ قام عن یمینه وھو المختار۔ واذا کان معه اثنان قاما خلفه وکذا ان کان احدھما صبیاً... ولو اجتمع الرجال والصبیان والخنثی والاناث والصبیات المراھقات یقوم الرجال اقصی ما یلی الامام ثم الصبیان الخ
(الھندیۃ ج۱ ص۸۸ باب الامامة) ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۳۵۴ باب الامامة۔

ٞه قال ابن عابدینؒ: فان المسجد مکان واحد ولذا لم یعتبر فیه الفصل بالخلاء الا اذا کان المسجد کبیراً جداً۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۸۴ باب الامامة)
ومثله فی فتاوی قاضی خان علی ھامش فتاوی ھندیۃ ج۱ ص۹۱۔

میں کعب کو کعب سے ملانے کا حکم وارد ہے تو اس سے مراد محاذات ہے حقیقی معنی اس سے مراد نہیں کیونکہ بیک وقت ٹخنوں اور کندھوں کو ملانا مشکل ہے۔

ثم قال العلامة الحصکفیؒ: ینبغی ان یأمرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم ویقف وسطاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۶۸ باب الامامۃ)[1]

صف میں اکیلے کھڑا ہونا

سوال:۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم نماز کی غرض سے مسجد میں آتے ہیں تو جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی ہے اور پہلی صف میں جگہ بھی نہیں ہوتی تو اب بعد میں آنے والا شخص کیا اکیلا ہی دوسری صف میں اقتداء کی نیت کرے یا کسی شخص کو صفِ اول سے کھینچ کر اپنے ساتھ دوسری صف میں ملا کر جماعت میں شامل ہو جائے جبکہ ایسا کرنا اس دور میں بہت مشکل ہے تو کیا ایسی صورت میں اکیلے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ بہتر تو یہ ہے کہ اکیلے نماز نہ پڑھے بلکہ صفِ اول سے کسی کو اپنے ساتھ ملائے اور جماعت میں شامل ہو جائے چونکہ دور حاضر میں دین سے بے رغبتی عام ہے اور جہل کی وجہ سے نماز کے فاسد ہونے کا احتمال قوی ہے اس لیے اکیلے کھڑے ہو کر اقتداء کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وقد مر کراھۃ القیام فی صف خلف صف فیہ فرجۃ للنھی وکذا القیام منفرداً وان لم یجد فرجۃ بل یجذب احداً من الصف ذکرہ ابن الکمال لکن قالوا فی زماننا ترکہ اولیٰ فلذا قال فی البحر یکرہ وحدہ الا اذا لم یجد فرجۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۶۸ مطلب فی الکراھۃ ...)[2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلوٰۃ ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبھم فی الصفوف ولا بأس ان یأمرھم الامام بذلک۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۵۳ باب الامامۃ) ومثلہ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۸۹ باب الامامۃ۔

[2] وفی الھندیۃ: ولکن المقتدی ان یقوم خلف الصفوف وحدہ اذا وجد فرجۃ فی الصفوف وان لم یجد فرجۃ فی الصفوف روی محمد بن شجاع وحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃؒ انہ لا یکرہ وان جذب احداً من الصف الی نفسہ وقام معہ فذلک اولیٰ کذا فی المحیط۔ وینبغی ان یکون عالماً حتی لا تفسد الصلوٰۃ علی نفسہ کذا فی خزانۃ الفتاوی۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۰۷ مکروھات الصلوٰۃ) ومثلہ فی مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ص۱۹۶ فصل فی المکروھات۔

پہلی صف میں کھڑے ہونا کس کا حق ہے

سوال :- بڑوں کی موجودگی میں نوجوان پہلی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- نماز باجماعت کے لیے پہلی صف میں کھڑے ہونا افضل ہے عمر کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ امام کے پیچھے ایسے شخص کو کھڑا ہونا چاہیئے جو خود بھی امامت کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ بوقت ضرورت اس کو خلیفہ بنایا جا سکے، ایسی حالت میں بے علم بڑوں کی جگہ ایسے نوجوان کا امام کے قریب ہونا بہتر ہے جو نماز پڑھا سکتا ہو۔

ولکن ینبغی لمن الامام الذی سبقه الحدث فی الاختیار ان یستخلف خلیفة له ومن لا یصلح اماما له فی الاختیار ولا یصلح خلیفة له کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۹۶ فصل فی الاستخلاف) [1]

پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہونا

سوال :- ہماری مسجد میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی صف میں جگہ ہوتی ہے بعض لوگ باوجود جگہ ہونے کے دوسری صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا مکروہ ہے؟

الجواب :- صفوں کو پُر کرنا جماعت کے آداب میں سے ہے، اگر کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے کہ پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہو جاتا ہے تو بموجب حدیث کے مکروہ ہے۔

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر رواه ابو داؤد (مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص ۹۸ باب تسویة الصفوف) [2]

ولما قال ابن عابدین: وعلیه فلو وقف فی الصف الثانی داخلها قبل استکمال الصف الاول من خارجه یکون مکروها (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ مطلب فی جواز الایثار بالقرب)

---

[1] عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلنی منکم اولو الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثلاثا وایاکم وهیشات الاسواق (المسلم ج ۱ ص ۱۸۱ باب تسویة الصفوف) ومثله فی مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص ۹۸ باب تسویة الصفوف۔

[2] عن ابی سعید الخدری قال رأی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی اصحابه تأخرا فقال لهم تقدموا فائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم لا یزال قوم یتأخرون حتی یؤخرهم الله (رواه مسلم ج ۱ ص ۱۸۲)

باب الجماعۃ

(نمازِ باجماعت کے مسائل)

عذر کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا

سوال: ہم سعودی عرب میں ایک کمپنی کے ملازم ہیں لیکن جب اذان ہوتی ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ کام کو چھوڑ کر مسجد میں جائیں اور جماعت سے نماز پڑھیں اگر ایسا کرتے ہیں تو کمپنی کا مالک ناراض ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض اوقات ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو کام رک جاتا ہے جس سے مالک کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں مارنے پر تیار ہو جاتا ہے، اندریں حالات کیا ہم اسی جگہ نماز پڑھ لیا کریں یا مسجد میں جانا ضروری ہے؟

الجواب: جہاں مال کے ضیاع اور ہلاکت کا خطرہ ہو اور ایسا ہی مالک کی جانب سے اپنی جان کو خطرہ ہو تو بوجہ ظلم کے آپ جماعت کو ترک کر سکتے ہیں لیکن جہاں کہیں موقع ملے انفرادی یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں۔

لما قال الحصکفیؒ و کالا علی مال یخشیٰ ... و ظلمۃ

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول و لا علی ... ظلمۃ یخاف علی نفسہ و مالہ ۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۲۰ باب الامامۃ)[1]

جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال: کسی محلہ کی مسجد میں جب ایک مرتبہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے جائیں تو بعض محلے والے دوسری مرتبہ بعض لوگوں کو جمع کر کے نماز باجماعت پڑھتے ہیں، تو کیا شرعاً جماعتِ ثانیہ کا محلہ کی مسجد میں کوئی جواز ہے؟

الجواب: فقہاء احناف کے نزدیک محلہ کی مسجد میں جس کا امام اور مؤذن مقرر ہو جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، البتہ ایسی مسجد جہاں کے امام یا مؤذن مقرر نہ ہو یا راستے کی مسجد ہو تو اس میں

---

[1] وفی الہندیۃ: تسقط الجماعۃ بالاعذار ... او کان اذا خرج یخاف ان یحبسہ غریمہ فی الدین ... او یخاف ضیاع مالہ ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۸۳ باب الامامۃ) ۔

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۶ باب الامامۃ ۔

جماعتِ ثانیہ جائز ہے البتہ اگر مسجد کے ساتھ ملحق کوئی حجرہ یا مدرسہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس میں جماعتِ ثانیہ کر لی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بھما فیہ اولاً غیر اھلہ او اھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اھلہ بدونھما او کان مسجد طریق جاز اجماعاً کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجاً فوجاً فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علی حدۃ کما فی امالی قاضی خان۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۵۳ باب الاذان مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد)[۱]

امام کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھنا

سوال: امام تسمیع کے بعد رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھے گا نہیں؟ اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی حرج تو نہیں آتا؟

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی، اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔

قال الحصکفیؒ: ثم یرفع رأسہ من رکوعہ مسمعاً (فی الولوالجیۃ ویبدل النون لاماً مفسد وھل یقف بجزم او تحریک قولان) ویکتفی بہ الامام (وقالا یضم التحمید سراً) (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۹۶ باب صفۃ الصلاۃ)[۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لا یباح تکرارھا فیہ باذان ثان، اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعاً وکذا فی مسجد قارعۃ الطریق کذا فی شرح المجمع للمصنف (فتاوی ھندیہ ج۱ ص۸۳ باب الامامۃ) ومثلہ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۶۷ باب الامامۃ)

[۲] وفی الھندیۃ: فان کان اماماً یقول سمع اللہ لمن حمدہ بالاجماع وان کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلا خلاف وان کان منفرداً الاصح انہ یأتی بھما کذا فی المحیط وعلیہ الاعتماد کذا فی التاتارخانیہ وھو الاصح ھکذا فی الھدایۃ ثم فی الروایۃ التی یجمع یأتی بالتسمیع حال الارتفاع واذا استوی قائماً قال ربنا لک الحمد کذا فی الزاھدی وھو الصحیح کذا فی القنیۃ۔ (فتاوی ھندیہ ج۱ ص۷۴ سنن الصلاۃ وآدابھا)

گھر کی حفاظت کے لیے جماعت ترک کرنا

سوال: کیا گھر کی حفاظت کے لیے جماعت چھوڑنا جائز ہے؟

الجواب: محض تردد اور شک کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا جائز نہیں البتہ اگر یقین ہو کہ عدم موجودگی میں کسی ظالم سے ایذاء پہنچے گی اور گھر کی بے پردگی ہوگی یا مریض کی بیماری بڑھ جائے گی تو ان صورتوں میں ترک جماعت کی گنجائش ہے۔

قال ابن عابدین تحت هذا القول ولاعلی ...... و توف علی ماله او من غریم او ظالم یخاف علی نفسه او ماله (قیدہ بوثیق) ای یحصل له بسببه المشقة والوحشة کل فی الاسناد۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۵ باب الامامة) [1]

بغیر عذر شرعی جماعت ترک کرنا

سوال: ایک شخص اپنے آپ کو صاحب نسبت ظاہر کرے اور اس کا حلقہ ارادت بھی بہت وسیع ہو ذکر و اذکار اور نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہو لیکن اس کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتا اکثر اس کی جماعت رہ جاتی ہے۔ تو کیا بغیر شرعی عذر کے جماعت کو ترک کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ایسے شخص سے بیعت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جماعت کو ترک کرے اور جماعت سے نماز پڑھنے کو اچھا نہ سمجھے تو ایسا شخص فاسق شمار ہوگا۔ اس لیے بوجہ فسق ایسے شخص سے بیعت کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس سے منصب بیعت کی توہین ہوتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: قال فی البحر هو الراجح عند اهل المذهب (فتسن او تجب) ثمرته تظهر فی الاثم بترکها مرة (علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰة بالجماعة من غیر حرج)

قال ابن عابدینؒ: تحت (قوله قال فی البحر) قال فی النهر هو اعدل الاقوال و اقواها ولذا قال فی الاجناس لا تقبل شهادته اذا ترکها استخفافا

---

[1] و فی الهندیة: تسقط الجماعة بالاعذار... او کان فیها لمریض او یخاف ضیاع ماله۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۳ باب الامامة)
ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۳۶۵ باب الامامة۔

ومجانة۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۲ باب الامامة) سلہ

تکبیر اولیٰ کا وقت کیا ہے؟

سوال:- تکبیر اولیٰ کا وقت کیا ہے؟ اور کب تک مقتدی امام کی اقتداء کرے تو تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جاتا ہے؟

الجواب:- تکبیر اولیٰ کی کئی صورتیں ہیں (۱) امام کے ساتھ متصل نیت باندھ کر اقتداء کرے تو سب کے نزدیک تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا (۲) البتہ ثناء کے بعد یا سورۃ فاتحہ کے بعد رکوع سے قبل اقتداء کرے تو یہ صورتیں اختلافی ہیں۔ اوسع اور صحیح یہی ہے کہ پہلی رکعت کے پالینے سے تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جاتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ تظهر فائدة الخلاف في وقت ادراك فضيلة تكبيرة الافتتاح فعنده بالمقارنة وعندهما اذا كبر في وقت الثناء وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضراً وقبل سبع لو غائباً وقيل بادراك الركعة وهذا اوسع وهو الصحيح۔ وقيل بادراك الفاتحة وهو المختار۔

(رد المحتار ج۱ ص۳۲۲ باب صفة الصلوٰة مطلب في وقت ادراك فضيلة الافتتاح) سلہ ۲

امام کا مقتدی کی تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیرنا

سوال:- بعض مساجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ابھی مقتدی تشہد میں درود یا دعا پڑھ رہا تھا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا اب مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ امام صاحب کے ساتھ ہی سلام پھیر دے یا اپنی تشہد

سلہ قال ابن نجیمؒ وذكر في غاية البيان معزياً الى الاجناس ان تارك الجماعة يستوجب اساءة ولا تقبل شهادته اذا تركها استخفافاً بذلك ومجانة اما اذا تركها سهواً وتركها بتأويل بان يكون الامام من اهل الاهواء او غير مراعٍ لمذهب المقتدي فلا يستوجب الاساءة وتقبل شهادته۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۵ باب الامامة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۸۳ باب الامامة)

سلہ ۲ فضيلة تكبيرة الافتتاح تكلموا في وقت ادراكها والصحيح ان من ادرك الركعة الاولى فقد ادرك فضيلة تكبيرة الافتتاح كذا في الخلاصة في باب ابي يوسفؒ۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۶۹ الباب الرابع في صفة الصلوٰة)

مکمل کرکے سلام پھیرے؟

الجواب:- اگر امام مقتدی کی تشہد کے پورا کرنے کے بعد سلام پھیر دے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ بھی سلام پھیر دے کیونکہ امام کی متابعت ضروری ہے البتہ اگر مقتدی نے تشہد پوری نہ کی ہو تو پھر تشہد پوری کرکے سلام پھیر دے۔

لما قال العلامة فخر الدين الشهير بقاضی خان ولكن لو سلم الامام قبل ان يفرغ المقتدى من التشهد فانه يتم التشهد۔ (الفتاوى القاضی خان علی هامش الهندية ج ۱ ص ۱۰۱ فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح)

مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ نماز باجماعت پڑھنا

سوال:- ہمارے سکول کے طلبہ کی تعداد ۲۰۰ ہے جو سکول کے قریب شہر کی کئی مساجد میں نماز ظہر بعض مساجد میں یہ طلباء قبل از اذان ظہر نماز پڑھ کر سکول آجاتے ہیں چونکہ سکول کی مسجد بہت چھوٹی ہے البتہ سکول کا صحن بہت وسیع ہے۔ تو کیا عند الشرع طلباء مذکور سکول کے صحن میں نماز باجماعت پڑھنا صحیح ہے اور جن طلبہ نے قبل از اذان نماز پڑھی ہے ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- (۱) ظہر کی اذان جامعہ شہروں میں مستحب وقت میں ہوتی ہے اور ظہر کی نماز کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اذان سے قبل اور بعد زوال ظہر کی نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔

(۲) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد شرعی کا ہونا زیادہ مناسب و بہتر ہے البتہ اگر بنا بر مجبوری سکول کے صحن میں یا کسی دوسری جگہ جماعت کی جائے تو شرعاً اس میں کوئی

لہ وفی الهندية: ولو سلم الامام قبل ان يفرغ المقتدى من الدعاء الذي يكون بعد التشهد او قبل ان يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم فانه يسلم مع الامام — وفي الهندية اذا ادرك الامام في التشهد وقام الامام قبل ان يتم المقتدي او سلم الامام في آخر الصلوة قبل ان يتم المقتدي من التشهد فالمختار ان يتم التشهد — (الفتاوى الهندية ج۱ ص۹۰ باب الامامة الفصل السادس فيما يتابع الامام وفيما لا يتابعه)

ومثله في كبيري شرح منية المصلي ص4K باب الامامة السابع في الاقتداء۔

قباحت نہیں۔

کمافی الحدیث عن ابی ذر جعلت لی الارض طہورا و مسجدا (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۶۹)

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام۔ رواہ ابوداؤد و الترمذی والدارمی (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۸ باب المساجد)

معذور لنگڑے کا جماعت ترک کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص معمولی لنگڑا ہو تو کیا اس کا نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اگر لنگڑا آسانی سے مسجد میں آسکے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مسجد میں آئے، البتہ اگر زیادہ معذور ہو اور مسجد میں آنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہو تو اس پر مسجد میں آنا واجب نہیں۔

قال ابن عابدین: او اعرج الذی لا یستطیع المشی۔ (رد المحتار جلد ۱ باب الامامۃ ص ۵۵۴)[2]

نماز میں رئیس محلہ کا انتظار کرنا

سوال:۔ ہمارے محلے میں ایک رئیس رہتا ہے جب تک وہ مسجد میں نہ آئے اس وقت تک امام صاحب نماز نہیں پڑھتے بلکہ اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں، عموماً اس کے آنے کا مکمل یقین بھی نہیں ہوتا۔ تو کیا شریعت میں نماز باجماعت کے لیے کسی کا انتظار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی ضعیف و کمزور ہو اور مسجد میں ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو تو اس کے لیے انتظار کیا جاسکتا ہے لیکن کسی رئیس محلہ کے لیے انتظار کی گنجائش نہیں البتہ اگر اس سے شر کا خطرہ ہو تو وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے انتظار کیا جاسکتا ہے۔

قال الحصکفی: رئیس المحلۃ لا ینتظر مالم یکن شریرا والوقت متسع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ باب الاذان)[3]

---

[1] اخرج الامام ابوعیسی الترمذی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام۔ (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۴۳)

ومثلہ فی ابی داؤد ج ۱ ص ۶۸ باب فی مواضع التی لا تجوز فیہا الصلوٰۃ۔

[2] وتسقط الجماعۃ بالاعذار ... والمفلوج الذی لا یستطیع المشی۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۸۳ الفصل الاول فی الجماعۃ)

[3] ینتظر المؤذن الناس ویقیم للضعیف المستعجل ولا ینتظر رئیس المحلۃ وکبیرہا کذا فی معراج الدرایۃ (فتاوی ہندیہ جلد ۱ ص ۵۷ باب الاذان) ومثلہ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۸ باب الاذان۔

شیعہ امام کی اقتداء کا حکم

سوال: شیعہ عقائد رکھنے والے امام کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟ اگر دوسرا کوئی امام موجود نہ ہو تو کیا بوقت ضرورت اس کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب: ہمارے ملک کے اکثر شیعہ وہ عقائد رکھتے ہیں جو غالی شیعوں کے عقائد ہیں جن میں حضرت علیؓ کی الوہیت، سب شیخین، تحریف القرآن اور سب عائشہ صدیقہؓ جیسے عقائد شامل ہیں، لہٰذا ایسے عقائد رکھنے والے کی اقتداء بوجہ مسلمان نہ ہونے کے کسی صورت میں جائز نہیں، تاہم جو شیعہ غالی نہ ہو وہ مبتدع کے حکم میں ہو کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال ابن عابدینؒ فی کتب الفتاوی نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ تعالی عنہا او انکر صحبة الصدیقؓ او اعتقد الالوهیة فی علیؓ او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ولکن لو تاب تقبل توبته هذا خلاصة ما حرره فی کتابه تنبیه الولاة والحکام۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۱۹ کتاب الجہاد)

قال العلامة الحصکفیؒ: ومبتدع ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وکل من کان من قبلتنا ۔۔۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص [illegible] باب الامامة)

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه اللہ تعالی: قوله وفاسق والمبتدع ای صاحب بدعة وهی کما عرفها الشمنی بانها ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما۔ الخ

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹ باب الامامة)

وقال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: الرافضی ان کان یسب الشیخینؓ ویلعنهما فهو کافر وان کان یفضل علیا علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنهم لا یکون کافرا لکنه مبتدع۔

(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۱ کتاب الفاظ الکفر)

مبتدع کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن وہ ایسے اعمال کا مرتکب ہے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور ایسے اعمال وہ ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔ کیا اس قسم کی بدعات کے مرتکب شخص کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی امام ایسے امور کا مرتکب ہو جو عند الشرع ثابت نہیں لیکن یہ شخص ان امور کو دین سمجھ کر کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا ہو تو بوجہ مبتدع ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

لیکن واضح رہے کہ کسی شخص پر بغیر کسی تحقیق کے مبتدع کا فتویٰ لگانا دانشمندی نہیں اور نہ ہر کام کو بدعت کہنا صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ ويكره (إمامة) مبتدع أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وكل من كان من قبلتنا۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص[illegible] باب الامامة) له

جادو کرنے والے شخص کی اقتداء

سوال:۔ ایک شخص جادو اور منتر کے ذریعے مال جمع کر رہا ہے۔ بسا اوقات اس عمل کے دوران وہ غیر اللہ سے استعانت جیسے قبیح فعل کا بھی مرتکب ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے جبکہ کبھی کبھی موصوف اپنی غیب دانی کا بھی دعویٰ کرتا ہے؟

الجواب:۔ نفس تعویذ کرنا از روئے شرع ممنوع نہیں البتہ جادو کرنا اور استعانت میں غیر اللہ کے مشرکانہ الفاظ سے تعویذ کرنا یا منتر پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔

قال ابن عابدينؒ: قال في الخانية امرأة تضع يات التعويذ ليحبها زوجها بعد ما كان يبغضها ذكر في الجامع الصغير أن ذلك حرام فلا يحل اھ وذكر ابن وهبان في توجيهه أنه ضرب من السحر والسحر حرام اھ ومقتضاه أنه ليس مجرد كتابة آيات بل فيه شيء زائد۔ قال الزيلعي وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أنه قال

له قال ابن نجيمؒ: تحت هذا القول (ومبتدع) وعرفها الشمني بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۹ باب الامامة)

سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الرقی والتمائم والتولة شرك۔

(رواه ابوداؤد وابن ماجه۔ رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص۲۳۲ کتاب الحظر والاباحة)

نیز غیب کی باتوں کے علم کا دعویٰ کرنا بے بنیاد اور باطل عقیدہ ہے ایسے عقائد ونظریات رکھنے والے شخص کی اقتداء نہ کی جائے کیونکہ ایسی باتیں عقیدہ بنانے کے باوجود بھی حرام اور ناجائز ہیں۔

قال الحصکفیؒ: تحت هذا القول ویکره امامة ..... مبتدع ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وکل من کان من قبلتنا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامة) [له]

خنثیٰ مشکل کی امامت کا حکم

سوال: ایک شخص علم وفضل وکمال میں سب سے اعلیٰ ہے لیکن جنس کے لحاظ سے وہ خنثیٰ مشکل ہے کیا اس کی اقتداء درست ہے؟

الجواب: اگر کوئی شخص علم وفضل وکمال کے لحاظ سے سب سے بہتر ہی کیوں نہ ہو لیکن جنس کے لحاظ سے خنثیٰ مشکل ہو تو اس کی اقتداء ناجائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولا یصح اقتداء رجل بامرأة) وخنثی (وصبی مطلقاً)

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۷۷ باب الامامة) [له]

[له] وفی الهندیة: قال المرغینانی تجوز الصلوٰة خلف صاحب هوی وبدعة وفیه وان کان هوی لا یکفر به صاحبه تجوز الصلوٰة خلفه مع الکراهة والا فلا هکذا فی التبیین والخلاصة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۸۴ باب الامامة)

قال ابن نجیمؒ: هذا القول (والمبتدع) وعرفها الشمنی بانها ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دینا قویماً وصراطاً مستقیماً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الامامة)

[له] وفی الهندیة: وامامة الخنثی المشکل للنساء جائزة ان تقدمهن وان قام وسطهن فسدت صلوته لوجود المحاذات ان کان الامام رجلاً کذا فی محیط السرخسی وللرجال والخنثی مثله لا یجوز۔ (هندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامة) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۴۷ باب الامامة۔

حنفی المسلک کے لیے غیر حنفی امام کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص حنفی المسلک ہے لیکن وہ ایک ایسے ملک میں مقیم ہے جہاں پر تمام امام شافعی یا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے مقلد یا غیر مقلد ہوں تو ایسی صورت میں حنفی المسلک مقتدی کا غیر حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مذکورہ غیر حنفی امام اختلافی مسائل کی رعایت کرنے میں مشہور ہو یا مقتدی کا اس کے متعلق اختلافی مسائل میں رعایت کرنے کے بارے میں ظن غالب ہو، مثلاً خون بہنے اور قے میں وضو کرنے کا اہتمام کرتا ہو تو پھر اس کی اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔

وفی الهندية: والاقتداء بشافعي المذهب انما يصح اذا كان الامام يتحامٰى مواضع الخلاف بان يتوضأ من الخارج النجس من غير السبيلين كالفصد وان لا ينحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً هكذا في النهاية والكفاية في باب الوتر۔

(الهندية ج۱ ص۸۴ باب الامامة) [1]

منصب امامت میں ارث اور وصیت کا حکم

سوال:- ایک شخص جو کسی مسجد کا باقاعدہ امام ہے وفات کے بعد وہ اپنی جگہ منصب امامت کے لیے اپنے ورثاء میں سے کسی ایک شخص کو مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں اگر اس نے کسی خاص شخص کے بارے میں وصیت کی ہو تو اس کی رعایت کہاں تک کی جائے گی؟ اور بغیر وصیت کے بھی اگر کوئی شخص اس میں ارث کا دعویٰ کرے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب:- منصب امامت کوئی جائیداد اور مال نہیں کہ جس میں وراثت جاری ہو سکے یا صورت کی وصیت کی رعایت کی جائے، منصب امامت کی تقرری امام کی اہلیت، تقویٰ، کردار اور علم و عمل کے علاوہ اہل محلہ کی رضامندی پر ہے، امام کے مرنے کے بعد اہل محلہ جس کو بھی امامت تفویض کریں وہی محلہ کی مسجد کا امام تصور ہوگا۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما لم یعلم منه ما یفسد الصلوٰۃ علی اعتقاد المقتدی علیه الاجماع انما الاختلاف فی الکراهة۔
(رد المحتار علی الدر المختار المعروف شامی ج۱ ص۵۶۳ باب الامامة)۔
ومثله فی فتاوی غیاثیه ص۲۱ باب الامامة والاقتداء۔

قال الحصکفیؒ: (والاحق بالامامة) تقدیماً بل نصباً مجمع الانهر (الاعلم باحکام الصلوٰة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض، وقیل واجب، وقیل سنة (ثم الاحسن تلاوة) للقراءة (ثم الاورع) ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجهاً ثم الاشرف نسباً. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۷ باب الامامة)[1]

بدکردار اور مفعول کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن وہ اپنے کردار کے لحاظ سے بدنام ہے، مثلاً مفعولیت میں مشہور ہے، تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- موصوف کی بدنامی اگر امامت سے قبل کی ہو اور بعد میں اس نے توبہ کرلی ہو تو اس کی اقتداء جائز ہے، کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اس کی حیثیت مجروح نہیں رہتی، لیکن اگر یہ بدنامی کسی ایسے فعل کی وجہ سے ہو جس میں فی الحال یہ شخص مبتلا ہو تو بوجہ فسق اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هذا القول: (ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربا ونحو ذلك. (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۹ باب الامامة)[2]

منکوحہ کے نکاح پڑھانے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص اپنی منکوحہ

---

[1] وفی الهندیة: الاولی بالامامة اعلمهم باحکام الصلوٰة هکذا فی المضمرات وهو الظاهر هکذا فی البحر الرائق. هذا اذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هکذا فی التبیین ولم یطعن فی دینه کذا فی الکفایة وهکذا فی النهایة ویجتنب الفواحش الظاهرة وان کان غیره اورع منه کذا فی المحیط وهکذا فی الزاهدی وان کان متبحراً فی علم الصلوٰة لکن لم یکن له حظ فی غیره من العلوم فهو اولیٰ کذا فی الخلاصة. (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۸۳ باب الامامة، الفصل الثانی) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۶۔

[2] وفی الهندیة: تجوز امامة الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هکذا فی المتون. (الهندیة ج ۱ ص ۸۵ باب الامامة) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۸ باب الامامة۔

دلہن خاوند کے سپرد کرنے کے بجائے اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر دے جبکہ یہ فعل معاشرہ میں بھی قبیح سمجھا جاتا ہے تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- منکوحہ کا نکاح پڑھوانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، نکاح علی النکاح کالعدم ہو کر اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، اگر امام مذکور نے عمداً یہ کام کیا ہو تو بوجہ فاسق ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولو ام قوماً وهم له کارهون ان) الکراهة (لفساد فیه او لانهم احق بالامامة منه کره) له ذلك تحريماً لحديث ابي داؤد لا يقبل الله صلوٰة من تقدم قوماً وهم له کارهون۔ (رد المحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج۱ ص۴۱۳ باب الامامة)[1]

عمامہ نہ پہننے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- کیا پگڑی نہ پہننے والے شخص کی اقتداء جائز ہے؟ ہمارے ہاں بعض لوگ عمامہ کے بارے میں انتہائی متشدد ہیں، یہاں تک کہ جس کے سر پر عمامہ (پگڑی) نہ ہو تو اس کی اقتداء ناجائز سمجھتے ہیں، اور ترکِ عمامہ منافیِ صلوٰۃ تصور کرتے ہیں۔ کیا قرآن و حدیث اور اقوالِ فقہاء کی رو سے یہ صحیح ہے؟

الجواب:- اس میں کوئی شک نہیں کہ عمامہ (پگڑی) پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے لیکن یہ سنن عادیہ میں سے ہے، یعنی پگڑی وہ عمدہ لباس ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال کر کے پسند فرمایا ہے۔

قال صدر الشهيدؒ: فسنن الهدى وان كانت على سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب والاكل باليمين وتقديم الرجل اليسرى في الدخول ونحو ذلك كالسنن في الاذان الى آخره۔ (شرح الوقاية ج۱ ص۶۹ كتاب الطهارة)[2]

جیسا کہ دھوتی اور سفید رنگ کے کپڑے پہننے کی فضیلت نماز سے خاص نہیں ایسا ہی عمامہ کا پہننا بھی نماز سے خاص نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لباس عزت کا لباس سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] وجه ان ام قوماً وهم له كارهون فان كانت الكراهة لفساد فيه او لانهم احق بالامامة منه كره له ذلك وان كان هو احق بالامامة لا يكره لان الجاهل والفاسق يكره الصالح۔ (الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۱ ص۹۲ باب ما يصح الاقتداء فيه وما لا يصح)

ومثله في الهندية ج۱ ص۸۷ باب الامامة۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں جاتے وقت عزت کے لباس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔ بنا بریں فقہاء عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تاہم اگر کسی شخص کو عمامہ میسر نہ ہو تو پھر بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال طاہر بن عبدالرشیدؒ: وفی الاصل لا بأس بان یصلی الرجل فی ثوب واحد متوشحاً ویوم کذلک والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحاً به جمیع بدنه کازار المیت یجوز صلوته من غیر کراهة۔ (خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس فی ستر العورة)[1]

بلکہ یہ حکم امام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ حکم ہر نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔ عمامہ کی اس حقیقت کی وضاحت کے بعد اس کو صرف منصب امامت سے خاص کرنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اور اس کے نہ پہننے کو مفسدات نماز میں شمار کرنا فقہی ذخیرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

البتہ اگر ایک شخص پگڑی کو عزت کا لباس سمجھے، کسی بڑی محفل اور مجلس میں جاتے وقت پگڑی کا استعمال کرے لیکن نماز پڑھتے وقت اس کا اہتمام نہ کرے تو ایسی صورت میں ثیاب بذلہ کے حکم میں ہو کر ہر مصلی کے لیے یہ مکروہ ہے اور جو شخص اس کا پابند نہ ہو اور نہ پگڑی اس کی عادت بنی ہوئی ہو تو ایسی صورت میں بغیر عمامہ کے امام کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تاہم جہاں پر عمامہ کا ترک کرنا فتنہ وفساد کے برپا ہونے کا سبب بنتا ہو تو ایسی جگہ میں عمامہ کے بغیر نماز نہ پڑھائی جائے کیونکہ عمامہ کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں، اور فتنہ وفساد کا انسداد بھی ضروری ہے۔

قاتل کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا قاتل تائب کی اقتداء جائز ہے جبکہ مقتول کے ورثاء نے اس کو معاف نہ کیا ہو؟

---

[1] قال ابن نجیمؒ: والمستحب ان یصلی فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۹۹ باب شروط الصلوٰة)

وفی الہندیة: والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحاً به تجوز صلوته من غیر کراهة۔ (ج۱ ص۵۸ الباب الثالث فی شروط الصلوٰة)

الجواب: کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے ایسا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا بلکہ مقتول کے ورثہ کو راضی کرنا ضروری ہے۔ صورتِ مذکورہ میں زبانی توبہ کر لینے کے باوجود اس شخص کا فسق و فجور باقی ہے جس کی اقتداء بوجہ فسق کے مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ایسے شخص کو مستقل امام نہ بنایا جائے۔

قال ابن عابدینؒ (وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربو ونحو ذلک۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۵۲۰ باب الامامة)

قال ابن عابدینؒ تحت هذا القول لا تصح توبة القاتل حتی یسلم نفسه للقود وجه انه ان لا تکفیه التوبة وحدها قال فی تبیین المحارم واعلم ان توبة القاتل لا تکون بالاستغفار والندامة فقط بل یتوقف علی ارضاء اولیاء المقتول ـ

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۶ ص۵۴۸ کتاب الجنایات)[1]

نابالغ کی اقتداء کا حکم

سوال: نابالغ امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ ثانی تراویح اور فرائض کا حکم ایک ہے یا ان دونوں میں فرق ہے؟

الجواب: نابالغ کی اقتداء مطلقاً (خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں) مکروہ تحریمی ہے، نابالغ کی جگہ کسی بالغ کو امام بنایا جائے۔

وفی الهندیة: امامة الصبی المراهق لصبیان مثله یجوز کذا فی الخلاصة وعلی قول ائمة بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقة کذا فی فتاوی قاضی خان المختار انه لا یجوز فی الصلوات کلها کذا فی الهدایة وهو الاصح هکذا فی المحیط وهو قول العامة وهو ظاهر الروایة۔ هکذا فی البحر الرائق ج ۱ ص۸۵ باب الامامة الفصل الثالث

---

[1] وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة [الا انها تکره هکذا فی المتون۔ ج ۱ ص۸۵ باب الامامة]

قال العلامة الشیخ محمد کامل الطرابلسی: لا تصح توبة القاتل حتی یسلم نفسه للقود۔ (الفتاوی الکاملیة ص۲۵۲ کتاب الجنایات)

فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ) [1]

صاحبِ نسبت نہ ہونے والے امام کی اقتداء

سوال:۔ ایک شخص کسی متبعِ شریعت پیر سے بیعت ہو گیا اس کے لیے کسی ایسے امام کی اقتداء جائز ہے جو نیک اور متقی ہونے کے باوجود کسی پیر سے بیعت نہ ہو۔

الجواب:۔ مروجہ بیعت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصلاحِ نفس کا ایک ذریعہ ہے اگرچہ موجودہ فتنہ و فساد کے دور میں اصلاحِ نفس کے لیے کسی متبعِ شریعت پیر سے بیعت کرنے کے علاوہ کوئی اکسیر نسخہ موجود نہیں، تاہم متقی ہونے کے باوجود صاحبِ نسبت نہ ہونا اس کے لیے موجبِ تفسیق نہیں، اس لیے صاحبِ نسبت مقتدی کی اقتداء بغیر کسی کراہت کے غیر بیعت شدہ امام کے پیچھے جائز ہے۔ فقہاء نے وجوہاتِ ترجیح میں بیعت کرنا نہیں لکھا ہے۔

قال الحصکفیؒ: والاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوۃ للقراءۃ ثم الاورع ای الاکثر اتقاء للشبہات والتقوٰی اتقاء المحرمات ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجہاً ثم الاشرف نسباً ثم الانظف ثوباً۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۵۵۷ باب الامامۃ) [2]

معذور کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص وضو برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے شرعی معذور ہے اور حاضرین میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں جو تندرست ہو کہ وہ جماعت کرا سکے کیا ایسی صورت میں معذور امام کی اقتداء جائز ہے یا اس کی جگہ کسی داڑھی منڈے کو جماعت کے لیے آگے کیا جائے؟

---

[1] قال الحصکفیؒ: ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ و خنثیٰ وصبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۵۷۷ باب الامامۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۵۹ باب الامامۃ۔

[2] وفی الہندیۃ: اولی بالامامۃ اعلمہم باحکام الصلوٰۃ ہکذا فی المضمرات وھو الظاہر ہکذا فی التبیین، ھذا اذا علم من القراءۃ قدر ما تقوم بہ سنۃ القراءۃ ہکذا فی البحر الرائق ھذا اذا علم من القراءۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۸۳ باب الامامۃ الفصل الثانی فی بیان من ھو احق بالامامۃ)

الجواب :۔ معذور امام تندرست اور غیر معذور مقتدیوں کو عذر کے ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھا سکتا، ایسی حالت میں بوقت ضرورت فاسق و فاجر کی اقتداء جائز ہے، اس لیے داڑھی منڈے کو نماز کے لیے آگے کیا جا سکتا ہے۔

قال ابن نجیمؒ وفی المجتبیٰ وغیرہ کراهة تنزیهیة لقوله فی الاصل امامة غیرهم احب الیّ وحکی فی معراج الدرایة وفی فتاوی لو صلی خلف فاسق او مبتدع ینال فضل الجماعة لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع لقوله صلی الله علیه وسلم من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی۔

وفیه: وفی سراج الوهاج فان قلت فلا فضیلة ان یصلی خلفه قولاً او لا تنفرد قیل اما فی حق الفاسق فالصلوٰة خلفه اولی ما ذکر فی الفتاوی۔

(البحر الرائق ج۱ ص۳۴۹ باب الامامة)

قال الحصکفیؒ (ولا طاهر بمعذور) هذا ان قارن الوضوء الحدث او طرأ علیه بعده۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۸۸ باب الامامة)[1]

گانا سننے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال :۔ ایک امام خود گانا سنتا ہو اور اس میں غلو کرکے بسا اوقات مستورات کے گیت گانے کو جائز قرار دیتا ہو دلیل میں شادی بیاہ کے موقعہ پر دف کے جواز سے استدلال کرتا ہو اور یہ بھی کہتا ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ان عورتوں کے ساتھ مل کر گیت گاؤں، یہ عورتیں بہت ہی اچھا گاتی ہیں، شرعاً ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ شادی بیاہ میں مشروط دف سے مطلقاً گانے سننے پر استدلال کرنا تو علم شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ موجودہ دور میں بے حیائی اور بے دینی کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ گانے شادی بیاہ میں ہوں پھر بھی ناجائز ہے۔ موجودہ دور کے رقص و گانے بے شمار مفاسد کا پیش خیمہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ تحت هذا القول (ولا طاهر بمعذور) ای وفسد اقتداء طاهر بصاحب العذر المفوت شرطه لان الصحیح اقوی حالاً من المعذور والشیء لا یتضمن ما هو فوقه والامام ضامن بمعنی تضمن صلاته صلاة المقتدی۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۶۲ باب الامامة)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۴ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره۔

ہونے کی وجہ سے ان کا سننا ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں کسی امام کا گانے سننا اور پھر اس کے جواز کے لیے مواد جمع کرنا امورِ فسقیہ میں سے ہے لہٰذا ایسے فاسق و فاجر کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيمؒ تحت قوله ومن يلعب بالطنبور او يغني للناس لانه يجمع الناس على ارتكاب كبيرة كذا في الهداية وظاهره ان الغناء كبيرة...... وفي المعراج الملاهي نوعان محرم وهو الآلات المطربة من غير الغناء كالمزمار سواء كان من عود او قصب كالشبابة او غيره كالعود والطنبور لما روى ابو امامة انه عليه الصلوٰة والسلام قال ان الله بعثني رحمة للعالمين وامرني بمحق المعازف والمزامير ولانه مطرب مصد عن ذكر الله تعالى والنوع الثاني مباح وهو الدف في النكاح۔

(البحر الرائق ج ۷ ص ۸۸ باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل الشهادة) ـــه

مقرر امام کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانا

سوال: ایک شخص کسی مسجد کا باقاعدہ امام ہے کوئی اور شخص اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانے کے لیے مصلّٰی پر کھڑا ہو جائے تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مقررہ امام کی اجازت کے بغیر کسی شخص کے لیے نماز پڑھانا مکروہ ہے۔ ایسی صورت میں مقررہ امام کی اقتداء بہتر ہے اگرچہ وہ مفضول ہو تاہم اگر کسی مسجد کا مقررہ امام حاضر نہ ہو اور نہ اس کا کوئی نائب ہو تو ایسی صورت میں متعلقہ امام کی اجازت کے بغیر بھی جماعت کرائی جا سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هذا القول۔ صاحب البيت ومثله امام المسجد الراتب اولى بالامامة من غيره مطلقاً اي وان كان غيره من الحاضرين من هو اعلم واقرأ منه۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۹ باب الامامة) ـــه

له قال العلامة التهانوي رحمه الله انه حرام على قول اكثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف في العرس كناية عن الاعلان۔ (امداد الفتاوى ج ۲ ص ۲۸۳ كتاب النكاح)
ومثله في الهندية ج ۳ ص ۳۵۲۔

له قال ابن نجيمؒ والامام الراتب كصاحب البيت فانه احق من غيره وان كان غيره افقه منه۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۸ باب الامامة) ومثله في الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۸۳ باب الامامة۔

گروپ فوٹو بنوانے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال: ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے۔ چند دوستوں کے درمیان بیٹھ کر فوٹو بنواتا ہے اور پھر اس گروپ فوٹو کو بطور یادگار اپنے پاس رکھنے کے علاوہ دوستوں میں بھی تقسیم کرتا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ گویا یہ عمل اس کے نزدیک جائز ہے۔ کیا ایسے امام کو امامت پر باقی رکھا جا سکتا ہے یا اس کو معزول کرنا چاہیئے؟

الجواب: بلا ضرورت کسی ذی روح کی تصویر بنانا عند الشرع غیر مشروع ہے چاہے کیمرے سے بنائی جائے یا قلم سے، تاہم ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بلا ضرورت اس کا ارتکاب موجب فسق ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی امام اعلانیہ طور پر ان امور فسقیہ کا ارتکاب کر رہا ہو۔ ان معاصی پر اصرار کے باوجود اگر اس کے معزول کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو بوجہ مجبوری اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ کسی نیک امام کی اقتداء کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قبلہ کی طرف منہ کے تھوکنے کی وجہ سے ایک شخص کو امامت کرانے سے روک دیا تھا۔ تاہم یہ شخص اگر توبہ کرے اور اس کام کو گناہ سمجھتا ہو اور اس پر اصرار نہ کرتا ہو تو پھر اس کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

عن عبد الله بن مسعود قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اشد الناس عذابا عند الله المصورون۔ (مشکوٰۃ ص۳۸۵ باب التصاویر، فصل اول)

قال ابن عابدین: (قوله وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربوا ونحو ذلک کذا فی البرجندی۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامة)[1]

امام کے لیے محراب میں کھڑے ہونے کا حکم

سوال: کیا امام کے لیے بوقت جماعت محراب میں کھڑے ہونا ضروری ہے؟ اگر کوئی امام مسجد کے صحن میں بغیر محراب کے کھڑا ہو جائے تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ ہمارے علاقے میں بعض لوگ شدت کے اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں کہ محراب کے بغیر اگر امام نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے تو

---

[1] وفی الهندیة تجوز امامة الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هکذا فی المتون۔ (فتاوی هندیة ج۱ ص۸۵ باب الامامة)

[2] ومثله فی الخلاصة ج۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر فی الامامة والاقتداء۔

اس کو ملامت کرتے ہیں۔ شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امامت کے لیے محراب میں کھڑا ہونا کوئی مستقل سنت نہیں ہے کہ جس کے بغیر امامت ادھوری رہ جائے، حقیقت میں امام کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو جائے چونکہ محراب سے عموماً توسط کی نشاندہی ہوتی ہے اس لیے سنت کی ادائیگی کے لیے معاون ہونے کی وجہ سے مساجد میں محراب بنائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محراب میں طاق بنانا بھی ضروری نہیں لیکن اگر امام کسی محراب کے بغیر صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو تو اس کی اقتدا کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسی صورت میں محراب کو چھوڑنے والے کو ملامت کرنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یفهم من قوله اولی ان الاولی کراهة قیام الامام فی غیر المحراب ویؤیده قوله قبله السنة ان یقوم فی المحراب وکذا قوله فی موضع آخر السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الا تری ان المحاریب ما نصبت الا وسط المساجد وهی قد عینت لمقام الامام۔ والظاهر ان هذا فی الامام الراتب لجماعة کثیرة لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلو لم یلزم ذلک لا یکره تأمل۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۹۵ مطلب فی کراهیة قیام الامام فی غیر المحراب)

قال الحصکفیؒ: ویصف ای یصفهم الامام بان یامرهم بذلک قال الشمنی وینبغی ان یامرهم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبهم ویقف وسطاً وخیر صفوف الرجال اولها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۶۸ باب الامامة) [1]

امامت پر اجرت لینے والے کی اقتداء

سوال: کیا ایک مالدار شخص امامت پر اجرت لے سکتا ہے؟ ایسی صورت میں اگر بغیر کسی اجرت کے امام کی اقتداء میسر ہو تو کون سے امام کی اقتداء بہتر رہے گی؟

الجواب: متأخرین فقہاء نے اجرت علی الامامت کی اجازت دی ہے لہٰذا مالدار اور غیر مالدار دونوں قسم کے ائمہ منصب امامت پر اجرت مقررہ کے وصول کر سکتے ہیں، اجرت کے جواز کی

---

[1] وفی الهندیة: ینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنة الوسط او فی میسرته فقد اساء لمخالفة السنة هکذا فی التبیین۔ (ج۱ ص۸۹ باب الامامة)
ومثله فی الطحطاوی ج۱ ص۱۶۷ باب الامامة.

صورت میں بلا اجرت نماز پڑھانے والے امام کو ترجیح حاصل نہیں لہٰذا دونوں کی اقتداء کا حکم ایک ہے۔

قال ابن عابدین۔ وبعد ما یوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان ویجبرا لا جر علی دفع ما قیل۔ (رد المحتار ج۶ ص۵۵ باب اجارۃ الفاسدۃ)[1]

نابینے کی اقتداء کا حکم

سوال: ایک شخص پہلے بینا تھا لیکن کسی عارضہ کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوگیا اس کے بعد وہ اپنے آپ کو کامل طہارت کی حالت میں نہیں رکھ سکتا اکثر اس کے کپڑے بوجہ عدم علم ہونے کے ناپاک ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی وہ قبلہ کی تمیز بھی نہیں کر سکتا قبلہ کے تعین کے لیے اسے دوسرے شخص سے مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے اور منصب امامت پر یہ قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس سے بہتر عالم بھی آسانی سے مل سکتا ہے؟

الجواب: نابینا اگر نجاست سے بچنے پر قادر نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے لیکن ہر نابینے کو غیر محتاط سمجھنا عقلمندی نہیں، جو نابینا نجاست سے بچنے کا انتظام کر سکتا ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی کراہیت نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ کا امام بنایا تھا حالانکہ وہ نابینا تھے۔ بلکہ اگر کوئی نابینا دوسروں سے اعلم اور اقراء ہو تو پھر اس کی امامت دوسروں سے افضل ہے۔

وقال ابن نجیمؒ۔ وقید کراھۃ امامۃ الاعمٰی فی المحیط وغیرہ بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولیٰ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۷ باب الامامۃ)[2]

زبان میں لکنت والے کی اقتداء کا حکم

سوال: ہمارے محلہ کے امام صاحب کی زبان میں لکنت ہے الفاظ صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتے اور اکثر الفاظ میں غلطی کرتے

---

[1] لیخطل ما الھدیۃ۔ وبعض مشائخنا استحسنوا الاستئجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظھر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ۔ (باب اجارۃ الفاسدۃ ج۳ ص۳۰۳)
وھکذا فی فتاوی الھندیۃ ج۴ ص۴۴۸ الفصل الرابع فی فساد الاجارۃ۔

[2] قال ابن نجیمؒ۔ فیہ کراھۃ الاعمٰی فی المحیط وغیرہ بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولیٰ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۷ باب الامامۃ)
وھکذا فی الھندیۃ ج۱ ص۸۵ باب الامامۃ۔ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ۔

جاتے ہیں کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟

الجواب:- جس شخص کی زبان میں لکنت ہو اور باوجود کوشش کے الفاظ درست ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کے اپنے حق میں تو نماز درست ہے البتہ ان لوگوں کا امام نہیں بن سکتا جن کی زبان درست ہو (یعنی ان میں لکنت نہ ہو) تاہم اگر امام صاحب باوجود لکنت کے الفاظ کو صحیح ادا کرسکتے ہوں اگرچہ اٹک اٹک کر ادا کریں تو ان کی اقتداء صحیح ہے۔

ولا یجوز امامة الالثغ الذی لا یقدر علی التکلم ببعض الحروف الا لمثله اذا لم یکن فی القوم من یقدر علی التکلم بتلک الحروف فاما اذا کان فی القوم من یقدر علی التکلم بها فسدت صلوته وصلوة القوم۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۸۶ باب الامامة الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره۔

قاری کی موجودگی میں غیر قاری کی اقتداء کا حکم

سوال:- کسی مقام میں عام فاضل قاری کے ہوتے ہوئے ان پڑھ اور جاہل شخص نماز پڑھاتا ہے جبکہ وہ قرأۃ پر بھی قادر نہ ہو ایسی صورت میں کیا اس کا نماز پڑھانا جائز ہے؟

الجواب:- عرف میں قاری کا اطلاق مجود پر ہوتا ہے لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اس سے یہ مراد نہیں۔ اگر فن قرأۃ سے ناواقف غیر قاری کسی ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھے جو عام قرأۃ پر قادر ہو لیکن فن قرأت سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتا ہو تو اس سے اس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسی حالت میں اگر مروّج قاری کے علاوہ غیر قاری امام ہو تو مجود قاری امام کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھا سکتا۔ تاہم اگر کوئی شخص قدر ما یجوز بہ کی قرأت پر قادر نہ ہو تو قاری کی موجودگی میں ایسے شخص کی اقتداء جائز نہیں۔

امامة الامی قوماً امیین جائزة کما فی السراجیة اذا ام امی امیین وقارئاً فصلوة الجمیع فاسدة عند ابی حنیفة وقالا صلوة القاری وحده واما اذا صلوا وحدانا فقیل انه علی الخلاف وقیل یصح وهو الصحیح۔

لہ امامة الالثغ لغیره تکره لان الامام الفضلی انه یجوز لان ما یقوله صار لغة له وقال غیره عجمی۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۴۹ باب الامامة۔ الفصل الخامس عشر)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۵ باب الامامة۔

هكذا في شرح مجمع البحرين للمصنف۔ (الهندية ج ۱ ص۸۵ باب الامامة الفصل الثالث في بيان من يصلح اماماً لغيره) لے

ایک مسجد میں متعدد امام ہونا

سوال: ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں تین امام ہیں، ان میں سے ایک امام نے دو امام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وجہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور کے حصہ یازدہم ص ۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ایک مسجد میں ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرے امام کو بغیر اذن کے جماعت کرانے کا استحقاق نہیں اور حوالہ در مختار کا دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد میں کتنے امام ہو سکتے ہیں اور اگر نہ ہو سکیں تو کیا وجوہات ہیں؟

الجواب: بہتر یہی ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی امام ہو اور اسی پر سب اہل محلہ اتفاق کریں اور اسی پر امامت کا تواتر چلا آرہا ہے اور جب تک امام مقرر موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو امامت کرنے کا حق حاصل نہیں۔

قال الحصكفيؒ: واعلم ان صاحب البيت ومثله امام المسجد الراتب اولى بالامامة من غيره مطلقاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۹ باب الامامة) ٹے

اگر اہل محلہ نے پہلے سے کوئی امام مقرر نہیں کیا ہے اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ امام رکھیں تو عند الشرع جائز ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایک وقت میں دو یا متعدد جماعتیں نہ ہوں ورنہ سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

دوسرے مسلک کے مطابق نماز پڑھانا

سوال: میں ایک ایسے مقام پر امام ہوں جہاں کے تمام لوگ شافعی و مالکی مذہب کے ہیں، کیا میں اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر نماز پڑھا سکتا ہوں، مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر اور فجر کی نماز میں دعائے پڑھوں، عند الشرع اس کا کیا حکم ہے؟

لے ولا يصلح اقتداء القارى بالامّى (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۴۸ الفصل الخامس عشر في الامامة) ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۰ باب الامامة۔

ٹے قال ابن نجيمؒ: اما الامام الراتب فهو احق من غيره وان كان غيره افقه منه۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۸ باب الامامة) ومثله في الهندية ج ۱ ص ۸۳ باب الامامة۔

الجواب:۔ اپنے مذہب کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر بغیر کسی دلیل کے اسے ترک کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ فقہاء کرام نے ایسے شخص پر تعزیر کا حکم لگایا ہے، لہٰذا ایسے مقام میں حنفی مسلک کو لالچ کی خاطر چھوڑ کر دوسرے مسلک پر نماز پڑھانا قبیح عمل ہے۔

لما قال الحصكفيؒ: ارتحل الى مذهب الشافعيؒ يعزر. قال ابن عابدينؒ: اى اذا كان ارتحاله لا لغرض محمود شرعاً، اما انتقال غيره من غير دليل بل لما يرغب من عرض الدنيا وشهوتها فهو المذموم الآثم المستوجب للتأديب والتعزير لارتكابه المنكر في الدين واستخفافه بدينه ومذهبه اهـ ملخصاً. وفيها عن الفتاوى النسفية الثبات على مذهب ابي حنيفة خير واولىٰ، قال وهذه الكلمة اقرب الى الالفة۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۸۰ باب التعزير) [1]

وضو کے بارے میں شک کی حالت میں نماز پڑھانا

سوال:۔ وضو کرنے کے بعد مجھے وضو میں شک رہتا ہے اور اس بات پر یقین نہیں ہوتا کہ میرا وضو باقی ہے یا ختم ہو گیا، لیکن لوگ مجھے نماز پر مجبور کرتے ہیں کیا اس شک کی حالت میں نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ معذور شخص امامت کے لائق نہیں، آپ کو امامت سے اجتناب کرنا چاہیئے، لیکن صرف شک کی بنیاد پر امامت کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں، البتہ جب یقین ہو جائے اور اس کے قرائن بھی موجود ہوں کہ وضو ٹوٹ گیا ہے تو پھر ایسی صورت میں امامت جائز نہیں، تاہم شک اور تردد کی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وجد احدكم في بطنه شيئاً فاشكل عليه أخرج منه شيء ام لا فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتاً او يجد ريحاً۔ (رواه مسلم، مشكوٰة ج ۱ ص ۴۱ باب ما يوجب الوضوء) [2]

---

[1] وحنفي ارتحل الى مذهب الشافعي رحمه الله تعالى يعزر كذا في جواهر الاخلاطي. قال الشامي قوله ارتحل الى مذهب الشافعي يعزر اى اذا كان ارتحاله لا لغرض محمود شرعاً كما في التاتارخانية۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۶۹ فصل في التعزير)

[2] عن عباد بن تميم عن عمه انه شكا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجل الذي يخيل اليه انه يجد في الصلوٰة فقال لا ينفتل او لا ينصرف حتى يسمع صوتاً او يجد ريحاً۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵ باب لا يتوضأ من الشك حتى [illegible]) ومثله في مسلم ج ۱ ص ۱۵۸ باب طهارة جلود الميتة۔

فطری طور پر مفقود اللحیۃ کی امامت کا حکم

سوال:- ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے اور اس کی عمر تقریباً ۲۲ سال ہے لیکن فطری طور پر اس کی داڑھی نہیں، کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟

الجواب:- اگر مدت بلوغ گزرنے کے باوجود بھی کسی کی داڑھی نہ آئے تو اس کی اقتداء جائز ہے، البتہ اگر صبیح الوجہ ہو تو پھر اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ (قوله وكذا تكره خلف امرد) الظاهر انها تنزيهية ايضاً والظاهر ايضاً كما قال الرحمتي ان المراد به الصبيح الوجه لانه محل الفتنة وهل يقال هنا ايضاً اذا كان اعلم القوم تنتفي الكراهة فان كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الاظهر فلا وان كانت غلبة الجهل او نفرة الناس من الصلوة خلفه فنعم فتأمل. والظاهر ايضاً ان المراد بالصبيح المشتهى كالامرد تأمل - ثم رأيت في حاشية المدني عن الفتاوى العفيفة. سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدي عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الانبات ولم ينبت عذاره فهل يخرج بذلك عن حد الامردية وخصوصاً قد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بانه ليس من مستديري اللحى فهل حكمه في الامامة كالرجال الكاملين ام لا؟ اجاب سئل العلامة الشيخ احمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن هذه المسئلة فاجاب بالجواز من غير كراهة وناهيك به قدوة. والله اعلم (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۲ باب الامامة)[۱]

امام کے لیے ضروری صفات

سوال:- ایک امام کو کون کون سی صفات کا حامل ہونا چاہیے جن کے نہ ہونے کی صورت میں وہ امامت کے منصب کا اہل نہ ہو؟

الجواب:- امام علم اور تقویٰ کی صفات سے جتنا زیادہ مزین ہو تو یہ خصوصیت محمود ہوگی، تاہم عمومی طور پر امام کے لیے مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا ضروری ہے: (۱) اسلام

---

[۱] قال في الخلاصة وفي شرح القدوري تجوز امامة الامرد وان كان بالغاً ويكره اذا كان صبيح الوجه. (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۴۵ الفصل الخامس عشر في الامامة والاقتداء)

(۲) بلوغ (۳) عقل (۴) مرد ہونا (۵) علم وقرأت (۶) اعذار سے سلامت ہونا۔

قال ابن عابدینؒ: وشروط الامامة للرجال الاصحاء ستة اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورة والقرأة والسلامة من الاعذار کالرعاف والفأفأة والتمتمة واللثغ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۳۹ باب الامامة)[1]

سودی رقم سے تنخواہ لینے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شہر کے سٹیٹ بنک کے احاطہ میں ایک مسجد ہے جو کہ سٹیٹ بنک کی ملکیت میں ہے، اگر کوئی شخص اس بنک کا ملازم ہو یا فقط اس مسجد کا امام ہو، جبکہ سٹیٹ بنک کا کاروبار من کل الوجوہ سود پر ہے اور امام صاحب کو بھی اسی سود کے پیسوں سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ مسجد کی امامت کرنا فی ذاتہ اس میں کوئی امر مستحق نہیں، البتہ ایسی مسجد کی امامت با اُجرت کرنا جس کی اُجرت سود کے کاروبار سے دی جائے، جو حرام خوری کی وجہ سے فسق ہے اور بوجہ فسق ہونے کے ایسے امام کے پیچھے اقتداء کرنا مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هذا القول (ویکرہ امامة عبد واعرابی وفاسق واعمٰی) (قوله فاسق) ای من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذلک۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۵۹ باب الامامة)[2]

البتہ اگر اس امام کو اجرت بنک کے اموال میں سے نہ دی جاتی ہو بلکہ کسی اور ذریعے سے مثلاً قریب کے محلہ والے اپنی جانب سے دیتے ہوں تو اقتداء بلا کراہت جائز ہے۔

---

[1] قال الشرنبلالیؒ: شروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشیاء الاسلام وهو شرط عام فلا تصح امامة منکر البعث او خلافة الصدیق او صحبته او یسب الشیخین او ینکر الشفاعة الی آخرہ۔ (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی ص۱۵۶ باب الامامة)

[2] وفی الهندیة: تجوز امام الاعرابی والاعمٰی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکرہ هکذا فی المتون۔ (فتاوی هندیة ج ۱ ص۸۵ الفصل الثالث باب الامامة) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۴۹ الفصل الخامس عشر فی الامامة۔

سرخ کپڑے پہننے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک امام مسجد سرخ کپڑوں کا استعمال کرتا ہے اور انہی کپڑوں میں نماز بھی پڑھاتا ہے تو کیا ان کپڑوں میں اس امام کی اقتداء صحیح ہے؟

الجواب:۔ سرخ کپڑوں کے پہننے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور احناف میں بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اس بنیاد پر نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اس لیے ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے، تاہم اگر سرخ کپڑے پہننے میں کسی لادین جماعت سے اپنی وابستگی کا اظہار مقصود ہو تو اللہ کے دربار میں ایسی امتیازی حیثیت رکھنے والے شخص کی اقتداء سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

عن براء قال ما رأيت من ذي لمة في حلة حمراء أحسن من رسول الله صلى الله عليه وسلم له شعر يضرب منكبيه بعيد ما بين المنكبين لم يكن بالقصير ولا بالطويل۔ (ترمذی ج۱ ص۲۰۶ ابواب اللباس باب ما جاء فی الرخصة فی الثوب الاحمر)

قال شمس الائمة السرخسی وفیه دلیل انه لا بأس بلبس الثوب الاحمر (شرح السیر الکبیر ج۱ ص۱۱۵ باب السلام والعروسة) لہ

باپ کا جنازہ نہ پڑھنے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک امام مسجد اپنے والدین سے بوجہ دنیاوی معاملات ناراض ہے اور اس ناراضگی کی بنا پر اس کے دوسرے بہن بھائی بھی اس سے لاتعلق ہوں بلکہ امام نے اپنے والد کے مرض الوفات میں نہ تو اس کی عیادت کی اور نہ دوسرے بھائیوں کے ضد کی وجہ سے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی، تو اس کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ والدین سے ناراض ہونا امر قبیح ہے پھر ان کی عیادت اور جنازہ میں شریک

لہ قال العلامة الحصكفی: (ولا بأس بسائر الالوان) وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایة لابی المکارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر ومفاده ان الکراهیة تنزیهیة لکن صرح فی التحفة بالحرمة فأفاد انها تحریمیة وهی المحمل عند الاطلاق۔
(رد المحتار ج۶ ص۳۵۸ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس۔ ومثله فی فتاوی هندیة ج۵ ص۳۳۲)

ذ ہونا یہ اقبح القبائح ہے لیکن اگر کسی شرعی امر اور جائز کام کی وجہ سے بیٹا اپنے باپ سے ناراض ہو تو اس کے پیچھے اقتداء درست ہے البتہ اگر وہ کسی غیر شرعی امر یا شرعی امور میں حد سے تجاوز کر کے باپ کے حق میں کوتاہی کرتا ہے تو بوجہ فسق ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت قوله (ويكره امامة عبد واعرابي وفاسق واعمى) اى من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك. (رد المحتار ج ۱ ص۴۱۳) ؎۱

غیر مسلم کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم

سوال: ایک شخص عرصہ دراز تک کسی مسجد کا امام رہا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص اپنے عقائد کے لحاظ سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے؟

الجواب: کسی شخص کی اقتداء کرتے وقت اس کے عقائد کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں اور بعد میں اس کے کفر کے بارے میں یقین ہو جائے تو پڑھی ہوئی نمازوں کے بارے میں احتیاط یہ ہے کہ وہ نمازیں دوبارہ پڑھی جائیں۔

وفی الهندية: رجل ام قوما شهرا ثم قال كنت مجوسيا فانه يجبر على الاسلام ولا يقبل قوله وصلوتهم تامة ويضرب ضربا شديدا وكذا لو قال صليت بكم اياما على غير وضوء وهو ماجن لا يقبل قوله وان لم يكن كذلك واحتمل انه قال على وجه التورع والاحتياط اعادوا صلوتهم وكذا اذا قال كان في ثوبي قذر كذا في الخلاصة وكذا اذا بان ان الامام كافر او مجنون او امرأة او خنثى الى آخره. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۸۶) ؎۲

؎۱ وفی الهندية: تجوز امامة الاعرابي والاعمى والعبد وولد الزنا والفاسق كذا في الخلاصة الا انها تكره هكذا في المتون. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۸۵ باب الامامة، الفصل الثالث) ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۱ ص۱۴۵)

؎۲ قال الحصكفيؒ: (واذا ظهر حدث امامه) وكذا كل مفسد في رأي مقتد (بطلت فيلزم اعادتها) لتضمنها صلوة المؤتم صحة وفسادا (كما يلزم الامام اخبار القوم اذا امهم وهو محدث او جنب) او فاقد شرط او ركن وهل عليهم اعادتها ان عدلا نعم والا ندبت وقيل لا لفسقه باعترافه ولو زعم انه كافر لم يقبل منه لان الصلوة دليل الاسلام واجبر عليه (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص۵۹۱ باب الامامة) - ومثله في الخلاصة ج ۱ ص۱۴۹، الفصل العاشر

ذریعے کی گئی ہے، تاہم علامہ عینیؒ، ابن الہمامؒ اور شیخ عبدالحی صاحبؒ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق جماعتِ نساء خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الحصکفیؒ: (و) یکرہ تحریماً (جماعۃ النساء) ولو فی التراویح فی غیر صلوٰۃ جنازۃ (لانہا لم تشرع مکررۃ) (فان فعلن تقف الامام وسطہن) فلو قدمت اثمت۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۲۵ باب الامامۃ)

وما قال الشیخ ابن الہمامؒ: ولا یخفی ما فیہ وبتقدیر التسلیم فانما یفید نسخ السنیۃ وھو لا یستلزم ثبوت کراھۃ التحریم فی الفعل بل التنزیہ مرجعہا الی خلاف الاولیٰ۔ (فتح القدیر ج۱ ص۳۰۷ باب الامامۃ)[1]

ضعیف امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص ضعف و کمزوری کی وجہ سے نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں دقت محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات اس کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی، کیا شرعاً ایسے امام کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر ضعف و کمزوری نماز کے کسی رکن کے لیے متعارض ہو تو محض کمزوری کی وجہ سے اقتداء میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر تکبیرات و سلام کہنے میں تکلیف ہو تو مکبر کی تقرری سے اس کا ازالہ ممکن ہے، تاہم خود امام کے لیے چاہیے کہ وہ یہ ذمہ داری کسی ایسے باصلاحیت شخص کے سپرد کر دے جو اہلِ محلہ کے نزدیک باعتماد ہو۔

قال ابن نجیمؒ: واشار الی ان اقتداء القائم خلف مثلہ جائز اتفاقاً وکذا الاقتداء بالاعرج او من بقدمہ عوج وان کان ب

---

[1] وفی الہندیۃ: ویکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوات کلہا من الفرائض والنوافل الا فی صلوٰۃ الجنازۃ ھکذا فی النہایۃ۔ فان فعلن وقفت الامام وسطہن وبقیامہا وسطہن لا تزول الکراھۃ وان تقدمت علیہن امامہن لم تفسد صلوتہن ھکذا فی الجوھرۃ النیرۃ وصلوتہن فرادیٰ افضل ھکذا فی الخلاصۃ ج۱ ص۸۵ باب الامامۃ

ومثلہ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۵۲ باب الامامۃ۔

قال العلامۃ العینیؒ: فالاولیٰ ان یصلین وحدہن وان صلین بجماعۃ قامت امامہن وسطہن وان تقدمت جاز۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج۲ ص۳۹۲)

غیرہ اولیٰ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۶۸ باب الامامۃ) ۱؎

پاؤں سے معذور امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کا امام دونوں پاؤں سے معذور ہے اٹھنے بیٹھنے میں اس کو دوسرے شخص کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام قاعد (بیٹھا) ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں نماز جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے البتہ اگر کوئی صحیح سلامت شخص امامت کے لیے نہ ملے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بنسبت انفرادی نماز پڑھنے کے بہتر ہے۔

لما فی الہندیۃ: وصح اقتداء القائم بالقاعد الذی یرکع ویسجد لا اقتداء الراکع والساجد بالمومی ھکذا فی فتاوی قاضی خان وفیہ ایضاً ولو کان لقدم الامام عوج وقام علی بعضھا یجوز وغیرہ اولیٰ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۸۵ باب الامامۃ) ۲؎

پاؤں پر صحیح طریقے سے کھڑا نہ ہونے والے کی اقتداء

سوال:۔ کسی شخص کے پاؤں میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے وہ صحیح طریقے سے اٹھنے اور کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر پاؤں کی معذوری اس درجہ کی ہو کہ اس پر کھڑا ہونے کی قدرت نہیں رکھتا ہو بلکہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو تو اس کی اقتداء اس جیسے لوگوں کے لیے جائز ہے البتہ کھڑے ہونے پر قادر لوگوں کے لیے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں، البتہ اگر پاؤں میں عذر کی وجہ سے مکمل قیام ممکن نہ ہو لیکن پھر بھی پاؤں کے کچھ حصے یا ایک قدم پر کھڑا ہو سکے تو اس کی اقتداء جائز ہے بشرطیکہ وہ رکوع اور سجدہ پر قدرت رکھتا ہو تاہم اس کی بجائے کسی صحیح امام کی

۱؎ قال الحصکفیؒ: (وقائم باحدب) وان بلغ حدبہ الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیرہ اولیٰ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۴۲۶ باب الامامۃ)

ومثلہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۸۵ باب الامامۃ۔

۲؎ قال الحصکفیؒ: (وقائم بقاعد) یرکع ویسجد لانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی آخر صلوٰتہ قاعداً وھم قیام (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۴۲۵ باب الامامۃ وفیہ غیرہ اولیٰ)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۶۸ باب الامامۃ۔

اقتدا بہتر ہے۔

کما فی الہندیۃ و یصح اقتداء القائم بالقاعد الذی یرکع و یسجد لا اقتداء الراکع والساجد بالمومی ھکذا فی فتاوی قاضی خان وفیہ ایضاً ولو کان لقدم الامام عوج وقام علی بعضھا یجوز وغیرہ اولیٰ۔ (فتاوی ہندیۃ ج ۱ ص ۸۵ باب الامامۃ) ؎

جس امام کے گھر میں شرعی حجاب نہ ہو اس کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن اس کے گھر میں پردہ کی رعایت کے بغیر عام لوگوں کی آمد و رفت آزادی کے ساتھ رہتی ہو باوجود قدرت کے موصوف ان لوگوں کو منع بھی نہیں کرتا تو شرع میں ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر باوجود قدرت ہونے کے اپنے گھر کی عورتوں کو حجاب پر مجبور نہ کرے اور اس کی عورتیں بے پردگی سے گھومتی پھرتی رہیں اور موصوف باوجود علم اور قدرت کے کوئی قدم نہیں اٹھاتا تو یہ شخص دیوث اور فاسق کے حکم میں ہو کر اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفی او یا دیوث ھو من لا یغار علی امرأتہ او محرمہ۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲ باب التعزیر)

قال ابن عابدین تحت ھذا القول (ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذلک۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۹ باب الامامۃ) ؎

دیوث کی امامت کا حکم

سوال:- ایک شخص جس کی بیٹی یا بیوی کا کسی غیر محرم سے ناجائز تعلق میں جانتا ہو اور یہ شخص باوجود عالم ہونے کے اس پر خاموشی اختیار

لے قال الحصکفی (و) قائم (بقاعد) یرکع ویسجد لانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی آخر صلوتہ قاعداً وھم قیام۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۸۸ باب الامامۃ وفیہ غیرہ اولیٰ) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۲ باب الامامۃ۔

؎ وفی الہندیۃ تجوز امامۃ الاعرابی والاعمیٰ والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھکذا فی المتون ج ۱ ص ۸۵ باب الامامۃ ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۴۵۔

احمد رضا خان کے معتقد کی اقتداء کا حکم

سوال: ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن عقائد و نظریات کے لحاظ سے احمد رضا خان بریلوی کے مسلک سے تعلق رکھتا ہے، کیا ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس کے پیچھے اقتداء جائز ہے؟

الجواب: اکثر بریلوی مسلک کے عقائد ایسے نہیں ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتے ہوں، اگر بعض کے ایسے عقائد بھی ہوں تو ان میں بھی تاویل ہو سکتی ہے کیونکہ کفر پر ایمان کی وجوہات کو ترجیح دی جائے گی، البتہ ان عقائد کی وجہ سے یہ مبتدع شمار ہوگا لہٰذا مبتدع ہونے کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی تاہم احتراز میں احتیاط زیادہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ومبتدع) ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبھۃ وکل من کان من قبلتنا (لا یکفر بھا)

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ)[1]

غیر شرعی افعال کے مرتکب کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا اس شخص کی اقتداء جائز ہے جو کہ ایسے غیر شرعی افعال کا اعلانیہ ارتکاب کر رہا ہو جن کا تعلق اس کی ذات سے ہو مثلاً چوری کرنا، کسی کا حق غصب کرنا، جھوٹ بولنا، غیر محرم عورتوں سے میل جول، بے ریش لڑکوں سے بلا ضرورت اختلاط وغیرہ، اور وہ شرعی احکام کے تقدس اور عظمت کی رعایت بھی نہ کرتا ہو، بے حیائی کی مجالس میں اس کی آمد و رفت ہو، سینما گھروں میں آنا جانا ہو، یہاں تک کہ بعض اوقات سینما گھروں میں رسمی طریقہ پر ختم قرآن بھی کراتا ہو؟

الجواب: یہ سب کام امور فسقیہ ہیں جب تک اس شخص کا یہ کردار ہو یا اس میں یہ افعال موجود ہوں تو اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، اس کی جگہ کسی نیک شخص کی اقتداء کرنی چاہئے، البتہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: تحت ھذا القول (وما المبتدع) وعرفھا الشمنی بانھا ما احدث علی خلاف الحق المتلقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبھۃ واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما واطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع ھو من اھل قبلتنا وقیدہ فی المحیط والخلاصۃ والمجتبی وغیرھا بان لا تکون بدعۃ تکفرہ فان کانت تکفرہ فالصلاۃ خلفہ لا تجوز (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۹ باب الامامۃ)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۸۴ باب الامامۃ۔

اگر وہ توبہ کرے تو اسکے بعد اسکی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ تحت هذا القول ويكره امامة عبد واعرابي وفاسق) اي من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني واكل الربا ونحو ذلك۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۱ ص۵۵۹ باب الامامة) [1]

داڑھی منڈوانے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک حافظ قرآن سال بھر داڑھی منڈاتا ہے صرف رمضان آنے پر نماز تراویح میں قرآن سنانے کے لیے داڑھی رکھ لیتا ہے اپنی داڑھی منڈوانے کے لیے وہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ ابھی میرے چہرہ پر پورے طریقہ سے داڑھی نہیں آئی ہے جب پوری داڑھی آئے گی تو رکھونگا تو کیا اس کا یہ داڑھی نہ رکھنے کا عذر شرعی ہے اسی عذر کی بناء پر داڑھی منڈواتا ہوں تو کیا عند الشرع ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:- داڑھی خواہ ناقص ہو یا مکمل ہر صورت میں منڈوانا ناجائز اور حرام ہے، داڑھی منڈوانے کے لیے مذکورہ عذر پیش کرنا سنت رسول ﷺ کے مقابلہ میں اپنی خواہش کی تابعداری کے مترادف ہے، ایسے امام کی اقتداء دیگر فساق وغیرہ کے حکم میں ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، جب رمضان سے قبل اور بعد میں داڑھی نہ رکھتا ہو صرف رمضان میں داڑھی کی حجامت سے باز رہنے کو داڑھی کا رکھنا نہیں کہا جا سکتا ہے، تاہم اگر رمضان سے قبل مستقل طور پر توبہ تائب کر کے آئندہ کیلئے داڑھی رکھنے اور پھر کبھی نہ منڈوانے کا عزم کرے تو پھر اس کی اقتداء جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً۔
(رد المحتار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامة) [2]

* * * * * * * * * * * * * *

---

[1] وفي الهندية تجوز امامة الاعرابي والاعمى والعبد وولد الزنا والفاسق كذا في الخلاصة الا انها تكره هكذا في المتون۔ (فتاوى هندية ج۱ ص۸۵ باب الامامة)

[2] وفي الهندية تجوز امامة الاعرابي والاعمى والعبد وولد الزنا والفاسق كذا في الخلاصة الا انها تكره هكذا في المتون۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۸۵ الفصل الثالث في بيان من يصلح اماماً لغيره) ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۳۴۷ باب الامامة۔

امام مسجد کا عشاء کے وتر پڑھے بغیر نمازِ فجر پڑھانا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب نے نمازِ عشاء کے وتر نہ پڑھے اور صبح کو علم ہونے کے باوجود کہ میں نے وتر نہیں پڑھے تھے نمازِ فجر کے علاوہ اور بھی نمازوں کی امامت کرائی، ان نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ قضاء شدہ وتر کے یاد آنے کے باوجود امام صاحب نے جو نمازیں پڑھائیں وہ تب فاسد ہوں گی جب قضاء شدہ وتروں کو پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے کے اندر اندر قضا کیا ہو، اگر پانچویں نماز کا وقت خارج ہونے کے بعد قضاء شدہ وتر نماز ادا کی ہو تو پھر یہ نمازیں فاسد نہ ہوں گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: (قوله يعتبر) تفريع على اللزوم (فجر من تذكر أنه لم يوتر) (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۸۴ باب قضاء الفوائت مطلب في تعريف الإعادة)

قال العلامة ابن عابدينؒ: (وفساد أصل الصلوة موقوف عند أبي حنيفةؒ) سواء ظن وجوب الترتيب أو لا، فإن كثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستا ظهر صحتها بخروج وقت الخامسة التي هي سادسة الفوائت الخ. وفي رد المحتار: (قوله فإن كثرت) أي الصلوة التي صلاها تاركا فيها الترتيب بأن صلاها قبل قضاء الفائتة ذاكرا لها، وهذا التفريع لبيان قوله موقوف، وتوضيحه أنه إذا فاتته صلوة ولو وترا فكلما صلى بعدها وقتية وهو ذاكر لتلك الفائتة فإن قضاها قبل أن يصلي بعدها خمس صلوات صار الفساد باتا وانقلبت الصلوات التي صلاها قبل قضاء المقضية نفلا، وإن لم يقضها حتى خرج وقت الخامسة وصارت الفوائت ستا مع الفائتة ثبتا انقلبت صحيحة لأنه ظهرت كثرتها ودخلت في حد التكرار المسقط للترتيب، وتمام بيان وجه ذلك في البحر وغيره۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۱ ص۶۸۶ باب قضاء الفوائت، تحت مطلب في تعريف الإعادة) اهـ

؎ وفي الهندية: فالأصل أن عند أبي حنيفةؒ مراعاة الترتيب بين الفائتة والوقتية كما تسقط بكثرة الفوائت تسقط بكثرة المؤدى كذا في المحيط۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۲۲ الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)

کسی پر بہتان لگانے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی پر بہتان لگایا، اور تو نے اپنے بھائی کی بیوی سے برا فعل کیا ہے، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے، شرعی اعتبار سے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:- بشرط صحت سوال اگر واقعی یہ بہتان ہو اور اس شخص نے توبہ نہ کی ہو تو پھر بہتان لگانے کی وجہ سے یہ شخص فاسق ہوگیا ہے اور صالحین کا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، مگر یہ یاد رہے کہ اکیلے نماز پڑھنے سے کسی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

لما في الهندية: ولو صلى خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۸۴ الفصل الثالث في بيان من يصلح اماما لغيره) [1]

پٹی پر مسح کرنے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص کا ہاتھ زخمی ہوا ور اس نے اس پر پٹی باندھ رکھی ہو اور وہ وضو کرتے وقت پٹی پر مسح کرتا ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- معذورشرعاً مقبول ہیں، اگر یہ شخص عذر شرعی کی بناء پر پٹی پر مسح کرکے نماز پڑھاتا ہوا اور اس کے زخم سے ازخود پیپ وغیرہ نہ بہتا ہو تو فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء درست ہے اور نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما في الهندية: ويجوز اقتداء الغاسل بماسح الخف وبالماسح على الجبيرة وكذا امامة المفتصد لغيره [2] اذا كان يأمن خروج الدم.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۸۴ فصل في من يصلح اماما لغيره) [2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ولو صلى خلف مبتدع وفاسق فهو محرز ثواب الجماعة لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي. (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۴۹ الفصل الخامس عشر في الامامة والاقتداء)

[2] قال العلامة حسن بن عمار: وصح اقتداء غاسل بماسح على الخف والجبيرة او خرقة قرحة لا يسيل منها شيء. (مراقي الفلاح مع طحطاوي ص۱۶۱ باب الامامة)

صدقۃ الفطر جبراً وصول کرنے اور لوگوں کو مسجد سے منع کرنے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک پیش امام نے ایک مولوی صاحب کو اپنی مسجد سے اس سبب سے منع کر دیا کہ وہ بچوں کو قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ پیش امام نے مولوی صاحب کا درس قرآن مجید اپنی مسجد میں اس لیے بند کر دیا کیونکہ اسے یہ خطرہ تھا کہ وہ مجھ سے امامت چھین لے گا۔ اس پر لوگ اس سے ناراض ہو گئے۔ دوسرا اس کے مقتدیوں کا قول ہے کہ یہ امام دل میں بہت زیادہ بغض رکھتا ہے۔ تیسرا اس کا یہ معمول ہے کہ خواہ کوئی غریب ہو یا امیر سب سے جبراً صدقۃ الفطر وصول کرتا ہے، اگر کوئی نہ دے تو اس کو نماز میں اپنے پیچھے کھڑا ہونے سے منع کر دیتا ہے۔ اب اس کے اس سخت رویہ کی وجہ سے تمام مقتدی اس سے بھاگ گئے ہیں اور صرف دو آدمی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ایسے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو بصورت کراہیت ہے یا عدم کراہیت؟ اور لوگ پیش امام کے اس سخت رویہ کی وجہ سے اپنی مسجد چھوڑ کر تقریباً تین ماہ سے دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو کیا وہ گنہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب: شریعت کی رو سے امام دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جسے محکمہ اوقاف یا خود واقف نے منصب امامت پر اسے مقرر کیا ہو اور وقف کی آمدنی سے اس کے لیے وظیفہ بصورت تنخواہ امامت مقرر کیا گیا ہو، ایسے امام کو فقہائے احناف نے اہل وظائف میں شمار کیا ہے۔ اور ان کو وہ امام اکمل اور منصوب الواقف کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں اور کبھی اسے ذو وظیفہ بھی کہتے ہیں۔ ایسے پیش امام کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اسے شرعی جرم یا نااہلی کے بغیر معزول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فلا یجوز للقاضی عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ وعدم اهلیۃ ولو لم یصح۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۳)

دوسری قسم کا پیش امام وہ ہے جسے اہل محلہ نے امام مقرر کیا ہو اور اہل محلہ اپنی آمدنیوں سے تنخواہ بصورت اجرت امامت دے رہے ہوں تو ایسے پیش امام کو نہ تو اہل وظائف میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے عزل کا وہ حکم ہے جو پہلی قسم کے

امام کا ذکر اوپر کیا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت محض اجیر خاص کی ہے اور قوم کے ساتھ عہدہ امامت ایک عقد اجارہ ہے۔ لہٰذا ایسے پیش امام پر اجیر خاص کے اور اس کی امامت پر عقد اجارہ کے احکام جاری ہوں گے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

ابتدائی تقرر: فقہاء کرام نے اس کے ابتدائی انتخاب اور تقرر کے بارے میں یہ تصریحات ذکر کی ہیں کہ اگر قوم اور اہل محلہ سب اس کی امامت پر متفق ہوں تو بلا کسی نزاع کے اسے منتخب کیا جائے گا۔ اور اگر قوم میں اس کے انتخاب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کا اعتبار کیا جائے گا۔

درمختار ج ۱ ص ۲۲۳ میں جہاں حقیقت الامامت پر بحث کی گئی ہے وہاں یہ لکھا گیا ہے: والاحق بالامامۃ تقدیماً بل نصباً الاعلم باحکام الصلوٰۃ الخ فان استووا فیقرع او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرہم — اس عبارت میں صراحتہً ذکر پایا جاتا ہے کہ نصب الامام میں اگر قوم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کی رائے پر عمل کیا جائے گا اور اس کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اکثریت اس کے تقرر اور انتخاب پر متفق ہو تو اسے امام منتخب کیا جائے گا ورنہ نہیں ہے۔ باقی رہا اس کے عزل کا مسئلہ تو اس کے بارے میں مسلّمہ قواعد کی روشنی میں شرعی حکم یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے ابتدائی تقرر اور انتخاب میں اکثریت کی رائے معتبر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر اس کے عزل میں اختلاف واقع ہو جائے تو اکثریت کی رائے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ بس یہی کہ اگر اکثریت اس کے عزل پر متفق ہو تو اسے معزول کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قوم کے لیے ہر حالت میں پیش امام کو معزول کرنا جائز ہے اور اس میں شرعاً کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کسی شرعی نقص اور عیب کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا تو عزل کا فیصلہ بھی نافذ ہے اور اگر اس میں کوئی شرعی عیب بھی نہیں ہے اور اسے ذاتی عناد یا کسی دنیوی معاملہ کی بنیاد پر معزول کر دیا گیا تو قوم کا یہ اقدام جرم اور شرعاً گناہ ہے مگر عزل کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ یعنی پیش امام کو معزول سمجھا جائے گا۔ اور کسی فعل کے جرم اور گناہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مؤثر ہی نہ ہو اور نافذ اور کسی مذہب میں معتبر ہی نہ ہو۔ اس لیے فقہاء کے مسلمات میں بکثرت نظائر موجود ہیں۔ (۱) قاضی کا کسی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کر دینا (۲) اذان کی بیع (۳) قربانی کی کھالوں کی بیع — اسی طرح

شرعی جرم اور نقص کے بغیر اگر قوم نے پیش امام کے عزل کا فیصلہ کر دیا تو اگرچہ قوم اس فیصلہ کی وجہ سے گناہ گار ہوگی مگر عزل کا فیصلہ بہر حال نافذ ہوگا اور پیش امام کو معزول سمجھا جائے گا اس کیلئے فقہاء کے مسلمات کی روشنی میں وجوہات مندرجہ ذیل ہیں :۔

وجہ اوّل : عقد امامت ایک قسم کا عقد اجارہ ہے، اور جب قوم کل یا اس کی اکثریت اس عقد پر امضاء کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور کسی صورت میں اس کو امام نہیں رکھنا چاہتی ہو تو ایسی صورت اور حالت میں ظاہر ہے کہ عقد امامت کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ لوگ نماز با جماعت کو یا تو اکثر چھوڑ دیں گے یا ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو دو جماعتیں مختلف اماموں سے کرائی جائیں گی اور یہ طرز عمل امامت کے اصل مقصد اور غرض و غایت ہی کے منافی اور جڑ کو کاٹ دینے والا ہے۔ اور ایسے مواقع میں بارہا اس کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے، فساد کا بھی قوی ذریعہ ہے۔

وجہ دوّم : اور جب اس اجارے کا اصل مقصد اس صورت میں حاصل نہیں بلکہ فوت ہو جاتا ہے، تو چاہیئے کہ یہ اجارہ فسخ کر کے امام مذکور کو معزول کر دیا جائے اور کسی دوسرے صالح اور دیندار پیش امام کا انتخاب کیا جائے کہ جس پر قوم متفق ہو تا کہ امامت کا اصل مقصد جو کہ اقامتِ جماعت ہے فوت نہ ہونے پائے ــــ ایسی صورتوں میں فقہاء کرام نے فسخ اجارہ کی تصریحات کی ہیں، اس کے امثلہ کتب فقہ میں "کتاب الاجارہ" کے عنوان سے موجود ہیں، وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

وجہ سوم : عزل کو ابتدائی تقرر پر قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کل قوم یا اس کی اکثریت در صورت اختلاف معزول کرنے کی مجاز ہے اور اس کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قوم کی اکثریت پیش امام کی مخالف ہو اور نماز پڑھنا اس کے پیچھے چھوڑ دے تو امام کو امامت کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ قال احمد: اذا کرھہ واحد او اثنان او ثلاثۃ فلہ ان یصلی بھم حتی یکرھہ اکثر الجماعۃ۔ الخ (مرقاۃ)

احناف نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کوئی اختلاف ظاہر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم احناف بھی اس کے مخالف نہیں ہیں نیز فقہاء احناف رحمہم اللہ نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ اگر پیش امام میں کوئی شرعی عیب ہو اور اس

وجہ سے لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں تو گناہ امام پر ہے گا اور اگر امام میں کوئی شرعی عیب نہ ہو اور مقتدی بلا وجہ اس سے ناراض ہو کر دوسری جگہ نماز پڑھتے ہوں تو گناہ اُن پر ہے ۔

ولو ام قوماً وهم له كارهون ان الكراهة لفساد فيه او لانهم احق بالامامة منه كره له ذلك تحريماً لحديث ابى داؤد لا يقبل الله صلوٰة من تقدم قوماً وهم له كارهون وان هو احق لا والكراهة عليهم ۔

(الدر المختار بهامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۲)

اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے صورت مسئولہ مذکورہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیش امام صاحب کی حیثیت دوسرے قسم کے پیش امام کی ہے جو غیر خائن کے حکم میں ہے اور پہلی قسم کے امام کی نہیں کہ اس کو اہل خلافت میں شمار کیا جا سکے ۔ اور مسئولہ پیش امام کے وہ نقائص جس کی وجہ سے تمام قوم اس سے ناراض ہو کر دوسری مسجدوں میں نماز پڑھتی ہے جس کی وجہ سے عقد امامت کا اصلی مقصد فوت ہو جاتا ہے یہ وہ نقائص ہیں جو شرعاً معتبر ہیں ۔ لہٰذا اگر کل قوم یا اکثریت اس عقد کو فسخ کر کے امام مذکور کو معزول کر دے اور اس کی جگہ دوسرے کسی صالح اور دیندار شخص کو پیش امام مقرر کرے جس پر تمام قوم متفق ہو تو قوم کا یہ عزل نافذ ہوگا ۔ اور اس طرح امامت کا اصل مقصد بھی فوت نہ ہونے پائے گا اور قوم بھی گنہگار نہ ہوگی کیونکہ یہ عزل بوجہ نقص شرعی کے ہوگا ۔ اور اگر مذکورہ پیش امام صاحب باوجود کل قوم یا اکثریت کے ناراض ہونے کے بدستور نمازیں پڑھانے پر بضد ہو اور لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ دوسری مسجدوں میں پڑھیں تو گناہ پیش امام پر ہے قوم پر نہیں ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

باب القرأة

(قرأت کے احکام و مسائل)

الرحمٰن الرحیم میں اتصال ہے یا انفصال

سوال: سورۃ الفاتحہ میں الرحمٰن الرحیم کے مابین وصل یا فصل کرتے ہیں کون سا طریقہ بہتر ہے؟

الجواب: الرحمٰن الرحیم میں اتصال و انفصال دونوں طریقے جائز ہیں۔ ان سے نماز میں کوئی کراہیت یا فساد لازم نہیں آتا۔ البتہ قرأت میں اتصال و انفصال کی تفسیر و تفصیل قراء حضرات سے پوچھی جائے۔

وبعض حرف من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری نحو ان قرأ ایاک نعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب علیہم ووصل الباء بالعین او سمع اللہ لمن حمدہ ووصل الہاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا یفسد ولو تعمد ذلک (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۱۲ باب فی زلۃ القاری) [1]

اناکو ان اور ارسلنا کو ارسلن پڑھنا

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب قرأت میں غلطی کرتے ہیں، مثلاً قرأت کرتے وقت کئی ایسے مقام جہاں لفظ انّا ہوتا ہے لیکن ہمارے مولوی صاحب ان پڑھتے ہیں ایسے ہی ارسلنا کے بجائے ارسلن پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اغلاط کرتے ہیں۔ کیا ان اغلاط کی وجہ سے نماز میں کوئی فساد تو نہیں آتا؟

الجواب: اگر قرآن مجید کے الفاظ میں کمی اور زیادتی سے معنی میں تغیر نہ آئے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ البتہ قاری کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی قرأت کو درست کرے۔

---

[1] فی الہندیۃ: ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری نحو ان قرأ ایاک نعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب علیہم ووصل الباء بالعین او سمع اللہ لمن حمدہ ووصل الہاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا یفسد وکذا لو تعمد ذلک۔

(الہندیۃ ج۱ ص۷۹ الفصل الخامس فی زلۃ القاری)

مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ کا پڑھنا

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب اکثر مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ پڑھتے ہیں جبکہ عام کتابوں میں مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتوں کے پڑھنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ کیا مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں بہتر یہ ہے کہ امام صاحب مقتدیوں کی رعایت رکھ کر قراءت کریں کیونکہ مقتدیوں میں سے بعض بیمار اور کمزور بھی ہوتے ہیں، اس لیے فقہاء کرام نے نماز میں طوالتِ قراءت کو مکروہ جانا ہے البتہ طویل قراءت سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں کئی مرتبہ سورۃ الطور اور سورۃ المرسلات پڑھی ہے۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: وکرہ للامام تطویل الصلوٰۃ لما فیہ من تنفیر الجماعۃ لقولہ علیہ السلام من أمّ فلیخفف — قال العلامۃ احمد الطحطاوی تحت قولہ تطویل الصلاۃ بقراءۃ او تسبیح او غیرھما۔

(الطحطاوی ص [illegible] باب الامامۃ) [1]

عن جبیر ابن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔

عن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بالمغرب بالمرسلات۔ (الصحیح لمسلم ج۱ ص۱۸۷ باب القراءۃ فی المغرب) [2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویکرہ تحریماً تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائداً علی قدر السنۃ فی قراءۃ واذکار رضی القوم ام لا لاطلاق الامر بالتخفیف۔
(رد المحتار ج۱ ص [illegible] باب الامامۃ)

[2] وعن جبیر ابن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔
وعن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالمرسلات۔ (رواھا البخاری ج۱ ص [illegible] باب الجھر فی المغرب)
ومثلہ فی المشکوٰۃ ج۱ ص [illegible] باب القراءۃ فی الصلوٰۃ — ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص [illegible]

سُورۃ اور تکبیر میں وصل کرنا

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب آخری دس سورتوں میں سے جب بھی کوئی ایک سورۃ نماز میں پڑھتے ہیں تو رکوع میں جاتے وقت تکبیر کو سورۃ سے ملا کر کہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا غلطی ہے بلکہ جب سورۃ کے آخر میں پہنچا جائے تو سورۃ کے آخر اور تکبیر کے درمیان ق وقایۃ کی زیادتی کی جائے، بغیر ق زائد کرنے کے پڑھنا صحیح نہیں، جبکہ ہمارے امام صاحب جواز کے قائل ہیں۔ کیا وصل کے وقت ق کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے اس طور پر ملا کر پڑھنا جس سے معنی میں فساد پیدا ہو، درست نہیں اور اگر فساد کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، لہٰذا اللہ اکبر کو سورۃ کے آخری لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا عدم فساد معنی کی وجہ سے جائز ہے، البتہ وصل کی صورت میں نون وقایہ قرأت کے قواعد کی بناء پر پڑھا جائے گا۔ تاہم چونکہ اس صورت میں اللہ اکبر کا سورۃ کے جزو ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے بغیر ملائے پڑھنا افضل ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: ان وصل حرف من کلمة بحرف من کلمة اخری ان وصل حرفاً من کلمة بحرف من کلمة اخری نحو ان قرأ ایاك نعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب ووصل الباء بالعین او سمع الله لمن حمده ووصل الهاء من الله باللام فالصحیح انه لا یفسد وکذا او تعمد ذلك۔

(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۲۱ زلة القاری) [1]

قرأت کی تقدیم و تاخیر

سوال:- ایک مولوی صاحب نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ مریم کی کچھ آیات تلاوت کیں جبکہ دوسری رکعت میں سورۃ البقرۃ سے کچھ آیات کی قرأت کی۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے کہ آیات میں تقدیم کر دی جائے یا بعض میں تاخیر کرکے پڑھی جائیں؟

الجواب:- قرآن مجید کی بالترتیب تلاوت کرنا آداب تلاوت میں سے ہے اسلئے

---

[1] وفی الهندیة: ان وصل حرفاً من کلمة بحرف من کلمة اخری نحو ان قرأ اِیَّاكَ نَعْبُدُ ووصل الکاف بالنون او غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ووصل الباء بالعین او سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ووصل الهاء من الله باللام فالصحیح انه لا تفسد ولو تعمد ذلك۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۱ الفصل الخامس فی زلة القاری)

محققین فقہاء کے ہاں قرآن کریم کی منکوس تلاوت مطلقاً مکروہ ہے البتہ بچوں کی تعلیم کے لیے منکوس تلاوت بلا کراہت جائز ہے۔

اگرچہ بعض فقہاء نے داخل صلوٰۃ منکوس تلاوت کرنے میں فرائض یا نوافل کا کچھ فرق کیا ہے لیکن محققین کے ہاں مطلقاً منکوس تلاوت چاہے داخل نماز ہو یا خارج نماز کراہت سے خالی نہیں۔

لہ قال العلامۃ عماد بن حسن الشرنبلالی: ویکرہ قراءۃ سورۃ فوق التی قرأها۔ قال ابن مسعودؓ: من قرأ القرآن منکوسا فهو منکوس وما شرع لتعلیم الاطفال لا تیسیر الحفظ بقصر السور۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۹۲ باب مکروهات الصلوٰۃ)

فجر کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھنا

سوال: دیہات میں عموماً علم رکھنے والے بعض ائمہ مساجد کو قرآن مجید کی چند مختصر سورتیں یاد ہوتی ہیں بڑی سورتیں یاد نہیں ہوتیں۔ تو کیا فجر کی نماز ان چھوٹی سورتوں سے پڑھائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فجر کی نماز میں مستحب یہ ہے کہ اسفار میں نماز شروع کرے، کم از کم چالیس آیات کی مقدار کے مطابق قرأت کرے۔ اگر نماز میں کچھ فساد ہو جائے تو دوبارہ سنت کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ سکے، اگر اتنی تاخیر کی جائے کہ اس سے نماز میں فساد آ جائے تو دوبارہ استحباب کے طریقے سے نہ پڑھی جا سکے اچھا نہیں سمجھا گیا۔

البتہ اگر کوئی چھوٹی سورتیں پڑھتا ہے اور اس پر اس کو دوام ہے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین پر فجر کی نماز پڑھائی ہے۔

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ فی الجامع الصغیر: یقرأ فی الفجر فی الرکعتین

لہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ تحت قوله وان یقرأ منکوسا: بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلی مما قرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسهیلا لضرورۃ التعلیم۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۴۶ فصل فی القراءۃ، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایۃ)

ومثله فی فتح القدیر ج۱ ص۲۹۱ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

سورة الفاتحة وقدر اربعين او خمسين واختصر في الاصل على الاربعين . الخ
(رد المحتار ج ۱ ص۵۴۰ فصل في القراءة)

وقال العلامة ابن عابدينؒ : كما ذكر انه صلى الله عليه وسلم قرأ بالمعوذتين في الفجر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۹۵ باب الامامة مطلب اذا صلى الشافعي قبل الحنفي الخ)[1]

قرآن مجید کا بہت تیز پڑھنا

سوال: بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب فرض نماز اور خصوصاً تراویح میں، اسی طرح بعض لوگ انفراداً بہت تیز قرأۃ کرتے ہیں اور بہت جلد نماز سے فارغ ہونے کی کوشش کرتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: قرآن مجید کو اگر تیز روانی سے پڑھا جائے بشرطیکہ تلفظ صحیح ہو اور حروف میں کوئی کمی نہ ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اتنا تیز پڑھنا جس سے الفاظ میں غلطی یا کمی بیشی پیدا ہو جائے جائز نہیں۔

قال الحصكفيؒ : ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة۔
قال ابن عابدينؒ : اى سرعة الكلام والقراءة ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۷ فصل في التراويح)[2]

---

[1] قال العلامة السيد احمد الطحطاوى : واختلفت الآثار في حد ما يقرأ في كل صلوٰة وفي الجامع الصغير انه يقرأ في الفجر في الركعتين جميعاً اربعين او خمسين او ستين آية سوى الفاتحة . وروى الحسن ما بين ستين الى مائة فالمائة اكثر ما يقرأ فيها والاربعون اقل . الخ ۔ (طحطاوى حاشيه مراقى ص۲۱۳ فصل في بيان سننها)

قال يؤيده ما في الصحيحين انه صلى الله عليه وسلم قرأ بالمعوذتين في الفجر فلما فرغ قالوا له اوجزت قال سمعت بكاء صبي ۔
(طحطاوى حاشيه مراقى ص۲۴۶ فصل في بيان احق بالامامة)

ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۷ باب الامامة ۔ والفتاوى الهندية ج ۱ ص۷۷ الفصل الرابع في القراءة ۔

[2] ويكره الاسراع في القراءة وفي اداء الاركان كذا في السراجية ۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۱۸ فصل في التراويح)

ظہر و عصر کی فرض نماز میں مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا

سوال: ظہر و عصر کی فرض جماعت میں جبکہ امام سراً قراءت کرتا ہے، اگر مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہ حنفی میں مقتدی کے لیے چاہے امام سراً قراءت کرے یا جہراً قراءت کرے، خاموش رہنا ضروری ہے اور مقتدی کا امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال الحصکفی: (والمؤتم لا یقرأ مطلقاً) ولا الفاتحة فی السریة اتفاقاً، وما نسب لمحمد ضعیف کما بسطه الکمال (فإن قرأ کره تحریماً) ... (بل یستمع) إذا جهر (وینصت) إذا أسر لقول أبی هریرة رضی الله عنه کنا نقرأ خلف الامام فنزل وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۳۶۶ فصل فی القراءة) [1]

قراءت میں امام کا حد سے تجاوز کرنا

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب جہری نمازوں میں اتنی بلند آواز سے قراءت کرتے ہیں کہ دور دور تک سنائی دیتی ہے جبکہ مسجد میں چند ایک لوگ ہوتے ہیں، اگر امام صاحب ذرا آہستہ قراءت کریں تب بھی سب کو آسانی سے سنائی دیتی ہے۔ کیا جہری نمازوں میں حد سے زیادہ بلند آواز میں قراءت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرنا (امام کیلئے) واجب ہے البتہ اتنی بلند آواز سے قراءت کرنا جس سے لوگ بھی تنگ ہوں اور اپنی بشری طاقت سے بھی تجاوز کرے، یہ مکروہ تحریمی ہے، احسن یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

ولا یجهد الامام نفسه بالجهر کما فی البحر الرائق، وإذا جهر الامام فوق حاجة الناس

---

[1] قال الامام محمد بن الحسن الشیبانی: لا قراءة خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر به، بذلک جاءت عامة الآثار وهو قول أبی حنیفة۔
(موطا امام محمد ص۹ باب قراءة الامام)
ومثله فی فتح القدیر ج۱ ص۲۹ فصل فی القراءة۔

فقد اساء لان الامام انما یجهر لاسماع القوم لیتدبروا فی قراءتہ لیحصل احضار القلب کذا فی السراج الوهاج ۔ (الهندیۃ ج ۱ ص۷۲ واجبات الصلوٰۃ) سلہ

نماز میں ایک آیت طویلہ کا پڑھنا

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب نے ایک مرتبہ جہری نماز کی پہلی رکعت میں لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے اَلْمَصِیْرُ تک قرأت کی جو دو آیتیں بنتی ہیں، اور دوسری رکعت میں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا (الخ) تک قرأت کی جو ایک آیت بنتی ہے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ نماز نہیں ہوئی کیونکہ دوسری رکعت میں ایک آیت پڑھی گئی ہے اور پہلی رکعت میں دو آیتیں، جبکہ قرأۃ کے لیے تین آیات شرط ہیں لہٰذا اس سے نماز نہیں ہوئی۔ اعتراض کرنے والے نے اپنی نماز کا اعادہ کیا جبکہ امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ نماز ہوگئی کیونکہ نماز میں اگر ایک آیت طویلہ پڑھ لی جائے جو تین آیاتِ قصیرہ کے برابر ہو تو اس سے نماز ہو جاتی ہے۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک آیت طویلہ (جو تین آیاتِ قصیرہ کے برابر ہو) پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں قرأت کی مقدار تین آیاتِ قصیرہ یا ایک آیت طویلہ ہے، اور آیاتِ قصیرہ کی مقدار سورۃ الکوثر اور سورۃ عبس کی پہلی آیات ہیں۔
صورتِ مسئولہ میں چونکہ امام صاحب نے ایک آیت طویلہ پڑھی ہے جس کی مقدار ان دونوں سے زیادہ بنتی ہے لہٰذا اس سے نماز میں کوئی فساد نہیں آیا اور نہ ہی یہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

اما الجواز ان قرأ فی کل رکعۃ من صلوٰتہ بآیۃ اجزأہ قصیرۃ کانت الآیۃ او طویلۃ وهو مسئ وهذا عند ابی حنیفۃ وعندهما لا یجزیہ ما لم یقرأ فی کل

سلہ قال السید احمد الطحطاوی: ولا وجہ لان یجهد نفسہ بالجهر بل بقدر الطاقۃ لان اسماع بعض القوم یکفی واستحب ان یجهر بحسب الجماعۃ فان زاد فوق حاجۃ الجماعۃ فقد اساء کما لو جهر المصلی بالاذکار قهستانی عن کشف الاصول۔
(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۰۳ فصل فی واجبات الصلوٰۃ)
ومثلہ فی رد المحتار ج۱ ص۴۹۹ باب الامامۃ مطلب فی رفع المبلغ صوتہ زیادۃ عن الحاجۃ۔

لکنه ثلاث آیات قصار او آیة طویلة وهذا قول ابی حنیفةؒ اولیٰ۔
(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۹۴ فصل فی القرأة) [۱]

حرف ض کا صحیح تلفظ

سوال: ہمارے علاقہ میں لفظ (ض) کے تلفظ پر علماء کے مابین بہت سخت اختلاف ہے حتیٰ کہ کفر و اسلام کا فرق بھی اس کا پڑھنا قرار دے دیا گیا ہے۔ بعض اس حرف کو دال کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بعض ظا کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بعض ذال اور زا کے مشابہ پڑھتے ہیں۔ البتہ اگر صفات و مخرج کی رعایت رکھ کر اس کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو قدرے ظا کے مشابہ ہوتا ہے۔ کیا اس حرف کو مذکورہ حروف کے مشابہ پڑھ لیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت یا فساد لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب: تلفظ کے دوران اگر ایک حرف کو دوسرے حرف میں تبدیل کرنے سے معنیٰ میں تغیر آتا ہو تو بالاتفاق اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر ض کو زا، ذال، دال، ظا سے بدل کر بعینہٖ دال و ظا پڑھا جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر ض کو اپنے مخرج و صفات سے ادا کرنے پر کسی دوسرے لفظ کے مشابہ آواز نکل جائے لیکن صراحۃً فرق و تمیز نظر نہ آئے اور نہ ہی بلا مشقت کے ان کے درمیان فرق کیا جا سکے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر صراحۃً تمیز ہو جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله الا ما یشق) قال فی الخانیة والخلاصة الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنیٰ ان امکن الفصل ما بینهما بلا مشقة تفسد والا یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین

---

[۱] قال الحصکفیؒ: قرأ المصلی لو اماماً او منفرداً (الفاتحة و) قرأ بعدها وجوباً (سورة او ثلاث آیات) ولو کانت الآیة او الآیتان تعدل ثلاث آیات قصاراً انتفت کراهة التحریم ذکره الحلبی ولا تنتفی التنزیهیة الا بالمسنون۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۰ صفة الصلوٰة)
ومثله فی کبیری ص ۴۶۸ باب القرأة۔

والمصلين والظاء مع التاء، قال اکثرھم لا تفسد. (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳۲ مطلب مسائل زلۃ القاری) لـہ

ص کی جگہ س پڑھنا

سوال:- اگر کوئی امام صراط الذین کے بجائے سراط الذین پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگرچہ ایک حرف کا دوسرے حرف سے اس طور پر بدلنا جس سے معنی میں تبدیلی واقع ہوتی ہو مفسد صلوٰۃ ہے لیکن صورت مسئولہ میں مفسد تبدیلی نہیں بلکہ صراط بالسین بھی ایک قرأت ہے اس لیے سراط الذین پڑھنے سے نماز کو کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم صراط پڑھنا اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة جمال الدين ابو الفرج ابن الجوزي الصراط الطريق يقال ان اصله بالسين لانه من الاستراط وهو الابتلاع فالسراط كانه يسترط المارين عليه فمن قرأ بالسين كمجاهد وابن محيصن ويعقوب فعلى اصل الكلمة ومن قرأ بالصاد كأبي عمرو والجمهور فلانه اخف على اللسان ...... قال الفراء اللغة الجيدة بالصاد وهي لغة قريش الاولى. (زاد المسير ج ۱ ص ۱۴ تحت صراط الذين) لـہ

سورۂ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سوال:- نماز میں سورۃ فاتحہ یا کوئی دوسری سورۃ شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے

لـہ قال في التتارخانية: والاصل فيما اذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى ان امكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه قال اكثرهم لا تفسد قال بعضهم يفسد۔

(خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۱۲ زلة القاري)

وَمِثلُهُ في الهندية ج ۱ ص ۷۹ زلة القاري۔

ثم قال العلامة محمود الآلوسي: الصراط الطريق واصله بالسين من سرط ...... والسين على الاصل قرأ ابن كثير برواية قنبل ورويس اللؤلؤي عن يعقوب وقرأ الجمهور بالصاد وهي لغة قريش۔

(روح المعاني ج ۱ ص ۹۲ تحت الصراط المستقيم)

وَمِثلُهُ في تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۲۳ تحت اهدنا الصراط۔

کیا حکم ہے؟

الجواب:- سورۃ فاتحہ سے قبل تسمیہ کا پڑھنا سنت ہے البتہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تسمیہ پڑھنا سنت تو نہیں مگر محققین کے ہاں پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ:- (وسمّی) غیر المؤتم بلفظ البسملة لا مطلق الذکر کما فی ذبیحة ووضوء (سرا فی) اول (کل رکعة) ولو جهریة (لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقا) ولو سریة ولا تکره اتفاقا وما صححه الزاهدی من وجوبها ضعفه فی البحر۔
قال ابن عابدینؒ: کما صرح فی الذخیرة والمجتبی بان سمّی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرا او جهرا کان حسنا ورجحه ابن الهمام۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۰ باب صفة الصلوٰة فصل فی القراءة) [1]

اعراب میں غلطی کرنا

سوال:- ایک امام صاحب نے قرآن کریم کی آیت شفاءٌ لِمَا فی الصدور کو بجائے شفاءٌ لِمَا فی الصدور

---

[1] ولو یاتی بالتسمیة) ویخفیها وهی من القرآن آیة انزلت للفصل بین السور کذا فی الظهیریة فیما یکره فی الصلوٰة ۔۔۔ ولا یسمّی بین الفاتحة والسورة هکذا فی الوقایة والنقایة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۷۴ الفصل الثالث فی سننها)

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: (و) تسن (التسمیة اول کل رکعة) قبل الفاتحة لانه صلی الله علیه وسلم کان یفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحیم وفی الطحطاوی واتفقوا علی عدم الکراهة فی ذکرها بین الفاتحة والسورة بل هو حسن سواء کانت الصلوٰة سریة او جهریة وینافیه ما فی القهستانی انه لا یسمّی بین الفاتحة والسورة فی قولهما وفی روایة عن محمد قال فی المضمرات والفتوی علی قولهما۔
وفی حاشیة نوح فیه اشکال وتنبیه ذوی ابن امیر حاج حیث رجحا ان الخلاف فی السنیة فلا خلاف انه لو سمّی لکان حسنا لشبهة الخلاف فی کونها آیة من کل سورة۔
(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۴۲ باب سننها)
ومثله فی عزیز الفتاوی ج ۱ ص ۲۲۳ کتاب الصلوٰة۔

بفتح الشین پڑھ دیا۔ اب لوگوں میں اختلاف پڑ گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ کیا اس طرح کی اعراب کی غلطی کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ لفظ بفتح الشین کا شکل نہ تو قرآن مجید میں موجود ہے (البتہ لفظ شُقّ بفتح الشین بغیر الھمزہ قرآن مجید میں موجود ہے) اور نہ ہی اس کے لیے کوئی صحیح معنی موجود ہے، لہٰذا اعراب کی ایسی غلطی کی وجہ سے متقدمین کے مذہب میں نماز واجب الاعادہ ہے اور متاخرین کے نزدیک نماز واجب الاعادہ نہیں اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ اس سے معنی میں ایسی تبدیلی نہیں آئی جو مفسد صلوٰۃ ہو۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله ومنها في الاعراب) كالكسر مكان الفتح وفتح باء تعبد مكان ضمها ومثال ما يفسد إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ بضمها الجلالة وفتح همزة العلماء، وهو مفسد عند المتقدمين واختلف المتأخرون فذهب ابن مقاتل ومن معه انه لا يفسد وما قالوه احوط وهذا اوسع كذا في زاد الفقير لابن الهمام۔ (رد المحتار ج١ ص٦٣١ باب زلة القارى)[1]

مسد کو مشدد پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے مولوی صاحب نے ایک دفعہ مغرب کی نماز میں سورۃ تبت پڑھی اور لفظ مَسَدٍ جو کہ مخفف ہے اس کو مشدد پڑھا۔ کیا اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

---

[1] اذا لحن في الاعراب لحنا لا يغير المعنى بان قرأ لا ترفعوا اصواتكم برفع التاء لا تفسد صلوته بالاجماع وان غير المعنى تغييرا فاحشا بان قرأ وعصى آدم ربه بنصب الميم ورفع الرب وما اشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر اذا قرأ خطأ فسدت صلوته في قول المتقدمين واختلف المتأخرون قال محمد بن مقاتل وابو نصر محمد بن سلام وابو بكر بن سعيد البلخي والفقيه ابو جعفر الهندواني وابو بكر محمد بن الفضل والشيخ الامام الزاهد وشمس الائمة الحلواني لا تفسد صلوته وما قاله المتقدمون احوط۔

(الفتاوى الهندية ج١ ص٨١ باب زلة القارى)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج١ ص١١٣ زلة القارى۔

الجواب: مخفف کو مشدد پڑھنا اور ایسے ہی مشدد کو مخفف پڑھنا اگر اس سے فسادِ معنی لازم آتا ہو تو نماز فاسد ہے ورنہ نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ: او بتخفیف مشدد وعکسہ او بزیادۃ حرف فاکثر نحو الصراط الذین او بوصل حرف بکلمۃ نحو ایاک نعبد او بوقف وابتداء لم تفسد وان غیر المعنی بہ یفتی بزازیہ الا تشدید رب العالمین وایاک نعبد فیترکہ تفسد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۳ زلۃ القاری) [1]

سوال: نماز میں قرأت کی غلطی کا علم ہونے کے بعد اسے درست کرنا

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں قرأت کے دوران الفاظ یا اعراب کی غلطی کر جائے اور بعد میں علم ہونے پر فوراً اس کا ازالہ کر دے اور دوبارہ درست قرأت پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب: نماز میں قرأت کی غلطی ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کر لینے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز درست اور صحیح ہوگی۔

ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطا فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلاتہ جائزۃ وکذلک الاعراب۔

(الفتاوٰی الہندیۃ ج ۱ ص ۸۲ باب زلۃ القاری) [2]

---

[1] ولو ترک التشدید فی موضعہ او اتی بالتشدید فی غیر موضعہ صح فان کان لا یغیر المعنی۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۱۲ زلۃ القاری)

[2] قال الشیخ مولانا اشرف علی التھانویؒ: وفی العالمگیری: ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطا فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلوتہ جائزۃ وکذلک الاعراب۔ قلت: وکذلک سمعت شیخی مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(امداد الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۴۸ باب القرأۃ)

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ کی جگہ إِذَا جَاءَ وَالنَّصْرُ اللهِ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں إذا جاء نصر اللہ کی جگہ إذا جاء والنصر اللہ پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ تغیرِ معنی پایا جاتا ہے اور فحش بھی لہٰذا نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

وفی الهندية: (ومنها) ذکر حرف مکان حرف، إن ذکر حرفا مکان حرف ولم يغير المعنى بأن قرأ إن المسلمون إن الظالمون وما أشبه ذلك لم تفسد صلاته وإن غير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۷۹ كتاب الصلوٰة، الفصل الخامس في زلة القاري) له

دوسری رکعت میں ایک آیت کی زیادتی سببِ کراہت نہیں

سوال: ہمارے امام صاحب نے نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں تین آیات تلاوت کیں اور دوسری میں چار آیات تلاوت کیں جس کی وجہ سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہوگئی، کیا ایسا کرنا شرعاً مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبا کرنا مکروہ ہے مگر کراہت تب ہے جب دوسری رکعت کی قرأت دو آیت سے زیادہ ہو، لیکن دو آیات یا کم کی زیادتی سببِ کراہت نہیں۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبي: أما إطالة الركعة الثانية على الأولى فتكره بالإجماع لكن لا يعتبر مطلق الإطالة بل إن كانت الإطالة بثلاث آيات فما فوقها تكره وإن كانت أقل لا، الإطالة بآية أو آيتين لا تكره. (حلبي كبير ص۳۱۲ صفة الصلوٰة)

له قال العلامة ابن عابدين: وإن كان الخطأ بإبدال حرف بحرف فإن أمكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على أنه مفسد وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى الخ. (رد المحتار ج۱ ص۶۳۲ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۴۲ كتاب الصلوٰة۔

تین آیات پڑھ چکنے کے بعد مقتدی کا امام کو فتحہ دینا

سوال :- ایک مسجد کے امام صاحب نے تین آیات کے برابر نماز کے اندر قرأت کی کہ اچانک آگے پڑھنا بھول گئے، اس صورت میں اگر کوئی مقتدی امام کو فتح دے اور امام مقتدی کا فتحہ لے تو کیا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب :- جب امام نے تین آیات کے برابر قرأت کر لی تو اُسے چاہیئے کہ وہ رکوع میں چلا جائے مقتدی کو فتحہ دینے کے لیے مجبور نہ کرے اور اگر بالفرض مقتدی نے تین آیات کے بعد امام کو فتحہ دیا اور امام نے قبول بھی کر لیا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : بخلاف فتحه علی امامه فانه لا یفسد مطلقاً لفاتح و آخذ بکل حال ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز به الصلوٰة ام لا انتقل الی اٰیة اخری ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح ۔

(رد المحتار جلد ا صفحہ ۴۶۰ باب ما یفسد الصلوٰة الخ) له

ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنے کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں ملا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بہتر یہ ہے کہ ایک رکعت میں ایک ہی سورت پڑھی جائے تاہم اگر ایک ہی رکعت میں دو یا تین سورتیں پڑھی گئیں تو اس سے نماز پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا اگرچہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔

لما قال العلامة السید احمد الطحطاوی رحمه الله : ویکره ...... والجمع بین سورتین ای فی رکعة واحدة لما فیه من الشبهة التفضیل والهجر ۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۲۰۶ باب ما یکره فی الصلوٰة)

له قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : لما صرحوا فی فتح المصلی علی امامه بانها لا تفسد علی الصحیح سواء قرأ الامام ما تجوز به الصلوٰة اولا ۔

(البحر الرائق ج ۲ صفحہ ۲۷ باب الحدث فی الصلوٰة)

باب المسبوق واللاحق

(مسبوق اور لاحق کے احکام و مسائل)

مسبوق اور لاحق کی تعریف

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مسبوق اور لاحق کی تعریف کیا ہے؟ یہ کسے کہتے ہیں؟

الجواب:۔ **مسبوق**: وہ نمازی ہے جس کو امام کے ساتھ پوری رکعات یا بعض پڑھنے کا موقع نہ ملے۔

لاحق: وہ مقتدی ہے جس سے بصورتِ مجبوری اقتدا کرنے کے بعد پوری یا بعض رکعات فوت ہو جائیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه بعذر کغفلة وزحمة۔۔ والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۹۴ باب الامامة مطلب فی احکام المسبوق الخ)

مسبوق کیلئے ثناء پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مغرب کی نماز میں دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہو تو وہ ثناء کب پڑھے گا؟

الجواب:۔ اگر مسبوق امام کو ایسی رکعت میں پائے جس میں قرأت جہری ہو تو یہ مسبوق ثناء نہیں پڑھے گا بلکہ امام کی قرأت سنے گا اور جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مسبوق فوت شدہ رکعت کی قضاء کرنے کے لیے اٹھے تو ثناء پڑھے گا۔ تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے ساتھ ملتے ہی تعوذ پڑھنا مستحب ہے، جبکہ بعد میں بھی امام کی فراغت کے بعد بھی قرأت سے پہلے تعوذ پڑھے گا۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والمسبوق اذا ادرک الامام فی القراءة التی یجهر فیها لا یاتی بالثناء فاذا قام الی قضاء ما سبق یاتی بالثناء ویتعوذ للقراءة وعند ابی یوسفؒ یتعوذ عند الدخول فی الصلوة وعند القراءة وهذا استحباب

ونحوه فی الهندیة: المسبوق من لم یدرک الرکعة الاولی مع الامام .... واللاحق هو الذی ادرکها وفاته الباقی لنوم او حدث ..... الخ

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۹۲ الباب الخامس الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

اما کونہ سنۃ فقد مر فی فصل الآداب ثم فی الثناء سواء کان قریبا من الامام اولا یسمع فی صلوٰۃ الجہر یسکت۔ وفی صلوٰۃ المخافتۃ یأتی بالثناء اذا ادرکہ قائماً۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۶۵ مسائل المسبوق)[1]

دوسری رکعت میں ملنے والے مسبوق کیلئے تشہد پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص ظہر کی نماز میں امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو جائے اور امام جب دوسری رکعت پر بیٹھ جائے تو اس مسبوق پر یہ تشہد پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ بعض متون اور حواشی میں لکھا ہے کہ مسبوق پر یہ ضروری نہیں۔

الجواب:۔ مسبوق پر بھی تشہد پڑھنا واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشہد فاذا سلم الامام قام الی القضاء الخ

(رد المحتار ج۱ ص۵۹۹ حکم المسبوق واللاحق)

وایضاً قال بعد ورقۃ: لکن لو ادرک الامام فی القعدۃ الاولیٰ فقعد معہ فقام الامام قبل شروع المسبوق فی التشہد فانہ یتشہد بما التشہد اما مر۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۰۱ حکم اللاحق والمسبوق)[2]

---

[1] وفی الہندیۃ: وفی صلوٰۃ المخافتۃ یأتی بہ الخ. ویسکت المؤتم عن الثناء اذا جہر الامام۔ وان ادرک الامام فی الرکوع او السجود یتحری ان کان اکبر رأیہ انہ لو اتی بہ ادرکہ فی شیء من الرکوع او السجود یأتی بہ قائماً والا یتابع الامام ولا یأتی بہ۔ وان لم یدرک الامام فی الرکوع والسجود لا یأتی بہما وان ادرک الامام فی القعدۃ لا یأتی بالثناء بل یکبر للافتتاح ثم للانحطاط ثم یقعد۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۹۱ الباب فی اللاحق والمسبوق)

[2] وفی الہندیۃ: اذا ادرک الامام فی التشہد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی او سلم الامام فی آخر الصلوٰۃ قبل ان یتم المقتدی التشہد فالمختار ان یتم التشہد کذا فی الغیاثیۃ وان لم یتم اجزأہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۹۰ الفصل السادس فیما یتابع الامام الخ)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۶۸ باب فیما یفعلہ المقتدی۔

امام کے ساتھ قعدہ اولیٰ میں ملنے کی صورت میں تشہد پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں شرکت کرے اور مسبوق کے بیٹھتے ہی امام کھڑا ہو جائے تو کیا ایسی صورت میں امام کی متابعت ضروری ہے یا مسبوق تشہد مکمل کرنے کے بعد کھڑا ہوگا؟

الجواب:- ایسی صورت میں تشہد مکمل کرنے کے بغیر بھی اگر مسبوق امام کی متابعت کی وجہ سے کھڑا ہو جائے تو نماز مع الکراہت ہو جاتی ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ تشہد پوری پڑھ کر پھر اُٹھے کیونکہ قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے، لہٰذا ایک واجب کی وجہ سے دوسرے واجب کو ترک نہیں کرنا چاہیئے، یہاں تک کہ مدرک بھی تشہد پورا کرنے کے بغیر نہیں اٹھے گا، بلکہ تشہد مکمل کرے پھر اٹھ کر امام کی متابعت کرے، تاکہ دونوں واجب کی رعایت ہو۔

وفی الهندية: اذا ادرك الامام فی التشهد وقام الامام قبل ان يتم المقتدی اوسلم الامام فی اٰخر الصلوٰة قبل ان يتم المقتدی التشهد فالمختار ان يتم التشهد كذا فی الغياثية۔ وان لم يتم اجزأه. (الهندية ج ۱ ص۹۰ الفصل السادس فيما يتابع الامام الخ)[1]

امام کی متابعت کا حکم

سوال:- اگر امام قعدۂ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور مسبوق جس نے التحیات کا دھورا پایا ہو تو پیچھے رہ جانے کی وجہ سے التحیات مکمل کرے، اور اتفاق ایسا ہو کہ امام قیام سے رکوع میں چلا جائے، تو کیا مسبوق تین تسبیحات کے برابر قیام کرکے لاحق کی طرح امام کے ساتھ شریک ہوگا یا رکوع کرنے کے بعد امام سے ملنے کی کوشش کرے گا؟

الجواب:- اصل جواب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ متابعت واجبہ کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) بشکل مقارنت: امام کے ساتھ تمام رکن میں شریک رہے۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فان عارضها واجب لا ينبغی ان يفوته بل يأتی به ثم يتابع كما لو قام الامام قبل ان يتم المقتدی التشهد فانه يتمه۔ ثم يقوم لان الاتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية۔ وانما يؤخرها والمتابعة مع قطعه تفوته بالكلية فكان تاخير احد الواجبين مع الاتيان بهما اولیٰ من ترك احدهما بالكلية۔

(رد المحتار ج ۱ ص۴۷۰ مطلب مهم فی تحقيق متابعة الامام)

(۲) بصورتِ تعاقب: کہ ابتداءِ فعل میں امام مقدم اور مقتدی مؤخر ہو۔

(۳) بصورتِ تأخر: کہ فعل سے امام پہلے فارغ ہو جائے اور مقتدی امام کی ادائیگی کے بعد ادا کرے۔

ان تینوں صورتوں میں متابعت کا حق ادا ہو کر مقتدی کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں چونکہ تشہد پڑھنا واجب ہے اس لیے لاحق یا مسبوق تشہد پڑھنے کے بعد قیام کرکے تنہا رکوع کرکے امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور اس میں بھی متابعت بصورتِ تأخر کا حق ادا ہوتا ہے۔ البتہ مندرجہ بالا صورتوں میں اگر مقتدی اصل فعل ہی (یعنی فرض رکن مثلاً رکوع) ترک کر دے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مستقل رکعت ادا کرکے سلام پھیر دے، اور اگر مستقل رکعت امام کی فراغت کے بعد ادا نہیں کی تو نماز ادا نہ ہوئی، اس لیے نماز واجب الاعادہ بلکہ فرض ہو کر دوبارہ ادا کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: والحاصل ان متابعۃ الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تاخیر واجبۃ۔ فان عارضہا واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام قبل ان یتم المقتدی التشہد فانہ یتمہ ثم یقوم لان الاتیان بہ لا یفوت المتابعۃ بالکلیۃ۔ وانما یؤخرہا۔ والمتابعۃ مع قطعہ تفوتہ بالکلیۃ فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولیٰ من ترک احدہما بالکلیۃ۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۷۰ مطلب مہم فی تحقیق متابعۃ الامام) [1]

مسبوق سلام میں امام کی متابعت نہیں کرے گا خواہ سجدۂ سہو کی کیوں نہ ہو

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیر دے تو سہواً یا عمداً کی صورت میں نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟ نیز قعدۂ اخیرہ میں ملنے والے شخص کے لیے امام کی سجدۂ سہو میں متابعت ضروری ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی: لو سلم الامام او تکلم قبل فراغ المقتدی من قرأۃ التشہد یتمہ...... ولا یتبع الامام وان خاف فوت الرکوع لان قرأۃ بعض التشہد لم تعرف قربۃ والرکوع لا یفوت فی الحقیقۃ لانہ یدرکہ فکان خلف الامام ومعارضۃ واجب آخر لا یمنع الاتیان بما کان فیہ من واجب غیرہ لاتیانہ بہ بعدہ فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولیٰ من ترک احدہما بالکلیۃ۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۵۱ فصل فیما یفعلہ المقتدی بعد فراغ امامہ... الخ)

الجواب: مسبوق کی حیثیت یاد ہونے کے باوجود سلام پھیرنا موجب فساد صلوٰۃ ہے، البتہ نسیان کی صورت میں سلام پھیرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ امام کے سلام کے ساتھ یا قبل سلام پھیرا ہو، لہٰذا یہ شخص امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہو کر اپنی نماز مکمل کرے گا، تاہم مسبوق پر امام کے سجدہ سہو میں متابعت ضروری ہے البتہ سلام پھیرنے میں امام کی متابعت نہیں کرے گا، اگر سہو محل نماز کے وسط میں واقع نہ ہو اور امام کی فراغت کے بعد سہواً سلام پھیرنے سے مسبوق پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواء کان السہو قبل الاقتداء او بعدہٗ. قال ابن عابدینؒ تحت ہذہ العبارۃ: قید بالسجود لانہ لا یتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشہد فاذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامداً فسدت والا لا ولا سجود علیہ ان سلم سہواً قبل الامام او معہ وان سلم بعدہ لزمہ لکونہ منفرداً حینئذٍ (بحر) واراد بالمعیۃ المقارنۃ وھو نادر الوقوع کما فی شرح المنیۃ وفیہ ولو سلم علی ظن ان علیہ ان یسلم فھو سلام عمد یمنع البناء۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۸۲ باب سجود السہو)[۱]

مسبوق کے لیے سہواً سلام پھیر کر خارج سے لقمہ لینے پر نماز کا حکم

سوال: مسبوق اگر سہواً سلام پھیر دے، دوسرا شخص اسے مسبوقیت کی یاددہانی کرائے اور یہ مسبوق اس پر عمل کر کے بقیہ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس مسبوق کی نماز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک نماز درست ہے اور یہی راجح قول ہے لہٰذا احتیاطاً

---

[۱] وفی الہندیۃ: سہو الامام یوجب علیہ وعلی من خلفہ السجود کذا فی المحیط ولا یشترط ان یکون مقتدیاً بہ وقت السہو حتی لو ادرک الامام بعد ما سہا یلزمہ ان یسجد مع الامام تبعاً ولو دخل معہ بعد ما سجد سجدۃ السہو یتابعہ فی الثانیۃ ولا یقضی الاولیٰ وان دخل معہ بعد ما سجدھما لا یقضیھما۔ (الہندیۃ باب فی سجود السہو ج۱ ص۱۲۸)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۹۷ باب الحدث فی الصلوٰۃ فی استخلاف المسبوق۔

یہ ہے کہ مصلی (نمازی) خارج سے لقمہ لئے بغیر تکبیر کر کے اٹھ جائے اور اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے تاکہ اختلاف کی صورت نہ رہے۔ تاہم اگر اس نے امام کے ساتھ متصل سلام پھیرا ہو تو نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کی ضرورت بھی نہیں، اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا تو ایسی صورت میں اس مسبوق پر نماز کے آخر میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو سلم ساہیا (ای المسبوق) ان بعد امامہ لزمہ السہو والا لا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۵۴۳ باب سجود السہو) لہ

مغرب کی جماعت میں آخری رکعت پانے والے کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ آخری رکعات میں شامل ہو جائے تو وہ باقی نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب:- یہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع اور سجدہ کر کے قعدہ پر بیٹھ کر تشہد پڑھے، پھر اٹھ کر دوسری رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ کر پھر رکوع اور سجدہ کے بعد بیٹھ کر التحیات پوری کر کے سلام پھیرے، اور تیسری رکعت اس نے امام کے ساتھ ادا کی ہے۔ اور اگر دوسری رکعت (یعنی امام سے فراغت کے بعد پہلی رکعت) پر نہیں بیٹھا ہو پھر بھی نماز استحساناً جائز ہے اور سجدۂ سہو بھی واجب نہیں۔

لما قال ابراہیم الحلبیؒ: لو ادرک مع الامام رکعۃ من المغرب فانہ یقرأ فی الرکعتین بالفاتحۃ والسورۃ ویقعد فی اولہما لانہا ثنائیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمہ سجود السہو۔ (کبیری ص۴۶۸ فی آخر فصل سجود السہو) ؎

لہ قال القاضی خان: اذا سلم المسبوق ساہیاً یلزمہ السہو قیل ہذا اذا سلم بعد الامام فان سلم مع الامام لا سہو علیہ۔ (الفتاویٰ القاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج۱ ص۱۲۳ باب سجود السہو)

؎ قال ابن نجیم المصریؒ: لو ادرک مع الامام رکعۃ من المغرب فانہ یقرأ فی الرکعتین بالفاتحۃ والسورۃ ولو ترک القرأۃ فی احدہما فسدت صلوتہ وعلیہ ان یقضی رکعۃ بتشہد لانہا ثانیۃ ولو ترک جازت استحساناً لا قیاساً۔ وقال ابن عابدینؒ تحت ہذہ العبارۃ: ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمہ سجود السہو لو سہواً۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۱ ص۳۶۹ باب الحدث فی الصلوٰۃ)

ومثلہ فی رد المحتار ج۱ ص۵۹۹ احکام المسبوق۔

تین رکعات کے مسبوق کے لیے امام کے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت متصل پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال: اگر مسبوق نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت ادا کر کے بعد میں بنا اس صورت میں دو رکعتیں بلا فصل قعدہ کے پڑھ لیں تو کیا اس مسبوق پر سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ معتمد علیہ قول امام محمدؒ کا ہے اور صورت مذکورہ میں امام محمدؒ کے قول کے خلاف کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس شخص کی نماز استحساناً جائز اور درست ہے۔ سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویقضی اول صلاته فی حق قراءته واٰخرها فی حق تشهد فمدرك ركعة من غير فجر يأتی بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط ولا يقعد قبلها — وقال ابن عابدينؒ تحت هذه العبارة: (قوله ويقضی اول صلاته فی حق قراءته الخ) هذا قول محمدؒ كما فی مبسوط السرخسیؒ وعليه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی والاسبيجابی والفتح والدرر والبحرؒ وغيرهم وذكر الخلاف كذلك فی السراج الوهاج لكن فی صلاة الجلابی ان هذا قولهما وتمامه فی شرح الشيخ اسمٰعيل وفی الفيض عن المستصفى لو ادركه فی ركعة الرباعی يقضی ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم يأتی بالثالثة بفاتحة خاصة اه وظاهر كلامهم اعتماد قول محمدؒ (قوله تشهد بينهما) قال فی شرح المنية ولو لم يقعد جاز استحسانا لا قياسا ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة اولى من وجه اه

(الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص ۵۹۶ احکام المسبوق واللاحق) [1]

---

[1] قال ابراهيم الحلبیؒ: ومن جملتها ما اشرنا اليه انه يقضی اول صلوته فی حق القراءة واٰخرها فی حق القعدة حتى لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأ فی الركعتين بالفاتحة والسورة ويقعد فی اولٰهما لانها ثانية ولو لم يقعد جاز استحسانا لا قياسا ولم يلزمه سجود السهو لكونها اولى من وجه الخ۔ (كبيری ص ۴۶۸ باب سجود السهو)
ومثله فی منحة الخالق حاشية البحر الرائق ج ۱ ص ۳۸۹ باب الحدث فی الصلوٰة۔

چوتھی رکعت میں امام کو پانے والے مسبوق کی نماز کا حکم

سوال :- جب ایک شخص نے چار رکعات والی نماز میں امام کو آخری رکعت میں پایا اور پہلی تین رکعات اُس سے فوت ہوئی ہیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب :- یہ مسبوق امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھ کر قعدہ کرے، تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کی صورت میں فاتحہ اور ضم سورت کرے گا اور آخری رکعت میں صرف فاتحۃ الکتاب پر اکتفاء کرے گا۔ گویا اس صورت میں مسبوق کو امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعت کے علاوہ باقی تین رکعات میں ترتیب کی یوں رعایت رکھنی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها) ای بکل الرکعات او بعض الرکعات (وهو منفرد) حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بها لکراهتها مفتاح السعادة (فیما یقضیه) ای بعد متابعته لامامه الخ. ویقضی اول صلاته فی حق قراءة واٰخرها فی حق التشهد. فمدرک رکعة من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحة وسورة وتشهد بینهما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط ولا یقعد قبلها
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۹۶ احکام المسبوق واللاحق) [1]

مسبوق کیلئے امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال :- اگر ایک شخص جماعت میں ایسی حالت میں شامل ہو کہ امام نے ایک یا دو رکعت پڑھی ہوں تو مقتدی قعدۂ اخیرہ میں امام کے ساتھ بیٹھے ہوئے درود شریف اور دُعاء پڑھے گا یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو ادرک رکعة مع الامام فی صلاة الظهر والعصر والعشاء وقام الی القضاء فعلیه ان یقضی رکعة ویقرأ فیها بالفاتحة وسورة ویتشهد لانه یقضی اٰخر الصلوٰة فی حق التشهد ویقضی رکعة ویقرأ فیها بالفاتحة والسورة ولا یتشهد وفی الثالثة بالخیار والقراءة افضل ولو ادرک رکعتین منها یقضی رکعتین ویقرأ فیهما ویتشهد۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۶۱ مسائل المسبوق)
ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۹۹ فی باب الحدث فی الصلوٰة فی استخلاف المسبوق۔

الجواب: مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں وسط صلوٰۃ کے حکم میں ہے اس لیے اسے درود شریف نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ درود شریف نماز کے آخر میں پڑھا جاتا ہے، اسلئے مسبوق کو قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے میں اتنی آہستگی سے کام لینا چاہیے تاکہ امام کے سلام پھیرنے تک یہ تشہد میں مشغول رہے اور اگر اس نے تشہد جلدی ختم کر دیا تو پھر بار بار شہادتین پڑھے۔

وفی الهندية: ومنها ان المسبوق ببعض الركعات يتابع الامام فی التشهد الاخير وإذا أتم التشهد لا يشتغل بما بعده من الدعوات ثم ماذا يفعل تكلموا فيه، وعن ابن شجاع انه يكرر التشهد اي قوله اشهد ان لا اله الا الله وهو المختار كذا في الغياثية.

(الهندية ج۱ ص۹۱ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق) ۱ھ

پانچویں رکعت کے لیے سہواً امام کے قیام پر مسبوق کی نماز کا حکم

سوال: قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد امام پانچویں رکعت کے لیے سہواً کھڑا ہو گیا تو ایسی صورت میں مسبوق (جس نے امام کے ساتھ کچھ رکعات پڑھی ہوں اور کچھ باقی ہوں) کیا طریقہ اختیار کرے؟ کیا مسبوق بھی امام کی تابعداری کرتے ہوئے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے یا بیٹھ کر امام کے بیٹھنے اور سلام پھیرنے کا انتظار کرے اور یا امام کی تابعداری چھوڑ کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے، تینوں صورتوں میں مسبوق کے لیے کون سی صورت قابل عمل ہے؟

الجواب: واضح ہو کہ مسبوق کی حالت مدرک سے مختلف ہے، مدرک تو ابتداء سے لے کر آخر تک امام کا تابع رہتا ہے، لیکن مسبوق امام کی تابعداری میں صرف اس وقت تک ہے جب تک امام کی نماز مکمل ہو جائے یعنی کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد کی طرح اپنی نماز پوری کرتا ہے۔ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے والے مسبوق کو احتیاط سے کام لینا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ کہیں امام کی ایسی زائد تابعداری کرے جس کی نماز فاسد ہو۔ لہٰذا امام جب قعدۂ اخیرہ کے بعد پانچویں رکعت کے لیے سہواً کھڑا ہو تو یہ ایسی حالت ہے کہ

---

[1] وفی قاضی خان: المسبوق اذا قعد مع الامام کیف یفعل اختلفوا فیه والصحیح انه یترسل فی التشهد حتی یفرغ من التشهد عند سلام الامام۔

(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية ج۱ ص۱۱۲ فصل فی المسبوق)

مسبوق کے لیے فوت شدہ رکعات میں قرأت کا حکم

سوال: ایک شخص نے امام کے ساتھ آخری رکعت میں شامل ہوکر نماز ادا کی، امام کی فراغت کے بعد یہ شخص فوت شدہ رکعات کی قضا کرتے ہوئے قرأت پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب: احناف کے نزدیک یہ مسبوق فوت شدہ رکعات میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملا کر پڑھے گا کیونکہ مسبوق قرأت کے اعتبار سے نماز کا پہلا حصہ ادا کر رہا ہے۔

قال الحصكفيؒ: ويقضي اول صلاته في حق قراءة الخ

قال ابن عابدينؒ تحت هذه العبارة: (قوله ويقضي اول صلاته في حق قراءة) هذا قول محمد كما في مبسوط السرخسي وعليه اقتصر في الخلاصة وشرح الطحاوي وثمرته في ركعة من الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم يأتي بالثالثة بفاتحة خاصة عند ابي حنيفة وقالا ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين اولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد.

(رد المحتار ج۱ ص۵۹۹ حكم المسبوق) لـه

امام کی سرعت کی وجہ سے مقتدی سے رکوع یا سجدہ کی تاخیر کا حکم

سوال: اگر ایک شخص نماز کی ابتداء سے امام کے ساتھ جماعت میں شریک رہا، درمیان میں امام کی سرعت کی وجہ سے مقتدی رکوع یا سجدہ کا ادراک نہ کر سکے تو اس شخص کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: ایسا شخص ترتیب سے پہلے ہی رکوع اور سجدہ کرکے امام کے ساتھ ملنے کی کوشش کرے کیونکہ فرض یا واجب کے ترک کی صورت سے یہ بہتر ہے کہ امام کی رفاقت میں تاخیر ہو کیونکہ تاخیر کی صورت میں بھی فی الجملہ متابعت موجود ہے۔

لـه قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: والمسبوق فيما يقضي يقضي اول صلاته في حق القراءة وآخر صلاته في حق التشهد حتى لو ادرك ركعتين من ذوات الاربع من صلاة الظهر او العصر او العشاء يقضي ركعتين ويقرأ فيهما ويتشهد (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۴۵، ۱۴۶)

ومثله في الهندية ج۱ ص۹۱ باب احكام اللاحق والمسبوق۔

قال ابن عابدینؒ: فلو نام فی ثالثة واستیقظ فی الرابعة فانه یأتی بالثالثة بلا قراءة فاذا فرغ منها صلی مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاها وحدها بلا قراءة ایضا فلو تابع الامام ثم قضی الثالثة بعد سلامہ صح واثم۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۹۹ احکام اللاحق) [۱]

سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرنا باعتبار ذات مخرج عن الصلوٰة نہیں

سوال:۔ امام سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرنے سے نماز سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی ممانعت کیوں ہے؟ اور اگر نماز سے خارج مانا جائے تو پھر اسی اثناء میں امام کے پیچھے مسبوق کی اقتداء کیوں صحیح ہے؟ دونوں صورتوں کے دلائل کیا ہیں؟ اور کیا سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بغیر ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سجدہ کے لیے سلام پھیرے وہ نماز سے مطلقاً خارج نہیں ہوتا ہے اور یہ سلام موقوفاً اور ذاتاً کسی اعتبار سے مخرج و محلل نہیں، جبکہ شیخینؒ کے نزدیک یہ سلام تو فی نفسہ محلل اور مخرج ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تحلیلها التسلیم، لیکن صاحب سہو کے حق میں محلل اور مخرج ذاتاً و قطعاً نہیں بلکہ موقوفاً ہے، یعنی اگر اس نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کر لیا تو مخرج اور محلل نہیں سمجھا جائے گا۔ اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو مخرج اور محلل قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا سلام پھیرنے کے وقت اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا، نہ مخرج اور محلل کا اور نہ غیر مخرج اور محلل کا۔ اس تحقیق سے مسبوق کے لیے سلام پھیرنے کی ممانعت کی وجہ معلوم ہوئی کہ مسبوق کے حق میں چونکہ یہ سلام پھیرنا نماز کے درمیان میں ہونے کا احتمال ہے، اس لیے مسبوق کے لیے سلام پھیرنا ممنوع ہے، کہ محلل اس کے حق میں فی خلال الصلوٰة لازم نہ آئے اگرچہ کسی وجہ محلل کیوں نہ ہو۔ رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں امام کے پیچھے ایک نئے مسبوق کی اقتداء کیوں صحیح

---

[۱] وفی الهندیة: ولو لم یشتغل بقضاء ما سبقه، لکنه تابع الامام فلما تم قضی ما سبقه الامام بعد تسلیم الامام جازت صلوٰته عندنا هکذا فی شرح الطحاوی۔

(الهندیة ج۱ ص۹۲ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اقتداء اس وقت صحیح تسلیم کی گئی ہے جبکہ امام سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرے کیونکہ سجدہ سہو کرنے کے بعد یہ سلام بالاتفاق مخرج و محلل نہیں ہے اسلیے امام نماز سے اسی صورت میں بالاتفاق خارج نہیں ہوا ہے لہٰذا دوسرے مسبوق کی اقتداء اس کے پیچھے جائز اور درست ہے۔ علاوہ ازیں سجدہ سہو قبل از سلام بھی جائز ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل روایات و احادیث میں منقول ہے مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت کے لیے تشریع عامہ قرار دیا ہے: لکل سہو سجدتان بعد السلام۔ اس لیے سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے کو افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ سلام تک جتنے واجبات رہ جائیں سب کے لیے ایک دفعہ سجدہ سہو کرنے سے تدارک ہو جاتا ہے۔

قال المحقق: وسلام من عليه سجود سهو يخرجه من الصلوة خروجا موقوفا ان سجد عاد اليها والا لا وعلى هذا ايصح الاقتداء به الخ

قال ابن عابدين: تحت هذه العبارة (قوله يخرجه من الصلوة الخ) هذا عندهما واما عند محمد فانه لا يخرجه منها اصلا كما في البحر وغيره۔

(قوله ان سجد عاد الخ) افاد ان معنى التوقف انه يخرجه منها من كل وجه على احتمال ان يعود الى حرمتها بالسجود بمعنى خروجه منها وانه فيه تقصير اخر هو انه قبل السجود يتوقف على ظهوره فانه ان سجد تبين انه لم يخرجه وان لم يسجد تبين انه خرجه من وقت وجوده۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۸ باب سجود السهو) [له]

له قال الامام اكمل الدين محمد بن محمد البابرتي: (وان هذا السلام) اي سلام من عليه سجدتا السهو غير قاطع اي بالاتفاق اما عند محمد فلانه لم يشرع محللا واما عندهما فلانه ان كان محللا فهو محلل على سبيل التوقف لا على سبيل البتات وكل ما لم يشرع قاطعا لا يقطع الصلوة فلا معنى لقوله القطع لا يحصل بالسلام (العناية على هامش فتح القدير ج ۱ ص ۴۳۵ باب سجود السهو)

قال ابن همام: فعل السلام الاصل فيه ان يكون مخرجا لانه جعل محللا شرعا قال النبي صلى الله عليه وسلم تحليلها التسليم ولانه من باب الكلام على ما مر الا انه منع من الاخراج حالة السهو دفعا للحرج لكثرة السهو وغلبة النسيان ولا يمكن سلام من علم ان عليه الواجب الذي لا خروج لمسلم انه لا يترك الواجب فيبقى مخرجا عن اصل الوضع۔ (فتح القدير ج ۱ ص ۴۳۵ باب سجود السهو)

مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شامل ہونے والے مقیم مقتدی کی نماز کا حکم

سوال: ایک مقیم شخص مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شریک ہوا تو مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مسبوق مقیم بقیہ نماز کس طرح پڑھے گا؟

الجواب: جب ایک مقیم شخص مسافر امام کے پیچھے اقتداء کرے، ظہر، عصر یا عشاء کی نماز ہو تو امام کے سلام کے بعد مقتدی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت نہیں پڑھے گا اور جس رکعت میں مسبوق ہو تو اس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملا کر پڑھے گا۔ گویا اس صورت میں یہ نماز کے مختلف حصوں میں مسبوق اور لاحق دونوں کے حکم میں ہے۔

قال الحصکفیؒ: واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه بعذر کغفلة وزحمة وسبق حدث وصلوٰة خوف ومقیم ائتم بمسافر۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (قوله ومقیم الخ) ای فهو لاحق (ای مقیم المقتدی بالمسافر) بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقاً ایضاً کما اذا فاته اول صلوٰة المسافر اهـ

(الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص۵۹۴ مسائل مسبوق واللاحق)

وایضاً قال ابن عابدینؒ: ان اللاحق المسبوق یقضی وجوباً اولاً ما فاته ثم ما سبق به الخ وان صح عکسه عندنا خلافاً لزفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۲۵) لہ

لاحق کی نماز کا طریقہ

سوال: زید ظہر کی نماز میں شریک ہوا، دو رکعت امام کے ساتھ پڑھنے کے بعد اسے حدث کا عارضہ پیش آیا تو فوراً وضو کرکے امام کے ساتھ قعدہ میں شامل ہو گیا، تو بقیہ نماز امام کی فراغت کے بعد کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: صورت مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد آ کے پہلے فوت شدہ نماز بلا قرأت پڑھنی چاہیئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہو چکی ہے۔ پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شمولیت اختیار کرے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔ تاہم اگر امام کے ساتھ مل کر امام کی فراغت کے بعد اپنی نماز پوری کرے تو یہ بھی جائز ہے لیکن پہلی صورت بہتر ہے۔

لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشیدؒ: ان المسبوق فیما یقضی کالمنفرد واللاحق کانه خلف الامام ولهذا لا قرأة علی اللاحق ویفترض علی المسبوق۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۶۲ مسائل المسبوق)

وفی الہندیۃ: اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ینبغی لہ ان یشتغل اولاً بقضاء ما سبقہ الامام بغیر قراءۃ یقوم مقدار قیام الامام ورکوعہ وسجودہ ولو زاد او نقص فلا یضرہ هکذا فی شرح الطحاوی وان لم یشتغل بقضاء ما سبقہ الامام ولکن تابع الامام اولاً ثم قضی ما سبقہ الامام بعد تسلیم الامام جازت صلوتہ عندنا هکذا فی شرح الطحاوی۔ (الہندیۃ ج۱ ص۹۲ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

مدرک کی سستی کی وجہ سے رکن رہ جانے پر اعادہ کا حکم

سوال: اگر وتر میں مقتدی کہیں دعاء قنوت مکمل کر رہا تھا کہ امام رکوع سے قومہ میں چلا گیا تو اب یہ شخص نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: اس صورت میں مقتدی فوراً رکوع اور قومہ کر کے سجدے میں امام کے ساتھ شریک ہوگا، اگرچہ متابعت متقارنہ یا متعاقبہ نہ ہو سکا لیکن متابعت کی تیسری قسم متابعت بالتاخیر کی بنا پر اس شخص کی نماز درست ہوگی جیسا کہ لاحق کی نماز کا حکم ہے، اور اگر رکوع و قومہ چھوڑ کر فوراً امام کی متابعت کرے تو امام کی فراغت کے بعد ایک رکعت مستقل ادا کرے تو نماز درست ہوگی، اور اگر سرے سے رکعت ادا نہیں کی تو نماز باطل ہو کر اعادہ کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: نعم تکون المتابعۃ فرضاً بمعنی ان یأتی بالفرض مع امامہ او بعدہ کما لو رکع امامہ فرکع معہ مقارناً او معاقباً وشارکہ فیہ او بعد ما رفع منہ فلو لم یرکع اصلاً او رکع ورفع قبل ان یرکع امامہ ولم یعدہ معہ او بعدہ بطلت صلوتہ الخ۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۷۰ مطلب مہم فی تحقیق متابعۃ الامام)

قال الحصکفیؒ فی شرح المنیۃ وحکمہ ای اللاحق انہ یقضی ما فاتہ اولاً ثم یتابع امامہ ان لم یکن قد فرغ فلو انتبہ بعد الوضوء رجع وبدأ بما سبقہ الامام بہ، ثم ان ادرک الامام فی شیء من الصلوۃ یصلیہ معہ اھ وفی البحر وحکمہ انہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ۔ وهذا واجب لا شرط حتی لو عکس یصح الخ (رد المحتار ج۱ ص۵۹۴ احکام المسبوق واللاحق)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۲۲ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت۔

باب مکروہات الصلوٰۃ

(نماز کے مکروہات کا بیان)

شلوار یا تہبند کا ٹخنوں سے نیچے ہونا

سوال :- اگر حالت نماز میں شلوار یا تہبند کہیں ٹخنوں سے نیچے ہو تو اس کا کیا حکم ہے جبکہ اس دور میں اکثر لوگوں کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہے اور وہ اسی حالت میں نماز بھی پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب :- شلوار یا تہبند بطور تکبر کے ٹخنوں سے نیچے رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے ایسی حالت میں نماز پڑھنا بھی کراہت سے خالی نہیں البتہ نماز میں فساد نہیں آتا۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔ (کلاھما فی صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۱ کتاب اللباس)[1]

نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا

سوال :- نماز میں التحیات کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

الجواب :- نماز میں حضور انور کا تصور میں آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: قال ابن الملک: ولیعلم منہ ان جر الثوب لغیر الخیلاء لا یکون حراما لکنہ مکروہ کراھۃ تنزیہ۔
وایضا قال: وقد نص الشافعی علی ان التحریم مخصوص بالخیلاء لدلالۃ ظواھر الاحادیث علیھا فان کان للخیلاء فھو ممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیہ۔
(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۸ ص ۱۳۶ کتاب اللباس الفصل الاول)
ومثلہ فی مشکوۃ ج ۲ ص ۳۷۳ کتاب اللباس۔

التحیات اور درود شریف میں انسان کو حضور انور کا خیال آ ہی جاتا ہے البتہ خیال علیٰ سبیل التعظیم والعبادۃ یا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ نماز میں غیر اللہ کے خیال سے اجتناب کیا جائے، اور محض خیال سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ او تتکلم۔ متفق علیہ۔
(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ) [1]

مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود چھت پر نماز پڑھنا

سوال: مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود بعض لوگ مسجد کی چھت پر نماز پڑھتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس سے نماز میں تو کوئی فرق نہیں آتا؟

الجواب: مسجد کی چھت پر انفرادی طور پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے لیکن بلا عذر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں بشرطیکہ امام کی حالت اس پر مشتبہ نہ ہو اور نہ امام پر مقدم ہو، اور اگر امام کی حالت اس پر مشتبہ ہو یا امام پر مقتدی مقدم ہو جائے تو پھر جائز نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: سطح المسجد له حکم المسجد فهو کالاقتداء انه فی جوف المسجد اذا کان لا یشتبه علیه الامام ...... ولهذا یصح اقتداء من علی سطح المسجد بمن فیه اذا لم یتقدم علی الامام۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المسجد) [2]

---

[1] عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عز وجل تجاوز لامتی ما حدثت به انفسها ما لم تعمل او تکلم به۔ (الصحیح لمسلم ج ۱ ص ۷۸ باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس)

[2] لما قال العلامۃ فخر الدین حسن بن منصور المشہور بقاضی خان: ولو قام علی سطح المسجد واقتدی بامام فی المسجد ان کان للسطح باب فی المسجد ولا یشتبه علیه حال الامام یصح الاقتداء وان اشتبه علیه حال الامام لا یصح۔ (الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندیۃ ج ۱ ص ۸۸ باب الامامۃ)
ومثله فی الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص ۸۸ باب الامامۃ الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحۃ الاقتداء۔

پگڑی باندھنے میں اگر سر کا درمیانہ حصہ خالی رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے

سوال:۔ بعض بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ پگڑی باندھتے ہیں تو سر کا درمیانہ حصہ ننگا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں تو اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پگڑی باندھنے سے منع فرمایا ہے کہ سر پر پگڑی تو موجود ہو مگر اس کا درمیانہ حصہ خالی ہو اس لیے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ اشتمال الصماء والاعتجار ... قال ابن عابدینؒ (تحت قولہ والاعتجار) للنهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ وھو شد الرأس أو تکویر عمامتہ علی رأسہ وترک وسطہ مکشوفا۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۵۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ مطلب الکلام علی اتخاذ المسبحۃ) [1]

جالی والی ٹوپی میں نماز کا حکم

سوال:۔ آجکل چینی (جالی دار) ٹوپیوں کا رواج عام ہے اور نماز میں لوگ اکثر ان کو استعمال کرتے ہیں جبکہ سر کے بال ان میں نظر آتے ہیں، کیا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز میں ستر عورت ضروری ہے اور وہ بھی اس کپڑے سے جو اس کیلئے مباح ہو، چونکہ سر مردوں کے ستر عورت میں داخل نہیں اور جالی دار ٹوپی بھی مردوں کے لیے مباح ہے اس لیے اس میں نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: الجواب: جو کپڑا مردوں کو پہننا مباح ہو اگر وہ جالی دار ہو تو اس کی ٹوپی سے نماز درست ہے اور استعمال اس کا اس طریقہ پہ کہ کشف عورت نہ ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد۴ ص۱۰۹ باب مکروہات الصلوٰۃ)

چوری شدہ ٹوپی سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ میرا ایک دوست درزی ہے، اس کے پاس لوگ کپڑے سلوانے کیلئے لاتے ہیں

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار شرنبلالیؒ: ویکرہ الاعتجار وھو شد الرأس بالمندیل أو تکویر عمامتہ علی رأسہ ... (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص[illegible] فصل مکروہات الصلوٰۃ)
ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص[illegible] الفصل الثانی فیما یکرہ الصلوٰۃ۔

اس لئے کچھ کپڑا بچ بھی جاتا ہے اس کپڑے سے اگر ٹوپی وغیرہ بنا کر اس میں نماز پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر یہ کپڑا جو درزی کے پاس بچ جاتا ہے اور مالک نے بطیب خاطر چھوڑ دیا ہو تو اس سے بنی ہوئی ٹوپی میں نماز پڑھنا بلاکراہت درست ہے البتہ اگر مالک کی رضامندی کے بغیر اس نے اس کپڑے سے اپنے لیے ٹوپی بنائی تو اس چوری کردہ کپڑے کی ٹوپی میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبة ...... وارض مغصوبة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ کتاب الصلوٰۃ قبیل باب الاذان ص۳۸۱)[1]

کباڑ (لنڈے) کے کپڑوں میں نماز کا حکم

سوال: بعض لوگ کباڑ (لنڈے) کے کپڑے استعمال کرتے ہیں کیا بغیر دھوئے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: کباڑ (لنڈے) کا اکثر حصہ یہود و نصاریٰ یا فساق کے استعمال شدہ کپڑوں کا ہوتا ہے فقہاء کرام نے ان کی شلوار پتلون وغیرہ کے علاوہ دیگر کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز لکھا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسے کپڑے دھو کر استعمال کیے جائیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وثیاب الفسقة واہل الذمة طاہرة۔ قال ابن عابدینؒ: قال فی الفتح قال بعض المشائخ تکرہ الصلوٰۃ فی ثیاب الفسقة لانہم لا یتقون الخمور۔ قال المصنف یعنی صاحب الہدایة الاصح انہ لا یکرہ لانہ لم یکرہ من ثیاب اہل الذمة الا السراویل مع استحلالہم الخمر فہذا اولی۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۵۰ فصل فی الاستنجاء قبیل کتاب الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکرہ فی ارض الغیر بلا رضاہ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاویؒ ص۲۹۱ باب مکروہ الصلوٰۃ)

[2] قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: تحت قولہ وثیاب الفسقة واہل الذمة طاہرة (قولہ طاہرة) ظاہرہ جواز الصلوٰۃ فیہا من غیر کراہة وفی التجنیس ان الصلوٰۃ فی سراویل اہل الذمة مکروہة۔ قال الحلبی ولعلہ لانہم لا یستنزہون ولا یستنجون۔ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۱۶۵ فصل الاستنجاء قبیل کتاب الصلوٰۃ) ومثلہ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۴ ص۲۵ باب مکروہات الصلوٰۃ۔

باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: آجکل ایسے کپڑوں کا استعمال عام ہے جن میں سارا بدن واضح طور پر نظر آتا ہے، ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: آزاد عورت کا تمام بدن عورت (ستر) ہے اور مرد کا ناف سے لے کر گھٹنوں تک، نماز میں بدن کے ان حصوں کا چھپانا فرض ہے لہذا اگر کسی عورت کے بدن کا کوئی حصہ ان کپڑوں میں نظر آتا ہو یا مرد کا ستر والا حصہ چھپا ہوا نہ ہو تو اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: وللحرة ولو خنثى جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح خلا الوجه والكفين فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۰۵ باب شروط الصلوة)

وقال ابن عابدين: تحت قوله ولا يصف ما تحته بأن لا يرى منه لون البشرة احترازاً عن الرقيق ونحو الزجاج. (رد المحتار ج۱ ص[illegible] باب شروط الصلوة مطلب في النظر إلى وجه الأمرد) له

سجدہ میں جاتے وقت شلوار اوپر اٹھانے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت اپنی شلوار وغیرہ کو اوپر کرتے ہوتے ہیں، کیا اس طرح کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کی حالت میں بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ اگر ضرورت ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي: وكره كفه أي رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل

له وفي الهندية: وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها كذا في المتون وشعر المرأة ما على رأسها عورة وأما المسترسل ففيه روايتان الأصح أنه عورة كذا في الخلاصة وهو الصحيح وبه أخذ الفقيه أبو الليث وعليه الفتوى... والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لا تجوز الصلوة فيه كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۸ باب الثالث في شروط الصلوة)

ومثله في تبيين الحقائق ج۱ ص۹۶ باب شروط الصلوة

به أي بثوبه وبجسده للنهي إلا لحاجة ولا بأس به خارج صلوة۔ قال ابن عابدينؒ (تحت قوله وعبثه) قال في النهاية وحاصله أن كل عمل هو مفيد للمصلي فلا بأس به ..... فأما ما ليس بمفيد فهو العبث (رد المحتار ج۱ ص[illegible] باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها) له

غیر مسلموں کے بنائے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال:- بازاروں اور مارکیٹوں میں آجکل جاپان اور دیگر یورپی ممالک کا تیار کردہ کپڑا فروخت کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کپڑا کفار کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہوتا ہے، کیا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- غیر مسلم کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کپڑوں کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں، جہاں تک اس میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اگرچہ ایسے کپڑے کے نجس ہونے کا احتمال ہے لیکن اس میں طہارت کی جانب راجح ہے اسلئے اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: لو شك في نجاسة ماء او ثوب ثم يعتبر. قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله من شك) في انائه وثوبه فهو طاهر الخ كذا ما يتخذه اهل الشرك او الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والاطعمة۔

(رد المحتار ج۱ ص[illegible] كتاب الطهارة مطلب في ابحاث الغسل) ۲ه

آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال:- بعض لوگ آنکھیں بند کرکے نماز پڑھتے ہیں، تو کیا اس طرح نماز

له قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وكره كف ثوبه رفعه بين يديه او من خلفه اذا اراد السجود وقيل ان يجمع ثوبه وشعره ... لما فيه من التجبر المنافي للخشوع لقوله صلى الله عليه وسلم امرت ان اسجد على سبعة اعظم وان لا اكف شعرا ولا ثوبا (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي ص۲۸۲ باب مكروهات الصلوة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۰۵ الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة۔

ته قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمه الله: قال ابو حفص البخاري رحمه الله تعالى: من شك في انائه وثوبه او بدنه اصابته نجاسة ام لا فهو طاهر ما لم يستيقن۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص[illegible] كتاب الطهارة. نوع في مسائل الشك)۔

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۴ ص[illegible] باب مكروهات الصلوة۔

پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے کیونکہ آنکھیں بند کرکے نماز نہیں پڑھنی چاہیے تاہم اگر خشوع وخضوع کے لیے نماز میں آنکھیں بند کی جائیں تو بلا کراہت جائز ہے بلکہ بعض علماء نے اس کو اولیٰ بھی قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ ...... تغمیض عینیہ للنہی الا لکمال الخشوع۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله للنهي ثم الظاهر ان الكراهة التنزيهية:

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۵ باب ما یفسد وما یکرہ فیہا) [۱]

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا

سوال:۔ سردیوں کے موسم میں لوگ چادر یا رومال سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں ناک اور منہ چھپانا مکروہ ہے اس لیے سردیوں یا گرمیوں میں اس طرح کرنے سے اجتناب کیا جائے اس سے نماز میں کراہت آتی ہے۔

لما فی الہندیة: ویکرہ التلثم وهو تغطية الانف والفم في الصلوٰة والتثاؤب ۔الخ

(الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۱۰۷ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰة) [۲]

نسوار اور سگریٹ کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ نسوار کی پڑیا یا ڈبیہ نماز پڑھتے وقت جیب میں ہی رکھتے ہیں۔ کیا نسوار یا سگریٹ جیب میں رکھ کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

الجواب:۔ تمباکو کا استعمال شرعاً مباح ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھنا

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ تغمیض عینیہ لا لنہی لقوله صلی الله علیه وسلم اذا قام احدکم فی الصلوٰة فلا یغمض عینیه لانه یفوت النظر للمحل المندوب ولکل عضو وطرف حظ من العبادة وبرؤیة ما یفوت الخشوع ویفرق الخاطر ربما یکون التغمیض اولیٰ من النظر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۳۵۹ باب مکروہات الصلوٰة)

[۲] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ ...... وتغطیة الانف والفم لما روینا۔ قال السید احمد الطحطاویؒ تحت قوله لما روینا من انه صلی الله علیه وسلم نهی عن ان یغطی الرجل فاہ کذا فی الشرح۔ (الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۳۵۹ فصل فی مکروہات الصلوٰة)

نماز پڑھنا بھی درست ہے، البتہ اگر نسوار یا سگریٹ میں کوئی نجس چیز ملائی گئی ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی تاہم یہ یاد رہے کہ تمباکو ایک بوٹی ہے اور اگر نسوار میں ملائی گئی ہو تو چونکہ یہ پاک ہے اس لیے اس سے نسوار کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم

لما قال العلامة ابن عابدين: فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل في الاشياء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل احد. (رد المحتار ج۵ ص[illegible] كتاب الاشربة)[1]

نماز میں تھوک آجائے تو کیا کرنا چاہیے

سوال:۔ اگر کسی کو نماز میں تھوک اور بلغم آجائے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ اگر دورانِ نماز کسی کو بلغم یا تھوک آجائے اور اس کو نگلنا ممکن ہو تو نگل کر نماز پڑھے ورنہ کپڑے کے کونے میں تھوک لے۔

لما اخرجه الامام البخاري: قال النبي صلى الله عليه وسلم فلا يبزقن احدكم في قبلته ولكن عن يساره او تحت قدمه ثم اخذ طرف ردائه فبزق فيه ثم رد بعضه على بعض فقال او يفعل هكذا. (الصحيح البخاري ج۱ ص۵۸ باب اذا بدره البزاق فليأخذ بطرف ثوبه)[2]

بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ آج کل اکثر خواتین سر کے بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے باندھ لیتی ہیں جس کو جوڑا کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ عورتوں کا بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے باندھ کر جوڑا بنا کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ

---

[1] لما قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: المسئول عنه الدخان الذي شاع في زماننا وعمت به البلوى وحكم الله فيه - قال المجيب: ان المجتهدين لم يتكلموا عليه لانه ما حدث بعدهم وانما خرج المتأخرون فتكلموا فيه فمنهم من يقول بتحريمه ومنهم من يقول باباحته ومنهم من توسط وقال بكراهته واحسن ما رأيت فيه قول شيخ مشائخنا خاتمة المحققين العلامة الامير المالكي واختلف في الدخان والورع تركه. (فتاوى كاملية ص۲۴۹ كتاب الحظر والاباحة)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۲ ص۱۰۳ باب مكروهات الصلوٰة۔

[2] قال النبي صلى الله عليه وسلم فلا يبزقن احدكم قبل قبلته ولكن عن يساره او تحت قدمه ثم ياخذ طرف ردائه فيبصق فيه ثم يرد بعضه على بعض. (مشكوٰة المصابيح ج۱ ص۷۱ باب المساجد)

بدون حالتِ نماز بوقتِ ضرورت بالوں کا جوڑا بنانا مباح ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وعقص شعره اھ. قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وعقص شعره) ای ضفره وفتله والمراد به ان یجعله علی هامته ویشده بصمغ او ان یلف ذوائبه حول رأسه کما یفعله النساء فی بعض الاوقات او یجمع الشعر کله من قبل القفا ویشده بخیط او خرقة وکل ذلك مکروه۔ (الدر المختار فی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۱ باب المکروهات) ؎۱

اگر مسجد میں قبر ہو تو نماز کا حکم

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں ایک پرانی قبر ہے اکثر کبھی بعض لوگ قبر کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں کیا ان لوگوں کی نمازیں درست ہیں یا نہیں؟

الجواب: قبر کے سامنے نماز پڑھنا چاہے فرض ہو یا نفل، مکروہ ہے البتہ اگر قبر کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں تاہم اس صورت میں بھی قبر پرستی کی تہمت سے بچنے کے لیے وہاں نماز نہ پڑھی جائے اور مسجد کے دوسرے حصوں میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا تکره فی اماکن کفوق کعبة ... ومقبرة۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله ومقبرة) قیل لان فیها عظام الموتی وصدیدهم وهو نجس وفیه نظر وقیل لان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد وقیل لانه تشبه بالیهود وعلیه مشی فی الخانیة ولا بأس بالصلوٰة فیها اذا کان فیها موضع اعد للصلوٰة ولیس فیه قبر ولا نجاسة ولا قبلته الی قبر (رد المحتار ج۱ ص۳۸۰ کتاب الصلوٰة قبیل باب الاذان) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة: ویکره عقص شعره وهو جمع الشعر علی الرأس ویشد بشئ حتی لا ینحل کذا فی التبیین واختلف الفقهاء فیه علی اقوال فقیل ان یجمعه وسط رأسه ثم یشده وقیل ان یلف ذوائبه حول رأسه کما یفعله النساء وقیل ان یجمعه من قبل القفا ویمسکه بخیط او خرقة وکل ذلك مکروه کذا فی البحر الرائق۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره۔

؎۲ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکره الصلوٰة فی المقبرة ونحوها۔ قال الطحطاویؒ: (تحت قوله فی المقبرة) لانه تشبه بالیهود والنصاری ... وفی زاد الفقیر وتکره الصلوٰة فی المقبرة الا ان یکون فیها موضع اعد للصلوٰة لا نجاسة فیه ولا قذر فیه۔ قال الحلبیؒ: لان الکراهة معللة بالتشبه وهو منتف حینئذ۔ وفی القهستانی نقلا عن المنیة لا یکره الصلوٰة الی جهة القبر الا اذا کان بین یدیه بحیث لو صلی صلوٰة الخاشعین وقع بصره علیه۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۰۸ باب مکروهات الصلوٰة)

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا

سوال :- اگر امام مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ کیا امام کا یہ عمل درست ہے؟

الجواب :- امام کا مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہونا صحیح نہیں اس سے نماز پر برا اثر پڑتا ہے، اس لیے امام کو چاہیے کہ محراب سے باہر کھڑا ہو اگرچہ رکوع، سجدہ محراب کے اندر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ ...... وقیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یتشبہ حال الامام۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۵ باب مکروہات الصلوٰۃ)[۱]

قضاء حاجت کی شدید ضرورت کے باوجود نماز پڑھنا

سوال :- بعض اوقات انسان کو قضاء حاجت کی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اس کو روک کر نماز پڑھتا ہے، اس طرح پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جب قضاء حاجت کی شدید ضرورت ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے بہتر یہ ہے کہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھی جائے تاہم اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

قال الحصکفیؒ: وکرہ تحریماً صلوٰتہ مع مدافعة الاخبثین ای البول والغائط او الریح سواء کان بعد شروعہ او قبلہ فان شغلہ قطعها ان لم یخف فوت الوقت وان اتمها اثم لحدیث لا یصلی احدکم وهو یدافعه الاخبثان ... (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۱ باب مکروہات الصلوٰۃ)[۲]

---

[۱] قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ قیام الامام بجملتہ فی المحراب لا قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۲۹۴ فصل فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا۔

[۲] لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وصلوٰتہ مع مدافعة لاحد الاخبثین البول والغائط او الریح ... لا اذا خاف فوت الوقت او فوت الجماعة فیصلی بتلک الحال لان اداء الصلوٰۃ مع الکراہة اولیٰ من ترکها ... مؤکدۃ واجبة۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: تحت قولہ الا اذا خاف فوت الوقت ظاهره انها تجوز بلا کراہة عند ذلک۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۹۲ فصل فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

لہسن پیاز وغیرہ کھا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ لہسن پیاز یا مولی کھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ لہسن پیاز یا مولی وغیرہ کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے بہتر ہے کہ اس کو زائل کر کے نماز پڑھی جائے اس بدبو کے ساتھ نماز پڑھنا مسجد کے علاوہ ہر جگہ مکروہ ہے اس لیے کہ حدیث میں ان کو کھا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال نہی عن اکل الثوم الا مطبوخا۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص۳ باب ما جاء فی الرخصة فی اکل الثوم مطبوخا)

نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے نماز میں اپنے پاؤں صحیح طریقے سے نہیں رکھ سکتے اس لیے وہ نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھتے ہیں کیا اس صورت میں نماز صحیح ہوگی؟

الجواب:۔ نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنا مکروہ ہے البتہ اگر کسی کو بیماری ہو تو اس کی نماز اس حالت میں یعنی ایڑیوں کے بل بیٹھ کر بلا کراہت درست ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین تحت قوله (واقعاؤه) والاقعاء ان ینصب قدمیه ویقعد علی عقبیه ویضع یدیه علی الارض ... قال فی البحر وینبغی ان تکون الکراهة تحریمیة علی الاول تنزیهیة علی الثانی۔ (رد المحتار ج ۱ ص۶۴۳ باب مکروهات الصلوٰة)

مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیوں میں نماز کا حکم

سوال:۔ بعض مساجد میں ٹوپیاں پڑی ہوتی ہیں کیا ان میں نماز پڑھنا

---

[۱] عن علی رضی اللہ عنہ قال نہی عن اکل الثوم الا مطبوخا۔

(ابو داؤد ج ۲ ص۱۷۷ کتاب الاطعمة باب فی اکل الثوم)

ومثله فی مشکوٰة ج ۲ ص۳۶۳ کتاب الاطعمة الفصل الثانی۔

[۲] قال العلامة السید احمد الطحطاوی تحت قوله کره الاقعاء وقال الکرخی هو ان ینصب قدمیه ویقعد علی عقبیه واضعا یدیه علی الارض قال الزیلعی ... ان ماقاله الکرخی غیر مکروه بل یکره ذلك ایضا۔ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹۲ باب ما یکره فی الصلوٰة)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۲ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره۔

جائز ہے جبکہ انہیں پہن کر انسان کو باہر بھی جانا معیوب معلوم ہوتا ہے۔

الجواب:۔ نمازی کو چاہیے کہ نماز کے لیے ٹوپی یا رومال ایسا ہو جس کو پہن کر وہ کسی مجلس میں بغیر شرم مانے ہوئے جا سکتا ہو، موجودہ ٹوپیاں جو مساجد میں پڑی ہوتی ہیں چونکہ نمازی ان کو پہن کر دوسری مجالس میں نہیں جا سکتا ہے اس لیے ثیاب بذلہ کے حکم میں ہیں اور ان کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما قال الحصكفي: وكره ... وصلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ... قال ابن عابدين تحته ... وفسرها في شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية. (رد المحتار ج۱ ص۶۴۱ باب مكروهات الصلاة) ـه

نماز میں کندھوں سے چادر کا گر جانا

سوال:۔ کبھی نماز کی حالت میں نمازی کے کندھوں سے چادر گر جاتی ہے، اس صورت میں نمازی کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ اگر نماز کے اندر کندھوں سے چادر گر جائے اور سدل کی صورت اختیار کرے تو اس کی اصلاح عمل قلیل سے اگر ممکن ہو تو چادر کو ایک ہاتھ سے کندھوں پر ڈال لینا چاہیے کیونکہ نماز میں سدل مکروہ ہے، اسی طرح اس اصلاح سے ذہنی تشویش بھی ختم ہو جائے گی جو چادر کے گر جانے سے پیدا ہو چکی تھی۔

لما قال العلامة الحصكفي: وكره ... سدل تحريماً للنهي ثوبه أي إرساله بلا لبس معتاد وكذا القباء بكم إلى وراء ذكره الحلبي كشال [illegible] ومنديل يرسله من كتفيه.
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۳۹ باب مكروهات الصلاة) ـه

له قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: وكره الصلاة في ثياب البذلة ... ما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر [illegible] وروى أن عمر رضي الله عنه رأى رجلاً فعل ذلك فقال أرأيت لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه فقال لا فقال عمر رضي الله عنه الله أحق أن تتزين له. (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۲۹۲ فصل مكروهات الصلاة)

ـه قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: وكره سدل [illegible] وهو أن يجعل الثوب على رأسه وكتفيه ويرسل جوانبه من غير أن يضمها. (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۲۹۸ [illegible])
ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۲ باب ما يفسد الصلاة وما يكره

ٹائی باندھ کر نماز پڑھنا

سوال: بعض با تعلیم لوگ ٹائی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں کیا ٹائی کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ٹائی غیر مسلموں کی علامت ہے۔

الجواب: ٹائی صلیب کا نشان عیسائیوں کے دینی شعائر میں سے ہے، چونکہ ٹائی باندھنے سے اُن کے اس مذہبی نشان کی تائید ہوتی ہے اس لیے تشبہ بالکفار کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لقوله علیه السلام: من تشبه بقوم فهو منهم۔ قال الطیبیؒ: قوله من تشبه بقوم هذا عام فی الخلق والخلق والشعار ولما کان الشعار اظهر فی التشبیه ذکر فی هذا الباب۔

(طیبی شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۲۱۹ کتاب اللباس الفصل الثانی) ۱؎

تشہد میں دامن صحیح کرنا

سوال: بعض لوگ جب التحیات میں بیٹھتے ہیں تو دامن صحیح کرتے رہتے ہیں انکے اس عمل سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: نماز میں تشہد یا دوسرے مواقع پر اپنے کپڑوں یا بدن یا کسی اور چیز سے کھیلنا شرعاً مکروہ ہے اگرچہ اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی مگر مکروہ ضرور ہوتی ہے اس لیے صورت مسئولہ میں تشہد میں دامن کا صحیح کرنا عمل کثیر ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، تاہم اگر دامن گھٹنوں کے نیچے آکر تکلیف کا باعث بنتا ہو تو بدون عمل کثیر کے درست کر سکتا ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وکره کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وعبثه به ای بثوبه وبجسده للنهی الا لحاجة ولا بأس به خارج صلوة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۰ باب مکروہات الصلوٰۃ) ۲؎

۱؎ قال العلامة ملا علی القاریؒ: عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم ای من شبه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره او بالفساق او الفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار فهو منهم ای فی الاثم والخیر۔ قال الطیبیؒ: هذا عام فی الخلق والخلق والشعار ولما کان الشعار اظهر فی التشبه ذکر فی هذا الباب۔ (مرقاة شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۲۵۵ کتاب اللباس الفصل الثانی)

ومثله فی مشکوٰۃ ص۳۷۵ کتاب اللباس الفصل الثانی۔

۲؎ قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ: وکره عبثه بثوبه وبدنه وقلب الحصا الا للسجود مرة وفرقعة الاصابع۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۹ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره فیها)

ومثله فی مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص۱۸۳ فصل فی مکروهات الصلوٰة۔

مالی نقصان ہونے کی صورت میں نماز کا توڑنا

سوال: اگر کسی کی کوئی چیز ضائع ہو رہی ہو اور وہ نماز میں مشغول ہو تو کتنی مالیت کی چیز کے لیے نماز توڑی جا سکتی ہے؟

الجواب: فقہاء کرام نے ایک درہم کی مالیت والے سامان کے ضائع ہونے کی صورت میں نماز توڑنے کو جائز کہا ہے جبکہ ایک درہم تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے اس لیے دورِ حاضر میں تین ماشہ ایک رتی چاندی کی قیمت کے برابر مالیت کی چیز ضائع ہونے کی صورت میں نماز توڑنا جائز ہے۔

لما في الهندية: رجل قام الى الصلوٰة فسرق منه شئ قيمته درهم له ان يقطع الصلوٰة ويطلب السارق سواء كانت فريضة او تطوعاً لان الدرهم مال. (الهندية ج[illegible] الفصل الثاني فيما يكره في الصلوٰة وما لا يكره)[1]

سینٹ اسپرے میں الکحل کی ملاوٹ ہو تو اس کے استعمال کا حکم

سوال: آجکل بعض ایسے خوشبودار اسپرے سینٹ ملتے ہیں جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، کیا ایسے اسپرے کو استعمال کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ شراب جو کھجور اور انگور سے بنائی گئی ہو تو وہ حرام اور ناپاک ہے البتہ جو شراب اس کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کی گئی شراب پاک ہے، متاخرین فقہاء نے عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

لما قال الشيخ المفتي محمد تقي العثماني: واما غير الاشربة الاربعة فليست نجسة عند الامام ابي حنيفة ..... وان معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الادوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب والقشور او البترول وغيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول ابي حنيفة عند عموم البلوى. (تكملة فتح الملهم ج۳ ص[illegible] كتاب الاشربة)

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: ويباح قطعها لنحو قتل حية وند دابة وفور قدر وضياع ما قيمته درهم له او لغيره. [illegible] ابن عابدين: تحت قوله وضياع ما قيمته درهم ... مجمع الروايات. [illegible] فلا يقطع الصلوٰة لاجله. (رد المحتار ج[illegible] باب مكروهات الصلوٰة قبيل [illegible])

ومثله في مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص[illegible] فصل فيما [illegible]

سوئے ہوئے شخص کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی نمازی کے آگے کوئی شخص سویا ہو تو اس نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سویا ہوا شخص قبلہ رخ ہو کر سویا ہو اور نمازی کی طرف اس کی پشت ہو تو اس کے سامنے نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، تاہم اگر اس کا منہ نمازی کی طرف ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔

لما قال الحصكفيؒ: ولا يكره صلوٰة الى ظهر قاعد او قائم ولو يتحدث الا اذا خيف الغلط بحديثه[1]
قال ابن عابدينؒ تحت قوله الى ظهر قاعد: قيد بالظهر احترازا عن الوجه فانها تكره اليه كما مر...
وفي شرح المنية عن بعضهم نفى قول من قال بالكراهة بحضرة المتحدثين وكذا بحضرة النائمين
...... وفي ما ذكرناه اي خارج الصلاة ... (رد المحتار ج۱ ص۴۳۵ باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

نماز میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں دعائیں مانگنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں عربی کے علاوہ اردو، پشتو وغیرہ زبانوں میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کرے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز میں صرف عربی زبان میں دعا کی جائے، اگر کسی اور زبان میں دعا کی جائے تو نماز کراہت سے خالی نہ ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: وظاهر التعليل ان الدعاء بغير العربية خلاف الاولى وان الكراهة فيه تنزيهية[2] (رد المحتار ج۱ ص۳۵۱ مطلب في الدعاء بغير العربية، باب صفة الصلوٰة)

---

[1] قال ابراهيم الحلبيؒ: ولا بأس بان يصلي متوجها الى ظهر رجل قاعد او قائم ... التقييد به باعتبار الغالب وانه لا فرق بين كونه قاعدا او قائما، وقوله يتحدث ... نفى قول من بالكراهة بحضرة المتحدثين وكذا بحضرة النائمين۔
(كبيري ص۳۶۵ كراهية الصلوٰة)

[2] قال العلامة عبد الحي اللكهنوي رحمه الله: ومنها ان يدعو بالدعوات العربية ليكون اقرب الى الاجابة فان لسان العرب ... لقصد ما ليس بغيره ...... في غير ذلك ...
(السعاية ج۲ ص۲۲۵ باب صفة الصلوٰة)

دورانِ نماز بچے کا گود میں بیٹھ جانا

سوال:- نماز کی حالت میں اگر بچہ سامنے آجائے یا گود میں بیٹھ جائے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر بچہ خود قصداً گود میں آکر بیٹھ جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے نیز اگر بچے کے رونے یا گر جانے کا خطرہ ہو اور اس مقام میں کوئی دوسرا نہیں جو اس کی حفاظت کرسکے اس صورت میں بھی بچے کو گود میں لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ان مذکورہ شرائط کے علاوہ قصداً بطورِ محبت بچے کو اٹھا کر نماز پڑھتا ہے تو اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

صلی وهو حامل صبیاً جازت صلوته ویکره لو لم یکن هناك من یحفظه ویتعهد وهو یبکی فلا یکره هکذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوة) [1]

آستین کہنیوں سے اوپر کر کے نماز پڑھنا

سوال:- اگر نماز میں آستینوں کو کہنیوں سے اوپر کیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی کراہیت لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- کپڑا موجود ہوتے ہوئے آستینوں کو کہنیوں سے اوپر کرنا مکروہ ہے، البتہ کپڑا موجود نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہیت نہیں۔

قال الحصکفی: (و) کره (کفه) ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وفی ... وقید الکراهة فی الخلاصة والمنیة بان یکون رافعاً کمیه الی المرفقین۔

(الدر المختار ج ۱ ص [illegible] مکروهات الصلوة) [2]

---

[1] قال الحصکفی: ویکره ... وحمل الطفل وما ورد نحو حدیث امامة فی الصلوة منسوخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۲ مکروهات الصلوة)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۵۹ الجنس فیما یکره۔

[2] ولو صلی رافعاً کمیه الی المرفقین کره کذا فی فتاوی قاضی خان۔

(الهندیة ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوة)

(ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴ باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها)

امام سے پہلے سلام کہنا

سوال: امام کے سلام سے قبل سلام پھیرنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے۔

الجواب: تتبع کتب سے اس کا حکم معلوم نہیں ہوا، البتہ احادیث کی رو سے مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے۔

عن انس قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی صلوتہ اقبل علینا بوجھہ فقال ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۲ ما علی الماموم من المتابعۃ) ؎۱

چادر بچھاکر نماز پڑھنا

سوال: مسجد میں چادر بچھاکر اس پر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں چادر بچھاکر اس پر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ زمین کی صلاحیت موجود ہے، اگر زمین کی صلاحیت معلوم نہ ہو تو کچھ مکروہ ہے۔

رجل یصلی علی الارض ویسجد علی خرقۃ وضعھا بین یدیہ لیتقی بھا الحر لا بأس بہ کذا فی الظھیریۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ وما لا یکرہ) ؎۲

مکروہ وقت میں نماز پڑھنا

سوال: طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو یہ مکروہ کی کون سی قسم ہے؟ فرض اور نفل پڑھنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

؎۱ عن انسؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی الصلوۃ اقبل علینا بوجھہ فقال ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی۔
(مسلم ج ۱ ص ۱۸۰ باب تحریم سبق الامام برکوع وسجود ونحوھما)

؎۲ ثم قال الملاعلی عبدالرشید البخاری: ولو سجد علی ذیلہ او کمہ او کور عمامتہ یتقی بذلک حر الارض او برد ھا یجوز عندنا۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۵۸ جنس اخر فیما یکرہ)

الجواب: مکروہ اوقات یعنی طلوع و غروب اور استواءِ شمس کے دوران نماز پڑھنا شرعاً مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ غروبِ شمس کے وقت اُسی دن کی عصر کی نماز جائز مع الکراہت ہے۔ تاہم فجر اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ مکروہ اوقات تین قسم پر ہیں: ۱۔ طلوع الشمس ۲۔ نصف النہار ۳۔ اور عند غروب الشمس۔

قال الحصکفیؒ: (وکرہ) تحریماً وکل ما لا یجوز مکروہ (صلوٰۃ) مطلقاً (ولو) قضاءً أو واجبۃ أو نفلاً (أو) علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو) لا شکر قنیۃ (مع شروق) إلا العوام فلا یمنعون من فعلها لأنهم یترکونها والأداء الجائز عند البعض أولیٰ من الترک کما فی القنیۃ وغیرها (واستواء) إلا یوم الجمعۃ ...... (وغروب إلا عصر یومہ)

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص… کتاب الصلوٰۃ)

سوال: نماز میں ایک سورۃ کو شروع کرکے بغیر عذر کے دوسری سورۃ شروع کرنا

اگر کوئی شخص نماز میں ایک سورۃ کی قرأت پر ابتداء کرے لیکن کچھ قصداً یا کسی وجہ سے اسے ترک کرکے دوسری سورۃ شروع کردے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں ایک سورۃ کو شروع کرنے کے بعد اس کے مکمل ہونے سے قبل بغیر کسی عذر کے اسے ترک کرکے دوسری سورۃ شروع کردینا شرعاً مکروہ ہے، البتہ اس سے نماز جائز ہے۔

افتتح سورۃ وقصد سورۃ أخری فلما قرأ آیۃ أو آیتین أراد أن یترک تلک السورۃ ویفتتح التی أرادها یکرہ۔ ولو قرأ أقل من آیۃ وإن کان حرفاً ولو کبر للرکوع فی الصلوٰۃ ثم بدا له أن یزید فی القراءۃ لا بأس به ما لم

۱؎ قال قاضیخانؒ: ثلاث ساعات لا تجوز فیها المکتوبۃ ولا صلوٰۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ إذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف إلی أن تزول وعند احمرارها إلی أن تغیب إلا عصر یومه ذلک فإنه یجوز أداؤه عند الغروب۔

(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیۃ ج۱ ص… باب الأذان)

ومثله فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ الفصل … فی المواقیت۔

یرکع۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۸ فصل فی القراءۃ)۔

ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھتے ہیں، کیا شرعاً ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ سستی اور بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ آجکل کے بعض فیشن ایبل حضرات کا وطیرہ ہے، البتہ عذر اور تذلل کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (وصلوٰتہ حاسراً) ای کاشفاً (راسہ للتکاسل) و(لا) بأس بہ (للتذلل) اما للاهانة بها فکفر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۱ مکروہات الصلوٰۃ)۔ [۲]

جس قالین پر صلیب کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض قالین یا دریاں ایسی بنائی جاتی ہیں جن میں صلیب کی صورتیں بنی ہوتی ہیں، کیا ایسے قالین یا دری پر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے غیر مسلموں کے دینی شعائر سے تشبہ کو مکروہ قرار دیا ہے جس کے چند نظائر فقہاء کرام نے بیان بھی فرمائے ہیں۔ لہٰذا صلیب چونکہ عیسائیوں کی مذہبی علامت ہے اس لیے صلیب کے نشان والے قالین یا دری پر نماز پڑھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے مکروہ ہے، اس لیے ایسے قالین یا دری پر نماز پڑھنے سے اجتناب لازمی ہے۔ لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم

---

[۱] وفی الہندیۃ: افتتح سورۃ وقصدہ سورۃ اخریٰ فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادها یکرہ وکذا اذا قرأ اقل من آیۃ وان کان حرفاً ولو کبر للرکوع ثم بدا لہ ان یزید فی القراءۃ لا بأس بہ ما لم یرکع۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۷۸ فصل فی القراءۃ)

[۲] تکرہ الصلوٰۃ حاسراً راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذلک تکاسلاً او تہاوناً بالصلوٰۃ ولا بأس بہ اذا فعلہ تذللاً وخشوعاً بل ہو حسن کذا فی الذخیرۃ۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا۔

فهو منه۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۵۵۵ کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة) [1]

نماز میں کپڑوں کو سمیٹ کرنا

سوال:۔ رکوع سے سجدہ کو انتقال کے وقت شلوار کو اوپر کی طرف کھینچنا، ایسے ہی سجدہ سے اٹھتے وقت اپنے کپڑوں کو سمیٹ کرنا، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بغیر حاجت کے کپڑوں کو سمیٹ کرنا جب عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے اور حاجت کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے، اور اگر عمل کثیر تک نوبت پہنچے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

قال الحصکفیؒ: (و) کرہ (کفہ) ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۰ مکروهات الصلوٰة) [2]

امام کا محراب کے اندر کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ امام کا بحالت نماز بالکل محراب کے اندر کھڑا ہونا جس سے امام کی وضع قطع مقتدیوں سے بالکل مخفی ہو جائے، یا اس کا برآمدہ میں کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا صحن میں ہونا، اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام کا محراب میں اس طرح سے کھڑا ہونا کہ اس کے افعال مقتدیوں سے

---

[1] قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ: (وقوله او شمع او سراج) لانهما لا یعبدان والکراهة باعتبارها وانما تعبدها المجوس اذا کانت فی الکانون وفیها الجمر وفی التنویر فلا یکره التوجه الیها علی غیر ذلك الوجه۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۱۶۶ فصل فی مکروهات الصلوٰة)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۲ باب مکروهات الصلوٰة۔

[2] ویکره للمصلی ان یعبث بثوبه او لحیته او جسده وان یکف ثوبه بان یرفع ثوبه من بین یدیه او خلفه اذا اراد السجود کذا فی معراج الدرایة ولا بأس بان ینفض ثوبه کیلا یلتصق بجسده فی الرکوع ولا بأس بان یمسح جبهته من التراب والحشیش۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۰۵ الفصل الثانی مکروهات الصلوٰة)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۱ مکروهات الصلوٰة۔

مخفی رہیں مکروہ ہے، البتہ اگر امام ایسی صورت میں کھڑا ہو کہ اس کی ساری ہیئت مقتدیوں سے مخفی نہ ہو تو اس صورت میں کوئی کراہیت نہیں۔

ایسے ہی اگر امام برآمدہ میں اور مقتدی صحن میں ہوں اگر ان کو امام کی ساری ہیئت کا علم ہوتا ہے تو نماز بلا کراہت جائز ہے اور عدم علم میں مکروہ ہے۔

وقال الحصکفیؒ: (وقیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم (مطلقاً) وان لم یتشبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ باب ما یفسد الصلوٰۃ ص۶۴۵)[1]

نماز میں ذی روح چیز کی تصویر پاؤں تلے رکھنا

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی جاندار کی تصویر سے منقش مصلیٰ پر نماز پڑھ رہا ہو اور پاؤں اس تصویر پہ رکھے ہوں تو اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز مکروہ ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: جس کمرے میں کسی ذی روح (جاندار) کی تصویر آویزاں ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے تصویر سامنے ہو یا پیچھے دائیں ہو یا بائیں۔ فقہاء کرام نے اس کراہت کی وجہ صنم پرستی سے مشابہت اور تعظیم بیان کی ہے لیکن اگر کسی مصلیٰ پہ جاندار کی تصویر اس طرح بنی ہو کہ ان پر پاؤں رکھے جاتے ہوں تو ایسے مصلیٰ پہ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، اس لیے کہ اس عمل سے اس تصویر کی تذلیل ہوتی ہے نہ کہ تعظیم کیونکہ اسلام نے تصویر کی تعظیم کرنے سے منع کیا ہے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا بأس بان یصلی علی بساط فیہ تصاویر لان فیہ استہانۃ بالصور ولا یسجد علی التصاویر لانہ یشبہ عبادۃ الصور واطلق الکراہیۃ فی الاصل لان

---

[1] قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: (لا) یکرہ (قیام الامام) بجملۃ (فی المحراب) لا قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ حتی محرابا لانہ یحارب النفس والشیطان بالقیام الیہ والکراہۃ لاشتباہ الحال علی القوم واذا ضاق المکان فلا کراہۃ۔

(الطحطاوی ص۲۹۳ فصل فی المکروہات)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ... الخ۔

المصلی معظم ویکرہ ان یکون فوق رأسہ فی السقف او بین یدیہ او بحذائہ تصاویر او صورۃ معلقۃ۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۲۶ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا)

خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تصاویر سے منقش جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: محترم جناب مفتی صاحب! ایک استفتاء کا جواب نظر سے گزرا جس کی وجہ سے بہت تشویش ہوئی۔ استفتاء کا جواب یہ تھا کہ ایسی جائے نماز (مصلّٰی) جس پر کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس کی تصویر منقش ہو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اکثر مسلمان ان منقش جائے نمازوں پر نمازیں پڑھتے ہیں بڑی بڑی مساجد میں بڑے بڑے علماء و مفتیان عظام کو ایسے جائے نمازوں پر نمازیں پڑھتے دیکھا جاتا ہے، اور خصوصاً تشویش کی بات یہ ہے کہ ایسے منقش جائے نماز لوگ بڑے شوق سے سوغات کے طور پر لاتے ہیں، اب اگر مذکورہ استفتاء کے جواب کے مطابق ایسے جائے نمازوں پر نماز پڑھنا جائز نہیں تو ہماری پڑھی گئی نمازوں کا کیا بنے گا؟ کیا ہم ساری نمازوں کو دوبارہ قضاء کریں گے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر ہمیں اس تشویش سے نکالیں؟

الجواب: جائے نماز (مصلّٰی) پر غیر ذی روح شئے کی تصویر کا ہونا مانع صلوٰۃ نہیں اور نہ اس سے کوئی کراہت لازم آتی ہے۔

لما قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ: واما صورۃ غیر ذی روح فلا خلاف فی عدم کراہۃ الصلوٰۃ علیہا او الیہا۔ (کبیری ص۳۶۰ مکروہات الصلوٰۃ)

خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر بھی غیر ذی روح میں داخل ہیں اس لئے جس مصلّٰی پر اس قسم کی تصاویر ہوں اس پر نماز پڑھنا مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر جائز ہے۔

(۱) عین کعبہ یا اس کی دیواروں پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الہندیۃ: لو صلی علی جدار الکعبۃ فان کان وجہہ الی سطح الکعبۃ یجوز والا فلا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۶۳ باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ)

لما قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ومن صلی فی جوف الکعبۃ او علی سطحہا جاز الی ای جہۃ۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۴۴۵ الصلوٰۃ فی الکعبۃ)

البتہ ایسا کرنے سے بوجہ اسائۃ ادب صرف کراہت تنزیہی ہے۔

لما قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: مع قبح ونقل فوقہا وان لم یتخذ

مصلیہا سترۃ لما ذکرنا لکنہ مکروہ لاساءۃ الادب باستعلائہ علیہا وترک تعظیمہا یفید ان الکراھۃ التنزیہ۔ (الطحطاوی ص۳۳۹ باب الصلوۃ فی الکعبۃ)

(۲) تصویر کا حکم عین شئے کا حکم نہیں ہوتا۔

(۳) نماز پڑھنے کے دوران ان تصاویر پر سر رکھا جاتا ہے پاؤں نہیں جو کہ موجب تعظیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو تصاویر نماز میں پاؤں تلے آتی ہوں تو نماز بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او محل جلوسہ لانہ مھانۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۳۹ مکروہات الصلوۃ)

لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر نماز کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر سے منقش جائے نماز (مصلّی) پر نماز پڑھنا جائز ہے تاہم اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان تصاویر پر پاؤں نہ آئے تاکہ بے ادبی کا شبہ پیدا نہ ہو۔ جہاں تک ادا شدہ نمازوں کا مسئلہ ہے تو وہ بلا کراہت جائز ہیں دوبارہ قضاء کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جن حضرات نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کا فتویٰ قابل غور ہے اس لیے کہ جب عین کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا جائز ہے تو منقش جائے نماز پر بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔[1]

---

[1] لما قال العلامۃ المفتی محمود حسن گنگوہیؒ: (سوال) جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر ہے، اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور کیا اس تصویر کو دوسرا کپڑا چڑھا کر چھپا دیا جائے یا کاٹا جائے، اگر فروخت کرتے ہیں تو جو ان کی قیمت ملتی ہے اور مسجد کو نقصان ہے!

الجواب: صورت مسئولہ میں ان مصلوں پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، نہ ان پر کپڑا چڑھانے کی ضرورت ہے، نہ ان کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے۔ فی منیۃ المصلی: وان صورۃ غیر ذی روح فلا خلاف فی عدم کراھۃ الصلوۃ علیہا او الیہا (ص۳۶۳) اور اس تصویر خانہ کعبہ کی تعظیم میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ تصویر کا حکم عین شئی کا حکم نہیں ہوتا، دوسرے خود خانہ کعبہ جب تعمیر کی جاتی ہے تو وہاں بھی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریق اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا۔ فقط، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(الفتاوی المحمودیہ جلد ۶ ص۱۱ کتاب الصلوۃ)

باب مفسدات الصلوٰۃ

(نماز کے مفسدات کے بیان میں)

نماز میں پاؤں ہلانا

سوال: کیا نماز میں پاؤں ہلانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب: نماز میں پاؤں ہلانا جب تک عمل کثیر کے درجے میں نہ ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم بلا ضرورت پاؤں ہلانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ البتہ دونوں پاؤں کا ہلانا عمل کثیر کے زمرے میں داخل ہے۔

ان حرك رجلاً واحدة لا على الدوام لا تفسد صلوته وان حرك رجليه تفسد و اعتبر هذا القائل العمل بالرجلين بالعمل باليدين والعمل برجل واحدة بالعمل بيد واحدة قال بعضهم ان حرك رجليه قليلاً لا تفسد صلوته لكن الحق المحيط وهو الاوجه هكذا في البحر الرائق۔ (الهندية ج ۱ ص۱۰۳ الباب السابع فيما يفسد الصلوة)[1]

نماز میں کھانسنا

سوال: بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض نمازی نماز میں کھانستے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو کھانسی میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، کیا نماز میں کھانسنا شرعاً جائز ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: اگر نماز میں کھانسی بلا اختیار مع العذر ہو تو شرعاً جائز ہے اور بغیر عذر محض تحسین صوت کے لیے ہو تو بھی جائز ہے۔ البتہ نماز میں کھانسنے کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں تاہم بلا عذر کھانسنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں اور بغیر اظہار حروف کے بلا عذر کھانسنا مکروہ ہے۔

---

[1] قال ابن نجيم: ان حرك رجلاً واحدة لا على الدوام لا تفسد صلوته وان حرك رجليه تفسد فمشكل لان الظاهر ان تحريك اليدين في الصلوة لا يبطلها بشيء فيلحق بهما تحريك الرجلين فالاوجه قول بعضهم ان حرك رجليه قليلاً لا تفسد صلوته وان كان كثيراً فسدت كما في الذخيرة
(البحر الرائق ج ۲ ص۱۳ باب مفسدات الصلوة)

قال الحصکفیؒ: (والتنحنح) بحرفین (بلا عذر) اما به بان نشأ من طبعه فلا (او) بلا (غرض صحیح) فلو لتحسین صوته او لیهتدی امامه او للاعلام انه فی الصلوٰة فلا فساد علی الصحیح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۱۹ مطلب المواضع التی لا یجب الخ) [1]

بحالتِ نماز قرآن سے دیکھ کر قرأت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بحالتِ نماز قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کرے تو کیا اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ نیز اس میں حافظ اور غیر حافظ کا فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصحف شریف سے دیکھ کر بحالتِ نماز قرأت کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا مفسدِ نماز ہے جبکہ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مفسدِ نماز نہیں، البتہ صحیح قول یہی ہے کہ مفسدِ نماز ہے، اس میں حافظ اور غیر حافظ دونوں برابر ہیں۔

ویفسدها قراءته من مصحف عند ابی حنیفةؒ وقال لا یفسد الا ان حمل المصحف وتقلیب الاوراق والنظر فیه عمل کثیر والصلوٰة عنه بعد علی هذا لو کان موضوعا بین یدیه علی رحل وهو لا یحمل ولا یقلب او قرأ المکتوب فی المحراب لا تفسد ولان التلقن من المصحف تعلم لیس من اعمال الصلوٰة وهذا یوجب التسویة بین المحمول وغیره فتفسد بکل حال وهو الصحیح هکذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۰۱ مفسدات الصلوٰة) [2]

---

[1] ویفسد الصلوٰة التنحنح بلا عذر بان لم یکن مدفوعا الیه وحصل منه حروف هکذا فی التبیین ولو لم یظهر له حروف فانه لا یفسد اتفاقا لکنه مکروه کذا فی البحر الرائق۔ (الهندیة سعیدی ج۱ ص۱۰۱ الباب السابع الفصل فیما یفسد الصلوٰة)

[2] قال ابن نجیم: (قوله وقراءته من مصحف) ای یفسدها عند ابی حنیفةؒ وقالا هی تامة لانها عبادة انضافت الی عبادة الا انها یکره لانه تشبه بصنیع اهل الکتاب ولابی حنیفةؒ وجهان احدهما ان حمل المصحف والنظر فیه وتقلیب الاوراق عمل کثیر والثانی انه تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیره وعلی هذا الثانی لا فرق بین الموضوع والمحمول عنده وعلی الاول یفترقان وصحح المصنف فی الکافی الثانی وقال انها تفسد بکل حال تبعا لما صححه شمس الائمة السرخسی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۰ ما یفسد الصلوٰة)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۲۴ مفسدات الصلوٰة۔

نماز میں قبلہ سے منحرف ہوجانا

سوال:۔ نماز پڑھنے کے دوران کسی شخص نے دھکا دینے سے نمازی کا سینہ قبلہ سے کچھ منحرف ہوگیا تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر قبلہ سے تھوڑی سی مقدار میں منحرف ہوجائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر بالکل ہی منحرف ہوگیا تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

قال الحصکفیؒ (وللغیرہ) ای غیر معاینہا (اصابۃ جہتہا) بان یبقی شیئ من سطح الوجہ مسامتا للکعبۃ او لہوائہا (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۸۷ شروط الصلوۃ) ۱ھ

لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھنا

سوال:۔ آجکل اکثر مساجد میں لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھائی جاتی ہے، آیا شرعاً اس آلہ کے ذریعہ نماز پڑھانا جائز ہے؟

الجواب:۔ لاؤڈ اسپیکر ایک جدید آلہ ہے، اس سے مکبر یا امام کی آواز دور تک پہنچتی ہے۔ فنی لحاظ سے چونکہ یہ آواز اس امام ہی کی آواز ہوتی ہے اس لئے محققین علماء کرام کا اتفاق ہے کہ لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھانا جائز ہے لیکن بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق چونکہ یہ آواز امام کی اپنی نہیں بلکہ صدائے بازگشت ہے اس لئے اس (لاؤڈ اسپیکر) سے نماز درست نہیں۔

قال المفتی کفایت اللہ:۔ میں کئی مرتبہ اس آلہ کے نماز میں استعمال کا حکم لکھ چکا ہوں اور اخبارات میں شائع کروا چکا ہوں، وہ یہ کہ فی حد ذاتہ اس آلہ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے خطبہ جمعہ وعیدین اور وعظ وتقریر کی مجالس میں اس کا استعمال مباح ہے، نماز کے بڑے مجمعوں میں جو لوگ تبلیغ تکبیر کرتے ہیں ان کی آواز کو بلند کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ (کفایت المفتی ج۹ ص۱۰۱ کتاب الحظر والاباحۃ) ۲ھ

۱ھ قال ابن نجیم: (قولہ ولغیرہ اصابۃ جہتہا) لغیر المکی فرضہ اصابۃ جہتہا وھو الجانب الذی اذا توجہ الیہ الشخص یکون مسامتا للکعبۃ او لہوائہا۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۸۳ شروط الصلوۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۶۳ الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ۔

۲ھ امداد الفتاویٰ ج۱ ص۲۰۰ تا ۲۰۴ وآلات جدیدہ ص۴۳ کی تحریر سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے۔

عورت کے محاذات کا مسئلہ

سوال:۔ اگر نماز میں ایک عورت مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے اور مرد اس کی اقتداء کی نیت بھی کرے اور عورت بالغہ بھی ہو تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا مسئلہ محاذات میں محرم اور اجنبیہ میں کوئی فرق ہے؟ اور محاذات کے شرائط کیا ہیں؟

الجواب:۔ اگر بالغہ عورت کسی مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے تو چند شرائط کے ساتھ اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، مثلاً بغیر کسی حائل و رکاوٹ کے مکان ایک ہو، عورت بالغہ عاقلہ ہو جس کی نماز صحیح ہو مجنونہ نہ ہو، امام عورت کی اقتداء کی نیت کرے، محاذات رکن کامل میں ہو، ان دونوں کی جہت متحد ہو۔

اور محاذات میں چند شرطوں کا اعتبار ہوتا ہے، اس میں محرم اور غیر محرم کا کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔

(ومنها) ان یکون فی مکان واحد حتی لو کان الرجل علی الدکان والمرأة علی الارض والدکان مثل قامة الرجل لا تفسد صلوته (ومنها) ان یکون بلا حائل حتی لو کانا فی مکان متحد بان کانا علی الارض او علی الدکان الا ان بینهما اسطوانة لا تفسد صلوته هکذا فی الکافی وادنی الحائل قدر مؤخر الرحل وغلظه غلظ الاصبع والفرجة تقوم مقام الحائل وادناه قدر ما یقوم فیه الرجل کذا فی التبیین (ومنها) ان تکون ممن تصح منها الصلوة حتی ان المجنونة اذا حاذته لا تفسد صلوته (ومنها) ان ینوی الامام امامتها او امامة النساء وقت الشروع لا بعده ولا یشترط حضور النساء لصحة نیة امامتهن (ومنها) ان تکون المحاذات فی رکن کامل حتی لو کبرت فی صف ورکعت فی آخر وسجدت فی ثالث فسدت صلوة من عن یمینها ویسارها وخلفها من کل صف (ومنها) ان تکون جهتهما متحدة حتی لو اختلفت لا تفسد ولا یتصور اختلاف الجهة الا فی جوف الکعبة او فی لیلة مظلمة وصلی کل بالتحری الی جهة والمعتبر فی المحاذات الساق والکعب علی الصحیح هکذا فی التبیین والمرأة تنتظم الاجنبیة والمحرمة والحلیلة والصغیرة المشتهاة والکبیرة التی ینفر عنها الرجال هکذا فی الکفایة۔ (الهندیة ج ۱ ص ۸۹ باب الامامة الفصل خامس)

قال الحصکفیؒ: (وإذا حاذته) ولو بعضو واحد وخصه الزيلعي بالساق والكعب (امرأة) ولو أمة (مشتهاة) حالاً كبنت تسع مطلقاً وثمان وسبع لو ضخمة أو ماضياً كعجوز (ولا حائل بينهما) أقله قدر ذراع في غلظ أصبع أو فرجة تسع رجلاً (في صلاة) وإن لم تتحد نيتهما فظهر بمصلي عصر على الصحيح سراج فإنه يصح نفلاً على المذهب بحر وتسمى (مطلقة) خرج الجنازة (مشتركة) فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لا مفسدة فتح (تحريمة) وإن سبقت ببعضها (وأداء) ولو حكماً كاللاحقين بعد فراغ الإمام بخلاف المسبوقين والمحاذاة في الطريق (واتحدت الجهة) فلو اختلفت كما في جوف الكعبة وليلة مظلمة (فسدت صلاته) لو مكلفاً وإلا لا (إن نوى) الإمام وقت شروعه لا بعده (إمامتها) وإن لم تكن حاضرة على الظاهر ولو نوى امرأة معينة أو النساء إلا هذه عملت نيته (وإلا) تنوها (فسدت صلاتها)۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۷۲ باب الامامة)

بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال: بعض اوقات بس میں سفر کے دوران نماز کا وقت ہوتا ہے لیکن نماز کے لیے بس کا ڈرائیور کسی مقام پر بس کو نہیں روکتا۔ اگر بس میں بیٹھ کر نماز پڑھ لی جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

الجواب: بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا مع العذر جائز ہے جب قبلہ کا رخ ابتداء میں صحیح ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ انتظار کرے اگر ممکن ہے کہ باقاعدہ نماز کا وقت مل جائے، بشرطیکہ پہلے ڈرائیور سے بات کی ہو اور ڈرائیور گاڑی نہ روکنے پر مُصر ہو، البتہ ڈرائیور اگر گاڑی کھڑی کر دے تو پھر جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (صلى الفرض في فلك) جار (قاعداً بلا عذر صح) لغلبة العجز (وأساء) وقالا لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر برهان۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۱۰۱ باب صلوة المريض)

وأما الصلوة على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا تسير فهي صلوة على الدابة فتجوز في حالة العذر المذكور في التيمم (فتح)

ومن العذر المطر والطين فيعيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۱ باب النوافل، مطلب الصلوة علی الدابة) منہ

مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوکانوں میں نماز پڑھنا

سوال:- ہماری مسجد چھوٹی ہے۔ بعض اوقات نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہیں رہتی خصوصاً جمعہ کے دن، تو بعض لوگ مسجد کے باہر کی دوکانوں میں کھڑے ہو کر نیت باندھ لیتے ہیں جس کی بنا پر بظاہر صفوں میں اتصال نہیں رہتا، کیا ایسی صورت میں امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب:- اگر مسجد میں جگہ نہ ہو تو مسجد کے باہر دوکانوں میں نماز پڑھنا اس وقت درست ہے جس وقت مسجد اور دوکانوں کے درمیان کا راستہ بند کیا جائے اور صفوف میں اتصال ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ ان مقتدیوں کو امام کی حالت کا علم بھی ہو۔ اگر صفوف میں اتصال نہ ہو یا عام راستہ درمیان میں خالی ہو اور ایسے ہی امام مسجد کی حالت کا بھی علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اقتدا درست نہیں۔

قال الحصكفي: (ويمنع من الاقتداء) طريق تجري فيه عجلة (آلة يجرها الثور) أو نهر تجري فيه السفن) ولو زورقا ولو في المسجد (أو خلاء) أي فضاء (في الصحراء) أو في مسجد كبير جدا كمسجد القدس (يسع صفين) فأكثر إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقا كأن قام في الطريق ثلاثة وكذا اثنان عند الثاني لا واحد اتفاقا لأنه لكراهة صلاته صار وجوده كعدمه في حق من خلفه (والحائل لا يمنع) الاقتداء (إن لم يشتبه حال إمامه) بسماع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح (ولم يختلف المكان) حقيقة كمسجد

له ولا تجوز المكتوبة على الدابة إلا من عذر ...... وأما الصلوة على العجلة فإن كان طرفها على الدابة وهي تسير فهي صلوة على الدابة وقد مر حكمها۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۳ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)

ومثله في معارف السنن ج۳ ص۳۹۵ باب الصلوة على الدابة حيث توجهت به۔

(فیہ نیت فی الاصح)۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا ص۵۸۲ باب الامامۃ مطلب)

نماز میں واجبات کا چھوٹ جانا

سوال:۔ اگر کسی شخص سے نماز کے واجبات چھوٹ جائیں اور وہ سجدہ سہو بھی نہ کرے تو اس سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قصداً و عمداً واجبات کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے البتہ واجبات چھوٹ جانے پر اگر سجدہ سہو کر لیا جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اگر سجدہ سہو نہ کیا تو پھر نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اگر نماز کا اعادہ نہ کیا تو نماز کراہت تحریمہ کے باوجود جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (لھا واجبات) لا تفسد بترکھا وتعاد وجوباً فی العمد والسھو ان لم یسجد لہ وان لم یعدھا یکون فاسقاً آثماً وکذا کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا والمختار انہ جابر للاول لان الفرض لا یتکرر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا ص۴۵۶ واجبات الصلوٰۃ) ؎

زلزلہ کے وقت نماز کا توڑنا

سوال:۔ بحالت نماز اگر زلزلہ آجائے تو نماز کو توڑ کر کسی محفوظ جگہ پہنچنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ـــــ ومنھا طریق عام یمر فیہ العجلۃ والاوقار ھکذا فی شرح الطحاوی اذا کان بین الامام وبین المقتدی طریق ان کان ضیقاً لا یمر فیہ العجلۃ والاوقار لا یمنع وان کان واسعاً یمر فیہ العجلۃ والاوقار یمنع کذا فی فتاویٰ قاضی خان والخلاصۃ ھذا اذا لم تکن الصفوف متصلۃ علی الطریق اما اذا اتصلت الصفوف لا یمنع الاقتداء ولو کان علی الطریق واحد لا یثبت بہ الاتصال وبالثلاث یثبت بالاتفاق

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ا ص۸۷ باب الامامۃ الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحۃ الاقتداء۔ الخ)

؎ فلا تفسد الصلوٰۃ بترکھا عامداً او ساھیاً بل تجب علیہ سجود السھو فی السھو جبراً لنقصان حاصل بترکھا سھواً ولا اعادۃ فی العمد والسھو اذا لم یسجد لکون مؤداۃ علی وجہ لا نقص فیہ فاذا لم یعدھا کانت مؤداۃ مع کراھتھا کراھۃ تحریم وھذا ھو الحکم فی کل واجب ترکہ۔

(البحر الرائق ج ا ص۲۹۵ شروط الصلوٰۃ)

ومثلہ فی مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص۱۳۳ فی بیان واجبات الصلوٰۃ۔

الجواب :- زلزلہ کے باعث باجماعت نماز توڑ کر باہر نکلنے کے بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا، مگر فقہی ذخائر میں بعض ایسے جزئیات موجود ہیں کہ مالی نقصان سے بچنے کے لیے نماز کو توڑا جاسکتا ہے تو جانی نقصان سے بچنے کے لیے نماز توڑنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، چونکہ زلزلہ میں جانی نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے نماز چھوڑ کر باہر نکلا جاسکتا ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ :(تتمۃ) نقل عن خط صاحب البحر علیٰ هامشه، ان القطع یکون حراماً ومباحاً ومستحباً وواجباً فالحرام لغیر عذر والمباح اذا خاف فوت مال والمستحب القطع للاکمال والواجب لاحیاء النفس۔ [1]

(رد المحتار ج۱ ص۶۵۴ باب ادراک الفریضۃ مطلب قطع الصلوٰۃ یکون حراماً ومباحاً الخ)

نماز میں امام کی غلطی پر لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال :- ہماری مسجد کے امام صاحب سے صبح کی نماز میں غلطی ہوگئی جس پر ایک مقتدی نے لقمہ دیا لیکن امام صاحب نے اس کا لقمہ نہیں لیا بلکہ اپنی نماز جاری رکھی، سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب نے کہا کہ جس نے لقمہ دیا ہے اس کی نماز فاسد ہوگئی ہے لہٰذا وہ اپنی نماز لوٹا دے۔ کیا اس طرح لقمہ دینے سے واقعی نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

الجواب :- نماز میں امام کے غلطی کرنے سے اگر مقتدی لقمہ دے دے تو اس سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی امام کے لقمہ نہ لینے سے نماز فاسد ہوتی ہے، البتہ لقموں کی کثرت سے اجتناب کیا جائے۔

قال الحصکفیؒ :(بخلاف فتحه علی امامه) فانه لا یفسد (مطلقاً) لفاتح وآخذ بکل حال الا اذا سمعه المؤتم من غیر مصل ففتح به تفسد

---

[1] وفی الهندیة: وکذا الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقه النار او یغرق فی الماء واستغاث بالمصلی وجب علیه قطع الصلوٰة رجل قام الی الصلوٰة فسرق منه شیء قیمته درهم له ان یقطع الصلوٰة ویطلب السارق سواء کان فریضة او تطوعاً لان الدرهم مال... الخ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة وما یتصل بذلک مسائل)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۷۲ باب ادراک الفریضة۔

صلوٰۃ الکل وینوی الفتح لا القراءۃ ۔

(رد المحتار علی صدر در المختار ج ۱ ص ۶۲۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ) ۱ہ

نماز میں باتیں کرنا

سوال :- نماز میں اگر ایک شخص بھول کر بات کرے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب :- نماز میں باتیں کرنا خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو مفسد صلوٰۃ ہے، ایسی صورت میں نماز دوبارہ پڑھی جائے ۔

قال ابن عابدینؒ: (یفسدھا التکلم) ای یفسد الصلوٰۃ ومثلها سجود السهو والتلاوۃ والشکر علی القول بها نحوی (قوله هو النطق بحرفین) ای ادنی ما یقع اسم الکلام علیه ما ترکب من حرفین کما فی القهستانی عن الجلابی ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۳ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها) ۲ہ

نماز کے دوران عورت کے دوپٹے میں سے بال نظر آنا

سوال :- آجکل بعض عورتیں ایسے دوپٹے کا استعمال کرتی ہیں

۱ہ وان فتح علی امامه لم تفسد ثم قیل ینوی القارئ بالفتح علی امامه التلاوۃ والصحیح ان ینوی الفتح علی امامه دون القراءۃ قالوا هذا اذا ارتج علیه قبل ان یقرأ قدر ما تجوز به الصلوٰۃ او بعد ما قرأ ولم یتحول الی آیة اخری واما اذا قرأ وتحول ففتح علیه تفسد صلوٰۃ الفاتح والصحیح انها لا تفسد صلوٰۃ الفاتح بکل حال ولا صلوٰۃ الامام لو اخذ منه علی الصحیح هکذا فی الکافی ۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۹۹ باب سابع فیما یفسد الصلوٰۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۶ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها ۔

۲ہ اذا تکلم فی صلوٰته ناسیا او عامدا خاطئا او قاصدا قلیلا او کثیرا تکلم لاصلاح صلوٰته بان قام الامام فی موضع القعود فقال له المقتدی اقعد او قعد فی موضع القیام فقال له قم او لا لاصلاح صلوٰته ویکون الکلام من کلام الناس استقبل الصلوٰۃ عندنا کذا فی المحیط ۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۹۸ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها ۔

جس سے عورت کی ہیئت بالکل نمایاں ہوتی ہے خاص کر جب نماز میں ہو تو عورت کے بال اور جسم
کے اعضاء واضح دکھائی دیتے ہیں، کیا اس طرح بالوں کے ظاہر ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب:- آزاد عورت کا تمام بدن نماز میں بلکہ تمام اوقات میں مخفی رہنا ضروری ہے
اور عورت کے سر کے بال بھی ستر میں سے ہیں اُن کا چھپانا لازم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت نماز میں ایسا
دوپٹہ استعمال کرتی ہو جس سے سر کے تمام بال نہیں چھپتے بلکہ ظاہر رہتے ہیں تو اس سے نماز نہیں ہوتی
بلکہ اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال الحصکفی: (وللحرة) ولو خنثى (جميع بدنها) حتى شعرها النازل في الأصح (خلا
الوجه والكفين) فظهر الكف عورة على المذهب (والقدمين) على المعتمد.
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۰۵ باب شروط الصلوٰة)

كما قال ابن عابدين تحت قوله (ولا يصف ما تحته) بأن لا يرى منه لون البشرة[۲]
احترازاً عن الرقيق ونحو الزجاج. (رد المحتار ج۱ ص۴۱۰ باب شروط الصلوٰة
مطلب في النظر الى وجه الأمرد) اھ

نماز میں درود و دعا کے الفاظ دل میں پڑھنا

سوال:- میری زبان میں لکنت ہے جس کی وجہ سے نماز میں الفاظ کو صحیح طریقے سے
ادا نہیں کر سکتا ہوں، خصوصاً جب تشہد میں ہوتا ہوں تو درود و دعا کے الفاظ بالکلیہ میری
زبان پر نہیں آتے جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تو میں دل ہی دل میں الفاظ و
معانی پر غور و فکر کر کے پڑھ لیتا ہوں۔ تو کیا اس سے نماز میں فساد وغیرہ لازم آتا یا نہیں؟

الجواب:- نماز میں تشہد کا پڑھنا واجبات الصلوٰۃ میں سے ہے۔ اس کا ترک کرنا

---

[۱] وبدن الحرة عورة الا وجهها وكفيها وقدميها كذا في المتون وشعر المرأة
ما على رأسها عورة وأما المسترسل ففيه روايتان الأصح أنه عورة كذا
في الخلاصة وهو الصحيح وبه أخذ الفقيه أبو الليث وعليه الفتوى. والثوب[۲]
الرقيق الذي يصف ما تحته لا تجوز الصلوٰة فيه كذا في التبيين.
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۸ الباب الثالث في شروط الصلوٰة)
ومثله في تبيين الحقائق ج۱ ص۹۶ باب شروط الصلوٰة.

گناہ ہے اور نہ ہی دل میں غور و فکر کرنے سے تشہد ادا ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنی طاقت کے مطابق ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ الفاظ صحیح ادا نہ ہوں لیکن اتنا یقین ہو کہ میں نے ان الفاظ کو ادا کیا ہے۔ تاہم درود شریف اور دعا پڑھنا سنت ہے اس لیے اگر بصورت مجبوری رہ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ پڑھنا مناسب ہے۔

فان كان لا يحسن شيئا منه في بعض الحروف ان لم يجد آية ليس فيها تلك الحروف يجوز صلوته ولا يؤم غيره۔ (الهندية ج ۱ ص [illegible] زلة القاري)

ويجب التشهد في القعدة الاخيرة وكذا في القعدة الاولى وهو الصحيح هكذا في السراج الوهاج وهو كذا في محيط السرخسي۔

(الهندية ج ۱ ص [illegible] واجبات الصلوٰة) ۱؎

نمازی کے آگے کتا اور عورت کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال :- اگر بحالت نماز سامنے سے عورت یا کتا گزر جائے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- عورت اور کتے کا نمازی کے سامنے سے گزرنا مفسد نماز نہیں۔

قال ابن عابدين: (قوله ولو امرأة او كلبا) بيان للاطلاق وفيه رد على الظاهرية بقولهم يقطع الصلوٰة مرور المرأة والكلب والحمار وعلى احمد في الكلب الاسود۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۹ باب ما يفسد الصلوٰة) ۲؎

۱؎ قال ابن عابدين: واجبات ... (قوله والتشهد ان) اى تشهد القعدة الاولى وتشهد الاخيرة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۶ واجبات الصلوٰة)

ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۲ واجبات الصلوٰة۔

۲؎ (مار في موضع سجوده لا تفسد) سواء امرأة او كلب او حمار لقوله صلى الله عليه وسلم لا يقطع الصلوٰة شيء وادرءوا ما استطعتم فانما هو شيطان (رواه ابو داؤد)

(مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي ج ۱ ص [illegible])

ان صفوں پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کے لیے مکان (جگہ) کا پاک ہونا شرط ہے چاہے جیسا بھی ہو۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ صفیں چونکہ پاک ہیں اس لیے ان پر نماز پڑھنا درست ہے، اگرچہ لانے والے کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لیے کہ تملیک کی شرط مفقود ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: يشترط ان يكون الصرف ... تمليكاً لا اباحة كما مر لا يصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [۱]

زیر ناف بالوں کی موجودگی میں نماز کا حکم

سوال: اکثر لوگوں سے سننے میں آیا ہے کہ جس شخص کے زیر ناف بال چالیس دن تک صاف نہ کیے ہوں تو اس کی نماز نہیں ہوتی، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ زیر ناف بالوں کو ہفتہ میں ایک بار صاف کیا جائے، چالیس دن تک بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے لیکن اس کراہت کے باوجود نماز پڑھنا درست ہے، اگرچہ یہ عمل بذاتِ خود مناسب نہیں۔

لما في الهندية: والافضل ان يقلم اظفاره ويحفي شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل اسبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً ولا يعذر في تركه وراء الاربعين فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابعد ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد.
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۵۸ كتاب الكراهية الباب التاسع عشر) [۲]

---

[۱] وفي الهندية: ولا يجوز ان يبني بالزكوة المسجد وكذا القناطر والسقايات ... وكل ما لا تمليك فيه. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع في المصارف)

ومثله في فتح القدير ج۲ ص۲۰۸ باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لا يجوز.

[۲] لما قال العلامة الحصكفيؒ: وحلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل اسبوع مرة والافضل يوم الجمعة وجاز في كل خمسة عشر وكره تركه وراء الاربعين. قال ابن عابدينؒ تحت قوله (وكره تركه) اي تحريماً لقول المجتبى ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد. (رد المحتار ج۶ ص۴۰۶ كتاب الكراهية فصل في البيع)

نماز میں الحمد یا انا للہ پڑھنا

سوال: اگر دورانِ نماز کوئی ناگہانی سانحہ پیش آجائے یا کوئی افسوسناک خبر سنے اور زبان سے بے اختیار الحمد للہ یا انا للہ کے الفاظ نکل جائیں تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں، ایک رائے کے مطابق یہ نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ دوسری رائے کے مطابق چونکہ یہ الفاظ کلام الناس سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ علامہ ابن عابدینؒ وغیرہ محققین نے قولِ ثانی کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله لو سقط شيء من السطح فبسمل) يشكل عليه ما في البحر لو سقط شيء ... فقال بسم الله تفسد لأنه كلام وقيل لا لأنه ليس من كلام الناس وفي النصاب وعليه الفتوى وجزم به في الظهيرية وكذا لو قال يا رب كما في الذخيرة. (رد المحتار ج ۱ ص ۶۲۳ باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها) لـه

پاگل یا مجنونہ خاتون کے محاذات سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ عورت کا نماز میں مرد کے محاذات میں آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے تو کیا اگر کوئی پاگل یا مجنونہ عورت کسی مرد کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز میں اگرچہ اجنبی عورت کا مرد کے محاذات میں آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے مگر یہ فساد چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن میں تکبیر تحریمہ کا ایک ہونا بھی شامل ہے جو مکلف سے متوقع ہے چونکہ مجنونہ عورت کی نماز سرے سے صحیح نہیں اس لیے اس سے فسادِ صلوٰۃ بھی لازم نہیں آتا۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله في صلوة وان لم تتحد) ..... قال وفيه اشارة الى ان محاذاة المجنونة لا تفسد لان صلوتها ليست ...

لـه قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: ذكر في فتاوى الظهيرية في بعض المواضع أنه لو أجاب بالقول بأن يخبر بخبر يسره فقال الحمد لله رب العالمين او بخبر يسوءه فقال انا لله وانا اليه راجعون تفسد صلوته ... (البحر الرائق ج ۲ باب ما يفسد الصلوة)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج ۴ ص ۶۵ فصل مفسدات الصلوة —

بحوالہٴ فی الحقیقۃ۔ رد المحتار ج۱ ص۵۹۰ باب الامامۃ۔ ؎

زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: جب کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے تو خون و بند کرنے کے لیے زخم پر اسپرٹ لگایا جاتا ہے، تو کیا زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب: اسپرٹ میں چونکہ الکحل استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اگر الکحل عنب، زبیب اور کھجور سے بنایا گیا ہو تو بالاتفاق اس کا استعمال جائز نہیں اور نہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے اور اگر ان چاروں کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کیا گیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہے اور اس کے استعمال میں رخصت کی گنجائش ہے۔

چونکہ آجکل کا الکحل ان چاروں اشیاء کے علاوہ دیگر حبوب اور گندھک، پٹرول وغیرہ سے بنایا جاتا ہے اس لیے عموم بلویٰ کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ کے مطابق نماز درست ہے۔

لما قال الشیخ المحقق المفتی محمد تقی العثمانی: وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویۃ والعطور وغیرها لا تتخذ من العنب والتمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیرہ کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع وحینئذ هناک فسحۃ فی الاخذ بقول ابی حنیفۃ عند عموم البلوی۔ (تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۶۰۸ کتاب الاشربۃ حکم الکحول المسکرۃ) ؎

آدھی آستین والی بنیان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال: کیا بلاضرورت صرف آدھی آستین والے

؎ لما فی الہندیۃ: ومنها ان تکون ممن تصح منها الصلوۃ حتی ان مجنونۃ او صاحبۃ [illegible] کذا فی البحر۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۸۹ باب الامامۃ الفصل الخامس)

ومثلہ فی امداد الاحکام ج۱ ص۵۹۲ باب مفسدات الصلوۃ۔

؎ لما قال الشیخ مولانا اشرف علی التھانویؒ: اسپرٹ اگر عنب، زبیب، رطب، تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے بلا اختلاف ورنہ گنجائش نہیں بالاتفاق۔

(امداد الفتاویٰ ج۱ ص۶۲ باب الانجاس)

بنیان میں نماز پڑھنا جائز ہے ؟

الجواب:۔ نماز میں بلا ضرورت آستینوں کو کھلا رکھنا مکروہ ہے چونکہ بنیان میں کہنیاں کھلی رہتی ہیں اس لیے بلا ضرورت اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تاہم اگر کسی کے پاس قمیص نہ ہو تو اس صورت کے پیشِ نظر صرف بنیان میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے ۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۔ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا)[1]

نماز میں تنحنح کرنے یا کھانسنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ نماز میں گلا صاف کرنے کے لیے تنحنح کرتے یا کھانستے ہیں ، تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب:۔ تنحنح یعنی گلا صاف کرنے کیلئے یا تحسینِ صوت یعنی آواز کی وضاحت کیلئے یا بوجہ مجبوری ایسا کیا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہے البتہ اگر بغیر ضرورت کے کیا جائے تو مکروہ ہے ۔

لما قال الحصکفیؒ : والتنحنح بحرفین بلا عذر اما بہ بان نشأ من طبعہ فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوتہ او لیھتدی امامہ او للاعلام انہ فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۹ باب مفسدات الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : وکرہ ..... وتشمیر کمیہ عنھما للنھی عنہ لما فیہ من الجفاء المنافی للخشوع ۔ قال السید احمد الطحطاویؒ : تحت قولہ تشمیر کمیہ ای عن ذراعیہ سواء کان الی المرفقین او لا علی الظاھر ۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۲۸۳ فصل فی مکروھات الصلوٰۃ)

ومثلہ فی امداد الاحکام ج ۱ ص ۵۵۹ باب مفسدات الصلوٰۃ ۔ الخ

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : ویفسدھا التنحنح بلا عذر لانہ من افعالہ کالعطس ... کلمۃ البلغم من القراءۃ لا یفسد قال السید احمد الطحطاویؒ : تحت قولہ وان کان لعذر الخ منہ التنحنح لاصلاح الصوت وتحسینہ او لیھتدی امامہ من خطئہ او للاعلام بانہ فی الصلوٰۃ علی الصحیح ۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۶۳ باب مفسدات الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ ۔

نماز میں بار بار جسم کو کھجلانے کا حکم

سوال:۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کوئی نماز کے اندر تین بار اپنے جسم کو کھجلائے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو خارش کے مریض کے لیے اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کے ایک رکن کے اندر بلا عذر شرعی مسلسل بدن کو کھجلانا نقصان دہ ہے، البتہ عذر شرعی کی بنا پر ایسے کرنے سے نماز پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا، اس لیے لوگوں کی بات صحیح ہے لیکن خارش کے مریض کے لیے عذر کی بنا پر ایسا کرنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وعبثه به أی بثوبه وبجسده للنهی إلا لحاجة ولا بأس به۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله إلا لحاجة) بأنه لشیء ما سلطه واضره وسلت عرق یؤلمه ویشغل قلبه وهذا لو بدون عمل کثیر قال فی الفیض الحك بید واحدة فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلوٰة ان رفع یده فی کل مرة۔ (رد المحتار ج ۱ فصل فی ما یفسد وما یکرہ الصلوٰة)

نماز میں بار بار تعوذ پڑھنا

سوال:۔ ایک شخص کو نماز میں بکثرت وسوسے آتے ہیں، اگر وہ ان کو دفع کرنے کے لیے بار بار تعوذ پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب:۔ دفع وساوس کے لیے بار بار تعوذ پڑھنا مفسد صلوٰۃ نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں دفع وساوس کیلئے بار بار اعوذ باللہ الخ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

لما قال علامة السید احمد الطحطاویؒ: ولو تعوذ لدفع الوسوسة لا تفسد مطلقاً..... ولو تعوذ لدفع الوسوسة لا تفسد مطلقاً نظراً إذ لا فرق بینها وبین الوسوسة۔ (طحطاوی علی المراقی ص باب ما یفسد الصلوٰة ویکرہ فیها)

لما قال السید احمد الطحطاویؒ: وانما یکرہ العبث فی الصلوٰة اذا لم یکن لحاجة الیه وعند الحاجة لا بأس به کسلت العرق عن وجهه او التراب عند الایذاء۔
(الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹۹ باب ما یکرہ الصلوٰة)

باب الوتر

(وتر کے مسائل)

وتر کا باجماعت پڑھنا رمضان کی خصوصیت ہے

سوال:۔ ایک شخص بوجہ عذر یا بلا عذر روزہ نہیں رکھتا ہے لیکن نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے، کیا ایسا شخص عشاء کی نماز کے بعد وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں!

الجواب:۔ رمضان المبارک میں وتر کا باجماعت پڑھنا روزے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خود رمضان کی خصوصیت ہے۔ پس جو شخص کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو وہ رمضان المبارک میں وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے روزہ رکھنے پر مکلف نہ ہونے کے باوجود وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔

قال مولانا جلال الدین الخوارزمی الکرلانی ۔ وفی رمضان الصحیح ان الجماعة افضل لان عمر رضی اللہ عنہ کان یؤمہم فی الوتر ولانہ لما جاز الاداء بالجماعة کانت الجماعة افضل اعتباراً بالمکتوبة کذا فی فتاوی قاضی خان ۔

(الکفایة فی ذیل فتح القدیر فصل فی قیام رمضان ج ۱ ص ۳۳۹)[1]

وتر کی رکعات میں شک پڑ جانا

سوال:۔ اگر ایک شخص کو وتر پڑھتے وقت دوسری رکعت میں تیسری رکعت ہونے کا شک ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ دوسری رکعت تیسری رکعت ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعی یہ دوسری رکعت ہو!

الجواب:۔ اگر کسی کو وتر پڑھتے ہوئے شک پیدا ہو جائے کہ یہ اس کی دوسری یا

---

[1] وقال ابن عابدینؒ : والصحیح ان الجماعة فیہا افضل الا ان سنیتہا لیست کسنیة جماعة التراویح ۔ (رد المحتار باب الوتر والنوافل ج ۲ ص ۴۹)

ومثلہ فی البحر الرائق باب الوتر والنوافل ج ۱ ص ۶۹

تیسری رکعت ہے تو یہ شخص اُس رکعت میں دعاء قنوت پڑھے گا جس رکعت میں اُسے شک پیدا ہُوا ہے اور اُسی رکعت میں بیٹھ کر قعدہ کرے گا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ اُس کی تیسری رکعت ہو، قعدہ کے بعد جب تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو دوبارہ دعاء قنوت پڑھ کر رکعت پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

قال العلامۃ عبد الرشید البخاریؒ: لو شک فی الوتر وھو قائم انھا ثانیۃ ام ثالثۃ یتم تلک الرکعۃ ویقنت فیھا ویقعد ثم یقوم فیصلی رکعۃ اخری ویقعد ثم یقوم فیصلی رکعۃ اخری ویقنت فیھا ایضا ویسجد للسھو ھو المختار۔

(خلاصۃ الفتاوی، فصل فی سجود السھو ج ۱ ص ۱۶۱) [1]

وتر میں مشہور دعاء قنوت پڑھنا بہتر ہے

سوال: وتر میں دعاء قنوت پڑھنے کی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص سے دعاء قنوت رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر ایک شخص کو مشہور دعاء قنوت یاد نہ ہو تو ایسی حالت میں وتر میں متبادل کیا پڑھنا چاہیئے؟

الجواب: وتر میں نفس قنوت واجب ہے، لہٰذا جو دعا بھی پڑھی جائے تو وتر کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص بالکل کچھ نہ پڑھے تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ مشہور دعاء قنوت کا پڑھنا بہتر ہے۔

والقنوت واجب علی الصحیح (وفیہ) ولیس فی القنوت دعاء مؤقت۔ والاولیٰ ان یقرأ اللّٰھم انا نستعینک۔ الخ (الھندیۃ ج ۱ ص ۱۱۱ باب الوتر)

اور جس شخص کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" پڑھے، یا تین مرتبہ "یَا رَبِّ" یا "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ"

---

[1] وفی الھندیۃ: ذکر الناطفی فی اجناسہ۔ لو شک انہ فی الوتر انہ فی الاولی والثانیۃ او الثالثۃ فانہ یقنت فی الرکعۃ التی ھو فیھا ثم یقعد ثم یقوم فیصلی رکعتین بقعدتین ویقنت فیھما احتیاطا۔ وفی قول بعضھم لا یقنت فی الکل اصلا۔ والاول اصح لان القنوت واجب وما تردد بین الواجب والبدعۃ یاتی بہ احتیاطاً کذا فی محیط السرخسی۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۱۱۱ باب الوتر)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۴۲ باب الوتر والنوافل۔

تین دفعہ پڑھے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

وقال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ:۔ ومن لا یحسن القنوت بالعربیۃ او لا یحفظہ ففیہ ثلاثۃ اقوال مختلفۃ قیل یقول یا رب ثلاث مرات ثم یرکع وقیل یقول اللّٰھم اغفرلی ثلاث مرات وقیل اللّٰھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۴ باب الوتر والنوافل)؎۱

رمضان میں تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر منفرداً پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص تراویح باجماعت پڑھے لیکن کسی عذر یا بغیر عذر کے وتر انفراداً ادا کرے تو کیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک میں وتر کی نماز تراویح کی طرح نہیں بلکہ اس میں ترغیب باجماعت اور انفراداً دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں اس شخص کے لیے وتر انفراداً پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

قال الحصکفیؒ: هل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان۔

قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارۃ: ورجح الکمال الجماعۃ الی ان قال وفی شرح المنیۃ والصحیح ان الجماعۃ فیها افضل الا ان سنیتها لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹ مبحث صلوٰۃ التراویح)؎۲

؎۱ قال الامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ: واما دعاء القنوت فلیس فی القنوت دعاء مؤقت کذا ذکره الکرخی فی کتاب الصلوٰۃ لانه روی عن الصحابۃ ادعیۃ مختلفۃ فی حال القنوت ولان الموقت من الدعاء یجری علی لسان الداعی من غیر احتیاج الی احضار قلبه وصدق الرغبۃ منه الی اللہ تعالیٰ فیبعد عن الاجابۃ ولانه لا توقیت فی القراءۃ لشیء من الصلوٰۃ ففی دعاء القنوت اولیٰ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۳ فصل فی القنوت)

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۷۱ باب الوتر والنوافل)

؎۲ قال ابن نجیم المصریؒ: فالوتر کالتراویح فکما ان الجماعۃ فیها سنۃ فکذلک فی الوتر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۷۲ باب الوتر والنوافل)

ومثله فی فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۹ فصل فی قیام رمضان۔

رمضان کے بغیر وتر باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال: شرح الیاس میں لکھا ہے کہ "ان لا یقتدی فی الوتر بالامام خارج رمضان جائز" (شرح الیاس علی ھامش شرح الوقایہ ج ۱ ص ۲۲۳) کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو پھر رمضان کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ کیوں نہیں پڑھی جاتی ہے؟

الجواب: وتر کی جماعت رمضان میں بالاتفاق سنت ہے اور رمضان کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں وتر کی جماعت مسنون نہیں، سنت نہ ہونے کی وجہ سے وتر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی جاتی ہے۔ شرح الیاس کی عبارت سے نفس جواز معلوم ہوتی ہے، عام فقہاء بھی نفس جواز کے قائل ہیں لیکن اگر علی سبیل التداعی ہو کر اس پر دوام اختیار کیا جائے تو یہ صورت مکروہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج [illegible] مطلب فی کراھة الاقتداء فی النفل)

قال ابن عابدینؒ: ویمکن ان یقال الظاهر ان الجماعة فیه (ای الوتر) غیر مستحبة ثم ان کان ذلک احیانا کما فعل عمرؓ کان مباحا غیر مکروہ۔ وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۴۸ مطلب فی کراھیة الاقتداء فی النفل) [1]

ماہ رمضان میں فرض نماز باجماعت نہ پڑھنے والے کیلئے وتر باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے

---

[1] قال ابن نجیمؒ: الوتر بجماعة فی غیر رمضان فهو صحیح مکروہ کالتطوع فی غیر رمضان بجماعة وقیده فی الکافی بان یکون علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلفوا فیه وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۶۹ باب الوتر والنوافل)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۲۰ باب قیام رمضان۔

رمضان المبارک میں فرض نماز باجماعت فوت ہو جائے تو کیا یہ شخص وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: رمضان المبارک میں انفراداً فرض پڑھنے کے بعد وتر کی جماعت میں شرکت کے بارے میں فقہائے کرام کا آپس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے قول سے شرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

قال الشیخ ابراھیم الحلبی: واذا لم یصل الفرض مع الامام فعن عین الائمة الحلوانی انه لا یتبعه فی التراویح ولا فی الوتر، وکذا اذا لم یتابعه فی التراویح لا یتابعه فی الوتر. وقال ابو یوسف الھاملی: اذا صلی مع الامام شیئا من التراویح یصلی معه الوتر، وکذا اذا لم یدرک معه شیئا منها، وکذا اذا صلی مع غیره له ان یصلی الوتر معه وھو الصحیح ذکره ابو اللیث اھ (کبیری ص۴۰۸ باب التراویح)

جبکہ علامہ محمد امین المعروف بابن عابدینؒ عدم جواز کی طرف مائل ہیں، لیکن متاخرین فقہاء نے جواز کے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: لکن فی التتارخانیة عن التتمة: سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحده او التراویح فقط هل یصلی الوتر مع الامام؟ فقال: لا اھ. ثم رأیت القهستانی ذکر تصحیح ما ذکره المصنف، ثم قال: لکنه اذا لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر اھ. فقوله ولو لم یصلها ای وقد صلی الفرض معه. ینبغی ان یکون قول القهستانی "معه" احترازاً عن صلاتها منفرداً، اما لو صلاها جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لا کراھة. (رد المحتار ج۲ ص۴۸ باب التراویح) [۱]

---

[۱] لما قال الشیخ عبد الحیؒ: در تتمہ از عین الائمہ و در تاتارخانیہ ... نقل مین آمدہ مرقوم کہ ہر فرض باجماعت ... نکردہ باشد وتر بجماعت ادا نمی سازد و ہم چنیں در خلیہ وغیرہ مذکور ست لیکن تدائی وجہ قوی معتمد بہ عدم جواز معلوم نمی شود حق جواز معلوم می شود۔ واللہ اعلم

(مجموعة الفتاوی علی ہامش خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۴۳ فصل فی الوتر)

ومثله فی امداد الاحکام ج۱ ص۶۶۱ فصل فی الوتر ودعاء القنوت.

وتر کی جماعت میں مقتدی کیلئے دعاء قنوت کے اتمام سے بغیر رکوع کا حکم

سوال: رمضان شریف میں اگر مقتدی سے وتر میں دعاء قنوت میں غلطی یا کوئی خلل واقع ہو جائے اور دعاء قنوت لوٹا کر پڑھے، اسی اثناء میں امام رکوع میں چلا جائے تو مقتدی کو کیا کرنا چاہیئے، نیز اگر امام سے دعاء قنوت رہ گئی اور امام رکوع میں چلا گیا تو مقتدی کو یاد ہونے کی صورت میں کیا عمل اختیار کرنا ہوگا؟

الجواب: جب امام رکوع میں چلا جائے اور مقتدی ابھی دعاء قنوت سے فارغ نہیں ہوا ہو تو اگر مقتدی کو رکوع کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو امام کی متابعت کرے اور اگر رکوع میں کسی قدر ملنے کا امکان ہو تو اس اندازہ سے دعاء قنوت پڑھ کر رکوع میں جائے تاکہ دونوں اعمال کی رعایت ہو سکے۔

قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: فلو ركع الامام في الوتر قبل ان يفرغ المقتدي من القنوت فانه يتابع الامام. ولو ركع الامام ولم يقرأ القنوت يقرأ المقتدي من القنوت شيئاً ان خاف الركوع فانه يركع وان كان لا يخاف يقنت ثم يركع۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص [illegible] النوع من يتابع الامام)[1]

عید الفطر کے شک کی صورت میں وتر با جماعت پڑھنے کا حکم

سوال: جب عید الفطر میں شک واقع ہو یعنی چاند دیکھنے کا حتمی ثبوت میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں عشاء کے وقت تراویح اور وتر با جماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز وتر با جماعت پڑھنے کے بعد اگر چاند کا ثبوت مل جائے تو کیا وتر کی دوبارہ قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی وتر با جماعت پڑھنا جائز ہے تاہم مواظبت اور مداومت مکروہ ہے، جب وتر کی جماعت ایسی صورت میں ہو کہ عید کا ثبوت یقینی نہ ہو

---

[1] قال قاضی خانؒ: ولو ركع الامام في الوتر قبل ان يفرغ المقتدي من القنوت فانه يتابع لان القنوت ليس بموقت ولا مقدر. ولو ركع الامام في الوتر ولم يقرأ المقتدي من القنوت شيئاً ان خاف فوت الركوع فانه يركع وان كان لا يخاف يقنت ثم يركع۔ (فتاوى قاضيخان على هامش العالمگيرية ج۱ ص۹ باب الوتر)

تو وتر کی جماعت بلا کراہت جائز ہے اور دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ثم قال ویمکن ان یقال الظاهر ان الجماعة فیه غیر مستحبة، ثم ان کان ذلک احیانا کما فعل عمرؓ کان مباحا غیر مکروه وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۴۸ باب الوتر والنوافل) ؎۱

وتر کی آخری رکعت میں رکوع پا لینے سے پہلے ملنے والے کیلئے قنوت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ رمضان المبارک میں ایک شخص وتر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور دعاءِ قنوت امام کے ساتھ پڑھی، اب باقی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یا امام کو تیسری رکعت کے رکوع میں پایا اور مسبوق نے دعاء نہیں پڑھی تو ایسے مسبوق کے لیے دوبارہ قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دونوں صورتوں میں مسبوق کے لیے دوبارہ قنوت پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، پہلی صورت میں اس نے دعاءِ قنوت حقیقۃً اور دوسری صورت میں حکماً پڑھی ہے۔

قال الحصکفیؒ: واما المسبوق فیقنت مع امامه فقط ویصیر مدرکا بادراک رکوع الثالثة۔

وقال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (فیقنت مع امامه فقط) لانه آخر صلاته وما یقضیه اولها حکما فی حق القراءة وما اشبهها وهو القنوت، واذا وقع قنوته فی موضعه بیقین لا یکرر لان تکراره غیر مشروع۔ شرح المنیة۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰ باب الوتر والنوافل) ؎۲

؎۱ قال ابن الهمام: وفی بعض الحواشی قال بعضهم لو صلاه بجماعة فی غیر رمضان له ذلک وعدم الجماعة فیها فی غیر رمضان لیس لانه غیر مشروع بل باعتبار انه یستحب تاخیره الی وقت یتعذر فیه الجماعة۔ (فتح القدیر ج۱ ص۴۰۹ فصل فی قیام رمضان)

؎۲ قال ابن نجیمؒ: المسبوق برکعتین فی الوتر فی شهر رمضان اذا قنت مع الامام فی الرکعة الاخیرة من صلوة الامام حیث لا یقنت فی الرکعة الاخیرة اذا قام الی القضاء فی قولهم جمیعا، والفرق ان تکرار القنوت فی موضعه لیس بمشروع الی ان قال. فاما المسبوق فهو مامور بان یتابع الامام فصار ذلک موضعا له۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۱ باب الوتر والنوافل)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۶۱ الفصل السادس عشر فی سجود السهو۔

ایک رکعت وتر پڑھنے والے امام کی اقتداء درست ہے

سوال: غیر حنفی امام کی اقتداء میں ایک وتر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر حنفی امام اگر دو رکعت کے بعد بغیر سلام کے تین وتر پورا کرتا ہو تو اس کی اقتداء درست ہے۔

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کا مقتضی ہے۔

لما قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی: یجوز اقتداء الحنفی بمن یسلم علی الرکعتین فی الوتر ویصلی معہ بقیۃ الوتر لان امامہ لا یخرج بسلامہ عندہ لانہ مجتہد فیہ۔ (البنایۃ شرح الھدایۃ ج۲ ص۵۶۱ باب صلوٰۃ الوتر)[1]

عشاء کی فرض نماز فاسد ہونے کی صورت میں وتر کی قضاء کا حکم

سوال: ایک شخص کو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز عشاء کی فرض رکعتیں فاسد ہوئی ہیں جبکہ وتر درست پڑھے تھے، تو قضاء کی صورت میں عشاء کی نماز میں سے صرف فرض پڑھے جائیں گے یا سنن و وتر کی قضاء بھی ضروری ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال آپس میں مختلف ہیں لیکن اصول افتاء کی رو سے امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ مناسب ہے۔

قال ابن عابدین: قال فی الفتاوی السراجیۃ: ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفۃ ثم قول ابی یوسف الخ وقیل اذا کان ابوحنیفۃ فی جانب وصاحباہ فی جانب فالمفتی بالخیار والاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتہداً۔ (شرح عقود رسم المفتی ص۴۱)

لہٰذا صرف فرض نماز کی جائے اور وتر کی نماز قضاء نہیں کی جائے کیونکہ ترتیب تو صرف

---

[1] قال العلامۃ محمد یوسف البنوری: ثم لو اقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعۃ الثانیۃ یتم صلوتہ وحدہ عندہم ثم اتم الوتر الحنفی عند ابی بکر الرازی وابن وھبان الخ (معارف السنن علی الترمذی جلد۴ ص۲۱۰ باب ما جاء فی فصل الوتر)

ومثلہ فی معارف السنن ج۴ ص۱۷۸ باب ما جاء فی الوتر۔

باب السنن والنوافل

(سنن اور نوافل کے مسائل)

فجر کی سنتیں زیادہ مؤکدہ ہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سنا ہے کہ صبح کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں، کیا پانچوں نمازوں کی سنتیں ایک جیسی ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب: فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ وقتہ نمازوں کی سنتوں میں سب سے زیادہ فجر کی دو رکعت سنتیں مؤکدہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاص مواظبت فرمائی ہے، اس کے بعد ظہر کی چار رکعت سنتیں ہیں جبکہ باقی سنتیں برابر ہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله: والسنن آکدها سنة الفجر اتفاقاً ثم الاربع قبل الظهر فی الاصح لحدیث من ترکها لم تنله شفاعتی ثم الکل سواء۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲ باب النوافل) ؎۱

سنن مؤکدہ کا ثبوت

سوال: فجر، ظہر، مغرب، عشاء اور جمعہ کی نماز میں سنن مؤکدہ کا ثبوت کس حدیث سے ثابت ہے اور کون سی کتاب میں موجود ہے؟

الجواب: سنن مؤکدہ کے بارے میں متعدد قولی اور فعلی احادیث وارد ہیں۔ نسائی کی

؎ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: فقوی السنن المؤکدة سنة الفجر حتی روی عن ابی حنیفة انها لا تجوز مع القعود بغیر عذر لقوله علیه الصلوة والسلام صلوها ولو طردتکم الخیل .... والاصح ان التی قبل الظهر آکد بعد الفجر ثم الباقی سواء۔ (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق ج۲ ص۴۸ باب النوافل)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۲۱۴ باب النوافل۔

روایت کے مطابق بارہ رکعات سنن مؤکدہ ہیں اور جمعہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی روایت کے مطابق چودہ سنتیں ہیں اور یہی راجح ہے جبکہ صاحبینؒ کے ہاں سولہ ہیں جس کو امام طحاویؒ نے راجح کہا ہے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ثابر علی ثنتی عشرۃ رکعۃ فی الیوم واللیلۃ دخل الجنۃ اربعا قبل الظہر ورکعتین بعدہا ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر۔

(النسائی ج ۱ ص ۲۵۰ باب ثواب من صلی فی الیوم واللیلۃ)

وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم فلیصل اربعا۔ (النسائی ج ۱ ص ۲۱۲ باب عدد الصلوۃ بعد الجمعۃ)

وعن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یصلی بعد الجمعۃ حتی ینصرف فیصلی رکعتین۔ (النسائی ج ۱ ص ۲۱۲ باب صلوۃ الامام بعد الجمعۃ) لیکن یہ دو رکعت صرف سنت ہیں مؤکدہ نہیں۔

والدلیل علی استنان الاربع قبل الجمعۃ ما رواہ مسلم مرفوعا من کان مصلیا قبل الجمعۃ فلیصل اربعا۔ (البحر الرائق باب النوافل ج ۲ ص ۴۹)۔[1]

جمعہ کے سنن کی تعداد اور آخری دو رکعات میں جمعہ کی نیت

سوال: جمعہ کی نماز میں آخری دو رکعت

---

[1] عن ام حبیبۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی له بیت فی الجنۃ اربعا قبل الظہر ورکعتین بعدہ ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلوۃ الغداۃ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص ۹۴ باب ما جاء فی من صلی فی یوم ولیلۃ ... الخ)

وروی عن ابن مسعود انه کان یصلی قبل الجمعۃ اربعا وبعدہا اربعا۔

وروی عن علی بن ابی طالب انه امر ان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین ثم اربعا۔

(الجامع الترمذی ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۱۹ باب ما جاء فی الصلوۃ قبل الجمعۃ وبعدہا)

ومثله فی فتح الملہم ج ۲ ص ۴۲۱ قبیل کتاب العیدین۔

سنت مؤکدہ ہیں یا نہیں؟ اس میں جمعہ کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں جمعہ کے سنن قبلیہ وبعدیہ کی تعداد کتنی ہے؟ بعض لوگ جمعہ کی نماز کی کل تعداد سولہ، بعض لوگ بارہ اور بعض دس رکعات بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آخری دو رکعت نہ پڑھے تو نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز جمعہ دو رکعت فرض، چار رکعت سنت مؤکدہ فرض نماز سے پہلے، چار رکعت سنت مؤکدہ فرض کے بعد اور اس کے بعد دو رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن مفتی بہ قول کی رو سے ان کا پڑھنا افضل ہے اور ان دونوں رکعات میں بھی جمعہ کی نیت کی جائے گی، ان دو رکعتوں کو بلا عذر چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے لیکن جمعہ کی نماز درست ہے۔ ہم کو یہ بات کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کی تعداد دس رکعات کے قائل ہیں وہ آخری دو رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل نہیں (جیسے امام ابوحنیفہؒ) اور جو لوگ بارہ رکعات کے قائل ہیں (جیسے صاحبینؒ) اُن کے نزدیک آخری دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ اور جو لوگ سولہ رکعات بتاتے ہیں ممکن ہے کہ وہ اس میں نوافل باحتیاط الظہر نماز شمار کرتے ہوں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: والدلیل علی استنان الاربع قبل الجمعة ما رواه مسلم مرفوعاً من کان مصلیاً بعد الجمعة فلیصل اربعاً مع ما رواه ابن ماجة عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرکع من قبل الجمعة اربعاً لا یفصل فی شیٔ منهن۔ وعلی استنان الاربع بعدها ما فی صحیح مسلم عن ابی هریرةؓ مرفوعاً اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعدها اربعاً وفی روایة اذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا اربعاً۔ وذکر فی البدائع انه ظاهر الروایة۔ وعن ابی یوسفؒ انه ینبغی ان یصلی اربعاً ثم رکعتین۔ وذکر محمدؒ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یمکث فی المسجد الجامع مقدار ما یصلی اربعاً او ستاً اھ وفی التجنیس والتجنیس وکثیر من المشائخ علی قول ابی یوسفؒ۔ وفی منیة المصلی الافضل عندنا ان یصلی اربعاً ثم رکعتین۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۹ باب السنن والنوافل)[1]

---

[1] قال الامام ابوبکر الکاسانی: فقد ذکر فی الاصل اربع قبل الجمعة واربع بعدها کذا ذکر الکرخی وذکر الطحاوی عن ابی یوسفؒ انه قال یصلی بعدها ستاً وقیل هو مذهب علیؓ وما ذکرنا انه کان یصلی اربعاً مذهب عبد اللہ بن مسعودؓ۔۔۔۔۔ ونحن لا نمنع من یصلی بعدها کم شاء غیر انا نقول السنة بعدها اربع رکعات لا غیر لما روینا۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۵ فصل اما الصلوٰة المسنونة)

[2] ومثله فی کبیری ص ۳۸۸ فصل فی النوافل۔

مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے

سوال :- ریاکاری سے بچنے کی نیت سے دن میں سنن زوائد کے چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- ریاکاری سنن، نفل اور فرائض تمام عبادات میں حرام ہے، ریاکاری سے بچنے کے بہانے سے چھوڑنا مناسب نہیں، اس کا احتمال تو فرض نماز میں بھی ہو سکتا ہے، بہرحال فرض کا ترک کرنا کسی صورت میں جائز نہیں، نوافل رات دن میں مکروہ اوقات کے علاوہ ہر حالت میں جائز ہیں جس کی تفصیل سے فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

وفی الهندیة: ثلاث ساعات لا تجوز فیها المکتوبة ولا صلوة الجنازة ولا سجدة التلاوة اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارها الی ان تغیب الا عصر یومه ذلک فانه یجوز اداؤه عند الغروب هکذا فی فتاوی قاضی خان۔

وقال بعد عدة اسطر: والتطوع فی هذه الاوقات یجوز ویکره کذا فی الکافی وشرح الطحاوی۔ (الهندیة ج۱ کتاب الصلوة الباب الاول فی مواقیت الصلوة)

نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنے کا حکم

سوال :- نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل کی فضیلت کی روایت ثابت ہے؟ اس کے وقت کا صحیح تعین اور حکم بیان فرمائیں؟

الجواب :- نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے، اور اس کا صحیح وقت عصر کی نماز کے وقت سے شروع ہوتا ہے، البتہ یہ نفل عصر کی نماز سے قبل

وفی بدائع الصنائع: اما الذی یکره التطوع فیها بمعنی یرجع الی الوقت فثلاثة اوقات منها ما بعد طلوع الشمس الی ان ترتفع وتبیض والثانی عند استواء الشمس الی ان تزول والثالث عند تغیر الشمس وهو احمرارها الی ان تغرب الشمس ففی هذه الاوقات یکره کل تطوع فی جمیع الازمان یوم الجمعة وغیره وفی جمیع الاماکن بمکة وغیرها وسواء کان تطوعا مبتدأ لا سبب له او تطوعا له سبب کرکعتی الطواف ورکعتی تحیة المسجد ونحوهما الخ (بدائع الصنائع ج۱ فصل فی بیان ما یکره فی التطوع)

پڑھے جائیں گے۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ امرءً صلی قبل العصر اربعا۔ (الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ما جاء فی الاربع قبل العصر) ۔ ۱

نمازِ عصر سے پہلے نفل جماعت سے خاص نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص نمازِ عصر باجماعت ادا ہو جانے کے بعد انفرادی نماز پڑھنے سے پہلے نفل ادا کرے تو کیا اس کی نفل نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ اور نفل کی ادائیگی کے لیے جماعت میں شرکت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ عصر سے قبل چار سنتیں پڑھنا افضل ہے، چاہے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہو یا انفرادا پڑھ رہا ہو، شریعت مقدسہ میں جماعت یا غیر جماعت کی کوئی قید نہیں، تاہم اگر چار کے بجائے دو رکعت پڑھے تو بھی کافی ہے لیکن اصفرار کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویستحب اربع قبل العصر ... وقال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ: لم یجعل للعصر سنۃ راتبۃ لانہ لم یذکر فی حدیث عائشۃ المار۔ قال فی الامداد وخیر محمد بن الحسنؒ والقدوری المصلی بین ان یصلی اربعا او رکعتین قبل العصر لاختلاف الآثار۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳ مطلب فی السنن والنوافل) ۔ ۲

عصر سے پہلے سنتیں وتر نماز کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص نمازِ عصر سے پہلے نفل پڑھنا

---

۱ ـ قال ابن نجیمؒ: وندب الاربع قبل العصر ...... الخ وقال بعد ثلاثۃ اسطر: وروی ابوداؤد عنہ (ای عن علی رضی اللہ عنہ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبل العصر رکعتین فلذا خیرہ فی الاصل بین الاربع وبین الرکعتین والافضل الاربع الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۵۳ باب النوافل)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳ مطلب فی السنن والنوافل)

۲ ـ وفی الھندیۃ: وخیر محمد فی الاصل بین الاربع والرکعتین قبل العصر والعشاء والافضل الاربع فی کلیھما۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۱۲ باب النوافل)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۵۳ باب النوافل۔

شروع کرے لیکن جماعت کھڑی ہونے کی وجہ سے اسے توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جائے تو کیا عصر کی نماز کے بعد یہ نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس پر لزوم النفل بالشروع کے قاعدہ کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ نفل نماز توڑنے سے بقاعدۂ لزوم النفل بالشروع واجب ہو جاتی ہے، لیکن یہ واجب لغیرہ کے حکم میں ہے اور عصر کی نماز کے بعد جیسا کہ نفل نماز نہیں پڑھی جا سکتی ہے ایسا ہی واجب لغیرہ کی ادائیگی بھی جائز نہیں لہٰذا کسی دوسرے صحیح وقت میں پڑھے۔

وفی الہندیۃ: لو افتتح صلوٰۃ النفل فی وقت مستحب ثم افسدها فقضاها بعد صلوٰۃ العصر قبل مغیب الشمس لا یجزیه هکذا فی محیط السرخسی۔ انتہی۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۳ کتاب الصلوٰۃ، فصل الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوٰۃ...الخ)

اصفرارِ شمس کے وقت نمازِ عصر سے پہلے نفل پڑھنا

سوال:۔ اگر عصر اور مغرب کے درمیان وقت مختصر ہو تو ایسی صورت میں کیا عصر ضروری ہے یا اس سے پہلے نفل نماز پڑھنی چاہیئے؟

الجواب:۔ جب تک سورج کی روشنی متغیر نہ ہوئی ہو بلکہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو تو ایسے وقت میں عصر کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا جائز ہے۔ البتہ اگر سورج کی روشنی میں زردی کے اثرات شروع ہو چکے ہوں تو پھر وقت کی نماز پر اکتفاء کر کے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

قال الامام الکاسانی: والثالث عند تغیر الشمس وهو احمرارها واصفرارها الی ان تغرب ففی هذه الاوقات الثلاثة یکره کل تطوع فی جمیع الاماکن یوم الجمعة وغیره۔ وفی جمیع الاماکن بمکة وغیرها وسواء کان تطوعاً مبتدأً لا سبب له۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۹۶ فصل فی بیان ما یکره من التطوع)

۱؎ قال الحصکفی: وکره نفل وکل ما کان واجباً لا لعینه بل لغیره کمنذور والذی شرع فیه فی وقت مستحب او مکروه ثم افسده ولو سنة الفجر بعد صلوٰۃ فجر وصلوٰۃ عصر انتهی مختصراً۔ وقال ابن عابدین تحت هذه العبارة والکراهة هنا تحریمیة ایضاً کما صرح به فی الحلیة۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۳۷۵ کتاب الصلوٰۃ)

۲؎ قال برهان الدین المرغینانی: لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامها فی الظهیرة ولا عند غروبها لحدیث عقبة بن عامر قال ثلاثة اوقات نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نصلی فیها وان نقبر فیها موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوالها حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب۔ وقال بعد ... الا عصر یومه۔ (الهدایة ج۱ ص۶۸ فصل فی الاوقات التی تکره فیها الصلوٰۃ)

سنن قبل الظہر کی تعداد

سوال: زوال کے بعد صحیح حدیث کے مطابق کتنی رکعات پڑھنی چاہئیں؟

الجواب: صحیح حدیث کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زوال آفتاب کے بعد چار رکعات ادا کیا کرتے تھے جبکہ بعض روایات میں دو رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لیکن ان دو رکعات کو امام محمد اور ابن الہمام رحمہما اللہ نے تحیۃ المسجد پر محمول کیا ہے۔

عن علیؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعاً وبعدھا رکعتین

عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبل الظہر رکعتین وبعدھا رکعتین وبعد صلوٰۃ المغرب رکعتین فی بیتہ وبعد صلوٰۃ العشاء رکعتین وکان لا یصلی بعد الجمعۃ فی المسجد حتی ینصرف فیصلی سجدتین۔

قال محمدؒ ھذا تطوع وھو حسن وقد بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبل الظہر اربعاً اذا زالت الشمس ... الخ (موطا امام محمد ص۱۴۱)

وقال ابن الہمامؒ: ثم کان یصلی رکعتین تحیۃ المسجد [illegible] (فتح القدیر ج۱ ص۳۹۵ باب النوافل) اھ

لہ ذکر الامام ابو عیسی الترمذی عن علیؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعاً وبعدھا رکعتین۔ قال ابو عیسی والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم یختارون ان یصلی الرجل قبل الظہر اربع رکعات وھو قول سفیان وابن المبارک ... الخ

قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: قلت ھو قول سفیان والیہ ذھب ابو حنیفۃ واصحابہ۔ (معارف السنن ج۴ ص۱۰۵ باب ما جاء فی الاربع قبل الظہر)

وعن ابن عمرؓ قال صلیت مع النبیؐ رکعتین قبل الظہر ورکعتین بعدھا۔ (معارف السنن ج۴ ص۱۰۳)

قال ابن عابدینؒ وحمل ابن عمر تحیۃ المسجد۔

(منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ج۲ ص۵۳ باب النوافل)

مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نمازِ مغرب کے بعد دو رکعات نفل ادا کرے تو ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ نمازِ اوابین کے زمرے میں آسکتی ہے؟

الجواب:۔ نفل نماز مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت جائز ہے، مذکورہ وقت نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ دو رکعات صلوٰۃ اوابین میں شمار نہیں ہونگیں کیونکہ اوابین کی تعداد روایات میں چھ رکعات بتائی گئی ہے۔ تاہم اگر چار رکعات نفل سے دو سنن مؤکدہ چھ رکعات شمار کی جائیں تو یہ نماز اوابین میں شمار کی جاسکتی ہے، البتہ مستقلاً چھ رکعات اوابین پڑھنا بہتر ہیں۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب)

قال ملا علی قاریؒ تحت هذا الحدیث (قوله ست رکعات) المفهوم ان الرکعتین سوا تبتین داخلتان فی الست الی ان قال قال الطیبی فیصلی الموالیتین بتسلیمة وفی الباقی الخیار الخ۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج۳ ص۱۱۳ باب النوافل فصل ثانی)[۱]

مغرب کی دو رکعت سنتِ مؤکدہ کی نیت باندھ کر چار رکعت پڑھنے اور آخری دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص مغرب کی دو رکعت سنت مؤکدہ کی نیت باندھ کر دو رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ میں چار رکعت پڑھنے کا ارادہ کرے اور پھر آخری دونوں رکعات کے لیے کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر پڑھے تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

---

[۱] وقال الشیخ ابراهیم الحلبیؒ: وان تطوع بعد المغرب ست رکعات فهو افضل۔ لحدیث ابن عمرؓ انه علیه السلام قال من صلی بعد المغرب بست رکعات کتب من الاوابین وتلا انه کان للاوابین غفوراً۔ (کبیری ص۳۸۵ باب فضل فی النوافل)

ومثله فی الجامع الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ماجاء فی فضل التطوع الخ۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دو مسئلے قابلِ غور ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کیا سنت کی نماز کے ساتھ نفل نماز ملا کر سنت کے قعدہ اخیرہ میں تاخیر کرنے سے اس کی نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نفل نماز میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جہاں تک دوسرے مسئلے کا حکم ہے تو نفل نماز ابتداءً یا بناءً قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے تاہم کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعداً لا مضطجعاً الا بعذر ابتداءً وکذا بناءً بعد الشروع بلا کراهة فی الاصح کعکسه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶ باب الوتر والنوافل)[1]

اور پہلے مسئلے میں سنت کی ادائیگی درست ہو جائے گی البتہ سلام کی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب رہے گا۔

قال المرغینانیؒ: ولا یجب السهو الا بترک الواجب او تاخیره او تاخیر رکن ساهیاً۔ (الهدایة ج۱ ص۱۳۷ باب سجود السهو)

تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا

سوال: نمازِ تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: نمازِ تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: یجلس ندباً بین کل اربعة بقدرها کذا بین الخامسة والوتر

---

[1] وفی الهندیة: وحکم السهو فی الفرض والنفل سواء۔ وقال بعضنا مطلب ولا یجب السجود الا بترک واجب او تاخیره او تاخیر رکن او تقدیمه او تکراره او تغییر واجب بان یجهر فیما یخافت۔ وفی الحقیقة وجوبه بشیء واحد وهو ترک الواجب۔ (الهندیة ج۱ ص۱۲۶)

وفی الهندیة: واذا افتتح التطوع قائماً ثم اراد ان یقعد من غیر عذر فله ذلک عند ابی حنیفةؒ استحساناً۔ (الهندیة ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۸۹-۹۰ باب النوافل۔

ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلوة فرادى۔

(رد المحتار على هامش الدر المختار ج ۲ ص ۴۶ بحث صلوة التراويح)

وتر کے بعد دو رکعت نفل کی شرعی حیثیت

سوال:۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کی روایت سے ثابت ہیں یا نہیں؟ بصورت ثبوت کیفیت کا تعین فرمائیں کیا دیگر نوافل کی طرح بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب میں کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کے بارے میں قولی و فعلی دونوں قسم کی روایات وارد ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ہے: عن ام سلمة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين۔ (الجامع للترمذي ج ۱ ص ۶۱ ابواب الصلوة الوتر)

اور ابن ماجہ میں یہ اضافہ ہے: "خفيفتين وهو جالس"۔ (ابن ماجة ص ۸۴ باب ما جاء في الركعتين بعد الوتر جالسا)

لہٰذا یہ دو رکعات بلا شک و شبہ ثابت ہیں اور ابن ماجہ کی روایت کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں رکعات بیٹھ کر پڑھی ہیں۔ اس لیے فقہاء کرام کا ان کے افضل ہونے میں اختلاف ہے بعض فقہاء ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل قرار دیتے ہیں جبکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اور دیگر محققین کی رائے کے مطابق چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر دو رکعت پڑھنا قولاً اور قصداً تھا اس لیے بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔

لما قال الشيخ انور شاه الكشميريؒ: يعني ان جلوسه فيهما اتفاقي او قصدي فذهب النووي الى الاول وعندي المختار هو الثاني لانهما لم تثبت عنه قائماً قط مع فعله في جميع عمره على الاتفاق مما

ل وقال ابن نجيم المصريؒ: وقد قالوا انهم مخيرون في حالة الجلوس ان شاؤا سبحوا وان شاؤا قرؤا القرآن وان شاؤا صلوا اربع ركعات فرادى وان شاؤا قعدوا ساكتين، واهل مكة يطوفون اسبوعاً ويصلون ركعتين واهل المدينة يصلون اربع ركعات فرادى۔ وبهذا علم انه مؤذن بالاشتغال بعد كل ترويحة بل قوله يصلون بالنكات اولى۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۶۹ باب النوافل)

ومثله في غنية المستملي ص ۴۰۳ باب النوافل۔

یصلیہما ابتداءً۔ (فیض الباری ج۲ ص۴۲۶ باب الدوام علی رکعتی الفجر) لہ

نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں درود اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نوافل اور سنن کے قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد پر اکتفا کرنا چاہیے یا اس کے ساتھ درود شریف بھی ملانا ضروری ہے؟ ایسا ہی تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد ثناء اور تعوذ ضروری ہے یا فرض نماز کی طرح فاتحۃ الکتاب سے شروع کیا جائے گا؟

الجواب:۔ سنن مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ نہیں پڑھا جائے گا، اس کے علاوہ دوسرے نوافل میں ہر شفع (یعنی دو دو رکعت) مستقل نماز ہے، اس لیے ہر شفع کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء و تعوذ پڑھنا چاہیے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا الی ان قال ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا لانھا لتأکدھا اشبہت الفریضۃ وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذراً لان کل شفع صلاۃ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷ باب السنن والنوافل) لہ۲

سنن زوائد میں قعدۂ اولیٰ کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نماز عصر و ظہر کی چار رکعات میں قعدۂ اولیٰ کے تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں کھڑے ہو کر ثناء

لہ قال العلامۃ محمد یوسف البنوری: لو ثبتت الرکعتان بعد الوتر فالسنۃ فیہما جلوس دون القیام فان الجلوس فیہما تعبدی۔ (معارف السنن ج۴ ص۲۵۹ بحث رکعتین بعد الوتر)
ومثلہ فی عرف الشذی علی الترمذی ج۱ ص۱۰۶ باب ما جاء فی رکعتین بعد الوتر۔

لہ۲ قال ابن نجیمؒ: وفی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۹ باب السنن والنوافل)

پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز سنن مؤکدہ اور زوائد میں کوئی فرق ہے یا دونوں یکساں ہیں؟

الجواب: ظہر اور جمعہ کی سنن کے علاوہ باقی تمام چار رکعت والی سنن و نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء و تعوذ پڑھنا چاہیے کیونکہ نوافل میں ہر شفع مستقل نماز ہے جبکہ سنن مؤکدہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

قال الحصكفي: ولا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في القعدة الأولى في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها. وقال بعد سطر واحد: ولا يستفتح إذا قام إلى الثالثة منها، لأنها لتأكدها أشبهت الفريضة. وفي البواقي من ذوات الأربع يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويستفتح ويتعوذ ولو نذرا لأن كل شفع صلاة. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶ باب السنن والنوافل)[1]

سوال: سنن اور فرائض کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا

اگر کوئی شخص گھر میں ظہر کی سنن قبلیہ ادا کرکے مسجد جائے اور مسجد میں جماعت کھڑے ہونے سے پہلے دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھے تو کیا شرعاً اس کی کوئی ممانعت ہے یا نہیں؟

الجواب: سنن ظہر اور فرضوں کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے اور فقہاء کرام میں سے کسی ایک نے بھی اس وقت نفل پڑھنے کی ممانعت بیان نہیں کی ہے، بلکہ بعض محققین کی رائے کے مطابق شارع علیہ السلام سے ظہر کی چار رکعت سنت قبلیہ کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد ثابت ہے۔ تحیۃ المسجد کی صحت کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہیں البتہ اوقات مکروہہ میں ایسی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ تاہم سنن اور فرائض کے درمیان بلا عذر کسی ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہیے جو تحریمہ کے منافی ہو کیونکہ اس سے ثواب پر اثر پڑتا ہے۔

كما قال العلامة ابن الهمام: فالأولى أن لا يجعل حد يثبت من حديث

---

[1] قال ابن نجيم: وفي المجتبى وفي الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في القعدة الأولى ولا يستفتح إذا قام إلى الثالثة بخلاف سائر ذوات الأربع من النوافل. (البحر الرائق ج۲ ص۳۹ باب النوافل)
ومثله في الهندية ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل.

سنتیں نہ پڑھنے والے کا حکم

سوال: اگر سنن مؤکدہ یا غیر مؤکدہ نہ پڑھی جائیں تو نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سنن مؤکدہ سفر میں بعذر شرعی چھوڑنا جائز ہے، ورنہ سنن مؤکدہ کو چھوڑنا موجب عتاب ہے۔ سنن فرائض کے مکملات ہیں، اگر یہ سنن نہ پڑھنے کی وجہ سے فرائض ادھورے رہ جاتے ہیں، ترک پر مداومت کرنا علاوہ ثواب کے حرمان ہے۔

قال ابن نجیم رحمہ اللہ: رجل ترک سنن الصلوٰۃ الخمس ان لم یر السنن حقاً فقد کفر لانہ ترکہا استخفافاً وان رآہا حقاً منہم من قال لا یأثم والصحیح انہ یأثم لانہ جاء الوعید بالترک. وقال بعضہم ان السنۃ المؤکدۃ بمنزلۃ الواجب فی الاثم بالترک الی ان قال وانہ لا یجوز ترک السنن المؤکدۃ وتوصي وحدہ وہو احوط.

(البحر الرائق ج ٢ ص ٤٣ باب الوتر والنوافل)

نفل کی بجائے قضا نمازوں کی ادائیگی بہتر ہے

سوال: اگر ایک شخص کے ذمہ فوت شدہ فرض نمازیں ہوں تو اس کے لیے نفل پڑھنا افضل ہے یا قضاء نمازیں؟

الجواب: جب فوت شدہ نمازوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز کی قضا کرے، تو ایسی صورت میں نوافل پڑھنے سے قضا نماز کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔

وفی الہندیۃ: وفی الحجۃ والاشتغال بالفوائت اولیٰ واہم من النوافل الا السنن المعروفۃ وصلوٰۃ الضحیٰ وصلوٰۃ التسبیح والصلوٰۃ التی رویت فی الاخبار فیہا سور معدودۃ واذکار معہودۃ فتلک بنیۃ النفل وغیرہا

---

[١] وفی الہندیۃ: رجل ترک سنن الصلوٰۃ ان لم یر السنن حقاً فقد کفر لانہ ترکہا استخفافاً وان رآہا حقاً فالصحیح انہ یأثم لانہ جاء الوعید بالترک کذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ١ ص ١١٢ باب النوافل)

ومثلہ فی کبیری ص ٣٨٩ باب النوافل (فروع)

بنیۃ القضاء کذا فی المضمرات۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۲۵ باب قضاء الفوائت) ملے

تہجد کی رکعات کی تعداد

سوال: نماز تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی نماز مختلف اوقات میں مختلف رکعات کے ساتھ ثابت ہیں، قلیل کم از کم دو رکعت اور اکثر زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات مروی ہیں، کیونکہ اکثر اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھی ہیں اسلئے بعض محققین نے اکثر کی تعداد آٹھ رکعات نقل کی ہیں جبکہ بارہ سے زیادہ روایت بھی ثابت ہے۔

لما ذکرہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری: ان عبد اللہ بن عباس اخبرہ انہ بات عند میمونۃ زوج النبیؐ وھی خالتہ قال عبد اللہ فقمت فصنعت مثل ما صنع ثم ذھبت فقمت الی جنبہ فوضع رسول اللہ یدہ الیمنی علی رأسی واخذ باذنی یفتلھا فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاء المؤذن فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلی الصبح۔ (الجامع البخاری ج۱ ص۱۳۵ ابواب الوتر باب ما جاء فی الوتر) ملے

ملے قال ابن عابدینؒ: واما النفل فشأن فی المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل۔ (رد المحتار ج۲ ص۷۳ باب قضاء الفوائت)

ومثلہ فی فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۱ ص۷۴۲ کتاب الصلوٰۃ باب قضاء الفائتۃ۔

ملے قد ذکرہ الامام البیہقی عن کریب مولی ابن عباسؓ ان عبد اللہ بن عباسؓ اخبرہ انہ بات عند میمونۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی خالتہ اخ قال عبد اللہ فقمت فصنعت مثل ما صنع ثم ذھبت فقمت الی جنبہ فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ الیمنی علی رأسی واخذ باذنی یفتلھا فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین قال القعنبی ست مرات ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاء المؤذن فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلی الصبح۔

(السنن الکبریٰ ج۳ ص۷ باب عدد رکعات قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج۱ ص۔ نماز وتر۔

تہجد کی جماعت کا حکم

سوال :- تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہمیشہ کے لیے یا کبھی کبھار؟ اور کتنے لوگ جمع ہو کر بلا کراہت جماعت سے ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب :- تہجد کی نماز نفل ہے اور نفل نماز میں ایک یا دو آدمی امام کے پیچھے اقتدا کریں تو کبھی کبھار بلا تداعی بغیر کراہت کے جائز ہے، البتہ اگر مقتدی تین سے زائد ہوں تو احناف کے ہاں بالاتفاق مکروہ ہے، اور تین کی صورت میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض کے نزدیک تین سے کم کی طرح بلا کراہت جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بأن یقتدی اربعۃ بواحد۔ قال ابن عابدینؒ تحت ہذہ العبارۃ: اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکرہ وثلاثۃ بواحد فیہ خلاف وایضاً قال فوق ہذہ العبارۃ: ویمکن ان یقال: الظاہر ان الجماعۃ فیہ غیر مستحبۃ۔ ثم ان کان ذلک احیاناً کما فعل عمر کان مباحاً غیر مکروہ۔ وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروہۃ خلاف المتوارث۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۸ بحث صلوٰۃ التراویح)

نماز تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا افضل ہے

سوال[1] :- نماز تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص رات کو صرف چند رکعات نفل پڑھے اور وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے تو اس سے تہجد پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاری: ولا یصلی تطوعاً بجماعۃ الا قیام رمضان وحکی عن شمس الائمۃ السرخسیؒ ان التطوع بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ، اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدی ثلاثۃ بواحد ذکر خواہر زادہ رحمہ اللہ ان فیہ اختلاف المشائخ، قال بعضہم واذا اقتدی اربع بواحد کرہ بلا خلاف۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۶۶ باب التطوع)

ومثلہ فی کبیری ص۳۹۴ باب التراویح۔

الجواب: تہجد وہ نفل نماز ہے جو عشاء کی نماز کے بعد نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے ساتھ آخر میں وتر ملا کر پڑھے جائیں تو بہتر ہے، تاہم اگر اس کے ساتھ آخر میں وتر نہ ملائے جائیں تو بھی تہجد پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن نافع ان ابن عمرؓ قال من صلی من اللیل فلیجعل آخر صلوته وترا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأمر بذلک۔ (النسائی ج۱ ص۲۴۸ باب وقت الوتر) له

سوال ۷: اگر کوئی رات کے آخری حصے میں نیند سے اٹھنے کے بعد قضا نماز کی ادائیگی کرے تو اس کو تہجد کی نماز کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضا کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: لان التہجد ازالة النوم۔ وقال بعض سطور وحیث ان التہجد لا یحصل الا بالتطوع فلو نام بعد صلوة العشاء ثم قام فصلی فوائت لا یسمی تہجدا وتردد فیه بعض الشافعیة قلت والظاہر ان تقییده بالتطوع بناء علی الغالب وانه یحصل بای صلوة کانت لقول الحدیث المار وما کان بعد صلوة العشاء فهو من اللیل۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۴ مطلب فی صلوة اللیل)

سوال: اگر مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھے تحیۃ المسجد دوسری نماز کے ضمن میں بھی ادا ہو سکتی ہے؟

له اخرج الامام الترمذی: عن مسروق انه سأل عائشة عن وتر النبی صلی اللہ علیه وسلم فقالت من کل اللیل قد اوتر اوله واوسطه وآخره فانتهی وتره حین مات فی وجه السحر۔ (الجامع الترمذی جلد ۱ ص۱۰۳ باب ما جاء فی الوتر من اول اللیل وآخره)۔

کان ابو بکر یوتر ثم ینام ثم یقوم فیتہجد وعمر کان ینام قبل ان یوتر ثم یقوم ویصلی ویوتر فقال النبی لابی بکر اخذت بالحزم وقال لعمر اخذت بالقوة۔ (مجموعة الفتاوی اردو ص ۳۳۱/۱۴ کتاب الصلوة تراویح وتہجد)

کی بجائے کسی دوسری نماز کی سنن یا قضا میں مشغول ہو جائے تو کیا اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس دوسری نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت نہیں کی گئی ہو، بہشتی زیور میں ثواب ملنے اور حنفی نماز کامل میں نہ ملنے کا لکھا ہے، لہٰذا جو راجح ہو وضاحت فرمائیں؟

الجواب: تحیۃ المسجد مسجد میں داخل ہونے کے وقت دو رکعات پڑھنے سے عبارت ہے اور روایات کی رو سے یہ سنت ہے، اگر مستقل دو رکعات ادا کی جائیں تو بہتر ہے ورنہ سنن وقتیہ کے ضمن میں بھی نماز تحیۃ المسجد ادا ہو سکتی ہے۔ خیال رہے کہ تحیۃ المسجد مکروہ اوقات میں فقہ حنفی کی رو سے جائز نہیں، ایسے اوقات میں تحیۃ المسجد کی جگہ تسبیح و تہلیل اور درود شریف سے تحیۃ المسجد کا ثواب ملتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویسن تحیۃ المسجد وھی رکعتان وأداء الفرض أو غیرہ وکذا دخوله بنیة فرض أو اقتداء ینوب عنها بلا نیة۔ وقال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة: إذا دخله (أي المسجد) بعد الفجر أو العصر فإنه یسبح ویهلل ویصلی على النبي صلى الله عليه وسلم فإنه حینئذ یؤدی حق المسجد كما إذا دخل للمكتوبة فإنه غیر مأمور بها حینئذ كما في التمرتاشي۔ وقال بعد عدة أسطر: قال في الحلية لو اشتغل داخل المسجد بالفريضة غير ناوٍ للتحية قامت تلك الفريضة مقام تحية المسجد لحصول تعظيم المسجد كما في البدائع۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۸ باب السنن والنوافل)[1]

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنے کا حکم

سوال: صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں تسبیحات پڑھنے میں کافی وقت لگتا ہے ایسی حالت میں کیا دوسری نمازوں کی طرح ہاتھ کھول کر چھوڑنا چاہیے یا ہاتھ باندھنا بہتر ہے؟

الجواب: ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون نہ ہو تو اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے

---

[1] قال العلامة الشرنبلاليؒ: وسن تحية المسجد بركعتين يصليهما في غير وقت مكروه قبل الجلوس... إلى أن قال: وأداء الفرض ينوب عنها قاله الزيلعي وكذا كل صلوة أداها عند الدخول بلا نية التحية لأنها لتعظيمه وحرمته وقد حصل ذلك بما صلاه ولا تفوت بالجلوس عندنا۔ (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي، فصل في تحية المسجد ص ۲۰۲)

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں اگرچہ ذکرِ مسنون یعنی تسبیحات ہیں لیکن قیام کے لیے قرار نہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے بلکہ ارسال ہوگا۔

قال العلامۃ الشیخ احمد الطحطاوی، تحت قول المصنف (ولیس وضع الرجل یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ) ما نصہ وذٰلک فرغ من التکبیر للاحرام بلا ارسال ویضع فی کل قیام من الصلوٰۃ ولو حکماً فدخل القاعد وکذا فی ذٰلک القیام ان یکون فیہ ذکر مسنون وما لا فلا کما فی السراج وغیرہ وقال محمدؒ لا یضع حتی یشرع فی القرأۃ فھو عندھما سنۃ قیام فیہ ذکر مشروع وعندہ سنۃ للقرأۃ فیرسل عندہ حالۃ الثناء والقنوت وفی صلوٰۃ الجنازۃ وعندھما یعتمد فی الکل الی ان قال فان قیل القومۃ من الرکوع ذکر مشروع وھو التسمیع والتحمید فینبغی ان یضع فیھا علی قولھما اجیب بان المراد قیام لہ قرار فیہ ذکر مسنون یراجع۔
(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۴۰ فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ) لہ

استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ

سوال:۔ استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ کیا ہے اور کس وقت پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استخارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کام کا ارادہ کرے جس میں ضرر اور نفع دونوں کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں نمازِ عشاء کے بعد دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے، نماز کے بعد پوری توجہ سے یہ دعا پڑھے

اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب۔ اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھٰذا الامر خیر لی فی دینی ومعیشتی وعاقبۃ امری او قال فی عاجل امری وآجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ قال ویسمی حاجتہ۔ (جامع الترمذی ج۱ ص۱۰۹ باب ما جاء فی الاستخارہ)

لہ قال العلامۃ خسرو الحنفیؒ: فالحاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون ففیہ الوضع وکل قیام لیس کذٰلک ففیہ الارسال۔ (درر الحکام ج۱ ص۷۲ باب صفۃ الصلوٰۃ)

اور جب ہفتہ کا دن پورا ہو چکے تو متعلقہ کام کی طرف توجہ کر کے دل میں لائے ایسے عمل کے بعد جس جانب دل کا میلان ہوا تو اس کو اختیار کرے۔ اگر ایک دفعہ کرنے سے اطمینان حاصل نہ ہو تو سات دفعہ تک یہ عمل کرے۔ متعدد بار کرنے سے تردد و شک نہیں رہے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفی الحلیۃ ویستحب افتتاح ھذا الدعاء وختمہ بالحمد والصلوٰۃ۔ وفی الاذکار انہ یقرأ فی الرکعۃ الاولیٰ الکافرون وفی الثانیۃ الاخلاص اھ۔ وعن بعض السلف انہ یزید فی الاولیٰ "وربک یخلق ما یشاء ویختار" الیٰ "یعلنون" وفی الثانیۃ "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ" الآیۃ وینبغی ان یکررھا سبعاً لما روی ابن السنی یا انس اذا ھممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الیٰ قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوٰۃ استخار بالدعاء اھ۔ وفی شرح الشرعۃ المسموع من المشائخ انہ ینبغی ان ینام علیٰ طہارۃ مستقبل القبلۃ بعد قراءۃ الدعاء المذکور فان رأی فی منامہ بیاضاً او خضرۃ فذلک الامر خیر وان رأی فیہ سواداً او حمرۃ فھو شر ینبغی ان یجتنب اھ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۷ مطلب فی رکعتی الاستخارۃ)

نفل نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا

سوال: نفل نماز پڑھنے کی کیفیت کیا ہے؟ کیا بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے نماز پوری ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے البتہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ میں نصف ہوتا ہے۔

قال الامام البخاریؒ: عن عمران بن حصین قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرجل وھو قاعد فقال من صلی قائماً فھو افضل ومن صلی قاعداً فلہ نصف اجر القائم۔ الحدیث۔

(الجامع الصحیح البخاری ج۱ ص۱۵۰ ابواب تقصیر الصلوٰۃ)

جبکہ معذور کو بیٹھ کر پڑھنے سے پورا ثواب ملے گا۔

قال ملا علی القاری الحنفیؒ: ویتنفل مع قدرتہ علی القیام قاعداً لا

مضطجعاً إلا بعذر ابتداءً وكذا بناءً بعد الشروع بلا كراهة كعكسه ـ

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶ باب السنن والنوافل) لـه

عالم دین کے لیے سنتیں چھوڑنا جائز ہے

سوال:۔ کیا کوئی عالم دین یا مفتی لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے سنتوں کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لوگوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی تعلیم و تعلم کے لیے شریعت مقدسہ نے ایک عالم دین کو اس مشغولیت کی بناء پر سنتیں چھوڑنے کی اجازت دی ہے لیکن فجر کی سنتیں چھوڑنے کی اس کو بھی اجازت نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ولا يجوز تركها لعالم صار مرجعاً في الفتاوى بخلاف باقي السنن فله تركها لحاجة الناس إلى فتواه۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲ باب النوافل) ۲ـه

حاجی نفل نماز حرم شریف میں پڑھے یا ڈیرہ میں؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا حج پر جانے کا ارادہ ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک حاجی کیلئے نفل نماز حرم شریف میں پڑھنا افضل ہے یا وہ اپنے ڈیرہ میں نفل نماز ادا کرے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ نفل نماز اپنی رہائش گاہ میں ادا کی جائے لیکن حرمین شریفین کی شرافت و عظمت کی بناء پر حاجی کیلئے نفل نماز حرمین شریفین میں پڑھنا افضل ہے اسلئے کہ حاجی کو یہ شرف کسی اور جگہ حاصل نہ ہوگا۔

لما قال العلامة ملا علي القاري: والظاهر أن الكعبة والروضة الشريفة تستثنيان للغرباء لعدم حصولهما في مواضع أخر فتغتنم الصلاة فيهما قياساً على ما قالوا أن الطواف للغرباء أفضل من الصلاة النافلة۔ (مرقاة ج۳ ص۱۸۱ كتاب الصلوة)

له قال ابن نجيم المصري رحمه الله: ويتنفل قاعداً مع قدرته على القيام ابتداءً وبناءً وفي حكمه إجماع العلماء وبعد صحة الشروع قال وأما إذا صلاه مع عجزه فلا ينقص عن ثوابه قائماً۔ (البحر الرائق جلد۲ ص۶۲ باب النوافل)

۲ه قال العلامة ابن عابدين: (فله تركها) الظاهر أن معناه أنه يتركها وقت اشتغاله بالإفتاء لأجل حاجة الناس المجتمعين عليه وينبغي أنه يصليها إذا فرغ في الوقت وهي المتفرقة بين سنة الفجر وغيرها الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۲)

عصر کی نماز کے بعد منذورہ نفل پڑھنا

سوال: ویسے تو عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز کی ادائیگی مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے نفل نماز کی نذر مانی ہو تو ان نوافل کو واجب ہونے کی بناء پر بعد از نماز عصر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا مکروہ ہے چاہے ان نوافل کا تعلق نذر شدہ نوافل سے ہو یا عام نوافل سے، اس لیے صورت مسئولہ کے مطابق عصر کی نماز کے بعد نفل نماز کی مانی ہوئی نذر کو کسی غیر مکروہ وقت میں ادا کیا جائے، عصر کے بعد ادا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة المرغيناني: ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب لما روي أنه عليه السلام نهى عن ذلك، ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة لأن الكراهة كانت لحق الفرض ليصير الوقت كالمشغول به لا لمعنى في الوقت فلم تظهر في حق الفرائض وفيما وجب لعينه كسجدة التلاوة وظهر في حق المنذور لأنه تعلق وجوبه بسبب من جهته. (الهداية ج۱ ص۸۵ فصل في الأوقات المكروهة، كتاب الصلوة)۔[۱]

تحیۃ الوضو پڑھنے سے قبل بیٹھنا

سوال: اگر کوئی شخص وضو کر کے مسجد میں آئے اور کچھ دیر کے لیے بیٹھ جائے پھر کھڑے ہو کر تحیۃ الوضو پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کر کے مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے قبل ہی دو رکعت نماز تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد پڑھے، تاہم اگر کسی عذر کی بناء پر پہلے بیٹھ کر پھر نماز پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

لقوله عليه السلام: إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس

---

[۱] لما في الهندية: ولو نذر أن يصلي في الوقت المكروه فأدى فيه يصح ويأثم ويجب أن يصلي في غيره۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲ كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثالث)

صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ رمضان المبارک میں صلوٰۃ تسبیح باجماعت پڑھتے ہیں اور خوب تاکید کر کے خصوصی طور پر لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کر کے یہ نماز جماعت سے پڑھنے کے لیے مسجد میں بلایا جاتا ہے، تو صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صلوٰۃ التسبیح کا باجماعت پڑھنا شارع علیہ السلام سے منقول نہیں ہے، اور چونکہ یہ نفل نماز ہے اور نفل نماز باجماعت پڑھنا خاص کر جب تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ، وفی الاصل للصدر الشہید اما اذا صلوا بجماعۃ بغیر اذان واقامۃ فی ناحیۃ المسجد لا یکرہ۔ وقال شمس الائمۃ الحلوانی: ان کان سوی الامام ثلاثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ ہکذا فی الخلاصۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۸۳ الباب الخامس فی الامامۃ الفصل الاول فی الجماعۃ من کتاب الصلوٰۃ)

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات رہ جانے سے نماز کا حکم

سوال: اگر کسی شخص سے صلوٰۃ التسبیح کی کسی رکعت میں تسبیحات رہ جائیں اور سلام پھیرنے سے قبل یاد آجائے کہ مجھ سے فلاں رکعت میں تسبیح رہ گئی ہیں تو کیا سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اگر سجدہ سہو نہ کرے تو کیا شرعاً یہ نماز صلوٰۃ التسبیح شمار ہوگی یا صرف نفل؟

الجواب: سجدہ سہو ترک واجب سے لازم ہوتا ہے، چونکہ تسبیحات واجب نہیں اس لیے ان کے رہ جانے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا، البتہ تسبیحات رہ جانے سے یہ نماز صرف نفل شمار ہوگی، صلوٰۃ التسبیح کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ کذا فی فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۸۱ باب النوافل۔

ل: شامی کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی چار ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے اور اگر مقتدی دو ہوں تو بلا کراہت جائز ہے لیکن جماعت کا ثواب پھر بھی نہ ہوگا۔ (رد المحتار علی الدر المختار جلد ۱ ص ۴۸۱۔ وفیہ ویکرہ علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد)

باب التراویح
(تراویح کے احکام و مسائل)

سحری کو تراویح پڑھنے کا حکم

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تراویح سحری کے وقت پڑھتے ہیں کیا سحری تک تراویح مؤخر کرنا مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب: مستحب یہ ہے کہ تراویح کو ثلث لیل یا نصف لیل تک مؤخر کیا جائے، سحری تک مؤخر کرنا اگرچہ صحیح قول کے مطابق مکروہ تو نہیں مگر اس سے اجتناب کرنا مناسب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: ويستحب تأخيرها الى ثلث الليل او نصفه ولا تكره بعده في الاصح۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴ باب الوتر والنوافل) [1]

تراویح سنت مؤکدہ ہیں

سوال: نماز تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ موجودہ وقت میں جس اہتمام سے ہم تراویح پڑھتے ہیں دور رسالت یا خلفاء راشدین کے دور میں اس کی حیثیت کیا تھی؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہیں البتہ باقاعدہ اہتمام کی ثابت نہیں کی ہے کیونکہ آپ کے اہتمام سے امت پر فرض ہو جانے کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے بوجہ عذر چھوڑ دیا، البتہ خلفاء راشدین کے دور میں یہ عذر باقی نہ رہا تو خلفاء راشدین نے باقاعدہ اہتمام سے تراویح پڑھی ہیں، بناء بریں مواظبت تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي: والتراويح سنة مؤكدة لان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اقامها في ليالي...... وواظب عليها الخلفاء الراشدون وجميع المسلمين من زمن عمر الى يومنا هذا. ان ابا يوسف سأل ابا حنيفة عنها وما فعله عمر فقال: التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به الا عن اصل لديه وعهد من

---

[1] قال العلامة ابن عابدين: وما في الحلية من الصحيح انه لا بأس بالتأخير الا بان يبنى على كراهة التنزيه. (رد المحتار ج۲ ص۴۴ باب الوتر والنوافل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۶۸ فصل فی التراویح)

بیس رکعات تراویح کا ثبوت

سوال:- بیس رکعات تراویح کی دلیل کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کن وجوہات کی بنا پر اس کو حیثیت دی؟

الجواب:- رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے جس پر آج تک تعامل چلا آرہا ہے، جہاں تک تعداد رکعات کا تعلق ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے علاوہ اکثر خلفاء راشدین کا متوارث طریقہ ہے۔ جب خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات تراویح ایک قاری کی اقتداء میں پڑھنے کا حکم دیا تو اس دور کے صحابہ میں کسی نے آپ پر نکیر نہیں کی گویا انہوں نے آپ کے فیصلہ پر اجماع کیا، اصولی طور پر یہ فیصلہ بھی مرفوع روایت کے حکم میں ہے، اس لیے کہ تعین کا عبادات میں خلاف قیاس بات کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انہوں نے یہ بات حضور سے سنی ہوگی۔ اس کے علاوہ پوری امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

قال ابن نجیم المصری: وقد سنه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد بين اليهما وقامها في بعض الليالي ثم تركها خشية ان تكتب على امته كما ثبت ذلك في الصحيحين وغيرهما ثم وقعت المواظبة عليها في اثناء خلافة عمر رضي الله عنه

له قال الحصكفي: التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين. قال ابن عابدين رحمه الله تحت قوله سنة مؤكدة صححه في الهداية وغيرها وهو المروي عن ابي حنيفة وذكر في الاختيار ان ابا يوسف سأل ابا حنيفة عنها وما فعله عمر فقال التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به الا عن اصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال تحت قوله لمواظبة الخلفاء الراشدين اي اكثرهم لان المواظبة عليها وقعت في اثناء خلافة عمر ووافقه على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم الى يومنا هذا بلا نكير۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۴۳ باب الوتر والنوافل)

ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص۶۵۴ الفصل الثالث عشر في التراويح۔

وواظبه على ذلك عامة الصحابة رضي الله عنهم كما هو مذكور في السنن ثم ما زال الناس من ذلك الصدر الى يومنا هذا على اقامتها من غير نكير وكيف لا وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ كما رواه ابو داود . واطلقه فشمل الرجال والنساء كما صرح به في الخانية والظهيرية . الخ

وقوله عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما في الموطأ عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً . وذكر العلامة الحلبيؒ ان الحكمة في كونها عشرين ان السنن شرعت مكملات للواجبات وهي عشرون بالوتر فكانت التراويح كذلك لتقع المساواة بين المكمل والمكمل انتهى .

(البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ تراويح في باب الوتر والنوافل) ۔ [1]

بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی حیثیت

سوال:۔ بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی کیا حیثیت ہے؟ بعض اقوال سے تضعیف کی طرف میلان معلوم ہوتا

---

[1] قال العلامة عالم بن علاء الانصاري : التراويح سنة مؤكدة توارثها الخلف عن السلف من لدن تاريخ رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا هكذا روى الحسن عن ابي حنيفة وقد واظب عليها الخلفاء الراشدون وقال عليه السلام عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي واقام بها ازواج النبي عليه السلام ۔
(الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۶۵۳ الفصل الثالث عشر في التراويح)

وعن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة . رواه البيهقي واسناده صحيح .
(آثار السنن ص ۲۵۰ باب في التراويح بعشرين ركعات)

ومثله في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۱ ص ۲۳۲ باب التراويح ۔

آثار السنن ص ۲۵۳ باب في التراويح بعشرين ركعة ۔۔

ہے۔ یا سند کے ضعیف ہونے سے بیس رکعات کی حیثیت متاثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اگر کسی نے ضعیف بھی کہا ہو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر جب اس پر خیر القرون کے زمانے سے مسلسل عمل ہو رہا ہو تو امت کے تواتر عملی سے وہ حدیث مضمون کے اعتبار سے قوی بن جاتی ہے پھر وہ ضعیف نہیں رہتی۔ یہ اصول حدیث کا مسلم اصول ہے۔

قال ابن عابدین: وأما ما رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی وعند البیهقی من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنهما انه صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبة متفق علی ضعفه مع مخالفته للصحیح اهـ. قلت اما مخالفته للصحیح فقد یجاب عنها بان ما فی الصحیح مبنی علی ما هو الغالب من احواله صلی اللہ علیه وسلم وهذا لبیان فعله ثم ترکه علیه الصلوٰة والسلام ذلک. ثم لم تذکره عائشة رضی اللہ عنها و ما تضمن من ذکر فقد یقال انه تما مر من نقل الاجماع علی سنتها من غیر تفصیل مع قول الامام رحمه اللہ ان ما فعله عمر رضی اللہ عنه لم یتخرجه من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعا ولم یأمر به الا عن اصل لدیه وعهد من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم تأمل منصفا.

(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۲ مطلب السنن والنوافل)[1]

مسئلہ: صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان جدا جدا نمازیں ہیں

سوال: صلوٰۃ اللیل (تہجد) یا قیام رمضان (تراویح) ایک ہی نماز

---

[1] وذکر علامة عبدالعلی بحرالعلوم: وروی ابن ابی شیبة عن ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر. قال الشیخ عبدالحق قالوا اسناده ضعیف وتعارضه حدیث ام المومنین ...... انه لا معارضة لان ام المومنین اخبرت بما علمت ولعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلی عشرین فی بیت ام المومنین میمونة وشاهد ذلک ابن عباس ومواظبة الصحابة علی عشرین قرینة صحة هذه الروایة. (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی التراویح)

کے نام ہیں یا جدا جدا نمازیں ہیں؟

الجواب: صلوٰۃ لیل اور تہجد کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت ہے۔

کما یعلم من قول ابن عابدینؒ: نعم صلوٰۃ اللیل وقیام اللیل اعم من التہجد۔ الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۳۲ مطلب فی صلوٰۃ اللیل)

البتہ قیام رمضان اور تراویح دونوں ایک ہیں۔

کما یعلم من صنیع برہان الدین المرغینانیؒ فی قیام رمضان: یستحب ان یجتمع الناس فی شہر رمضان بعد صلوٰۃ العشاء فیصلی بہم امامہم خمس ترویحات کل ترویحۃ بتسلیمتین الخ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۳۴ باب النوافل فصل فی قیام رمضان)[1]

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کا مقصد

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ تراویح کے متعلق ہے یا تہجد کے متعلق؟

الجواب: یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے تراویح کے متعلق نہیں ہے کیونکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں پڑھی جاتی ہیں لیکن تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں لہٰذا غیر رمضان تہجد پر دال ہے۔

بحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابی سلمۃ انہ اخبرہ انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان۔ فقالت ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنہن وطولہن۔ ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنہن ثم یصلی ثلاثاً۔ الخ

قال شیخ مشائخنا مولانا الگنگوہیؒ: کان السائل ظن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلہ کان یزید فی رمضان علی ما تہجد فی غیرہ فردّہ بقولہا ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ ای فی غالب الاحوال والاوقات فالغرض الانکار علی زیادۃ رکعات التہجد بخصوصیتہ رمضان فلا ینافی ما کان یصلیہ

---

[1] قال العلامۃ السید محمد یوسف البنوریؒ: وبالجملۃ فالمراد بقیام رمضان التراویح۔ (معارف السنن ج ۵ ص ۵۴۳ باب ما جاء فی قیام رمضان)

فی بعض الاحیان فوق احدی عشرۃ رکعۃ وکذا لا تعلق لہ بصلوٰۃ التراویح نفیاً ولا اثباتاً۔ (فتح الملہم ج۲ ص۲۹۱ باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبیؐ) [1]

فرض نماز پڑھے بغیر نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم

سوال: اگر کوئی امام رمضان المبارک میں فرض نماز پڑھے بغیر تراویح کی نماز پڑھائے تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جس امام نے خود فرض نماز نہیں پڑھی ہو تو تراویح میں اس کی اقتداء درست نہیں اور نہ خود اس کا ذمہ فارغ ہوتا ہے کیونکہ تراویح سے پہلے عشاء کی نماز کا پڑھنا ضروری ہے۔

لما فی الہندیۃ: فان وقتہا رای التراویح بعد اداء العشاء فتجب الاعادۃ اذا ادی قبل العشاء۔ (الہندیۃ ج۱ ص۱۱۵ فصل فی التراویح) [2]

تراویح میں شفعِ ثانیہ فاسد ہونے سے دو رکعات کی قضاء کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے چار رکعت تراویح کی نیت باندھی اور پھر تیسری یا چوتھی رکعت کے دوران سلام پھیر دیا یا شفعِ ثانیہ میں نماز فاسد ہو گئی تو وہ نفل کی طرح دو رکعت یا چار رکعت کی قضاء کرے گا؟

الجواب: واضح رہے کہ تراویح اگرچہ بذاتِ خود سنت ہیں لیکن چار چار رکعت پڑھنا سنت نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں صرف دو رکعت کی قضاء کرنا کافی

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ رمضان و غیر رمضان میں نہیں پڑھتے تھے..... اس کا تراویح کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ صرف تہجد کے متعلق ہے یعنی آپ تہجد میں اس سے زیادہ غالب اوقات میں نہیں پڑھتے تھے۔ (امداد الاحکام جلد ۱ ص۶۴۲ باب التراویح)

[2] قال الشیخ ابراہیم الحلبیؒ: وقال القاضی الامام النسفی: الصحیح ان وقتہا (ای التراویح) بعد العشاء لا یجوز قبلہا سواءً کانت بعد الوتر او قبلہ وعلیہ عامۃ ... (غنیۃ المستملی ص۴۰۳ باب التراویح)

ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۴۴ مبحث صلوٰۃ التراویح)

چھوڑتا۔

قال الحصکفیؒ: ونقض رکعتین لو نوی اربعاً غیر مؤکدۃ علی اختیار الحلبی وغیرہ۔ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثانی ای وتشہد للاول۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲ باب الوتر والنوافل)

لیکن شفع اولیٰ کا اعادہ ترک واجب کی وجہ سے ضروری ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ او الثانی) ای ولذا یقضی رکعتین لو اتم الشفع الاول بقعدتہ ثم شرع فی الثانی فنقضہ فی خلالہ قبل القعدۃ فیقضی الثانی فقط لتمام الاول لکن ینبغی اعادۃ الاول لترک واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سہو کما ہو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع ترک واجب۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲ باب الوتر والنوافل)[1]

چار رکعات تراویح قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے کا حکم

سوال: اگر چار رکعات تراویح قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھی جائیں اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا جائے تو کیا یہ چار رکعات ہیں یا دو رکعات شمار ہوں گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوسرا شفع اور قرأت دوبارہ پڑھے گا، یہ صرف دو رکعات شمار ہوں گی۔

وفی الہندیۃ: عن ابی بکر الاسکاف انہ سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیۃ قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویسلم، وان تذکر بعد ما سجد للثالثۃ فان اضاف الیہا رکعۃ اخریٰ کانت ہذہ الاربع عن تسلیمۃ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قولہ وقضی رکعتین لو نوی اربعاً وافسدہ بعد القعود الاول او قبلہ یعنی فیلزمہ الشفع الثانی ان افسدہ بعد القعود الاول والشروع فی الثانی، والشفع الاول فقط ان افسدہ قبل القعود بناءً علی انہ لا یلزمہ بتحریمہ النفل اکثر من الرکعتین وان نوی اکثر منہا وہو ظاہر الروایۃ عن اصحابنا الا بعارض الاقتداء۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۵۸ باب النوافل)

ومثلہ فی الفتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۲۳۷ باب التراویح فصل فی السجود۔

واحدة ۔ (الهندية ج۱ ص۱۱۶ فصل فی التراویح) لے

ترویحۂ خامسہ اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اولیٰ ہے

سوال: ترویحۂ خامسہ اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ قوم میں ضعیف لوگ بھی موجود ہوں اور تاخیر کرنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہو تو کیا نفل پڑھنا بہتر ہے یا ضعفاء کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب: اگر قوم کے ضعفاء کو انتظار کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو نفل پڑھنے کی بجائے جلدی وتر پڑھنے چاہئیں، کیونکہ نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اہم ہے۔

وفی الهندیة: ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة وکذا بین الخامسة والوتر کذا فی الکافی وهکذا فی الهدایة. ولو علم ان الجلوس بین الخامسة والوتر یثقل علی القوم لا یجلس هکذا فی السراجیة. (الهندیة ج۱ ص۱۱۵ فصل فی التراویح) ؎۲

تراویح کے درمیان بیٹھنے کی صورت میں سکوت بھی جائز ہے

سوال: چار رکعات تراویح کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اگر کسی کو وہ دعا یاد نہ ہو تو تسبیح وتہلیل پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص خاموش رہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چار رکعت تراویح کے بعد نفس بیٹھنا مستحب ہے، تسبیح وتہلیل ضروری نہیں، بہتر یہی ہے کہ یہ دعا پڑھے۔ سبحان ذی الملک والملکوت ... الخ، تو چاہیے کہ اگر دعا یاد نہ ہو تو تسبیح وتہلیل بھی پڑھ سکتا ہے اور خاموش رہنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

لے قال ابن نجیم المصریؒ: فلو صلی الامام التراویح بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة فظاهر الروایتین عن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ عدم الفساد، ثم اختلفوا هل تنوب عن تسلیمة او تسلیمتین، قال ابو اللیث تنوب عن تسلیمتین، وقال ابو جعفر وابن الفضل تنوب عن واحدة وهو الصحیح کذا فی الظهیریة والخانیة وفی المجتبی وعلیه الفتوی. (البحر الرائق ج۲ ص۶۸)

ومثله فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۲۳۳ فصل فی السهو.

؎۲ قال الحصکفیؒ: یجلس ندباً بین کل اربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادی. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶ باب التراویح)

قال الحصکفیؒ: ویجلس ندباً بین کل اربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلوٰة فرادیٰ. وقال ابن عابدینؒ: تحت هٰذه العبارة - قال القهستانیؒ: فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا یموت سبوح قدوس رب الملٰئکة والروح لا اله الا الله نستغفر الله نسئلک الجنة ونعوذ بک من النار.[1] (رد المحتار ج۲ ص۴۶ مبحث فی صلوٰة التراویح)

چار رکعات تراویح اور ظہر کی سنن قبلیہ کی ادائیگی میں فرق

سوال:- اگر کسی شخص نے نماز تراویح میں چار رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعت پر درمیانی تشہد بھول کر سجدۂ سہو کیا، کیا یہ چار رکعت شمار ہوں گی یا دو رکعات کے حکم میں رہیں گی؟ نیز ظہر کی سنن قبلیہ میں اگر قعدۂ اولیٰ رہ جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کیا جائے تو تراویح اور سنن مذکورہ کا ایک حکم ہے یا الگ؟

الجواب:- نماز تراویح میں چار رکعات کی نیت باندھ کر قعدۂ اولیٰ کے رہ جانے سے مفتی بہ قول کے مطابق تراویح ایک تسلیمہ یعنی دو رکعت سے شمار کی جائیں گی جبکہ سنن ظہر میں سجدۂ سہو کرنے سے نماز مکمل ہو جاتی ہے، گویا ظہر کے سنن کا حکم تراویح سے الگ ہے۔

لما فی الهندیة: ولو صلی اربعاً بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة فی الاستحسان لا تفسد وهو اظهر الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة هو الصحیح.

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح)

وفی الهندیة: ولو صلی الاربع قبل الظهر ولم یقعد علی رأس الرکعتین جاز استحساناً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل)

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وقد قالوا انهم مخیرون فی حالة الجلوس ان شاؤا سبحوا وان شاؤا قرؤا القرآن، وان شاؤا صلوا اربع رکعات فرادیٰ، وان شاؤا قعدوا ساکتین، واهل مکة یطوفون اسبوعاً ویصلون رکعتین واهل المدینة یصلون اربع رکعات فرادیٰ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۶۹ باب الوتر والنوافل)

وفی الهندیة: ومنها القعدة الاولیٰ حتی لو ترکها یجب علیه السهو۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۷ باب سجود السهو) ؎۱

تیس رمضان کو شوال ہونے کے احتمال پر تراویح پڑھنے یا پڑھانے کا حکم

سوال: ہمارے علاقے میں اکثر تیس رمضان کو شوال ہوتا ہے، اگر صحیح شہادت نہ ملے تو کیا رات کو تراویح کی نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ اگر پڑھنی چاہیئے تو معمول کے مطابق یا رات کے آخری حصہ میں؟

الجواب: تراویح رمضان المبارک کا وظیفہ ہے، جب عید الفطر کا حکم نہ ہوا ہو تو روزہ اور تراویح دونوں معمول پر ہوں گے۔ لہٰذا اگر شوال کا احتمال بھی ہو تو تراویح اپنے مقررہ وقت پر ادا کی جائیں گی، تاہم اگر آخری شب میں عید الفطر کا چاند دیکھنے کی خبر آجائے تو تراویح نوافل میں تبدیل ہو جائیں گی۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تصوموا قبل رمضان صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۳۰ باب ماجاء ان الصوم لرؤیة الهلال والافطار له) ؎۲

؎۱ قال العلامة حسن بن منصور الشهیر بقاضی خان: واذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمة واحدة ولم یقعد فی الثانیة فی القیاس تفسد صلوته وهو قول محمد وزفر ویلزمه قضاؤها بتسلیمة وهو روایة عن ابی حنیفة وفی الاستحسان وهو ظاهر الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف لا تفسد ..... قال الفقیه ابو جعفر والشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة۔ وکذا لو صلی الاربع قبل الظهر ولم یقعد علی رأس الرکعتین جاز استحساناً۔

(الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۲۳۹، ۲۳۴ فصل فی التراویح)

قال العلامة قاضی خان: اذا ترک القعدة الاولیٰ من ذوات الاربع والثلاث یلزمه السهو ولو ترک فی التطوع لا تفسد صلوته فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ویلزمه السهو۔

(الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۱۲۱ باب سجود السهو)

؎۲ وعن رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشهدا عند النبی صلی الله علیه وسلم بالله لأهلا الهلال امس عشیة فامر رسول الله صلی الله علیه وسلم الناس ان یفطروا زاد خلف فی حدیثه وان یغدوا الی مصلاهم۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۰ باب شهادة رجلین علی رؤیة هلال شوال، ومثله فی رسائل الارکان ص ۲۰۶ فصل یفترض علی المکلفین الا یصوموا [illegible]۔

حنفی المسلک آدمی کے لیے رمضان میں تراویح باجماعت پڑھانے کیلئے مستقل امام رکھنے کا حکم

سوال:- ہم مسلکاً زیدی مذہب امارات میں مقیم ہیں، وہ لوگ تراویح کی نماز بارہ رکعات پڑھتے ہیں، اگر ہم اپنے لیے یہاں رمضان میں حنفی امام رکھ کر مکان پر تراویح باجماعت پڑھنے کا انتظام کریں تو شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:- اگر قانونی طور پر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ایسا کرنا درست بلکہ بہتر ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ولو کان لکل مذہب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم او تأخر علی ما استحسنه عامة المسلمین وعمل به جمهور المؤمنین من اهل الحرمین والقدس ومصر والشام ولا عبرة بمن شذ منهم۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۶۳ باب الامامة، مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی الخ)

تراویح میں ختم قرآن کا حکم

سوال:- تراویح کی نماز میں ختم قرآن کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- تراویح کی نماز میں ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے، اور ایک سے زائد بار افضل ہے۔

قال الحصکفی رحمه الله: والختم مرة سنة ومرتین فضیلة وثلاثا افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶ باب التراویح) [1]

آٹھ رکعات تراویح میں مسنون ختم قرآن کا حکم

سوال:- جس قراءت سے بیس رکعات تراویح جلدی جلدی پڑھائی جاتی ہیں اگر وہی قراءت آٹھ رکعات میں آہستہ آہستہ پڑھ کر ختم کی جائے تو کیا اس سے کفایت ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- سنت ختم قرآن تو ادا ہو جائے گی مگر تراویح کی سنت ادا نہ ہو گی وہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: والجمهور علی ان السنة الختم مرة... الخ ومرتین فضیلة وثلاث مرات فی کل عشرة مرة افضل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۶۸)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۱۸ الباب التاسع فی النوافل فصل فی التراویح۔

میں بکر اپنی منزل پڑھے یوں ایک مسجد میں دو ختم قرآن ہو جائیں گے ؟

(ب) زید تراویح کی نماز میں قرآن مجید سناتا ہے جبکہ بکر فرض اور وتر کی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہتا ہے تاکہ دو ختم کریں، شرعاً ان دونوں صورتوں میں کونسی درست ہے ؟

الجواب: صورت مسئولہ میں پہلی صورت جائز ہے اور دوسری صورت خلاف سنت ہے کیونکہ تراویح میں قرآن مجید کا ختم کرنا سنت ہے، وتر یا فرائض میں یہ حکم نہیں، خاص کر یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ تطویل قرأت لوگوں کے لیے باعث زحمت ہو۔

قال الحصکفیؒ: والختم مرۃ سنۃ و مرتین فضیلۃ وثلاثاً افضل۔ وقال ابن عابدینؒ: تحت ھذہ العبارۃ ای قرأۃ الختم فی صلوٰۃ التراویح سنۃ۔ وصححہ فی الخانیۃ وغیرھا وقال بعد اسطر لکن فی الخانیۃ وغیرھا ملخصاً (مطلب فی تقصیص التراویح) (رد المحتار ورد المحتار ج ۲ مبحث صلوٰۃ التراویح)

تراویح میں کئی بار قرآن ختم کرنے کا حکم

سوال: ایک حافظ کسی مسجد میں ایک دفعہ ختم کرنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں ختم کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: ہاں کر سکتا ہے کیونکہ امام اور مقتدیوں سب کے لیے نماز تراویح سنت ہے اس میں اقتداء النفل بالنفل ہے لہٰذا مقتدیوں کی اقتداء درست ہے، اور یہ بات کہ ختم قرآن امام کے حق میں دوبارہ کسی قوم کے لیے پڑھنا فضیلت کے درجہ میں ہے اور مقتدیوں کے حق میں سنت ہے۔

علاوہ ازیں اقتداء سے پہلے قرأت نہ امام پر اور نہ مقتدیوں پر لازم ہے، اقتداء کرنے کے بعد امام پر بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ فرض ہے اور اب امام جتنی قرأت بھی پڑھے حتیٰ کہ دو ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کرے امام اور مقتدیوں کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ حافظ کو دوسری مسجد میں قرآن ختم کرنے سے مقتدیوں کے مسنون ختم پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

وفی خزانۃ الروایت: قد یدی بعض اھل معلم عن کنز لغاۃ وفی رجل ام قوماً

وقال العلامۃ قاضی خان: ولو قرأ بعض القرآن فی سائر الصلوٰۃ بان القوم یملون من القرأۃ فی التراویح فلا بأس بہ لکن یکون لھم ثواب الصلوٰۃ لا ثواب الختم وقد ذکرنا ان السنۃ ھی الختم فی التراویح۔ (فتاوی القاضی خان علی ھامش الھندیۃ جلد ا ص ۲۳۶ فصل فی مقدار القرأۃ فی التراویح)

ومثلہ فی رسائل الارکان ص ۱۳۷ فصل فی التراویح۔

فی التراویح وختم فیہا ثم أمّ قوماً اخریٰ له ثواب الفضیلة ولهم ثواب الختم۔
(مجموعة الفتاوی ج ۱ ص ۲۳۳ باب التراویح) له

تراویح کی دو رکعات فاسد ہونے سے مسنون ختم ادا نہیں ہوتا

سوال:- اگر ایک شخص نے تراویح میں قرآن سنا دیا ہو، دو رکعات میں قرآن مجید کا معتد بہ حصہ پڑھ کر اس کی نماز فاسد ہوگئی جس کی وجہ سے دوبارہ یہ دو رکعات ادا کرنی پڑیں، تو کیا اس فاسد نماز میں پڑھی ہوئی تلاوت کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- فاسد نماز میں جو قرأت کی گئی ہو اس کا ختم قرآن میں اعتبار نہیں ہوگا، اس کے لیے چاہیئے کہ یہ قرأت دوبارہ کی جائے ورنہ ختم قرآن ناقص رہے گا۔

لما في الهندية: واذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلوٰة الجائزة. قال بعضهم يعتد بها لان الغرض هو القراءة۔
(الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۱۱۸ فصل في التراويح) ۲ه

ختم قرآن میں بسم اللہ پر جہر کا حکم

سوال:- تراویح میں ختم قرآن مجید کی کسی سورت پر ایک دفعہ جہراً بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یا تمام سورتوں کی ابتداء میں اظہار ضروری ہے؟

الجواب:- احناف کے نزدیک سورۃ النمل کی آیت بسم اللہ کے علاوہ بسم اللہ پورے قرآن مجید سے مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فاصلہ اور فرق کے لیے نازل ہوئی۔

له قال الشيخ ظفر احمد العثماني: ومن ختم القرآن فيها أي مرة في الشهر على التعيين وهو قول الأكثر، قال الطحاوي ومرتين فضيلة وثلاثة في كل عشرة مرة أفضل، ثم قلت ولا يخفى يدل على فضيلة الختم ثلاثا مطلقا سواء كان في مسجد واحد أو في ثلاث مساجد في كل مسجد مرة۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۶۲۳ باب التراویح)
ومثله في كفاية المفتي ج ۳ ص ۳۶۹ باب التراويح۔

۲ه قال شيخ الإسلام أبو بكر الحداد: فإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلوٰة الجائزة، قال بعضهم يعتد بها۔
(الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۱۰۱ باب قيام رمضان)

خصوصاً جبکہ یہ ایک سورت کا جزء نہیں، لیکن قرآن سے نفس آیت ہونے کی وجہ سے کسی ایک مقام پر جہراً پڑھنا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کا کوئی حصہ بغیر جہر کے نہ رہے، اس بنا پر صورت مسئولہ میں اگر کسی ایک سورت کے ساتھ بسم اللہ جہراً پڑھی جائے تو سامعین کے حق میں قرآن کا ختم ایک آیت سے ناقص رہے گا، تاہم اگر ہر سورت کی ابتداء میں سراً پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال الحصكفيؒ: (ولا تسن) بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سرية ولا تكره اتفاقاً وما صححه الزاهدي من وجوبها ضعفه في البحر (وهي آية) واحدة (من القرآن) كله (أنزلت للفصل بين السور) فما في النمل بعض آية إجماعاً (وليست من الفاتحة ولا من كل سورة) في الأصح (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۱ ص۳۶۳ مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن)[1]

رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باجماعت نفل نماز میں ختم قرآن کرنے کا حکم

سوال:- رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باقاعدہ نفل نماز میں شبینہ یعنی ختم قرآن کرانے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی حالت میں رمضان کی طرح وتر باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کے لیے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں، ایسی حالت میں شبینہ کے لیے لوگوں کو جمع کرکے تراویح کی طرح نفل نماز میں قرآن کریم ختم کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ تاہم اگر انفرادی طور پر ایک شخص نفل نماز میں قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرے یا بغیر کسی اہتمام اور تداعی کے کسی نفل نماز میں ایک یا دو آدمی کسی حافظ قرآن کی اقتداء کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ وتر کی نماز رمضان کے علاوہ دوسرے اوقات میں جماعت سے علی سبیل التداعی پڑھنا مکروہ ہے

---

[1] قال الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: فالاولیٰ ان تکون آیة تامة من القرآن من غیر سورة النمل لان التی فی سورة النمل لیست بآیة تامة والدلیل علی انها آیة تامة حدیث ابن ابی ملیکة عن ام سلمة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الصلوٰة فعدّها آیة۔
(احکام القرآن ج۱ ص۱۲ فصل ما القول فی انها آیة او لیست آیة)
وقال ایضاً وان قرأها مع کل سورة فحسن۔ (احکام القرآن ج۱ ص۱۳)
ومثله فی معارف السنن ج۲ ص۳۶۲ باب ما جاء فی ترک الجهر ببسم اللہ الخ

البتہ اگر ایک دو آدمی بغیر کسی التزام یا تداعی کے وتر با جماعت ادا کریں تو کوئی مضائقہ نہیں ۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولو صلوا الوتر بجماعة في غير رمضان فهو صحيح مكروه كالتطوع في غير رمضان بجماعة وقيده في الكافي بأن يكون على سبيل التداعي أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره. وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلفوا فيه وإذا اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۴۸ باب الوتر والنوافل) [1]

تراویح باجماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! تراویح کی نماز الگ پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ ادا کی جائے؟ اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تراویح کی نماز بذات خود سنت مؤکدہ ہے لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت کفایہ ہے، اگر محلے کے چند افراد اس سنت کو جماعت کے ساتھ ادا کریں تو سب کا ذمہ فارغ ورنہ سب گنہگار ہوں گے، اگر کوئی شخص انفرادی طور پر نماز تراویح پڑھے تو اس سے سنت تو ادا ہو جائے گی مگر جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا ۔

قال العلامة الحصكفيؒ: والجماعة فيها سنة على الكفاية في الأصح فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۵ باب الوتر والنوافل) [2]

---

[1] قال الحصكفيؒ: ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك لو على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد ۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۸ بحث صلوٰة التراويح)

ومثله في فتح القدير ج ۱ ص ۴۰۷ فصل في قيام رمضان ۔

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ: والجماعة فيها سنة على الكفاية الخ أفاد أن أصل التراويح سنة عين فلو تركها واحد كره بخلاف صلاتها بالجماعة فإنها سنة كفاية فلو تركها الكل أساؤا أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة ۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۵ باب النوافل)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۷۲ باب النوافل ۔

السوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین **صلوٰۃ التراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس؟** صلوٰۃ التراویح کی مقدار کے متعلق کہ اس کی تعداد آٹھ رکعت ہے یا بیس رکعت؟ بعض غیر مقلدین حدیث عائشہ صدیقہؓ کی بنا پر جو کہ بخاری شریف وغیرہ میں مروی ہے آٹھ رکعات کو سنت قرار دیتے ہیں اور بیس رکعات کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: واضح رہے کہ ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔
کما صرح بہ فی الہندیۃ وشرح التنویر ومراقی الفلاح وغیرہا من کتب الحنفیۃ، وفی الروضۃ والتوشیح من کتب الشافعیۃ، والشرح الکبیر من کتب المالکیۃ، ونیل المآرب من کتب الحنابلۃ۔

البتہ نماز تراویح کے عدد میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نماز کا عدد بیس رکعات ہے۔

کما صرح بہ فی البدائع وغیرہ من کتب الحنفیۃ وفی المجموع من کتب الشافعیۃ، وھی روایۃ عن مالک کما فی شرح المہذب، وحکاہ ابو عمر ابن عبدالبر عن ابی کما فی شرح التقریب، وذکرہ ابن رشد فی البدایۃ عن احمد، ورواہ ابن قدامۃ فی المغنی عن احمد۔

اور ابن قاسم نے مدونہ میں امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعات ہیں اور وتر تین رکعات ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ کسی خاص عدد کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک اس میں توسع ہے، آٹھ رکعات، بیس رکعات، چھتیس رکعات تمام کی تمام جائز ہیں۔ اور حنفیہ کے مشائخ میں سے علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت رسولﷺ ہونے کی وجہ سے مؤکدہ ہیں اور بیس رکعات سنت خلفاء راشدین ہونے کی وجہ سے سنت زائدہ ہیں۔ بہرحال ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین میں سے کسی نے بھی آٹھ رکعات سے زیادہ مثلاً بیس رکعات کو بدعت یا مکروہ قرار نہیں دیا ہے۔

البتہ بعض غیر مقلدین نے آٹھ رکعات کو مسنون قرار دیا ہے اور اس سے زائد تعداد کو بدعت قرار دیا ہے اور اس مسئلہ کو طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دینے کے مسئلہ کی طرح بے علم اور کم علم لوگوں سے تفرقہ کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اعاذنا اللہ من شرور التفرق وشذوذ المخالفۃ عن السواد الاعظم۔

یہ غیر مقلدین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تمسک کرتے ہیں۔

وھو ما رواہ البخاری ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ "یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو رمضان المبارک میں گیارہ رکعت پر اضافہ فرماتے تھے اور نہ غیر رمضان میں" (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب التہجد)

نیز یہ لوگ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں:

وھو ما رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام بہم فی رمضان فصلی ثمانی رکعات و وتر۔ (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ کے ساتھ) رمضان میں قیام فرمایا اور آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی اور وتر بھی پڑھے") قال النیمویؒ مدارہ علی عیسی بن جاریۃ۔ قال الذھبیؒ قال ابن معینؒ عندہ مناکیر۔ وقال النسائیؒ منکر الحدیث۔ وعنہ ایضا متروک۔ وقال ابو زرعۃ لا باس بہ۔ وقال فی الخلاصۃ وثقہ ابن حبان۔ وقال ابو داؤد منکر الحدیث انتہی

نیز یہ لوگ سائب بن یزید کی حدیث سے تمسک کرتے ہیں:

وھو ما رواہ مالک فی الموطا۔ انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

اور جمہور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

وھو ما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی والبیہقی انہ علیہ الصلوۃ والسلام یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ انتہی (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں سوائے وتر کے بیس رکعات نماز ادا فرمایا کرتے تھے") قال الزیلعیؒ ھو معلول بابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ۔

اور اس حدیث کے معلول ہونے کے باوجود اس سے استدلال درست ہے کیونکہ اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے۔ اور امام ابن قیمؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ جس حدیث کو امت قبول کرے تو اس کو صحیح قرار دیا جائے گا اگرچہ وہ حدیث سنداً غیر صحیح ہو۔ نیز اس حدیث کو خلفائے راشدینؓ کے تعامل سے عظیم تائید اور تقویت حاصل ہوتی ہے۔

نیز جمہور امام بیہقیؒ کی "سنن کبریٰ" کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

وھو ما رواہ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ

وفی عہد عثمان وعلی ؓ

اس حدیث سے واضح طور سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ راشدین کے دور میں بیس رکعات پر استقرار آیا ہے اور اس پر تعامل اور توارث رہا ہے۔ اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین (رواہ ابن ماجہ وغیرہ) کی بناء پر جیسا کہ سنت رسول کا اتباع ضروری ہے اسی طرح سنت خلفاء راشدین کا اتباع بھی ضروری ہے اور اس سے اعراض یا اس پر اعتراض حدیث رسول اور قول رسول سے اعراض اور اس پر اعتراض ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

نیز یہ سنت خلفاء راشدین وہ سنت ہے جس کا ادراک عقل اور اجتہاد سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی چیز کا عدد اور مقدار فکر و رائے سے متعین نہیں ہو سکتا تو ایسی سنت درحقیقت سنت نبوی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ اہل ظاہر نے اس حدیث کو سنداً اور متناً معلول قرار دیا ہے کیونکہ امام آجری نے امام ابو داؤد سے روایت کیا ہے کہ امام احمد نے یزید بن خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے نیز اہل ظاہر کہتے ہیں کہ یہ حدیث متناً مضطرب ہے اس کی بعض روایات میں ۲۱ رکعات پڑھنا بھی مروی ہے۔ کما رواہ مالک فی الموطا نیز یہ حدیث حدیث عائشہ صدیقہ سے معارض ہے جو کہ اس حدیث سے قوی ہے۔

جمہور نے ان اعتراضات کے اہل ظاہر کو دندان شکن جوابات دیئے ہیں: اول یہ کہ ائمہ نے اس حدیث کی تلقی کی ہے اور اس پر اخذ کیا ہے، اور خطیب نے اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں اور ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اور ابن عبدالبر نے استذکار میں اور دیگر اہل فن نے اپنی کتابوں میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس حدیث کی اہل علم تلقی کریں تو یہ تلقی اس حدیث کی صحت کی شہادت دیتا ہے۔

دوم یہ کہ یزید بن خصیفہ مشہور تابعی ہے لہذا اس سے امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، نسائی، ابن سعد اور امام احمد بن حنبل نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ کما فی تہذیب التہذیب وتہذیب الکمال للمزی والہدی الساری۔ اور حافظ ابن حجر نے الہدی الساری میں آجری کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اثرم کی روایت میں اس کو ثقہ کہا ہے اور یہ کہ جب امام احمد کسی راوی کو منکر الحدیث کہتے ہیں کہ وہ اپنے اقران میں کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہوتا ہے

---

[1] حضرت عمر فاروق کے عہد میں اولاً ۱۳ رکعات پڑھی جاتی تھی پھر حضرت عمر نے ۲۳ رکعات پڑھنے کا حکم دیا (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) بعد میں اسی پر استقرار ہوا۔

قاعدہ مسلمہ ہے کہ ثقہ راوی کا تفرد مقبول ہوتا ہے جب تک دلیل سے اس کا غلط ہونا ثابت نہ ہو پس اسی بناء پر یزید بن خصیفہ کی حدیث مقبول ہوگی۔

اور دعویٰ اضطراب کا جواب یہ ہے کہ ابن عبد البر اور ابوبکر ابن العربی نے روایت احدیٰ عشر کو امام مالکؒ کا وہم قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ عبد العزیز بن محمد اور یحییٰ بن سعید القطان امام مالکؒ کے متابع ہیں کما لا یخفی علی من راجع فی سنن سعید بن منصور ومصنف ابن ابی شیبہ لہٰذا امام مالکؒ کا وہم میں پڑنا ناقابل تسلیم ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کو اختلاف اوقات پر محمول کیا ہے یعنی جب طویل قرأت کرتے تو آٹھ یا بارہ رکعتیں پڑھتے اور جب مختصر قرأت کرتے تو بیس رکعات پڑھتے کما فی فتح الباری۔
اور بعض ائمہ نے اس اختلاف کو تدریج پر محمول کیا ہے یعنی اولاً آٹھ یا بارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں اور بالآخر بیس پر استقرار ہوا۔ کما قال شعرانی فی کشف الغمۃ کانوا یصلونها فی زمان عمر ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم عمر امرهم بها ثلاثا وعشرین رکعۃ، ثلاث منها وتر واستقر الامر علی ذلک. قال النیموی: کما استقر الامر فی خلافته علی ضرب ثمانین فی الخمر وکما استقر الامر علی منع بیع امهات الاولاد وکما استقر الامر علی اربع تکبیرات الجنائز وکما استقر الامر علی النداء الثالث فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما فی الاوجز۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ترجیح اور تطبیق سے اضطراب ساقط ہو جاتا ہے۔

اور اہل ظاہر کے اس اعتراض کا کہ یزید کی حدیث حدیث عائشہؓ سے معارض ہے جو کہ اقوی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث یزید اور حدیث عائشہ صدیقہؓ میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیث عائشہؓ میں ان رکعات سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ قیام تراویح اور قیام رمضان کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھی جاتیں۔ اور عند التحقیق تراویح اور تہجد الگ الگ حقائق ہیں۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں نہیں ہیں تو اہل ظاہر کو کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں بھی اختلاف ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب ما یقرء فی رکعتی الفجر کے تحت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تیرہ رکعات کی حدیث روایت کی ہے۔

ولفظہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین۔

اس اختلاف اور تعارض کا اہل ظاہر کیا جواب دیتے ہیں؟

اگر اہل ظاہر یہ جواب دیں کہ احدی عشرہ والی حدیث غالب پر محمول ہے اور زیادت بعض اوقات پر محمول ہے تو ان اہل ظاہر کا آٹھ رکعات پر جمود باطل ہو گیا اور خود اپنی تلوار سے قتل ہو گئے، اور اگر اہل ظاہر اس تطبیق سے اعراض کریں تو اختلاف کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی دونوں روایات ساقط ہو گئیں اور یزید بن خصیفہ کی حدیث بلا تعارض رہ گئی اور واجب العمل ہو گئی۔

واضح رہے کہ جمہور کا مسلک نظر اور شواہد کی رو سے بھی قوی ہے کیونکہ دن رات میں بیس رکعات فرائض اعتقادیہ اور فرائض عملیہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ تراویح بھی جو کہ فرائض کے مکملات ہیں بیس رکعات ہوں جیسا کہ سنن قبلیہ اور بعدیہ بھی بیس رکعات ہیں۔

اہل ظاہر کے دلائل کے جوابات یہ ہیں کہ حدیث عائشہ صدیقہؓ تہجد پر محمول ہے نہ کہ تراویح پر نیز غالب پر محمول ہے نہ کہ دائم پر، ورنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات متعارض ہوں گی، بلکہ امام محمد نے زیادات مسند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسناد حسن سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سولہ رکعات نفل پڑھتے تھے نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ابتداء پر محمول ہے جبکہ بیس رکعات پر استقرار نہ ہوا تھا۔

اور حدیث جابرؓ سے حافظ ابن حجرؒ نے یہ جواب دیا ہے: لانہ فعل جزئی فی لیلۃ واحدۃ لا یدل علی نفی الزیادۃ تلک اللیلۃ۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء الامر پر محمول ہے۔ وقد مر سابقا جواب حدیث السائب۔

واضح رہے کہ ابن الہمامؒ سے دیگر مشائخ نے اتفاق نہیں کیا کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیس رکعت پڑھنا فعل رسولؐ سے ثابت ہے نیز حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین میں لفظ علیکم سنت رسولؐ اور سنت خلفاء کو یکساں متوجہ ہے، تو دونوں میں فرق کرنا بے جا ہے نیز یہ سنت خلفاء اگرچہ ظاہراً موقوف ہے لیکن درحقیقت مرفوع ہے۔

لعدم کونہ مدرکا بالرای والقیاس وھو الموفق والھادی۔

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا

خیر خلقہ محمد وآلہ

واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

باب ادراک الفریضۃ

(جماعت میں ملنے کے احکام و مسائل)

صرف اقامت سننے ہی نماز نہ توڑے

سوال :- ایک شخص نے نفل کی نیت باندھ کر نماز شروع کی ہی تھی کہ مؤذن نے جماعت کیلئے اقامت شروع کردی، تو کیا یہ شخص نفل نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہوجائے یا نفل نماز پوری کرے؟

الجواب :- جماعت میں شرکت واجب ہے لہٰذا متنفل کو چاہیئے کہ جماعت فوت ہوجانے کی وجہ سے نفل توڑ کر جماعت میں شامل ہوجائے تاہم صرف مؤذن کی اقامت سننے کی صورت میں دو رکعت پوری کرنے سے قبل نماز نہ توڑے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: شرع فیہا اداءً .... منفرداً ثم اقیمت ای شرع فی فریضۃ الاقامۃ لا اقامۃ المؤذن ولا فی مکانہ وھو فی غیرہ یقطعھا ... احرازاً للجماعۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ... باب ادراک الفریضۃ)[1]

جماعت ملنے کی امید پر فجر کی سنتیں پہلے پڑھنے کا حکم

سوال :- صبح کی نماز با جماعت کھڑی ہو اور مسجد کے صحن میں کوئی مستقل جگہ سنت پڑھنے کے لیے نہ ہو جبکہ امام کی قراءت بھی سنائی دیتی ہو تو ایسی حالت میں سنت پڑھنا ضروری ہے یا جماعت کے ساتھ شریک ہو کر سنت ترک کرنا چاہیئے؟

الجواب :- فجر کی سنتوں کی احادیث میں بہت تاکید وارد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تدعوھما وان طردتکم الخیل۔ (ابوداؤد ج۱ ص۱۸۶ باب فی تخفیفھما) اس لیے حتی الامکان سنت پڑھنے کی کوشش کی جائے اور جماعت میں شریک ہونے سے قبل کسی علیحدہ جگہ سنتیں پڑھی جائیں، جب تک جماعت میں دوسری رکعت کے رکوع کا ادراک ممکن ہو تو سنتیں ترک نہیں کی جائیں گی، اگرچہ بعض نے تشہد کے ادراک کے ممکن ہونے کا قول کیا ہے جبکہ ابن الہمامؒ کے

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: اذا شرع المصلی فی اداء الفرض او قضائہ منفرداً او النفل .... واقیمت الجماعۃ فی محل ادائہ .... قطع بتسلیمۃ قائماً ... (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۴۵ باب ادراک الفریضۃ)

ہونے کے مطابق قبل صلاۃ ممکن ہو اور اس کی اُمید ہو تو سنت پڑھی جائیں گی ورنہ اگر مسجد کے اندر جگہ نہ ہو تو دروازہ کے قریب پڑھنی چاہئیں۔

قال الحصكفيؒ: وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل، وإلا بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعاً للبحر لكن ضعفه في النهر لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار جلد۲ صـ۵۶ باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة الخ) له

فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم

سوال: اگر فجر کی سنت فرض نماز کی وجہ سے فوت ہو جائیں تو فرض نماز کے بعد ادا کرنی چاہئیں یا طلوع آفتاب کے بعد؟ بعض علماء سے سُنا ہے کہ اس کا سرے سے اعادہ ہے ہی نہیں؟

الجواب: صبح کی سنتوں کی اہمیت اور تاکید متعدد روایات سے ثابت ہے اس لئے یہ سنتیں حتی الامکان فرض نماز سے قبل پڑھی جائیں، البتہ اگر کسی سے بصورت مجبوری ترک ہو جائیں تو فرض نماز کے بعد طلوع آفتاب تک باتفاق علماء احناف قضاء نہیں کی جائیں گی، البتہ طلوع آفتاب کے بعد اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قضاء نہیں جبکہ امام محمدؒ کے ہاں بطور نفل قضاء کرنا افضل ہے، طلوع آفتاب کے بعد فرض کی معیت میں یہ دو رکعت ادا کی جا سکتی ہیں۔

قال ابن نجيم المصريؒ: لم تقض سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفرض فتقضى تبعاً للفرض سواء قضاها مع الجماعة أو وحده لأن الأصل في السنة أن لا تقضى لاختصاص القضاء بالواجب۔

والحديث ورد في قضائها تبعاً للفرض في غداة ليلة التعريس فبقي ما وراءه

له قال برهان الدين المرغينانيؒ: ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر إن خشي أن تفوته ركعة ويدرك الأخرى يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد ثم يدخل لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين وإن خشي فوتهما دخل مع الإمام لأن ثواب الجماعة أعظم والوعيد بالترك ألزم بخلاف سنة الظهر الخ۔ (الهداية على صدر فتح القدير جلد۱ صـ۴۷۷ باب إدراك الفريضة)

على أنه عمل. فأفاد المصنف أنها لا تقضى قبل طلوع الشمس أصلاً ولا بعد الطلوع إذا كان قد أدى الفرض وشمل كلامه ما إذا قضاها بعد الزوال أو قبله ولا خلاف في الثاني. واختلف المشائخ في الأول على قولين والصحيح كما في غاية البيان أنها لا تقضى تبعاً لأن النص ورد بقضائها في الوقت المهمل بخلاف القياس وما ورد على خلاف القياس يقتصر على مورده لا يقاس۔ (البحر الرائق ج۲ ص[illegible] باب إدراك الفريضة) ؎[1]

چار رکعات ظہر کی سنت رہ جانے کی صورت میں آخری دو رکعات سنت کی ترتیب کا مسئلہ

سوال:۔ اگر ایک شخص سے ظہر کی پہلی چار رکعات سنت فوت ہو جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد دو رکعات سنت پڑھنے کے وقت ترتیب کیسے ہونی چاہیے؟ کیا چار رکعت سنت پہلے پڑھی جائیں گی یا آخری دو رکعات کو مقدم کرے؟

الجواب:۔ جواز میں دونوں صورتیں برابر ہیں لیکن افضلیت میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی تحقیق کو مدنظر رکھ کر دو رکعات سنتیں پہلے پڑھنی چاہئیں کیونکہ چار رکعات سنت کے فوت ہونے کی وجہ سے دو رکعات تو کم از کم اپنے مقام پر رہیں، ورنہ بصورتِ دیگر دونوں سنتوں کی ادائیگی اپنے مقام پر نہیں رہے گی۔

قال الحصكفيؒ: ثم يأتي بها أي بسنة الظهر القبلية على أنها سنة في وقته أي الظهر قبل شفعه عند محمد وبه يفتى۔

قال ابن عابدينؒ تحت هذه العبارة: أقول وعليه المتون لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين قال في الإمداد وفي فتاوى العتابي أنه المختار وفي مبسوط شيخ الإسلام أنه الأصح لحديث عائشة أنه عليه الصلاة والسلام إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين وهو قول أبي حنيفة

؎[1] قال الحصكفيؒ: ولا يقضيها أي سنة الفجر إلا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده في الأصح لورود الخبر بقضائها في الوقت المهمل بخلاف القياس فغيره عليه لا يقاس۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج[illegible] ص[illegible] باب إدراك الفريضة)

کذا فی جامع قاضی خان۔ (الدر المختار ورد المحتار ج۲ ص۵۸ باب ادراک الفریضۃ)

جمعہ کے دوگانہ فرض سے قبل چار رکعت سنتوں کا حکم

سوال: مسئلہ: جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت رہ جانے کی صورت میں نماز جمعہ کے پڑھنے کے بعد فوت شدہ سنن کی قضاء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ بعض لوگ اس کی قضاء کے قائل ہیں اور کچھ لوگ انکار کر رہے ہیں۔ از روئے شرع مفتی بہ قول کا تعین کریں؟

الجواب: اس مسئلہ میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہی چار رکعت سنت جمعہ پڑھنے کے بعد پڑھی جائیں۔ قال ابن نجیم المصریؒ: وحکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع قبل الظہر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۹)

مگر بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ یہ چار رکعت سنت جو جمعہ سے پہلے ہیں جب وہ اپنے وقت سے فوت ہو جائیں تو فرض کے بعد نہیں پڑھی جائیں گی۔ ابن عابدینؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ظہر کی سنتوں کے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے۔ اس بنا پر ظہر کی سنن قبلیہ فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں مگر جمعہ کی سنن قبلیہ کے متعلق کہیں بھی روایات میں یہ ذکر نہیں کہ وہ جمعہ کے بعد پڑھی گئی ہیں۔ اور اصل

له قال ابن نجیم المصریؒ: وفی قبل الظہر فی فوتہ قبل الجمعۃ بیان لشیئین احدھما قضاؤھا والثانی محلہ، اما الاول ففیہ اختلاف والصحیح انہا تقضی کما ذکرہ قاضی خان فی شرحہ مستدلا بما عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر قضاھن بعدہ۔ وظاہر کلام المصنف انہا سنۃ لا نفل مطلق وذکر قاضی خان انہ اذا قضاھا فہی لا تکون سنۃ عند ابی حنیفۃ وعندھما سنۃ وتبعہ الشارح وتعقبہ فی فتح القدیر بانہ من تصرف المشایخ فان المذکور من وضع المسئلۃ الاتفاق علی قضاء الاربع وانما الاختلاف فی تقدیمہا او تاخیرھا، والاتفاق علی انہا تقضی اتفاق علی وقوعہا سنۃ الی آخر ما ذکرہ۔ واما الثانی فاختلف فیہ النقل عن الشیخین، ذکر فی جامع الصغیر للحسامی ان ابا یوسفؒ یقدم الرکعتین ومحمدؒ یؤخرھما۔ وفی المنظومۃ وشروحہا علی العکس۔ وفی غایۃ البیان ویحتمل ان یکون عن کل واحد من الامامین روایتان۔ ورجح فی فتح القدیر تقدیم الرکعتین لان الاربع فاتت عن الموضع المسنون فلا یفوت الرکعتین عن موضعہما قصدا بلا ضرورۃ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب ادراک الفریضۃ)

ادا کی ہوئی نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر ایک شخص ایک دفعہ فرض، واجب یا سنت ادا کرے تو دوبارہ پڑھنے سے اس کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: جب فرض نماز ایک دفعہ ادا کرلی گئی تو اس سے ذمہ فارغ ہوجاتا ہے دوبارہ پڑھنا کسی سے منقول نہیں بلکہ حدیث میں ایک فرض کو دومرتبہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سلیمان بن یسار یعنی مولیٰ میمونۃ قال اتیت ابن عمرؓ علی البلاط وھم یصلون فقلت الا تصلی معھم قال قد صلیت انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین۔ (ابوداؤد ج۱ ص۹۱ باب اذا صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ یعید)

البتہ ایک دفعہ انفراداً پڑھ لینے کے بعد جب جماعت میں شرکت کا موقع ملے تو ظہر اور عشاء کی نماز میں امام کے ساتھ شرکت بہتر ہے تاکہ جماعت سے مخالفت نہ آئے اور اس کی حیثیت نفل کی ہوگی، لیکن عصر، مغرب اور فجر میں اپنی نماز پر اکتفا کرے گا جماعت میں شرکت جائز نہیں کیونکہ عصر اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مشروع نہیں اور مغرب کی نماز میں تین رکعات نفل پڑھنا شرعاً ثابت نہیں، اور اسی طرح وتر نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ بنا بریں صورت سنن کا دوبارہ پڑھنا بطریق اولیٰ نفل ہے۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لان النفل لا یتکرر فی وقت واحد وصرح فی الحاوی بقدسی بان ما یؤدی مع الامام نافلۃ یدرک بھا فضیلۃ الجماعۃ۔ وقال بعد عدۃ اسطر: ما اذا ادی الامام الفرض والقوم المتنفل فلا یدخل فلا کراھۃ لقولہ علیہ السلام للرجلین اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلوۃ قوم فصلیا معھم واجعلا صلوتکما معھم سبحۃ ای نافلۃ کذا فی الکافی۔

(البحر الرائق جلد۲ ص۷۴ باب ادراک الفریضۃ)

وایضاً قال بعد صفحۃ واحدۃ: والتنفل بعدھا ای الصلوۃ جائز فی الظھر والعشاء لیس بمکروہ۔ واما فی الفجر والعصر فلا یکرہ لہ الخروج لکراھۃ التنفل بعدھا واما فی المغرب فلما فیہ من التنفل بالثلاث او مخالفۃ الامام

ان اتمها اربعًا. وكل منهما مكروه كما سبق. (مراقی الفلاح ... باب ادراک الفریضۃ)[1]

کسی کے امداد طلب کرنے یا والدین کے بلانے پر نماز توڑنے کا حکم

سوال: اگر والدین بیٹے کو آواز دیں اور بیٹا فرض یا سنت نماز میں مشغول ہو تو کیا والدین کے بلانے پر بیٹا نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر ایک شخص نماز میں مشغول ہو، کسی شخص کو مدد کے لیے بلائے تو یہ شخص تعاون اور امداد کرنے کے لیے اپنی نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر والدین یا اجنبی صرف آواز دیں تو ان کی خاطر نفل نماز توڑنا جائز ہے، البتہ بلا ضرورت فرض نماز توڑنے کی اجازت نہیں، جبکہ بصورت استغاثہ و امداد طلبی ہر فرض نماز کا توڑنا واجب ہے، بلکہ کسی شخص کی امداد کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بن بلائے بھی فرض نماز توڑنا واجب ہے۔

قال الحصكفيؒ: ولو دعاه احد ابويه في الفرض لا يجيبه الا ان يستغيث به وفي النفل ان علم انه في الصلوة فدعاه لا يجيبه والا اجابه.

وقال ابن عابدينؒ تحت هذه العبارة: اي يطلب منه الغوث والاعانة وظاهره ولو في امر غير مهلك واستغاثة غير الابوين كذلك. ... وحاصله ان المصلي متى سمع احدا يستغيث وان لم يقصده بالنداء او كان اجنبيا وان لم يعلم ما حل به او علم وكان له قدرة على اغاثته وتخليصه

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: وان صلى ثلاثا من رباعية فاقيمت اتمها اربعًا منفردا ... ثم يقتدي بالامام اتقاء متنفلا بنيته وهو فضل بعدم كراهة الا في العصر والفجر لنهي عن التنفل بعدهما وفي المغرب لمخالفته لانه صلى الله عليه وسلم قال اذا صليت في اهلك ثم ادركت الصلوة فصلها الا الفجر والمغرب وقوله فصلها يعني نفلا لانه يوم ثبتا لرجلين لم يصليا معه الظهر واخبرا بصلاتهما في رحالهما فقال عليه السلام اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما صلوة قوم فصليا معهم واجعلا صلاتكما معهم سبحة اي نافلة. قال السيد احمد الطحطاوي تحت قوله (ثم يقتدي متنفلا ان شاء) قال في البحر من اخاف انه يدرك بهذه النافلة فضيلة الجماعة. (الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص۲۴۶ باب ادراك الفريضة)

وجب علیہ اعانتہ وقطع الصلوٰۃ فرضاً کانت اوغیرہا۔ [1]

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۵۱ باب ادراک الفریضۃ وایضاً فی ج ۲ ص ۵۲)

وتر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فرض نماز پوری کرنے کا حکم

سوال :- اگر کوئی آدمی چار رکعت فرض نماز کی نیت باندھے اور تین رکعت پڑھ چکنے کے بعد وتر نماز کی جماعت کھڑی ہوجائے تو اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہیئے ؟ کیا یہ اپنی نماز پوری کرے یا نماز توڑ کر وتر کی جماعت میں شامل ہوجائے ؟

الجواب :- جو شخص وتر کی جماعت سے قبل فرض نماز کے لیے کھڑا ہوجائے اور پھر تین رکعت پڑھنے کے بعد وتروں کی جماعت کھڑی ہوجائے تو وہ شخص اپنی چار رکعت فرض نماز پوری کرکے پھر نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوجائے تاہم عصر کی نماز میں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : ان صلی ثلاثاً منها ای الرباعیۃ اتم منفرداً ثم اقتدی بالامام متنفلاً ویدرک بذلک فضیلۃ الجماعۃ الا فی العصر فلا یقتدی لکراهۃ التنفل بعدہ۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۵۲ باب ادراک الفریضۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ : وفی فتاوی الولوالجی۔ اذا دعاہ احد ابویہ فلا یجیبہ مالم یفرغ من صلوٰتہ الا ان یستغیث بہ۔ لان قطع الصلوٰۃ لا یجوز الا لضرورۃ وکذلک الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقہ النار او یغرقہ الماء وجب علیہ ان یقطع الصلوٰۃ ھذا اذا کان فی الفریضۃ۔ فاما فی النفل اذا ناداہ احد ابویہ ان علم انہ فی الصلوٰۃ وناداہ لا باس بہ ان لا یجیبہ۔ وان لم یعلم یجیبہ اھ

(البحرالرائق ج ۲ ص ۷۰ باب ادراک الفریضۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۹ الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ وما یتصل بہ المسائل۔

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : ان صلی ثلاثاً من رباعیۃ فاقیمت یتمہا اربعاً منفرداً حتی لا لکن ... ثم بعد الاتمام اقتدی متنفلاً ان شاء وھو افضل لعدم الکراهۃ الا فی العصر والفجر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۴۶ باب ادراک الفریضۃ)

ومثلہ فی البحرالرائق ج ۲ ص ۷۳ باب ادراک الفریضۃ۔

باب القضاء

(قضا نمازوں کے احکام و مسائل)

صاحبِ ترتیب کی بحالی

سوال:- اگر ایک شخص سے اتنی نمازیں قضا ہوں جس سے یہ صاحبِ ترتیب نہ رہا ہو تو کیا ان نمازوں کی قضا کر لینے سے یہ شخص دوبارہ صاحبِ ترتیب بن سکتا ہے؟ یا ایک دفعہ ترتیب ساقط ہونے سے دوبارہ صاحبِ ترتیب بننا ممکن نہیں؟

الجواب:- صاحبِ ترتیب درحقیقت ایک ایسی صفت ہے کہ اس شخص کے ذمہ شب و روز کی نمازیں باقی نہ ہوں، صورتِ مذکورہ میں قضا سے چونکہ ذمہ فارغ ہو جاتا ہے لہٰذا پوری نمازیں لوٹانے سے یہ شخص دوبارہ صاحبِ ترتیب متصور ہوگا، تاہم اگر ذمے پر چھ نمازوں سے کم رہ جائیں تب ہی صاحبِ ترتیب بن جائے گا۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ: وقید بقضاء البعض لانہ لو قضی الکل عاد الترتیب عند الکل الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۷۰ باب قضاء الفوائت)[1]

نفل کی جگہ قضا نمازیں پڑھنا بہتر ہے

سوال:- اگر کسی شخص کے ذمے نامعلوم نمازیں باقی ہوں تو کیا اس شخص کے لیے نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضا نمازیں جبکہ قضا نمازوں کی تعداد اور وقت بھی معلوم نہ ہو؟

الجواب:- اگرچہ نوافل پڑھنا بذاتِ خود موجبِ برکت اور باعثِ ثواب ہیں لیکن ایسے شخص کے لیے نوافل کی جگہ قضا نمازوں کا پڑھنا بہتر ہے۔ اگر رکعات اور اوقات کا علم نہ ہو لیکن اجمالی طور پر اتنا معلوم ہو کہ مجھ سے اتنی عمر کی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو یہ بہ نیتِ نماز

---

[1] قال صدر الشریعۃؒ: وقالوا لو قضی صلوۃ الشہر الا فرضاً او فرضین قلت الفوائت بعد الکثرۃ فلا یعود الترتیب الا ان یقضی الکل: وقال ناکث فانہ اذا قضی جمیع الفوائت یلزمہ الترتیب جدید۔ (شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۱۹ قضاء الفوائت) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۸۹ قضاء الفوائت۔

کے ساتھ پہلی قضا شدہ نماز پڑھے۔

قال في الهندية: وفي الحجة والاشتغال بالفوائت أولى وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۲۵ الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت ومن كل شيء)

نفل نماز میں شروع کرنے سے لزوم

سوال:۔ اگر کسی نے صبح کی سنت شروع کی تھی کہ چونکہ جماعت نماز میں شرکت کی غرض سے توڑ دیا، تو کیا اس سنت کی قضا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر تشہد ملنے کا بھی امکان ہو تو سنت پڑھی جائے گی لیکن کسی صورت میں توڑنے پر اس کی قضا لازم ہے کیونکہ نفل یا سنت میں شروع کرنے سے لزوم النفل بالشروع کی رو سے اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔[۲]

قال برهان الدين المرغيناني: ومن شرع في نافلة ثم أفسدها قضاها (الهداية ج۱ ص۱۲۸ باب النوافل، فصل في القراءة)

ظہر کی پہلی چار سنت رہ جانے سے فرض کے بعد پڑھنا

سوال:۔ اگر کسی سے ظہر کی پہلی چار رکعات سنت کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی ادائیگی کا کیا حکم ہے اور کس طریقے سے پڑھی جائیں گی؟

الجواب:۔ فرض پڑھنے کے بعد سنت پڑھی جائیں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ اگر فرضوں سے پہلے سنت پڑھنے کی فرصت نہ مل سکے تو فرضوں کے بعد دو رکعات سنت سے پہلے بھی پڑھی جا سکتی ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بعد میں پڑھی جائیں۔

لما قال الحصكفي: فإنه إن خاف فوت ركعة يتركها ويقتدي ثم يأتي بها

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الأندريتي: والاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة. (التاتارخانية ج۱ ص... كتاب الصلاة، قضاء الفوائت)
ومثله في المبسوط ج۱ ص۱۵۵ باب قضاء الفوائت۔

[۲] قال العلامة الكاساني: أما الأول فقد قال أصحابنا إذا شرع في التطوع يلزمه المضي فيه وإذا أفسده يلزمه القضاء (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۹۰ فصل في صلاة التطوع)
ومثله في الهندية ج۱ ص۱۱۳ الباب التاسع في النوافل۔

على انها سنة في وقته اى الظهر قبل شفعه عند محمد وبه يفتى ـ
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹ باب ادراك الفريضة) ۱ه

سنن کی قضا ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایسی نماز قضاء ہو جس کے ساتھ سنن بھی ہوں تو ان قضاء ادا کرتے وقت فرض کے ساتھ سنن بھی پڑھی جائیں گی یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی نماز کا قضاء پڑھنا فرض یا واجب کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے اگر کسی سے سنن قضاء ہو جائیں تو ان کا قضاء کرنا دوسرے وقت میں جائز نہیں، تاہم صبح کی سنتیں تبعاً للفرض قضاء کرنا درست ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم: قوله (ولم تقض الا تبعا) ای لم تقض سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفرض فتقضی تبعا للفرض سواء قضاه مع الجماعة او وحده لان الاصل في السنة ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب. (البحر الرائق ج۲ ص۷۸ باب ادراك الفريضة) ۲ه

قضاء نمازوں میں ترتیب کی رعایت

سوال:۔ اگر فوت شدہ نمازیں متعدد ہوں تو پڑھتے وقت ان کی ترتیب کی کیفیت کیا ہوگی؟ کیا اس ترتیب سے پڑھی جائیں گی جس ترتیب سے قضاء ہوئی ہیں یا جیسا پڑھنے والے کو

۱ه وفي الهندية: واما الاربع قبل الظهر اذا فاتته وحدها بان شرع في صلوة الامام ولم يشتغل بالاربع فالعامة على انه يقضيها بعد الفراغ من الظهر ما دام الوقت باقيا وهو الصحيح. وفي الحقائق يقدم الركعتين عندهما وقال محمد يقدم الاربع وعليه الفتوى. (الهندية ج۱ ص۱۱۲ الباب التاسع في النوافل)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب ادراك الفريضة.

۲ه قال العلامة برهان الدين المرغيناني: واذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس ولا بعد ارتفاعها عند ابي حنيفة وابي يوسف ... وهذا لان الاصل في السنة ان لا تقضى لاختصاص القضاء بالواجب والحديث ورد في قضائها تبعا للفرض فبقي ما وراءه على الاصل وانما تقضى تبعا له وهو يصلي بالجماعة او وحده الى وقت الزوال وفيه بعده اختلاف المشائخ واما سائر السنن سواها فلا تقضى بعد الوقت وحدها. (الهداية ج۱ ص۱۵۲ باب ادراك الفريضة)

ومثله في النهاية ج۲ ص۱۳۶ باب ادراك الفريضة.

وقت میسر ہو؟

الجواب: صاحب ترتیب کے لیے قضا کرتے وقت ترتیب کی رعایت فرض ہے تاہم جب وہ امور پائے جائیں جن سے ترتیب ساقط ہوتی ہے تو پھر ترتیب واجب نہیں رہتی تاہم اگر قضاء نمازیں ترتیب کے ساتھ ادا کی جائیں تو بہتر ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني: ومن فاتته صلوة رتبها في القضاء كما وجبت في الاصل الخ. وبعد اسطر: قال الا ان يزيد الفوائت على ستة صلوة لان الفوائت قد كثرت فيسقط الترتيب الخ. (الهداية ج ۱ ص ۱۳۴ باب قضاء الفوائت) ۱؎

دوران سفر فوت شدہ نماز کی قضاء

سوال: سفر کی حالت میں اگر ایک شخص سے نماز فوت ہو جائے تو اقامت کی حالت میں کیا یہ نماز پوری پڑھی جائے گی یا قصر؟

الجواب: نماز کی قضاء میں وجوب کی حالت معتبر ہوتی ہے، حالت سفر میں چونکہ قصر ہے اس لیے حالت اقامت میں اس کی قضاء کرتے وقت قصر پڑھی جائے گی۔

قال العلامة ابن العابدين: ولذا يقضي المسافر فائتة الحضر اربعا والمقيم فائتة السفر ركعتين الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۵ باب قضاء الفوائت مطلب اذا اسلم المرتد هل الخ) ۲؎

نماز فجر و عصر کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: فجر و عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا تو غیر مشروع ہے لیکن کیا ان اوقات میں قضاء نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا ان کا حکم بھی نوافل کی طرح ہے؟

۱؎ وقال علی بن عبداللہ الطرابلسی: الترتیب بین الفروض الخمسة والوتر اداء و قضاء لازم الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۶۵ باب قضاء الفوائت)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۶۹ باب قضاء الفوائت۔

۲؎ وفی الهندية: ومن حكمه ان الفائتة تقضى على الصفة التي فاتت عنها الا لعذر وضرورة فيقضي مسافر في السفر ما فاته في الحضر من الفرض الرباعي اربعا والمقيم في الاقامة ما فاته في السفر منها ركعتين۔ (الهندية ج ۱ ص ۱۲۱ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ باب قضاء الفوائت۔

الجواب :- نمازِ فجر کے بعد طلوعِ شمس تک اور عصر کی نماز کے بعد قبل تغیر الشمس قضاء نمازوں کا پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لا یکرہ قضاء فائتة الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۱ ص ۳۷۵ کتاب الصلوٰة)[1]

قرأت میں ادا و قضاء کی یکسانیت

سوال :- اگر رات و دن کی نمازیں قضاء ہوں اور وہ دیگر اوقات میں پڑھی جائیں تو قرأت کو کیا حکم ہے جبکہ دونوں اوقات کی قرأت کا سراً و جہراً حکم مختلف ہے؟

الجواب :- قضاء نماز کا حکم ادا کی طرح ہے جس نماز کی ادا میں قرأت کی جو کیفیت ہو تو قضاء میں اسی کیفیت کی رعایت مستحب ہے۔

قال فی الهندیة: ومن حکمه ان الفائتة تقضی علی الصفة التی فاتت عنه الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۱ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)[2]

وتر کی قضاء

سوال :- کیا وتر کی قضاء ضروری ہے یا عام سنن کی طرح ایک دفعہ فوت ہونے سے قضاء لازم نہیں؟

الجواب :- وتر چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہیں اس لیے فوت ہونے کی صورت میں ان کی قضاء واجب ہے اور قضاء نہ کرنے والا گنہگار ہوگا۔

کما قال محمد بن عبداللہ التمرتاشیؒ: والقضاء الفرض والواجب والسنة

---

[1] وفی الهندیة: فیجوز فیها قضاء الفائتة وصلوٰة الجنازة. الخ
(الهندیة ج ۱ ص ۵۲ الباب الاول فی المواقیت - فصل ثالث الخ)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ باب قضاء الفوائت۔

[2] وقال علاؤ الدین ابوبکر الکاسانیؒ: والاصل ان الصلوٰة تجب وجوبها فی الوقت وفاتت عن وقتها انه یعتبر فی کیفیة قضائها وقت الوجوب وتقضی علی الصفة التی فاتت عن وقتها۔
(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۴۶ فصل فی بیان حکم الصلوٰة الفائتة)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ باب قضاء الفوائت۔

فرض وواجب وسنۃ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۶۶ باب قضاء الفوائت)[1]

قضاءِ عمری کی حقیقت

سوال:۔ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں بعض لوگ "قضاءِ عمری" کے نام سے دو رکعات باجماعت پڑھتے ہیں، پڑھنے والوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ اس سے عمر بھر کی قضاء شدہ نمازوں سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ نماز کی قضاء بذاتِ خود امر مشروع ہے لیکن مروجہ قضاءِ عمری کی یہ رسم بعض پٹھانوں کے علاقہ تک محدود ہے جو کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں بلکہ عام قواعد اور اصول سے متصادم ہے، علماء دیوبند نے اس کو بدعتِ سیئہ میں شمار کیا ہے جو کہ عوام کے لیے مہلک ہے اور خواص کو اس کی ضرورت نہیں اس لیے کسی جگہ اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔[2]

لما قال العلامۃ عزیز الرحمٰنؒ فی فتاویٰ: قضاء عمری عند الحنفیۃ مشروع نیست پس التزام آن خصوصاً در آخر جمعہ رمضان المبارک کہ چہار رکعت نفل بہ نیت قضاء عمری ادا کردہ شود شرعاً بے اصل است و ایں چنیں اعتقاد کردن کہ از چہار رکعت نفل صلوٰۃ فائتۃ عمر حاصل شود خلاف نصوص صحیحہ و عقول صریحہ و قواعد شرعیہ است۔ (عزیز الفتاوی ج ۱ ص ۲۵۶ معروف بہ دار العلوم دیوبند فصل فی قضاء الفوائت)

چوروں کے خوف سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال:۔ کیا مسافر ڈاکوؤں اور راہزنوں کے ڈر سے نماز کو مؤخر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت نے فرض نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم دیا ہے تاہم شرعی عذر کی وجہ سے نماز مؤخر کی جا سکتی ہے، چوروں، ڈاکوؤں کا خوف بھی عذرِ شرعی میں داخل ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: کما اذا خاف المسافر من اللصوص او قطاع الطریق جاز له ان یؤخر الوقتیۃ لانه بعذر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۶ باب قضاء الفوائت)

---

[1] وفی الهندیۃ: یصیر القضاء فرضاً فی الفرض وواجباً فی الواجب وسنۃ فی السنۃ ۔ الخ
(الهندیۃ ج ۱ ص ۱۲۱ الفصل الحادی عشر فی صلوٰۃ قضاء الفوائت)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ ۔ باب قضاء الفوائت)

[2] لما قال المفتی کفایت اللہ: یہ قضاءِ عمری کی نماز بے اصل ہے اور باجماعت پڑھنا ناجائز ہے۔
(کفایت المفتی ج ۳ ص ۳۳۷ قضاء نمازیں)

کیا قضاء نمازوں کی وجہ سے سنن مؤکدہ ترک کی جا سکتی ہیں؟

سوال:۔ اگر کسی کے ذمے قضاء نمازیں باقی ہوں تو کیا ان کی ادائیگی کی وجہ سے سنن مؤکدہ کو ترک کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ قضاء نمازوں کی ادائیگی میں مشغول ہونا نفلی عبادت میں مصروف رہنے سے بہتر ہے مگر یہ عام نوافل کے بارے میں مروی ہے، جہاں تک مخصوص نوافل یا سنن مؤکدہ کا تعلق ہے تو وہاں قضاء نمازوں کی وجہ سے سنن کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

وفی الہندیۃ: والاشتغال بالفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ وصلوۃ الضحیٰ وصلوۃ التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار فیھا سور معدودۃ واذکار معہودۃ فتلک بنیۃ النفل وغیرھا بنیۃ القضاء۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۲۵ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)[1]

قضاء نماز فوراً ادا کی جائے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے؟

سوال:۔ اگر نماز قضاء ہو جائے تو کیا وہ علی الفور ادا کرنا ضروری ہے یا اس میں تاخیر کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ جب نماز قضاء ہو جائے تو اس کو فوراً ادا کرنا ضروری ہے بلا عذر شرعی اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں البتہ مکروہ اوقات میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال العلامۃ علاؤالدین الحصکفیؒ: وجمیع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثۃ المنھیۃ کما مر۔ قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ وقت للقضاء) ای لصحتہ فیھا وان کان القضاء علی الفور الا لعذر۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶ باب قضاء الفوائت)[2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ وصلوۃ الضحیٰ وصلوۃ التسبیح والصلوۃ التی رویت فی الاخبار فیھا سور معدودۃ واذکار معہودۃ فتلک یصلی بنیۃ النفل وغیرھا بنیۃ القضاء۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ [illegible] باب الصلوۃ الاستسقاء)

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وذکر فی المجتبیٰ من الفوائت: قضاء الصلوۃ علی التراخی وقضاء الصلوۃ علی الفور الا لعذر۔

(البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت)

قضاء نمازیں باجماعت ادا کی جاسکتی ہیں

سوال:۔ اگر چند اشخاص کی اجتماعی طور پر نمازیں قضاء ہوئی ہوں اور وہ لوگ ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ وقتی نمازوں کی طرح قضاء نمازیں بھی جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہیں، اگر نمازیں جہری ہوں تو ان میں جہراً قرأت کرنا ضروری ہے اگر سری نمازیں ہوں تو سراً قرأت کرنا لازمی ہے۔

قال القاضی خانؒ: اذا فاتت صلوٰۃ اللیل ناسیاً فقضاها فی النهار وامّ فیها وخافت ساهیاً کان علیه السهو وینبغی ان یجهر لیکون القضاء علی وفق الاداء، واذا امّ لیلاً فی صلوٰۃ النهار یخافت ولا یجهر فان جهر ساهیاً کان علیه السهو۔ (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۱۲۱ باب سجود السهو) لہ

احتیاطاً عشاء کے وتر اور مغرب کی قضاء نمازیں کس طرح پڑھی جائیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کس طرح پڑھے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کی بھی چار چار رکعتیں پڑھے گا مگر اس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ اور تیسری رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے گا اسی طرح دعاء قنوت وتروں کی تیسری رکعت میں پڑھی جائے گی۔

قال العلامة حسن بن علی الشرنبلالیؒ: ومن تقضی صلوات عمره مع انه لم یفته شیء منها احتیاطاً قیل یکره ..... ویقنت فی الوتر ویقعد قدر التشهد فی ثالثة ثم یصلی رکعة رابعة فان کان فائتة فقد اتمها وان لم تکن فقد صلی التطوع اربعاً ولا یضره القعود وکذا یصلی المغرب اربعاً بثلاث قعدات۔

(طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۶۳ باب القضاء) ؎

لہ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: واذا فاتت الصلوٰۃ قضاها بجماعة فان کانت جهریة جهر فیها الامام فی قضائها وحدیث شاه فتحت والجهر افضل ویخافت فیما یخافت حتماً وکذلک الامام۔

(البحر الرائق ج۲ ص۸۷ باب قضاء الفوائت) ومثله فی [illegible] باب القضاء۔

؎ قال العلامة ابن نجیمؒ: ومن یقضی صلوات عمره احتیاطاً قال بعضهم یکره وقال بعضهم لا یکره لانه اخذ بالاحتیاط الا انه لا یقضی بعد صلوٰۃ الفجر ولا بعد صلوٰۃ العصر ویقرأ فی الرکعات کلها الفاتحة مع السورة ..... ویصلی المغرب اربعاً بثلاث قعدات ..... (البحر الرائق ج۲ ص۸۶ باب قضاء الفوائت) ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۲۴ باب القضاء۔

وتر قضا ہونے کے باوجود نمازِ فجر کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد نے عشاء کی نماز کے بعد وتر نہیں پڑھے، فجر کی نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر کھڑا ہونے کے بعد اور نماز شروع کرنے سے پہلے اُسے یاد آگیا کہ میں نے وتر نہیں پڑھے اس کے باوجود اس نے فجر کی نماز پڑھادی اسی طرح کئی دن نمازیں پڑھاتا رہا۔ جبکہ راقم الحروف نے کہیں پڑھا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھے اور اس کی پچھلی نمازیں قضا ہوئی ہوں تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی لیکن اگر پانچ نمازیں اسی طرح پڑھتا رہا تو فساد رفع ہوجائے گا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ترتیب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اس امام کی فجر کی نماز اور باقی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ اس کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ کر چلے گئے اور باقی نمازیں اس کی اقتداء میں نہیں پڑھیں اُن کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- در مختار میں ہے: فلم یجز تفریع علی القوم فجر من تذکر انہ لم یوتر لوجوبہ عندہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۴۹۵ باب قضاء الفوائت)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفساد اصل الصلوٰۃ موقوف عند أبی حنیفۃؒ سواء ظن وجوب الترتیب أولا فان کثرت وصارت الفوائت مع الفائتۃ ستا ظہر صحتہا بخروج وقت الخامسۃ التی ہی سادسۃ الفوائت الخ۔ وفی رد المحتار (قولہ فان کثرت) أی الصلوٰۃ التی صلاہا تارکا فیہا الترتیب بان صلاہا قبل قضاء الفائتۃ ذاکرا لہا وہذا تفریع لبیان قولہ موقوف وتوضیحہ أنہ اذا فاتتہ صلوٰۃ ولو وترا فکلما صلی بعدہا وقتیۃ وہو ذاکر تلک الفائتۃ فسدت تلک الوقتیۃ فسادا موقوفا علی قضاء تلک الفائتۃ فان قضاہا قبل ان یصلی بعدہا خمس صلوات صار الفساد باتا وانقلبت الصلوات التی صلاہا قبل قضاء المقضیۃ نفلا وان لم یقضہا حتی خرج وقت الخامسۃ وصارت الفوائت مع الفائتۃ ستا انقلبت صحیحۃ لأنہ ظہرت کثرتہا ودخلت فی حد التکرار المسقط للترتیب وبیان وجہ ذلک فی البحر وغیرہ الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۴۹۵ باب قضاء الفوائت)

مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ امام مسجد قضا شدہ وتر نماز کے یاد آنے کے باوجود جو نمازیں پڑھتا رہا وہ فاسد ہوں گی لیکن ان کا فساد موقوف

ہے اسی پر کہ اگر اس نے اسی طرح پانچ نمازیں ادا کیں حالانکہ اس کو وہ قضا شدہ نماز یاد ہو اور پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اس قضا شدہ نماز کی قضا ملائی تو چاروں نمازیں فاسد ہوں گی اور اگر پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اس قضا شدہ نماز کی قضا نہ لائی تو سب نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

وقت کی کمی کی وجہ سے قضاء کی بجائے ادا نماز پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی سے عصر کی نماز قضا ہو جائے اور مغرب کا اتنا وقت باقی ہو کہ اگر وہ عصر کی قضا نماز پہلے پڑھتا ہے تو مغرب کی نماز بھی قضا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس صورت میں اس شخص کو پہلے قضا نماز پڑھنی چاہیے یا ادا نماز؟

الجواب: جب آدمی سے کوئی نماز قضا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسرے وقت میں اولاً قضا نماز پڑھے بعد ادا نماز پڑھے لیکن اگر وقت کم ہو اور قضا نماز پڑھنے کے بعد وقتی نماز کے لیے وقت نہ بچتا ہو تو اس صورت میں یہ شخص پہلے وقتی نماز پڑھے پھر قضا نماز۔

لما فی الہندیۃ: ان کان بحیث اذا تخلع الجمعۃ واشتغل بالفجر یفوتہ الوقت اقدم الجمعۃ جاز ثم یصلی الفجر بعدھا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۲۲ باب قضاء الفوائت)

قضاء نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر کسی شخص سے بہت ساری نمازیں قضا ہو جائیں اور وہ ان کو ادا کرنا چاہے تو کیا قضا نمازوں کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہے یا جب بھی فرصت ملے قضا نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں؟

الجواب: قضا نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں جب بھی فرصت ملے قضا نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں تاہم اوقات مکروہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔[1]

لما قال العلامۃ ابن نجیم: ثم لیس للقضاء وقت معین۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ باب الفوائت)

---

[1] لما قال العلامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: قضا پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جس وقت فرصت ہو وضو کر کے پڑھ لے البتہ اتنا خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔

{ بہشتی زیور ص ۱۳۴ — قضا نمازوں کے پڑھنے کا بیان }

باب صلوٰۃ الاستسقاء

(نماز استسقاء کے احکام و مسائل)

بارش کے لیے سورۃ یٰس پڑھ کر اذان دینا مسنون طریقہ نہیں

سوال: بعض علاقوں میں بارش مانگنے کے لیے نماز استسقاء کی بجائے مندرجہ ذیل طریقہ رائج ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک آدمی سورۃ یٰسین ابتداء سے کر اول مُبین تک تلاوت کرتا ہے اس کے بعد ایک شخص بآواز بلند نماز کے لیے مسنونہ اذان دینا شروع کر دیتا ہے اس کی آواز کے ساتھ ہی مسجد کی ہر جانب میں لوگ اذان دینا شروع کر دیتے ہیں، بعد از اذان قاری سورۃ یٰسین کی ابتداء سے جب دوسرے مبین تک پہنچتا ہے تو پھر اسی طریقہ سے اذانیں شروع ہوتی ہیں حتیٰ کہ آخر مبین تک یہی طریقہ جاری رہتا ہے اور آخر میں ایک لمبی دعاء سے یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ کیا بارش کیلئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے؟

الجواب: نماز استسقاء کی بجائے یہ طریقہ بطور سنت شریعت میں ثابت نہیں، نیز اذان کے مواضع مسنونہ میں بارش کے لیے اذان دینا ثابت نہیں۔

قال العلامة ابن العابدینؒ تحت قوله لا یسن لغیرها کعید۔ ای و وتر و جنازة وکسوف واستسقاء الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۸۵ باب الاذان)[1]

نماز استسقاء باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال: نماز استسقاء باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ نماز باجماعت پڑھنا بدعت ہے۔

الجواب: نماز استسقاء باجماعت پڑھنا صاحبینؒ کے نزدیک سنت اور

[1] وفی الهندیة: ولیس لغیر صلوٰة الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین اذان ولا اقامة کذا فی المحیط وکذا المنذورة وصلوٰة الجنازة والاستسقاء والضحیٰ الخ۔ (الهندیة ج ۱ ص۵۳ باب الاذان)
ومثله فی خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص۴۸ باب الاذان۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے لیکن بغیر جماعت پڑھنا بھی درست ہے، کسی ایک کو بدعت کہنا فقہی ذخائر سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قال الناصر ان الاحادیث لما اختلفت فی الصلوٰة بالجماعة وعدمها علی وجه لا یصح به اثبات السنیة لم یقل ابو حنیفة بسنیتها ولا یلزم منها قوله بانها بدعة کما نقله عنه بعض المتعصبین بل هو قائل بالجواز الخ۔ قلت والظاهر ان المراد به الندب والاستحباب۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۴ باب الاستسقاء)[1]

نمازِ استسقاء صحراء میں پڑھنا چاہیے

سوال: نمازِ استسقاء کس جگہ پڑھنی چاہیے؟

الجواب: استسقاء کے لیے صحراء کی طرف نکلنا بہتر ہے۔

لما ورد فی الحدیث: حدثنا ابو داؤد قال حدثنا مسدد قال حدثنا هشیم عن یحیی بن سعید عن عبد الله بن ابی بکر عن عباد بن تمیم عن عبد الله بن زید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج بالناس الی المصلی فاستسقی فحول رداءه واستقبل القبلة۔ (طحاوی ج۱ ص۲۲۵ باب الاستسقاء الخ)[2]

نمازِ استسقاء کی دو رکعات ہیں

سوال: استسقاء کی نماز کی کتنی رکعات ہیں؟ کمی بیشی سے استسقاء کی نماز تنہا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص دو رکعات جماعت کے ساتھ اور دو رکعات انفرادًا اس نیت سے پڑھے کہ صاحبین اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں کے اقوال پر عمل ہو جائے

---

[1] وقال علاء الدین الکاسانیؒ: والجماعة غیر مسنونة فی هذه الصلوٰة عنده وعندهما سنة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۸۳ فصل فی بیان صلوٰة الاستسقاء)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۵۳ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء۔

[2] وقال العلامة ابن عابدینؒ: ویخرجون ای الی الصحراء کما فی الینابیع۔ هذا فی غیر اهل المساجد الثلاثة۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب صلوٰة الاستسقاء)
ومثله فی فتح القدیر ج۲ ص۵۸ باب صلوٰة الاستسقاء۔

تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا قول مفتی بہ ہے، اس لیے دو رکعات باجماعت پر اکتفاء کرکے انفرادی پڑھنے کی کوشش نہ کی جائے تاہم اگر مزید دو رکعات پڑھے تو اصل نمازِ استسقاء متاثر نہیں ہوتی ہے۔

قال العلامہ ابن عابدینؒ: ای بان یصلی بہم رکعتین یجہر فیہما بالقراءۃ بلا اذان ولا اقامۃ ثم یخطب بعدھا قائماً علی الارض معتمداً علی قوس او سیف، وھما خطبتین عند محمدؒ وخطبۃ واحدۃ عند ابی یوسفؒ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۴ باب الاستسقاء)[1]

نمازِ استسقاء کا مسنون طریقہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نمازِ استسقاء پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ صلوٰۃ الاستسقاء پڑھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ نماز کے لیے نکلنے سے قبل تین دن متواتر روزے رکھیں اور توبۃ النصوح کریں اور چوتھے دن پیدل پرانے دھوئے ہوئے کپڑے پہن کر تواضع اور عجز و انکساری کے ساتھ اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنے سروں کو جھکا کر میدانِ استسقاء کی طرف چلیں، اور جانے سے پہلے صدقہ دیں، چھوٹے بچوں کو ماؤں سے جدا کریں اور نماز کے لیے اپنے ساتھ بچوں، بوڑھوں، کمزوروں، ضعفاء اور جانوروں کو بھی ساتھ لے جایا کریں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: یستحب للامام ان یأمرھم بصیام ثلاثۃ ایام قبل الخروج وبالتوبۃ ثم یخرج بہم فی الرابع مشاۃ فی ثیاب غسیلۃ او مرقعۃ متذللین متواضعین خاشعین للہ ناکسین رءوسہم ویقدمون الصدقۃ کل یوم قبل خروجہم ویجددون التوبۃ ویستغفرون للمسلمین ویستسقون بالضعفۃ والشیوخ والعجائز والصبیان ویبعدون الاطفال عن امہاتہم ویستحب اخراج الدواب الخ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب صلوٰۃ الاستسقاء)

---

[1] وقال العلامۃ برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: یصلی الامام رکعتین الخ
(الہدایۃ ج۱ ص۱۴۱ باب صلوٰۃ الاستسقاء)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۶۵ باب الاستسقاء۔

نمازِ استسقاء میں ہاتھ اُلٹے کر کے دعا مانگنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک دن استسقاء کی نماز ہو رہی تھی کہ امام صاحب نے ہاتھ اُلٹے کر کے دُعا مانگنا شروع کر دی، کیا نمازِ استسقاء میں دعا مانگنے کا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استسقاء میں ہاتھ اُلٹے کر کے دُعا مانگنا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لیے فقہاءِ اُمت نے نمازِ استسقاء کے دوران دعا کرتے وقت اُلٹے ہاتھوں کو مسنون قرار دیا ہے، لہٰذا آپ کے امام صاحب نے صحیح اور درست کام کیا ہے۔ تاہم استسقاء میں سیدھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔

خرج الامام مسلم بن حجاج القشيريؒ: عن انس بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم استسقى فاشار بظهر كفيه الى السماء۔

قال النوويؒ: تحته قال جماعة من اصحابنا وغيرهم السنة في كل دعاء لرفع بلاء كالقحط ونحوه ان يرفع يديه ويجعل ظهر كفيه الى السماء واذا دعا لسوال شيء وتحصيله جعل بطن كفيه الى السماء۔ (صحيح مسلم مع شرح النوويؒ ج ۱ ص۲۹۳ كتاب صلوٰة الاستسقاء) ؎۱

نمازِ استسقاء میں قلبِ رداء (چادر کا الٹانا) ثابت ہے

سوال:۔ کیا نمازِ استسقاء میں قلبِ رداء (چادر الٹانا) ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ نمازِ استسقاء میں صرف امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ نماز کے بعد قلبِ رداء اس طرح کرے کہ چادر کا اوپر والا حصہ نیچے آجائے اور نیچے والا حصہ اوپر کی طرف ہو کر یمین شمال کی طرف اور شمال یمین کی طرف منتقل ہو جائے۔

قال العلامة ابن الهمامؒ: وعلم ان كون التحويل كان تفاؤلا جاء مصرحا به في المستدرك من حديث جابر وصححه قال وحول رداءه ليتحول القحط وفي فوائد

؎۱ اخرج ابوداؤد عن انس بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يستسقي هكذا يعني ومد يديه وجعل بطونهما مما يلي الارض حتى رأيت بياض ابطيه۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۶۴ باب رفع اليدين في الاستسقاء)
ورواه في مشكوٰة المصابيح ج ۱ ص۱۳۲ باب الاستسقاء۔

زیادہ نہیں اس لیے صرف تین دن تک مسلسل نکلنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ويخرجون ثلاثة ايام لانه لم ينقل اكثر منها متتابعات. (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۱۹۵ باب الاستسقاء) لـه

نمازِ استسقاء کے لیے صرف دعا پر اکتفاء کرنا جائز ہے

سوال:- کیا استسقاء کے لیے صرف نماز پڑھنا مسنون ہے یا فرض نمازوں کے بعد یا دیگر حالات میں بھی دعا کی جاسکتی ہے؟ ایک مولوی صاحب نے نمازِ استسقاء کی تقریب میں صرف دعا کو بدعت کہا ہے؟

الجواب:- استسقاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اعمال مروی ہیں جن میں دعا بھی منقول ہے اس لیے امام ابوحنیفہؒ جماعت کے ساتھ استسقاء کو صرف جواز تک محدود رکھتے ہیں لہٰذا اگر استسقاء کے لیے صرف دعا کی جائے تو بھی جائز ہے اس کو بدعت کہنا شرعی دلائل سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ البتہ امام دعا کے لیے قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو اور مقتدین بیٹھے رہیں۔ عہ

قال العلامة الحصكفيؒ: هو دعاء واستغفار لانه السبب لارسال الامطار بلا جماعة مسنونة بل هي جائزة. وقال ابن عابدينؒ: (قوله هو دعاء) وذلك بان يدعو الامام قائما مستقبل القبلة رافعا يديه والناس قعود مستقبلين القبلة يؤمنون على دعائه، اللهم اسقنا غيثا مغيثا هنيئا مريئا مريعا غدقا عاجلا غير رائث مجللا سحا طبقا دائما. (رد المحتار ج۲ ص۱۹۲ باب الاستسقاء) عہ

❋ ❋

له قال العلامة الكاسانيؒ: ثم المستحب ان يخرج الامام بالناس ثلاثة ايام متتابعة لان المقصود من هذا اظهار الحاجة والخلافة ... (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۸۳ صلوة الاستسقاء)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۵۴ باب الاستسقاء.

عہ قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: قال ابوحنيفةؒ ليس في الاستسقاء صلوة مسنونة في جماعة فان صلى الناس وحدانا جاز انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالى: استغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا. (الهداية ج۱ ص۱۵۵ باب الاستسقاء)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۵۴ باب الاستسقاء.

باب سجود السہو

(سجدۂ سہو کے احکام ومسائل)

سجدۂ سہو کے لیے ایک طرف سلام پھیرنا کافی ہے

سوال:- سجدۂ سہو میں دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا یا ایک طرف؟ اور کیا اس میں امام اور منفرد کے لیے حکم یکساں ہے یا جدا؟

الجواب:- امام، مقتدی اور منفرد کے لیے سجدۂ سہو میں تمام فقہاء کے ہاں ایک طرف یعنی دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرنا بہتر ہے لیکن بعض محققین مثلاً صاحب ہدایہ وغیرہ نے دونوں طرف سلام کو راجح قرار دیا ہے، اگرچہ بعض فقہاء کے ہاں دونوں طرف سلام پھیرنے سے بوجہ خروج عن الصلوٰۃ کے سجدۂ سہو ساقط ہوجاتا ہے۔ البتہ جائز دونوں ہیں لیکن ایک طرف سلام پھیرنا افضل ہے۔

قال العلامة ابو بکر المرغینانیؒ: ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح۔
(الهدایة ج۱ ص۱۳۹ باب سجود السهو)

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط، لانه المعهود وبه یحصل التحلیل وهو الاصح بحر عن المجتبی وعلیه لو أتی بتسلیمتین سقط عنه السجود۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۸۰ باب سجود السهو)[1]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: (ویکتفی بتسلیمة واحدة) قاله شیخ الاسلام وعامة المشائخ وهو الأحوط للاحتیاط والاحسن ویکون (عن یمینه) لانه المعهود وبه یحصل التحلیل فلا حاجة الی غیره خصوصاً وقد قال شیخ الاسلام خواهر زاده لا یأتی بسجود السهو بعد التسلیمتین لانه بمنزلة الکلام (وفی الاصح) وفی الهدایة ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح۔ قال العلامة السید احمد الطحطاوی تحت قوله ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح ردہ العلامة خسرو بالاعتراض علیه۔
(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۴۶، ۲۴۷ باب سجود السهو)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۲۵ الباب الثانی عشر فی سجود السهو۔

سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے

سوال: نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ میں صرف ایاک نعبد و ایاک نستعین سہواً رہ جائے تو کیا نماز ہوجاتی ہے یا اس کا اعادہ واجب ہے؟

الجواب: فرائض کی پہلی دو رکعت اور سنن، وتر اور نفل کی تمام رکعات میں سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر سجدہ سہو ادا نہیں کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال الحصکفیؒ: وقراءۃ فاتحۃ الکتاب، فیسجد للسہو بترک أکثرھا لا أقلھا لکن فی المجتبی یسجد بترک آیۃ منھا وھو أولی۔ قلت وعلیہ فکل آیۃ واجبۃ۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ أی وبناءً علی ما فی المجتبی فکل آیۃ واجبۃ وفیہ نظر لأن الظاھر أن ما فی المجتبی مبنی علی قول الإمام بأنھا بتمامھا واجبۃ وذکر الآیۃ تمثیل لا تقیید۔ إذ بترک شیء منھا آیۃ أو أقل ولو حرفاً لا یکون آتیاً بکلھا الذی ھو الواجب کما أن الواجب ضم ثلاث آیات فلو قرأ دونھا کان تارکاً للواجب أفادہ الرحمتی۔ (الدر المختار ورد المحتار ج۱ ص [illegible]) اور مطلب کل صلوۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا۔[1]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: الأول قراءۃ الفاتحۃ الخ إلی أن قال وإن ترک أقلھا لا یجب أی السجود لأن للأکثر حکم الکل کذا فی المحیط وسواء کان إماماً أو منفرداً لکن فی التجنیس وفی المجتبی إذا ترک من الفاتحۃ آیۃ وجب علیہ السجود وإن ترکھا فی الأخریین لا یجب إن کان فی الفرض وإن کان فی النفل أو الوتر وجب علیہ لوجوبھا فی الکل اھ۔

وقال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ (قولہ وفی المجتبی إذا ترک الخ) قال فی النھر وھو الأولی ویؤیدہ ما سیأتی وحکاہ فی المعراج عن شیخ الإسلام ثم قال وعند أبی یوسفؒ ومحمدؒ إذا قرأ أکثرھا لا یجب اھ۔

(البحر الرائق مع منحۃ الخالق ج۲ ص [illegible] باب سجود السھو)

سورۃ فاتحہ کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

سوال: زید بحیثیت امام نماز پڑھا رہا تھا، رکعت اولیٰ کے بعد بجائے سورۃ فاتحہ کے کسی دوسری سورت کی تلاوت شروع کی اور یاد آنے کی صورت میں اگر فاتحہ پڑھے تو کیا اس امام پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نیز اگر متعلقہ رکعت میں یاد نہ رہے بلکہ دوسری رکعت میں کہیں ختم ہو جائے تو کیا سجدۂ سہو پر اکتفاء ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں اگرچہ امام نے یاد آنے پر سورۃ فاتحہ پڑھی ہے لیکن سورت فاتحہ کے ساتھ ساتھ ضم سورت اور ان دونوں کے درمیان یہ ترتیب بھی واجب ہے کہ سورت فاتحہ پہلے ہو اور ضم سورت بعد میں متصل ہو، چونکہ مذکورہ امام نے ترتیب الٹ دی ہے اس لیے اس پر سجدۂ سہو واجب ہے جیسا کہ سورت فاتحہ کے رہ جانے یا ضم سورت ترک کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

وقال ابن نجیم المصریؒ: وقد قدمنا في الواجبات انه يجب تقديم الفاتحة على السورة وانه يجب ان لا يؤخر السورة عن قراءة الفاتحة فكذا لو بدأ بالسورة ثم تذكر يبدأ بالفاتحة ثم يقرأ السورة ويسجد للسهو وان قرأ من السورة حرفاً كما في المجتبى وقيده في فتح القدير بأن يكون مقدار ما يتأدى به ركن عن قراءة الفاتحة. (البحر الرائق ج۲ ص۹۴ باب سجود السهو)

وايضاً قال ابن نجيمؒ: الاولى قراءة الفاتحة فان تركها في احدى الاوليين او اكثرها وجب عليه السجود. (البحر الرائق ج۲ ص۹۳ باب سجود السهو)[1]

ضم سورۃ رہ جانے سے سجدۂ سہو کا وجوب

سوال: اگر ایک نمازی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد ضم سورۃ بالکل چھوڑ دے تو اس

---

[1] قال العلامة فخر الدين الزيلعيؒ: منها قراءة الفاتحة والسورة وتعيين الفاتحة ... حتى لو تركها وجب عليه السهو ... ولو قرأ الفاتحة وحدها وترك السورة يجب عليه سجود السهو ولو قرأ مع الفاتحة آية قصيرة او قرأ ثلاث آيات قصار او آية طويلة مع الفاتحة واجبة ولو قرأ الفاتحة من سورة فعليه سجود السهو. (تبيين الحقائق ج۱ ص۱۹۳ باب سجود السهو)
ومثله في الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۲۷ باب سجود السهو۔

نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ نیز مذکورہ نمازی سجدہ سہو ادا کرے تو نماز تام ہو جائے گی یا اعادہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب: نماز میں نفس قرأت فرض ہے البتہ سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملا کر پڑھنا واجب ہے، ان دونوں میں سے جو بھی پڑھنے سے رہ جائے تو نماز ناقص ہو کر قعدہ اخیرہ میں سجدہ سہو ادا کرنے سے مکمل ہو جائے گی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو قصداً چھوڑ دے تو بغیر سجدہ سہو کے نماز مکمل نہ ہوگی بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہو گا، ایسا ہی نفس قرأت رہ جانے سے ترک فرض کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ہے۔

قال الامام الكاساني: منها قراءة الفاتحة والسورة في صلوٰة ذات ركعتين وفي الاوليين من ذوات الاربع والثلاث حتى لو تركهما او احدهما فان كان عامداً كان مسيئاً وإن كان ساهياً يلزمه سجود السهو۔[1] (بدائع الصنائع ج ۱ ص [illegible] باب سجود السهو)

ختم سورۃ اور قنوت کے درمیان صلوٰۃ وتر میں تکبیر کہنے پر سجدہ سہو کا حکم

سوال: اگر ایک شخص وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کرے لیکن فوراً ضم سورۃ یاد آنے پر سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرکے دعاء قنوت پڑھے تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں حسب قواعد سجدہ سہو واجب نہیں، کیونکہ سجدہ سہو کسی رکن میں اس قدر تاخیر سے واجب ہوتا ہے کہ جس میں مسنون طریقہ سے چھوٹا رکن مثلاً سجدہ یا رکوع ادا ہو، لہٰذا رکوع یا سجدہ میں تین بار سبحان ربی العظیم یا

---

[1] قال ابن نجيم: الاول قراءة الفاتحة فاذا تركها في احدى الاوليين او اكثرها وجب عليه السجود وان تركها قليلاً لا يجب لان للاكثر حكم الكل الى ان قال وسواء كان اماماً او منفرداً كذا في التجنيس۔ وان تركها في الاخريين لا يجب ان كان الفرض وان كان النفل او الوتر وجب عليه لوجوبها في الكل۔ فتقدم منا انه لو تركها في الاوليين لا يقضيها في الاخريين في ظاهر الرواية۔ وايضاً قال فلو لم يقرأ شيئاً مع الفاتحة او قرأ آية قصيرة لزمه السجود۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۹۳، ۹۴ باب سجود السهو)

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰی پڑھنے پر ۳۲×۳ = ۴۲ حروف کے تلفظ کا وقت صرف ہوتا ہے لیکن پہلے مذکورہ صورت میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ میں صرف آٹھ حروف کے تلفظ کی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔

قال العلامة الشیخ احمد الطحطاوی: ومن الواجب تقدیم الفاتحة علی السورة وأن لا یؤخر السورة عنها بمقدار اداء رکن الخ۔ [1]

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۴۵ باب سجود السهو)

سجدۂ ثانیہ صلوتیہ بھول جانے کی صورت میں سلام پھیرنے کے بعد پڑھ سکتا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کسی رکعت میں سجدۂ ثانیہ ادا کرنا بھول گیا، سلام پھیرنے کے بعد اس کو سجدہ یاد آیا، تو کیا اس طرح سلام پھیرنے سے یہ شخص خارج صلوٰۃ متصور ہوگا یا نہیں؟ نیز نماز کے منافی کام کرنے کی صورت میں شرعاً اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جب تک نماز کے منافی کوئی کام نہیں کیا ہو تو سلام پھیرنے کے باوجود یہ شخص داخلِ صلوٰۃ متصور ہوگا، اس صورت میں یہ شخص سجدۂ ثانیہ صلوتیہ پہلے ادا کرے، پھر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو ادا کرے، پھر قعدہ پر بیٹھ کر نماز مکمل کرکے سلام پھیر دے۔ اور اگر کوئی ایسا کام کیا ہو جو نماز کے منافی ہو تو نماز سے خارج ہو کر سجدہ کے اعادہ سے نماز مکمل نہیں ہوتی ہے بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: وان کان ساهیًا عنهما أی عن سجدة صلبیة وسجدة التلاوة وسلّم لا یخرج عن الصلوٰة. وعلیه ان یسجد لکل واحدة منهما الاول فالاول منهما ثم یتشهد بعدهما ویسلّم ثم یسجد سجدتی السهو ثم یتشهد ثم یسلم الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۷۱) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ولو اخر الفاتحة عن السورة فعلیه سجود السهو کذا فی التبیین۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۲۶ باب سجود السهو)

لیکن یہ جزئیہ مجمل ہے اور بالا جزئیہ صریح ہے اور یہ فتویٰ بقول طحطاوی کا ہے۔ منہ (مرتب)

[2] قال الشیخ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: واذا سلّم وهو ذاکر ان علیه سجدة صلبیة وسجدة التلاوة فان سلامه لا یکون قطعًا وعلیه ان یسجد للتلاوة ویسجد الصلوتیة الاول فالاول ثم یتشهد ثم یسلّم ثم یسجد سجدتی السهو ثم یتشهد ثم یسلم الخ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۷۳ باب سجود السهو)

رکعت اولیٰ وثالثہ کے بعد طویل جلسہ موجب سہو ہے

سوال:- ایک چار رکعت فرض نماز میں امام پہلی رکعت یا تیسری رکعت میں سجدہ ثانیہ کے بعد قعدہ پر اتنا بیٹھ گیا کہ مقتدی سب کھڑے ہوگئے، بکر (مقتدی) نے لقمہ دیا تب امام صاحب قعدہ سے اٹھ کر قیام میں گئے۔ تو کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر یہ قعدہ پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے بعد اتنی ہو یعنی اتنی تاخیر ہو کہ اس جتنے وقت میں نماز کا کوئی رکن مسنون طریقہ سے ادا ہوتا ہو مثلاً رکوع یا سجدہ میں تین دفعہ تسبیحات پڑھنے پر جتنا وقت خرچ ہوسکے اتنی مقدار تاخیر کی گئی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: ولکن القعدة فی آخر الرکعة الاولیٰ او الثالثة فیجب ترکہا ویلزم من فعلہا ایضاً تاخیر القیام الی الثانیة او الرابعة عن محلہ۔ وھٰذا اذا کانت القعدة طویلة۔ اما الجلسة الخفیفة التی استحبہا الشافعیؒ فترکہا غیر واجب عندنا بل ھو الافضل کما سیأتی۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۳۴ واجبات الصلوٰة)[1]

مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پانے کے بعد دوسری رکعت پر قعدۂ اولیٰ چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال:- ایک شخص مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایسے وقت شامل ہوا کہ امام صاحب دو رکعت پڑھ چکے تھے، عام اقوال کے مطابق یہ شخص ایک رکعت پڑھ کر قعدۂ اولیٰ کرے گا، لیکن ایسی حالت میں کہ مسبوق سے یہ قعدہ جو امام سے فراغت کے بعد انفرادی طور پر ادا کررہا ہے چھوٹ گیا

---

[1] قال صاحب الملتقیٰ: لا یجب بہ تحتہ ان قرأ فی رکوع او قعود او قدم رکناً او اخرہ او کررہ او غیر واجباً او ترکہ کرکوع قبل القراءة وتاخیر القیام الی الثالثة بزیادة علی التشہد قدر رکن واختلفوا فی مقدار الزیادة فقال بعضہم بزیادة حرف وکلام المصنف اشار الیٰ ھٰذا وقال بعضہم بقدر رکن وھو الصحیح کما فی اکثر الکتب۔

(مجمع الانہر ج۱ ص۱۴۸ باب سجود السہو)

ومثلہ فی حاشیة امداد الفتاوی ج۱ ص۳۴۵، ۳۴۶ باب سجود السہو۔

تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- قعدۂ اولیٰ اگرچہ واجب ہے جس کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن صورت مذکورہ میں مسبوق سے یہ قعدہ چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو استحساناً واجب نہیں اور نماز بھی درست ہے۔

قال ابن عابدینؒ : (قوله وعليه ان يقضي ركعة بقراءة الخ) يعني الركعة الاولى من الركعتين. قال في شرح المنية حتى لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة، ويقعد في اولهما لانها ثانية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السهو لو سهواً لكونها اولى من وجه اھ ولا يخالفه ما نقله العينيؒ عن المبسوط من ان هذا استحسان وفي القياس ان يصلي ركعتين ثم يقعد ووجه الاستحسان ان هذه الركعة ثانية لهذا المسبوق والقعدة بعد الركعة الثانية من المغرب سنة اھ۔

(منحة الخالق على البحر الرائق ج ۱ ص ۳۸۴ باب الحدث في الصلوٰة)[1]

قعدۂ اولیٰ رہ جانے یا اس پر زیادتی سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال ۱ :- کسی شخص نے چار رکعت سنت مؤکدہ میں قعدۂ اولیٰ چھوڑ دیا تو کیا سجدۂ سہو سے سنتیں درست ہو جائیں گی؟

سوال ۲ :- اگر کوئی چار رکعت سنت مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے علاوہ درود شریف کے چند کلمات کی زیادتی کرے تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۱ :- فرض نماز کی طرح سنت مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ بھی چونکہ واجب ہے اور واجب کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اس لئے سجدۂ سہو

---

[1] قال الحصكفيؒ : (فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما. قال ابن عابدين تحت قوله وتشهد بينهما) قال في شرح المنية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة اولى من وجه. (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۶ باب اللاحق والمسبوق)

ومثله في كبيري ص ۴۶۸ باب سجود السهو۔

کرنے سے نماز درست ہوجائے گی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: السادس القعود الاول وکذا کل قعدۃ لیست اخیرۃ سواء کان فی الفرض او فی النفل فانه یلزمه سجود السهو بترکها ساهیا۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۹۵ باب سجود السهو) [1]

الجواب ۳: درود شریف پڑھنا بذات خود موجب سجدہ سہو نہیں بلکہ درود شریف پڑھنے سے رکعت ثالثہ کے قیام میں تاخیر آتی ہے جو موجب سجدہ سہو ہے مگر قعدہ اولیٰ کے تشہد پڑھنے کے بعد اگر ویسے بھی ایک رکن خاص مقدار میں تاخیر رہے تو پھر بھی سجدہ سہو واجب رہے گا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ومنها لو کرر التشهد فی القعدۃ الاولیٰ فعلیه السهو لتاخیر القیام الرکن او صلی علی النبی صلی الله علیه وسلم فیها لتاخیرہ واختلفوا فی قدرہ والاصح وجوبه باللّٰهم صلّ علی محمّد وان لم یقل وعلی آله۔ وذکر فی البدائع انه یجب علیه السجود عندهما وعندہ لا یجب لانه لو وجب لوجب لجبر النقصان ولا یعقل نقصان فی الصلوۃ علی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ وابو حنیفة رحمه الله یقول لا یجب علیه بالصلوۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم بل بتاخیر الفرض وهو القیام الا ان التاخیر حصل بالصلوۃ فیجب علیه من حیث انها تاخیر لا من حیث انها صلوۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم۔ وقد حکی فی المناقب ان ابا حنیفة رحمه الله رأی النبی صلی الله علیه وسلم فی المنام فقال له کیف اوجبت علی من صلی علیّ سجود السهو فاجابه بکونه

---

[1] قال الحصکفیؒ: والقعود الاول ولو فی النفل فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله (والقعود الاول) وان کان کل شفع صلوۃ علیحدۃ حتی افترضت القراءۃ فی جمیعه لکن القعدۃ انما فرضت للخروج من الصلوۃ فاذا قام الی الثالثة تبین ان ما قبلها لم یکن اوان الخروج من الصلوۃ فلم تبق الفریضة۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۹۶ واجبات الصلوۃ)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۷۱ باب فی عشر الصلوۃ السهو۔

سطر واحد۔ لکن فی التتارخانیۃ عن العتابیۃ قیل فی التطوع یعود مالم یقیدہ
بالسجدۃ والصحیح انہ لا یعود۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۳ باب سجود السہو)

وایضاً قال الحصکفیؒ: ولو ترک القعود الاول فی النفل سہواً سجد (ای للسہو)
ولم تفسد استحساناً لانہ کما شرع رکعتین شرع اربعاً ایضاً وقیل منہ انہ یعود مالم
یقیدہا ثم یسجد۔ وقیل لا[۱]۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۸۳ باب سجود السہو)

قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر قیام میں چلے جانے سے واپس لوٹنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: اگر امام قعدۂ اولیٰ پر بیٹھنے کی بجائے قیام میں چلا جائے، پیچھے سے مقتدی فتح دیں اور امام مکمل کھڑے ہونے کے بعد فوراً بیٹھ جائے تو کیا اس سے نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور قیام فرض ہے اس لیے واجب کے رہ جانے سے امام کو واپس نہیں آنا چاہیے تھا لیکن جب یہ امام دوبارہ واپس قعدہ پر بیٹھ گیا تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن نماز میں نقصان ہوگا، البتہ سجدہ سہو ادا کرنے سے نماز پوری ہو جائے گی اور اگر سجدہ سہو ادا نہیں کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وان سہا عن القعود الاول وہو الیہ اقرب عاد والا لا، وقال بعضہم اصح۔ وذکر الشیخ ان ظاہر الروایۃ انہ لم یستتم قائماً یعود واذا استتم قائماً لا یعود لما جاء فی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قام من الثانیۃ الی الثالثۃ قبل ان یقعد فسبحوا بہ فعاد وروی انہ لم یعد وکان بعد ما استتم قائماً وہذا الاول لما لم یستتم قائماً اشتغل بفرض القیام فلا یترکہ اھ وکذا الشارح۔ وفی فتح القدیر انہ ظاہر المذہب والتوفیق بین النقلین المرویین بالحمل علی ما فی القرب من القیام فعدمہ لیس بذلک منہ بالعمل علی الاستواء وعدمہ ثم لو عاد

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ: اما فی النفل اذا قام الی الثالثۃ من غیر قعدۃ فانہ یعود ولو استتم قائماً مالم یقیدہا بسجدۃ کذا فی السراج الوہاج۔ وحکی فیہ خلافاً فی المحیط قیل لا یعود لانہ صار کالفرض۔ وقیل یعود مالم یقیدہا بالسجدۃ، لان کل شفع صلوٰۃ علی حدہ فی حق القراءۃ ثم امر بالعود الی القعدۃ احتیاطاً۔ وفی عامۃ کتبنا ان القعدۃ وقعت فرضاً فیکون رفض الفرض لمکان فیجوز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۰۱ باب سجود السہو)

فی موضع وجوب عدمه اختلفوا فی فساد صلوته فصحح الشارح الفساد لتکامل الجنایة برفض الفرض بعد الشروع فیه لاجل ما لیس بفرض وفی المبتغی بالغین المعجمة انه غلط لانه لیس بترک وانما هو تاخیر کما لو سها عن السورة فرکع فانه یرفض الرکوع ویعود الی القیام ویقرأ لاجل الواجب الخ ... ان قال لا تفسد علی الاصح.

(البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ باب سجود السهو)[۱]

عشاء کی آخری رکعات میں جہر موجب سجدۂ سہو ہے

سوال: عشاء کی نماز میں فرضوں کی آخری دونوں رکعات میں جہراً قرأت کرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا اس میں نسیان و عمد برابر ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟

الجواب: عشاء کے فرضوں کی آخری دو رکعات میں اخفاء واجب ہے لہٰذا جہراً قرأت پڑھنے سے ترکِ واجب لازم آنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اور عمداً قرأت بالجہر پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو سے کفایت نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں اعادہ واجب ہوگا کیونکہ سہو سے جبر نسیان کا ہوتا ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو جهر فیما یخافت فیه وهو امام علیه السهو قل ذلک او کثر ولو خافت فیما یجهر فیه قل ذلک او کثر علیه السهو ان کان ساهیاً فی ظاهر الروایة۔ وعلیه اعتماد شمس الائمة الحلوانیؒ وفی روایة النوادر۔ ولا سهو علی المنفرد فی شیء من ذلک ولو جهر فی التطوع نهاراً لا سهو۔

(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۵۵ جنس فی القراءة والاذکار)[۲]

---

۱ قال ابن عابدینؒ: وقد نقل المقدسی عن شرح القدوری للاقطع انه یعید الصلوٰة لتغییر الصفة عن الحالة الاصلیة ما نصه ان عاد للقعود یکون مسیئاً ولا تفسد صلوته ویسجد لتاخیر الواجب۔ (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ باب سجود السهو)

۲ قال الحصکفیؒ: والجهر فیما یخافت فیه للامام وعکسه لکل مصل فی الاصح والاصح تقدیره بقدر ما تجوز به الصلوٰة فی الفصلین۔ وقیل قائله قاضی خانؒ یجب السهو بهما أی بالجهر والمخافتة مطلقاً أی قل او کثر وهو ظاهر الروایة

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۸۱ باب سجود السهو)

تکرارِ دعاءِ قنوت سے سجدہ سہو کا حکم

سوال:۔ دعاء قنوت کے تکرار کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعاء قنوت کے تکرار کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے کیونکہ اس سے رُکن کی تاخیر لازم آتی ہے جو ترکِ واجب کے مترادف ہے۔

وفی الهندیة: ولا یجب السجود الا بترک واجب او تاخیره او تاخیر رکن او تقدیمه او تکراره او تغییر واجب۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۲۶ باب سجود السهو) [۱]

دُعاءِ قنوت سہواً ترک ہونے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر وتر میں دعاء قنوت بھول جائے تو سلام پھیرنے کے بعد یاد آجانے کی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر وتر کی نماز میں دعاء قنوت بھول جائے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آنے سے فوراً بعد سجدہ سہو کرے تو نماز مکمل ہوجائے گی، بشرطیکہ سلام کے بعد کوئی ایسا کام نہیں کیا ہو جو نماز کے منافی ہو ورنہ اعادہ واجب ہے، اسی طرح عمداً قنوت چھوڑنے کی صورت میں بھی اعادہ ضروری ہے۔

قال طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو سلّم وعلیه السجدة صلوتیة او التلاوة او السهو۔ ان سلّم وهو غیر ذاکر لذلک او ذاکر للسهو لا یکون قطعاً۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص[illegible] سجود السهو)

وایضاً ذکر: وان سلّم وهو لا یرید ان یسجد لسهوه لم یکن تسلیمه ذلک قطعاً حتی لو بدا له ان یسجد وهو فی مجلسه ذلک قبل ان یقوم وقبل ان یتکلم فانه یسجد سجدتی السهو فان تکلم او خرج من المسجد لا یاتی بهما ویسجد لسهوه بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السلام لا یجب علیه

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ: وفی فتح القدیر ولو قرأ القنوت فی الثالثة قبل قراءة الفاتحة او السورة او کلیهما فتذکر بعد ما رکع قام ولو قرأ او اعاد القنوت والرکوع لانه رجع الی محله قبله ویسجد للسهو۔ (البحر الرائق ج۲ ص۹۶ باب سجود السهو)

ومثله فی فتح القدیر ج۱ ص۴۲۲ باب سجود السهو

اما لو تیقن بعد السلام ثم یتشهد ثانیا بعد السجدتین ویقرأ التشہد۔
(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۶۳ سجود السہو)[1]

قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت ملانے سے نماز کی فرضیت نفل میں بدل جاتی ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے چار رکعت فرض کی نیت باندھ لی، قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت اور ملا کر پڑھ لیں شرعاً اس نماز کی حیثیت کیا ہے؟ اور سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جب مصلی نے قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت اور ملا لیں تو یہ چھ رکعات نماز کے تمام نفل ہوگئے اور سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں اور فرض نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔

قال الشیخ ابراہیم الحلبیؒ: وان سہا عن القعدة الاخیرة فی ذوات الاربع وقام الی الخامسة الی ان قال: وان قید الرکعة الخامسة بالسجدة بطل فرضه وتحولت صلوته نفلا عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ۔ وبطلت اصلا عند محمدؒ۔ وعلیه ان یضم الیها (ای الی الخامسة) رکعة سادسة عند علمائنا الثلاثة قوله ویسجد للسہو ہو قول بعض المشائخ وفی النہایة والاصح انه لا یسجد ولکن قال ابن الہمام الصحیح انه لا یسجد لان النقصان بالفساد لا ینجبر بالسجود۔ (غنیة ص ۲۹۲ باب سجود السہو)[2]

قعدہ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت رہ جانے کا ظن غالب ہو

سوال:۔ اگر کسی شخص کو

---

[1] قال قاضی خانؒ: ولو ترک القنوت فتذکر فی القعدة او بعد ما رفع راسه من الرکوع لا یقنت وعلیه السہو۔ (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیة ج ۱ ص ۱۲۱ باب سجود السہو)

[2] وفی الہندیة: وان لم یقعد علی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ان تذکر. وان قید الخامسة بالسجدة فسد فرضه عندنا کذا فی المحیط وتحولت صلوته نفلا عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی۔ ویضم الیها رکعة سادسة ولو لم یضم فلا شیء علیه کذا فی الہدایة۔ (الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۱۲۹ باب سجود السہو)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۰۴ باب سجود السہو۔

قعدۂ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت چھوٹ جانے کا ظن غالب آئے اور وہ اس ظن غالب کی وجہ سے بنا کر کے ایک اور رکعت پڑھنے کے لیے اٹھ بیٹھے اور اسی زائد رکعت کو پڑھتے ہوئے قیام یا رکوع میں یاد آیا کہ سب رکعتیں پوری پڑھی جا چکی ہیں تو شرعاً اس شخص کو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ظن غالب پر قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے یا سلام کے متصلاً بعد کھڑا ہو جائے کہ اس کے ذمے کوئی رکعت باقی ہے اور پھر اس کو قیام یا رکوع میں یاد آیا کہ اس نے نماز مکمل پڑھی ہے تو یہ شخص فوراً بیٹھ کر سلام پھیرے اور کھڑے ہوئے سلام پھیرا تو بھی جائز ہے مگر خلاف سنت ہے۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وان قعد الجلوس الاخیر قدر التشهد ثم قام ولو عمداً وقرأ و رکع عاد للجلوس لان ما دون الرکعة بمحل الرفض وسلّم فلو سلّم قائماً صح وترك السنة لان السنة التسلیم جالساً من غیر اعادة التشهد لعدم بطلانه بالقیام۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۳ باب سجود السهو)[1]

قعدۂ اخیرہ کے بعد رکعت خامسہ پر سجدہ کرنے یا نہ کرنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ اگر امام قعدۂ اخیرہ کر کے کھڑے ہونے کی صورت میں پانچویں رکعت پڑھے اور اسی پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کرلے تو کیا امام اور مسبوق کی نماز درست ہوگی؟

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ کرنے سے ان کی نماز پوری ہوگئی، رکعت خامسہ کرنے سے سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو سے کفایت ہوسکتی ہے، لہٰذا سجدۂ سہو کرنے کے بعد امام اور مقتدیوں کی نماز درست رہے گی، لیکن مسبوق کے لیے ضروری ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد امام

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم ولو سلّم قائماً صح۔ قال العلامة ابن عابدینؒ قوله عاد وسلّم ای عاد للجلوس لما مرّ ان ما دون الرکعة محل الرفض وفیه اشارة الی انه لا یعید التشهد وبه صرح فی البحر قال فی الامداد وانه یعود للتسلیم جالساً لان السنة التسلیم جالساً الخ۔

(رد المحتار ج۲ ص۸۶ باب سجود السهو)

فرائض اور نوافل میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال:- نفل نماز کے اندر سجدۂ سہو کیا لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- سجدۂ سہو درحقیقت نماز میں کسی واجب کے ترک پر جو قصور رہ گئی ہو اس کا جبیرہ ہوتا ہے، اور ترک واجب صرف فرض سے خاص نہیں بلکہ نفل نماز میں بھی ہو سکتا ہے، اس لیے سجدۂ سہو کا حکم فرض اور نفل نماز میں یکساں ہے۔

وفی الهندیة: وحکم السهو فی الفرض والنفل سواء کذا فی المحیط۔
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۲۸ باب سجود السهو)[1]

نماز کے آخر میں سلام کا حکم

سوال:- ایک مصلی (نمازی) نے ایک طرف سلام پھیرا اور دوسری طرف سلام نہیں پھیرا بلکہ ویسے ہی اٹھ کھڑا ہوا، یا اگر دونوں طرف سلام نہ پھیریں تو ایسے نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے یا یہ کافی ہے؟

الجواب:- ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی کیونکہ جب پہلا سلام پھیر دیا تو نماز پوری ہو گئی، ہاں دوسری طرف سلام پھیرنا بھی واجب ہے۔ لہٰذا سینہ پھیرنے اور بات کرنے سے قبل یاد آنے پر دوسری طرف بھی سلام پھیر دے، اور اگر دونوں طرف سلام نہیں پھیرا ہو تو نماز سے منافی کام کرنے سے قبل یاد آنے کی صورت میں فوراً بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے تو نماز درست تصور ہوگی، ورنہ ترکِ واجب مکروہ تحریمی ہو کر نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ دونوں طرف قصداً سلام چھوڑنے پر سجدۂ سہو کرنے سے نماز پوری نہیں ہوگی بلکہ اعادہ واجب رہے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الاصح برهان دون علیکم وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشهور

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: فان سجود السهو فی مطلق الصلوٰة ولا یختص بالفرض۔
(البحر الرائق جلد ۲ ص ۹۶ باب سجود السهو)

لان حرمة الصلوٰة باقية فيترك رأيه ويتابع الامام تحقيقاً للمتابعة - وقال بعضهم لا يتابع ويتم لنفسه لا اعادة عليه اھ وكان القول الاول مبني على ظاهر الرواية والثاني على غيرها لما لا يخفى - وذكر نفسه ابو الليث في الخزانة انه تجب الاعادة مكررة - والظاهر منها كراهة تحريمه (البحر الرائق باب سجود السهو ج ۲ ص ۹۲) ؎۱

فاسد نماز واجب الاعادہ ہے

سوال :- اگر کسی نمازی سے ترکِ واجب کی صورت میں سجدہ سہو رہ جائے اور سلام پھیرنے کے بعد اس کو سجدہ سہو کا موقع نہ ملے تو اس کی نماز کا عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب :- ترکِ واجب کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے اس لئے فراغتِ ذمہ کے لئے دوبارہ پڑھنا ضروری ہے ۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ : ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو ان لم يسجد له -

قال ابن عابدينؒ تحت هذه العبارة - وهل تجب بترك سجود السهو بعذر كما لو نسيه او طلعت الشمس في الفجر لم اره فليراجع والذي يظهر الوجوب كما هو مقتضى اطلاق الشارح - لان النقصان لم ينجبر وان لم يأثم بتركه فليتأمل -

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۶ مطلب واجبات الصلوٰة) ؎۲

امام کے سجدہ سہو سے فراغت کے بعد مسبوق کے لئے سجدہ سہو کا حکم

سوال :- اگر مسبوق امام کے ساتھ ایسی حالت میں آ ملے کہ امام سجدہ سہو کر چکا ہو تو کیا مقتدی مسبوق سجدہ سہو کرے گا

؎۱ قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ : ولو سجد قبل السلام لا يجب عليه اعادته -

(خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۱۶۳ باب سجود السهو)

؎۲ قال العلامة السيد احمد الطحطاوي : قوله واعادتها بتركه عمداً اي مادام الوقت باقياً وكذا في السهو ان لم يسجد له وان لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم - (الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص ۱۳۳ باب واجبات الصلوٰة)

ومثله في امداد الاحكام ج ۱ ص ۲۸۱ كتاب الصلوٰة -

یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت مقتدی مسبوق پر سجدہ سہو ادا کرنا واجب نہیں بلکہ اگر یہ مسبوق دوسرے سجدہ میں شامل ہوا ہو تب بھی اس پر پہلے سجدہ کی قضاء واجب نہیں۔

وفی الهندیة: ولو دخل معه (ای مع الامام) بعد ما سجد سجدة فی السهو یتابعه فی الثانیة ولا یقضی الاولیٰ وان دخل معه بعد ما سجدهما لا یقضیهما کذا فی التبیین۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۲۸ باب سجود السهو) ؎

عیدین و جمعہ کی نماز میں کثرتِ جماعت کی وجہ سے سجدہ سہو نہ کرنے کا حکم

سوال:۔ عیدین کی نماز میں تکبیرات رہ جائے پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا عیدین کی نماز میں سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود چھوڑنے کی صورت میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں اور واجب کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لیکن عیدین کی نماز میں اژدہام اور افراتفری کی وجہ سے متأخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عیدین کی نماز میں سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کیا جائے تاکہ لوگوں میں فتنہ و فساد برپا نہ ہو، تاہم اگر سجدہ سہو ادا کیا گیا تو لوگوں کے اٹھ جانے سے ان کی نماز میں فساد لازم نہیں آتا کیونکہ سجدہ سہو کے بعد اگر کوئی شخص اٹھ کر چلا جائے تو اس کی نماز پوری شمار کی جائے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سجدہ سہو کے بعد قعدہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس لیے سجدہ سہو کے بعد قعدہ کے چھوٹ جانے سے نماز مع الکراہت ادا ہوگی اور کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحریم یجب اعادتها کا قاعدہ اس پر جاری ہوگا اور اگر مجمع کثیر نہ ہو تو سجدہ سہو کیا جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: (والسهو فی صلوٰة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرین عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر واقره المصنف وبه جزم

؎ قال الحصکفیؒ: والمسبوق یسجد مع امامه مطلقاً سواء کان السهو قبل الاقتداء او بعده۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (قوله سواء کان السهو) بیان للاطلاق وشمل ما لو سجد الامام واحدة ثم اقتدی به قال فی البحر فانه یتابعه فی الاخری ولا یقضی الاولیٰ کما لا یقضیهما لو اقتدی به بعد ما سجدهما۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۲ باب سجود السهو)

فی الدر ج ۱ م۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ (قولہ عدمہ فی الاولیین) الظاھر ان الجمع الکثیر فیما سواھما کذلک کما بحثہ بعضھم وکذا بحثہ الرحمتی وقال خصوصا فی زماننا وفی جمعۃ حاشیۃ ابی السعود عن العزمیۃ انہ لیس المراد عدم جوازہ بل الاولی ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنۃ اھ قولہ وبہ جزم فی الدرر لکنہ قید عنہ بما اذا حضر جمع کثیر والا فلا داعی الی الترک۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۶ باب سجود السھو)

نماز میں زیادہ دیر خاموش رہنے کا حکم

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب عشاء کے وتر باجماعت پڑھا رہے تھے جب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو چند لمحے خاموش رہے پھر قرات شروع کی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا، کیا امام مذکور کا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں اتنی دیر بلا عذر خاموش رہنا کہ اس میں تین بار سبحان اللہ پڑھا جا سکتا ہو موجب سجدۂ سہو ہے اسلئے صورت مذکورہ میں امام صاحب کا سجدۂ سہو کرنا درست تھا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ ولو ظن انہ اذا شغلہ ذلک الشک فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالۃ الشک بقراءۃ ولا تسبیح ذکرہ فی الذخیرۃ وجب علیہ سجود السھو (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ باب سجود السھو)

لہ وفی الھندیۃ: قال فی فتاوی الحجۃ و بعد سجدتی السھو لیس بہ ترکیب وانما أمر بھما بعد سجدتی السھو لیقع ختم الصلوٰۃ بھما حتی لو ترکھما تقام وذھب لا تفسد صلوتہ کذا فی التاتارخانیۃ کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۲۶ باب سجود السھو)

وفی الھندیۃ: السھو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسھو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۲۸ باب سجود السھو)

سلہ وفی الھندیۃ: واذا شک فی صلوتہ فلم یدر أثلاثا صلی ام اربعا وتفکر فی ذلک کثیرا ثم استیقن انہ صلی ثلاث رکعات فان لم یکن تفکرہ شغلہ عن اداء رکن بان یصلی ویتفکر فلیس علیہ سجود السھو وان طال تفکرہ حتی شغلہ عن رکعۃ او سجدۃ او یکون فی رکوع او سجود فیطول تفکرہ فی ذلک وتغیر عنہ بالتفکر فعلیہ سجود السھو استحسانا۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۳۱ باب سجود السھو)

باب صلوٰۃ المریض

(بیمار کی نماز کے احکام و مسائل)

بیماری کی حالت میں فوت ہو جانے والی نمازوں کی قضاء کا حکم

سوال:- ایک شخص شدید بیمار رہے اور کسی بھی صورت میں نماز پڑھنے پر قادر نہیں جس کی وجہ سے اس کی چند نمازیں فوت ہو گئیں جبکہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا، اب اس کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر کسی بیمار سے شرعی عذر کی وجہ سے کچھ نمازیں فوت ہو جائیں تو صحت یابی کے بعد ان کی قضاء لازمی ہے تاہم اگر اسی بیماری میں مریض کا انتقال ہو جائے تو شرعاً اس سے قضاء شدہ نمازیں ساقط ہو جائیں گی اور فدیہ وغیرہ دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: فلو مات ولم یقدر علی الصلوٰة بعد لم یلزمه القضاء حتی لا یلزمه الایصاء بها کالمسافر اذا افطر ومات قبل الاقامة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۹۹ باب صلوٰة المریض)

مریض کو نماز کے لیے اٹھانا سنت ہے

سوال:- اگر ایک شخص دل و دماغ کا مریض ہو اور اسی تکلیف کی وجہ سے ساری رات بے خوابی میں رہ کر صبح کے قریب سو جائے تو ایسے بیمار کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص اسے نماز کے لیے اٹھائے تو شرعاً یہ کیسا ہے؟

الجواب:- اگر یہ مریض نماز پر قدرت رکھتا ہو خواہ اشارہ سے کیوں نہ ہو، تو اس مریض کو نماز کے لیے اٹھانا بہتر بلکہ نیکی کے کام میں امداد اور عبادت ہے۔

لقوله تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (سورة المائدة پ۶ رکوع۱ آیت ۲)

(بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم): عن ابی بکرة رضی اللہ عنه عن ابیه خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوٰة الصبح فکان لا یمر برجل الا ناداه بالصلوٰة

لـه قال العلامة ابن نجیمؒ: حتی لو مات المریض ایضاً من ذلك الوجه ولم یقدر علی الصلوٰة لا یجب علیه القضاء حتی لا یلزمه الایصاء بها کالمسافر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۱۵ باب صلوٰة المریض)

او حرّکه برجله ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۹ باب الاضطجاع بعدها) لے

نماز کے قیام کے سقوط میں ڈاکٹر کے مشورہ کی حیثیت

سوال: ایک مریض کو ڈاکٹر کہتا ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھ لیا کریں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تمہاری بیماری بڑھ جائے گی، لیکن وہ ڈاکٹر کا کہنا نہیں مانتا اور کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھتا ہے، لہٰذا اس شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں قیام فرض ہے، اگر مریض کو قیام پر قدرت حاصل ہو اور مرض کی زیادتی کا اندیشہ نہ ہو، کھڑے ہونے سے کوئی تکلیف بھی نہ ہوتی ہو تو بلا عذر قیام ترک کرنا جائز نہیں، البتہ معذور شخص کو قیام ترک کرنا مرخص ہے۔ عذر کے تحقق کا دارومدار نفس الامر میں موجود ہونے پر ہے، اگر بیمار کو خود یہ احساس ہو کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بیماری بڑھ جاتی ہے، علاوہ ازیں ڈاکٹر اگر متعلقہ بیماری میں ماہر ہو اور مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کی حیثیت کا بھی قائل ہو تو ایسے ڈاکٹر کے مشورہ پر مریض عمل کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن الهمامؒ: قوله اذا عجز المريض عن القيام صلى قاعداً يركع ويسجد) المراد اعم من العجز الحقيقي حتى لو قدر على القيام لكن يخاف بسببه ابطاء برء او كان يجد الماً شديداً اذا قام جاز له تركه۔ (فتح القدير ج ۱ ص ۴۶۰ باب صلوٰة المريض)

قال ايضاً: ثم معرفته (اي تزايد المرض) ذلك باجتهاد المريض والاجتهاد غير مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن امارة او تجربة او باخبار طبيب مسلم

لے اخرجه الامام ولي الدين ابو عبد الله بن محمد بن عبد الله الخطيب: عن ابي بكرة قال خرجت مع النبي ﷺ لصلوٰة الصبح فكان لا يمر برجل الا ناداه بالصلوٰة او حركه برجله۔

قال الملا علي قاريؒ في شرح الحديث: فيه حث على ايقاظ النائم ونحوه للصلوٰة ويؤخذ من تحريكه برجله جواز ذلك من غير كراهة۔

(مرقاة شرح مشكوٰة المصابيح ج ۲ ص ۱۵۱ باب الاذان الفصل الثالث)

غیر ظاہر الفسق۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۲ فصل ومن کان مریضاً فی رمضان) (تر) لہ

رکوع اور سجدہ پر قدرت نہ رکھنے والے کیلئے قیام کا حکم

سوال:- ایک مریض نے آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے، ڈاکٹر نے اسے رکوع اور سجود کرنے سے منع کیا ہے لیکن قیام پر وہ خوب قادر ہے۔ تو کیا اس صورت میں اسکی نماز بیٹھ کر قیام کے بغیر درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- اگر یہ شخص سجدہ پر قادر نہیں تو اس سے قیام ساقط ہے اور بیٹھنا مستحب ہو جاتا ہے لہٰذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارے سے پڑھے کیونکہ کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر اشارہ کرنا زمین کے زیادہ قریب ہے۔ اشارہ کرتے وقت سجدہ کیلئے رکوع کی بہ نسبت زیادہ نیچے جھک کر اشارہ کرے۔

قال الحصکفیؒ: وصلی قاعداً کیف شاء برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام قام وان تعذرا (الرکوع والسجود) لیس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود کاف لا القیام أومأ قاعداً وهو أفضل من الایماء قائماً لقربه من الارض۔ ویجعل سجوده أخفض من رکوعه لزوماً ولا یرفع الی وجهه شیئاً یسجد علیه فانه یکره تحریماً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۹۸، ۹۷ باب صلوٰۃ المریض) لہ

لہ قال الحصکفیؒ: من تعذر علیه القیام لمرض حقیقی قبلها او فیها او حکمی بان خاف زیادته او بطء برئه بقیامه او دوران رأسه او وجد لقیامه ألماً شدیداً صلی قاعداً کیف شاء برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام ولو متکئاً علی عصا او حائط قام لزوماً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۹۶، ۹۵ باب صلوٰۃ المریض)

وایضاً قال: او مریض خاف الزیادۃ لمرضه وصحیح خاف المرض وخادمۃ خافت الضعف بغلبۃ الظن بأمارۃ او تجربۃ او باخبار طبیب حاذق مسلم مستور۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۲ فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم)

ومثله فی الهندیۃ ج ۱ ص ۱۳۶ الباب الرابع عشر فی صلوٰۃ المریض۔

لہ قال عبد الله النسفیؒ: او خاف زیادۃ المرض صلی قاعداً یرکع ویسجد وموميا ان تعذر وجعل سجوده أخفض ولا یرفع الی وجهه شیئاً یسجد علیه۔ فان فعل وهو یخفض رأسه صح والا لا۔ وان تعذر الرکوع والسجود لا القیام اومأ قاعداً۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۱۳ باب صلوٰۃ المریض)

ومثله فی الهدایۃ علی صدر فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۸ باب صلوٰۃ المریض۔

باب سجدۃ التلاوۃ

(سجدۂ تلاوت کے احکام و مسائل)

سجدۂ تلاوت کے وجوب کیلئے پوری آیت کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے

سوال: اگر سجدہ کی پوری آیت تلاوت نہ کی جائے بلکہ نصف یا اس سے زائد حصہ تلاوت کی جائے تو اس صورت میں سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیت کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے، اگر نصف یا اس سے زائد حصہ کی تلاوت کی ہو اور جس لفظ میں حرفِ سجدہ واقع ہوتے ہوں اس کی تلاوت نہ ہو سکے تو سجدہ واجب نہیں رہے گا، البتہ ایسا کرنا صحیح نہیں کہ سجدہ کی جگہ پہنچ کر اس کو چھوڑ دے۔

قال علامہ ابن العابدینؒ: تحت قولہ یجب بسبب التلاوۃ آیۃ ای اکثرھا مع حرف السجدۃ، والصحیح انہ اذا قرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ او بعدہ کلمۃ وجب الخ

(رد المحتار ج ۱ ص۱۰۳ باب سجود التلاوۃ) [1]

سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت شرط ہے

سوال: قرآن مجید زبانی دیکھے تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں اس لیے بلا وضو تلاوت کرتے ہوئے اگر کسی آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے تو سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تلاوتِ قرآن کے لیے اگرچہ طہارت و وضو شرط نہیں لیکن سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط ہے اور چونکہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں اس لیے بغیر وضو کے جو آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ ادا کیا جائے گا، بغیر وضو کے اگر سجدہ کیا گیا تو فقدانِ شرط کی وجہ سے کافی نہیں۔

قال علامۃ ابن الکاسانیؒ: واما شرائط الجواز فکل ما ھو شرط لجواز الصلوۃ من

---

[1] لما فی الہندیۃ: ولو قرأ آیت السجدۃ الا الحرف الذی فی آخرھا لا یسجد الخ
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ)

طہارۃ الحدث وھی الوضوء والغسل وطہارۃ النجس وھی طہارۃ البدن ۔ الخ
(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۸۹ فصل اما شرائط الجواز) [1]

آیت سجدہ پڑھنے اور سننے سے سجدہ کا وجوب

سوال: آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟ بسا اوقات سننے والے کا ارادہ نہیں ہوتا، کیا ارادہ نہ ہونے کے باوجود سجدہ تلاوت واجب ہوگا؟

الجواب: احناف کے نزدیک آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے اس میں سننے یا پڑھنے والے کے قصد و ارادہ کا کوئی دخل نہیں۔

لما ورد فی الحدیث اذا قرأ ابن آدم السجدۃ اعتزل الشیطان یبکی ویقول یا ویلہ امر ابن آدم ۔ الخ (الصحیح لمسلم ج ۱ ص ۶۱ باب بیان اطلاق اسم الکفر الخ)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی طور پر بھی آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا ثابت ہے جبکہ اکثر روایات میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے جس سے خلاصی سجدہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ [2]

آیت سجدہ سننے سے بھی سجدہ واجب ہوتا ہے

سوال: کیا سجدۂ تلاوت آیت سجدہ پڑھنے کے علاوہ سننے سے بھی واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز کیا سننے میں قصد و ارادہ کا کوئی دخل ہے یا نہیں؟

الجواب: سجدۂ تلاوت کے وجوب اداء کے لیے آیت سجدہ پڑھنے کے علاوہ سننا بھی ایک سبب ہے لہٰذا جب بھی آیت سجدہ سنی جائے تو اس سے سجدہ واجب ہوجائے گا، تاہم اگر اس وقت

---

[1] وقال طاہر بن عبد الرشید البخاری: ویشترط لاداء السجدۃ مایشترط لاداء الصلوٰۃ من طہارۃ الثوب والبدن والمکان۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۸۴ باب سجود التلاوۃ)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۵ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ۔

[2] وقال علاؤ الدین الکاسانی: ولنا قولہ فی الحدیث دلیل علی کون ابن آدم مامورا بالسجود ومطلق الامر للوجوب الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۸۰ فصل ما سجود التلاوۃ)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ۔

سجدہ کرنے کی فرصت نہ ہو تو بعد میں ادا کیا جائے۔

قال برهان الدين المرغيناني: والسجدة واجبة في هذه المواضع على التالي والسامع سواء قصد سماع القرآن او لم يقصد الخ (الهداية ج۱ ص۱۴۳ باب سجود التلاوة)[1]

ٹی وی، ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سجدۂ تلاوت کا عدم وجوب

سوال: ٹیپ یا ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعہ اگر آیت سجدہ سنی جائے تو کیا اس کے سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بسا اوقات کسی قاری کی آواز براہِ راست بھی سنی جاتی ہے، کیا ریکارڈنگ اور براہِ راست دونوں کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

الجواب: ریڈیو، ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ ریکارڈ شدہ تلاوت جب سنی جائے تو آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، البتہ بعض کے نزدیک براہِ راست سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

قال علاء الدين الحصكفي: ولا تجب بسماعه من الصدى والطير ومن كل تال حرفا ولا بالتهجي الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۸ باب سجود التلاوة)[2]

اوقاتِ مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنے کا حکم

سوال: اگر اوقاتِ مکروہہ میں تلاوت کرتے ہوئے کہیں سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو کیا اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے؟

الجواب: خارج از صلوٰۃ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں، یہ جس وقت بھی ادا کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، پھر بھی مکروہ اور غیر مکروہ وقت کی رعایت ضروری

---

[1] وقال علاء الدين الكاساني: واما سبب وجوبها السجدة فسبب وجوبها احد شيئين التلاوة او السماع الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۰ باب سجود التلاوة فصل سبب الوجوب)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۱۰۸ باب سجود التلاوة۔

[2] وقال علاء الدين الكاساني: فيشترط اهلية التالي والعلم بالتمييز وقد وجد فوجد سماع تلاوت صحيحة فتجب السجدة بخلاف السماع من الببغاء والصدى فان ذلك ليس بتلاوة الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۶ باب سجود التلاوة فصل بيان من تجب عليه)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۸۳ الفصل الحادي عشر في وجوب سجدة التلاوة۔

ہے ، جب سجدہ کا وجوب وقت مشروع میں ہو تو اس کی ادائیگی اوقات مکروہہ میں جائز نہیں البتہ اگر اوقات مکروہہ میں جب آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے تو سجدہ کی ادائیگی ان اوقات میں جائز ہے ۔

لما فی الہندیۃ : ولو تلاھا فی وقت مباح فسجدھا فی اوقات مکروھۃ لم تجز الخ ‌(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۳۲ الباب الثالث عشر سجود التلاوۃ) [1]

متعدد آیات سجدہ کے لیے ایک سجدہ کافی نہیں

سوال : اگر ایک مجلس میں ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت متعدد آیات سجدہ پڑھے تو کیا یہ شخص ہر ایک آیت سجدہ کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ سجدہ کرے گا یا تمام آیات کے لیے ایک ہی سجدہ کافی ہے ؟

الجواب : متعدد آیات سجدہ پڑھتے وقت ہر سجدہ کے لیے سبب مختلف ہے ، اس لیے ایسی صورت میں سجدات میں تداخل ممکن نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک آیت پر الگ الگ سجدہ کیا جائے گا ، البتہ ایک آیت سجدہ کسی ایک مجلس میں بار بار پڑھنے سے جب تک مجلس میں تبدیلی نہ ہو تو ایک سجدہ کافی رہے گا ۔

قال علامۃ ابن عابدینؒ : (تحت قولہ ولو کررھا فی مجلسین تکررت) والاصل انہ لا یتکرر الوجوب الا باحد امور ثلاثۃ اختلاف التلاوۃ والسماع او المجلس الخ

(رد المحتار ج۲ ص۱۱۳ باب سجود التلاوۃ) [2]

سجدہ صلوتیہ کی نیت رکوع میں جائز ہے

سوال : نماز میں سجدۂ تلاوت کے وجوب پر اگر مستقل سجدہ کی جگہ رکوع میں

---

[1] وقال علامۃ ابن العابدینؒ : (تحت قولہ بشروط الصلوۃ) ولکن یشترط لھا الوقت حتی لو تلاھا او سمعھا فی وقت غیر مکروہ فاداھا فی وقت مکروہ لا تجزی الخ

(رد المحتار ج۲ ص۱۱۲ باب سجود التلاوۃ)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۸۲ الفصل الثامن عشر فی التلاوۃ وما یلزمہ الخ

[2] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ : فنقول الاصل ان السجدۃ لا یتکرر وجوبھا الا باحد الامرین الا

(بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۱ باب سجود التلاوۃ)

سجدہ کی نیت کرے تو کیا اس سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا مستقل سجدہ ضروری ہے؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ سجدۂ صلوتیہ نماز سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو تو وہ نماز ہی میں ادا کیا جائے گا۔ اب اگر نمازی نماز میں مستقل سجدہ کر کے اپنی بقیہ نماز جاری رکھتا ہے تو شرعاً جائز ہے اور اگر رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کے لیے دل سے ارادہ کرے تو بھی مشروع ہے، البتہ نیت کے بغیر رکوع میں سجدۂ صلوتیہ ادا نہیں ہوگا، لیکن رکوع میں سجدہ کی نیت کے لیے یہ شرط ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد رکوع کرنے کو تین آیات پڑھنے سے زیادہ فاصلہ نہ ہو ورنہ پھر رکوع میں نیت صحیح نہیں۔

قال حسن بن عمارؒ: ویجزی عنها ای عن سجدة التلاوة رکوع الصلوٰة ان نواها ای نوی اداءها فیه، وفیه وانقطاعه بان یقرأ اکثر من آیتین بعد آیة السجدة بالاجماع. (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص۲۶۳ باب سجود التلاوة) لہ

عصر اور صبح کے وقت سجدۂ تلاوت جائز ہے

سوال:۔ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک یا عصر سے مغرب تک نوافل کا پڑھنا جائز نہیں، کیا ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے یا یہ بھی ممنوع ہے؟

الجواب:۔ ان اوقات میں نوافل اگرچہ ممنوع ہیں لیکن قضا نمازوں کی طرح ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لا یکره قضاء فائتة ولو وترا او سجدة تلاوة و صلوٰة جنازة. الخ (الدر المختار ج ۱ ص۳۷۵ کتاب الصلوٰة) کہ

لہ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فیغطران کانت آیة السجدة فی وسط السورة فینبغی ان یختم. الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۹ فصل فی کیفیة ادائها)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۲۲ باب سجود التلاوة۔

کہ وقال ابن همامؒ: وادائها لیس علی الفور حتی لو اداها فی ای وقت کان یکون مؤدیًا لا قاضیًا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۲۰۲ کتاب الصلوٰة فصل فی الاوقات التی تکره فیها الصلوٰة)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۳۵ الباب الثالث عشر باب سجود التلاوة۔

کیا بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے؟

سوال:- اگر کوئی شخص خارج صلوٰۃ (نماز کے علاوہ) آیت سجدہ پڑھ کر فوراً بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت کرے تو کیا یہ جائز ہوگا یا کھڑے ہو کر پھر سجدۂ تلاوت ادا کرے؟

الجواب:- نماز سے خارج سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نیت کر کے اللہ اکبر کہنے کے بعد سجدہ کے لیے بغیر رفع الیدین کے چلا جائے، سجدہ میں تسبیحات کا ورد کر کے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے بغیر سلام کے اٹھ جائے، البتہ اگر کوئی بیٹھے بیٹھے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرلے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ومما یستحب لاداءہ ان یقوم فیسجد لان الخرور سقوط من القیام والقرآن ورد بہ وھو مروی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا وان لم یفعل لم یضرہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۲ باب سجود التلاوۃ) ـ[1]

بغیر وضو سجدۂ تلاوت کرنا

سوال:- ایک شخص بغیر وضو تلاوت قرآن مجید کر رہا تھا کہ اس دوران اس نے آیت سجدہ تلاوت کی، تو کیا یہ شخص بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کسی عذر کی وجہ سے سجدۂ تلاوت فوراً کرنا متعذر ہو تو آیت سجدہ پڑھنے کے بعد یہ کلمات پڑھ لیے جائیں، سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ، اور پھر جب موقع ملے تو سجدہ ادا کر لیا جائے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ویستحب للتالی والسامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۴۹۳ نوع فی بیان ... التلاوۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن ھمامؒ: وقیل یکبر فی الابتداء بلا خلاف وفی الانتہاء خلاف قول محمدؒ نعم وعلی قول ابی یوسفؒ لا فالظاہر الاول اعتبارا للمذکور ویستحب ان یقوم فیسجد روی ذلک عن عائشۃؓ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۶۷ باب سجود التلاوۃ)

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۲۳ باب فی سجود التلاوۃ۔

[2] قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: ویستحب للتالی والسامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر ثم یقضیہ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۶۴ باب سجود التلاوۃ)

سوئے ہوئے آدمی سے آیت سجدہ سننا

سوال:۔ اگر کوئی شخص سوئے ہوئے آدمی کی زبان سے آیت سجدہ سنے تو کیا اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سجدہ تلاوت ہر اس آیت سجدہ کی تلاوت کے سماع سے واجب ہوتا ہے جو مکلف شخص سے سنی جائے چاہے وہ شخص بیدار ہو یا سویا ہوا ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ...ولا آیة السجدة وهو نائم فسمعه رجل یلزمه السجدة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۱ باب سجود التلاوة) لہ

سورۂ حج کی دوسری آیت سجدہ پر سجدہ کرنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے قاری صاحب نے سورۂ حج (اقترب للناس) کی دوسری آیت سجدہ کے پڑھنے پر سجدہ کیا جو کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مقام سجدہ ہے، تو کیا فقہ حنفی کے مطابق اس مقام پر سجدہ کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا کرنے سے نماز میں تو کوئی نقصان نہیں آیا البتہ اگر اس مقام پر سجدہ کرنے والا عالم ہو اور اس نے قوت دلیل سے راجح سمجھ کر سجدہ کیا ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اگر بلا دلیل کے سجدہ کیا ہو تو چونکہ حنفی فقہ کے مطابق مرضوعہ تے بلا ضرورت تاخیر ہے اس لیے سجدۂ سہو واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: و الظاهر ان هذه السجدة من المجتهد فيها اى مما لا اجتهاد فيه منع۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۷۲ باب سجود التلاوة) لہ

سورۂ ص میں آیت سجدہ کون سی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سورۂ ص میں آیت ...

لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: او من النائم الصحیح انها تجب ان سمعها منه۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۸۴ الفصل الرابع عشر فی سجود السجدة التلاوة)

ومثلہ فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۹۳ سجدة التلاوة۔

لہ قال العلامة سید احمد الطحطاویؒ (تحت قوله والحج) علی الحج لا الثانية وقال الشافعیؒ فیها سجدتان لنا ما روی ابن عباس وابن عمرؓ قالا السجدة التلاوة فی الحج الاولی والثانية سجدة الصلوة۔
(الطحطاوی ص۲۹۲ باب سجدة التلاوة)

خرّ راکعاً و اناب آیا ہے اور ایک جگہ حسن مآب آیا ہے ان دونوں مقامات میں سے کس مقام کی تلاوت پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ سورۂ ص کے مقام سجدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے امام زیلعیؒ نے خرّ راکعاً و اناب کو سجدہ کی جگہ قرار دیا ہے مگر علامہ شرنبلالیؒ نے حسن مآب کو سجدہ کی جگہ قرار دے کر اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: وفي ص عند حسن مآب هو الاولى من قول الزيلعيؒ عند واناب۔ (رد المحتار ج ٢ ص ١٠٣ باب سجود التلاوة) [1]

سوال:۔ اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت سے بچنے کے لیے آیت سجدہ کی تلاوت چھوڑ دے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

آیت سجدہ کو ترک کرنے کا حکم

الجواب:۔ اگر کوئی شخص تلاوت کے دوران سجدۂ تلاوت سے بچنے کی غرض سے آیت سجدہ کو ترک کرے تو ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں اسلئے ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ويكره ان يقرأ سورة في صلوة او غيرها ويترك آية السجدة لانه يشبه الفرار عن السجدة والاستنكاف عنها وذلك ليس من اخلاق المؤمنين۔ (كبيري ص ٤٩٩ باب سجود التلاوة) [2]

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو لیکن غیر نمازی

نماز سے خارج شخص کا آیت سجدہ پڑھنا اور نمازی کا سننا

---

[1] قال العلامة حسن بن عمارؒ: وفي (ص) وهو عند قوله تعالى فاستغفر ربه وخرّ راكعاً وأناب او عند قوله وحسن مآب وهو الاولى مما قال الزيلعيؒ انه عند قوله تعالى وخرّ راكعاً وأناب وعند بعضهم عند قوله تعالى وحسن مآب۔ (مراقي الفلاح ص ٢٦٣ باب سجود التلاوة)

[2] قال العلامة الكاسانيؒ: يكره للرجل ان يقرأ سورة ويدع آية السجدة منها لان فيه قطع نظم القرآن وتغيير تأليفه واتباع النظم والتاليف مأمور به قال الله تعالى فاذا قرأناه فاتبع قرآنه اي تاليفه فكان التغيير مكروهاً يقتضي كراهة ذلك۔ (بدائع الصنائع ج ١ ص ١٨٢ باب سجود التلاوة)

ومثله في البحر الرائق ج ٢ ص ١٢٤ باب سجود التلاوة۔

سنے (آیت سجدہ تلاوت کی اور نمازی نے دورانِ نماز سُنی تو سامع (نمازی) کب سجدۂ تلاوت ادا کرے گا؟

الجواب:- سجدۂ تلاوت آیت سجدہ سنتے ہی ادا کرنا چاہیے مگر جو آیت سجدہ غیر نمازی سے دورانِ نماز سُنی جائے تو سجدہ کی ادائیگی بعد از نماز کی جائے گی، دورانِ نماز سجدۂ تلاوت نہیں کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولو سمع المصلي السجدة من غيره لم يسجد فيها لانها غير صلاتية بل يسجد بعدها. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۱۲ باب سجود التلاوة)[1]

صرف آیت سجدہ لکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا

سوال:- اگر کوئی آدمی آیت سجدہ ہاتھوں سے لکھے مگر زبان پر اس کا اجراء نہ کرے تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیت سجدہ کا زبانی پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی آدمی آیت سجدہ صرف کاغذ وغیرہ پر لکھے اور زبان پر اس کا اجراء نہ کرے تو ایسے آدمی پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: يجب بسبب تلاوة آية منها. قال ابن عابدينؒ: احترز عما لو كتبها او تهجاها فلا سجود عليه. (رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب سجود التلاوة)[2]

صرف آیت سجدہ کے ترجمے سے بھی سجدۂ تلاوت لازم ہے

سوال:- کیا صرف آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھنے سے

---

[1] قال العلامة الكاسانيؒ: اما اذا سمع المصلي ممن ليس معه في الصلوٰة حيث يسجدها خارج الصلوٰة لان السجدة وجبت عليه وليست من افعال الصلوٰة لان تلك التلاوة ليست من افعال الصلوٰة لعدم الشركة بينه وبين التالي في الصلوٰة والوجوب عليه بسبب سماعه والسماع ليس من افعال الصلوٰة او تركيب من افعال الصلوٰة [illegible] (بدائع الصنائع [illegible] سجدة التلاوة) ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۱۲۲ باب سجود التلاوة۔

[2] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ولكن لا تجب بالكتابة او النظر من غير تلفظ لانه لم يقرأه [illegible] ولم يسمع۔ (كبيري ص۴۶۲ باب سجود التلاوة)۔

سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن چونکہ الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے اس لیے اگر کوئی شخص پوری آیتِ سجدہ کا ترجمہ پڑھے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا، البتہ مفہوم یا تفسیر بیان کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: والسماع شرط فيما ذكر للتالي ولو بالفارسية إذا أخبر، قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله إذا أخبر) أي بأنها آية سجدة سواء فهمها أو لا۔

(رد المحتار ج٢ ص١٠٥ باب سجود التلاوة)[1]

نماز میں سجدۂ تلاوت بلا تاخیر فوراً ادا کرنا ضروری ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص نے نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی مگر فوراً سجدہ نہیں کیا بلکہ کچھ اور آیات تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت کیا، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھتے یا سنتے ہی اسی وقت سجدۂ تلاوت ادا کیا جائے، تاخیر کرنا موجبِ گناہ ہے البتہ بصورتِ مجبوری تاخیر کی جا سکتی ہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وصفتها الوجوب على الفور في الصلوٰة وعلى التراخي إن كانت غير صلوتية۔ قال الشيخ السيد احمد الطحطاويؒ: (تحت قوله على الفور) أي فوراً حقيقة وظاهره أنه لو أخرها إلى ركعة ثانية أثم الخ (الطحطاوي على مراقي الفلاح ص٢٦٢ باب سجود التلاوة)[2]

---

[1] قال العلامة فخر الدين الشهير بقاضي خانؒ: ولو تلا بالفارسية تجب عليه وعلى من سمعها السجدة فهم أو لم يفهم إذا أخبر أنها معاني قوله آية السجدة۔ (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج١ ص١٦٠ فصل في القراءة)
ومثله في الهندية ج١ ص١٣٣ الباب الثالث عشر في سجود التلاوة۔

[2] قال العلامة الكاسانيؒ: أما وقت أدائها فإن كانت في الصلوٰة فوقتها فوراً الصلوٰة لأنها صارت جزءاً من أجزاء الصلوٰة على الفور بعد أن لا تطول المدة بين التلاوة وبين السجدة فأما إذا طالت فقد دخلت في حد القضاء وصار آثماً بالتفويت عن الوقت۔ (البدائع الصنائع ج١ ص١٩١ باب سجود التلاوة)
ومثله في البحر الرائق ج٢ ص١٢٣ باب سجود التلاوة۔

پرندے کی زبان سے آیتِ سجدہ سُننے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص پالتو اور سدھائے ہوئے طوطے یا کسی دوسرے پرندے سے آیتِ سجدہ سُن لے تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- وجوبِ سجدۂ تلاوت کے لیے ضروری ہے کہ تالی (تلاوت کرنے والا) مکلف اور اہل ہو۔ اگر آیتِ سجدہ کا ظہور کسی غیر مکلف شے سے ہو جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی شخص کسی سدھائے ہوئے پرندے یا کسی دوسرے غیر مکلف آلات (مثلاً ٹی وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ) سے آیتِ سجدہ کی سماعت کرے تو اس پر سجدۂ تلاوت ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم: ولو سمع آية السجدة من حيوان صرحوا بعدم وجوبها على المختار لعدم اهلية القارئ۔ (الاشباه والنظائر ج۲ ص۱۱ القاعدة الثانية خاتمة)[۱]

پاگل اور مجنون سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص کسی پاگل یا سوئے ہوئے آدمی سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سنے تو اس پر اور تالی پر سجدہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ وجوبِ سجدۂ تلاوت کے لیے تالی کا اہل اور مکلف ہونا ضروری ہے اور پاگل چونکہ اس کا مکلف اور اہل نہیں اسلئے اس سے آیتِ سجدہ کی سماعت سے سجدہ لازم نہیں آتا۔ البتہ نائم (سویا ہوا) تو ایک حقیقت کی بناء پر مکلف ہے اس لیے اس سے آیتِ سجدہ سننے پر مختار قول کے مطابق سجدہ لازم ہے لیکن خود نائم پر عدمِ علم کی وجہ سے سجدہ لازم نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم: والسماع من المجنون لا يوجبها ومن النائم يوجبها على المختار۔ (الاشباه والنظائر ج۲ ص۱۱ القاعدة الثانية خاتمة)[۲]

---

۱ قال العلامة ابن عابدين: لكن ذكر شيخ الاسلام انه لا يجب بالسماع من مجنون ونائم وطير لان السبب سماع تلاوة صحيحة وصحتها بالتمييز ولم يوجد۔ (رد المحتار ج۱ باب سجدة التلاوة)

۲ قال العلامة الحصكفي: وتجب بتلاوتهم يعني المذكورين خلا المجنون المطبق فلا تجب بتلاوته لعدم اهليته۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ باب سجدة التلاوة)

سورۂ حج کی آیت سجدہ کی تلاوت میں شافعی المسلک امام کی متابعت کرنا

سوال:۔ احناف کے نزدیک سورۂ حج کی آخری آیت: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ... تُفْلِحُوْنَ تک موجب سجدہ نہیں، لیکن اگر ایک شافعی المسلک امام کی اقتداء کی صورت میں جب امام صاحب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کریں تو حنفی المسلک مقتدی کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ایسے اجتہادی اور اختلافی مسائل میں شدت سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ امام کی متابعت ضروری ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ سجدہ کر لینا چاہیئے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله للمتابعة) وظاهره انه یتبعه فیها لوجوبها فی الصلوٰة لکونه تابعاً ...الخ

(رد المحتار ج۲ ص۱۰۳ باب سجود التلاوة)

آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد پانچ چھ آیتیں پڑھ کر سجدہ کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور قرأت میں آیت سجدہ تلاوت کی لیکن اس پر سجدہ کرنا بھول گیا اور مزید پانچ چھ آیتیں پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا یاد آیا تو فوراً سجدہ کیا، تو کیا اس شخص کی نماز ہوگئی یا نہیں جبکہ آخر میں اس نے سجدۂ سہو بھی کر لیا؟

الجواب:۔ تلاوت آیت سجدہ کے فوراً بعد سجدہ کر لینا چاہیئے، اگر نماز میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے اور یاد آنے پر سجدہ کر لے تو نماز ہو جائے گی مگر تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا ضروری ہو گا، اس لئے کہ سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہو چکا ہے ورنہ سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہو گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فهی علی الفور لصیرورتها جزءاً منه ویأثم بتاخیرها ویقضیها ما دام فی حرمة الصلوٰة ولو بعد السلام۔ قال ابن عابدینؒ: ثم تفسیر الفور عدم طول المدة بین التلاوة والسجدة بقراءة اکثر من آیتین او ثلاث علی ما سیأتی۔ حلیة۔ قوله (یأثم بتاخیرها) لانها وجبت بما هو من افعال الصلوٰة وهو القراءة وصارت من اجزائها فوجب اداؤها مضیقاً کما فی البدائع ولذا کان المختار وجوب سجود السهو لو تذکرها بعد محلها۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۹-۱۱۰ باب سجود التلاوة)

باب صلوٰۃ المسافر

(مسافر کی نماز کے احکام و مسائل)

قصر نماز کے لیے مقدار سفر

سوال:- کیا مطلق سفر کے ارادہ سے نکلنے پر نماز قصر کرنا ہوگی یا سفر کا کوئی اندازہ مقرر ہے؟

الجواب:- فقہ حنفی کی رو سے مطلق سفر سے نماز قصر نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے لیے کم از کم تین دن کی مقدار سے سفر ضروری ہے، موجودہ وقت میں علماء نے اڑتالیس (۴۸) میل یا ستتر (۷۷) کلومیٹر اندازہ مقرر کیا ہے، اس سے کم مسافت کے ارادہ سے نکلنے والے کو شرعی مسافر نہیں کہا جاسکے گا۔

قال برهان الدين المرغيناني: السفر الذي يتغير به الاحكام ان يقصد مسيرة ثلاثة ايام ولياليها الخ (الهداية ج۱ ص۱۴۵ صلوٰۃ المسافر) ۱

قصر فرائض تک خاص ہے

سوال:- فرائض کے علاوہ سنتوں میں قصر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر سنتیں پڑھنے کے لیے موقع نہ ہو تو پڑھنے کی ضرورت نہیں البتہ جب وقت ہو تو سنت کی نماز پوری پڑھی جاتی ہیں۔

قال علاؤالدين الحصكفي: ويأتي المسافر بالسنن ان كان في حال امن وقرار والا لا. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۱۱ باب صلوٰۃ المسافر) ۲

---

۱ وفي الهندية: اقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلاثة ايام كذا في التبيين - (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۳۸ الباب الخامس عشر في صلوٰۃ المسافر)
ومثله في الترمذي ج۱ ص۷۲ باب صلوٰۃ المسافر.

۲ وقال علاؤالدين الكاساني: ولا قصر في السنن والتطوعات ..... الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۳ فصل الكلام في صلوٰۃ المسافر)
ومثله في الهندية ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰۃ المسافر.

مسافت اڑتالیس میل کے مقابلے میں فراسخ معتبر نہیں

سوال:۔ بعض کتابوں میں فراسخ کے لیے اعتبار نہ ہونے کے باوجود احناف اڑتالیس میل کو اعتبار کیوں دیتے ہیں؟

الجواب:۔ احناف کے مذہب میں بنیادی طور پر فراسخ کے لیے اعتبار نہیں بلکہ تین دن کے سفر پر دار و مدار ہے، لیکن ایک دن میں انسان وسطاً سولہ میل کی مسافت طے کر سکتا ہے اس لیے ہم نے ۱۶×۳ = ۴۸ میل کو اعتبار دیا۔

قال برهان الدين المرغيناني: ولا اعتبار بالفراسخ هو الصحيح۔

(الهداية ج۱ ص۱۴۸ باب صلوة المسافر)[۱]

مسافر کا پوری نماز پڑھنے کی صورت میں ذمہ سے فارغ ہونا

سوال:۔ اگر ایک مسافر نے قصر کی بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا اس کا ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر درمیان میں قعدہ پر بیٹھ چکا تو نماز درست ہو کر فراغت ذمہ کے لیے کافی ہے، البتہ تاخیر سلام کی وجہ سے گنہگار رہے گا، لیکن اگر قعدہ اولیٰ کے بغیر کھڑے ہو کر مسافر نے چار رکعات پڑھ لیں تو اس کی نماز باطل ہو کر دوبارہ پڑھی جائے گی۔

قال علاؤ الدين الحصكفي: فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى تم فرضه لكنه أساء الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۸ صلوة مسافر)[۲]

---

[۱] وقال علاؤ الدين الحصكفي: ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب۔ الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۳ صلوة مسافر)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۱۲۹ باب المسافر۔

[۲] وفي الهندية: وان صلى ركعتين وقعد في الثانية قدر التشهد اجزأته والاخريان نافلة ويصير مسيئا لتاخير السلام وان لم يقعد في الثانية قدرها بطلت كذا في الهداية۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۱۳۰ باب المسافر۔

قصر نماز کے لیے سفر میں مشقت کا ہونا ضروری نہیں

سوال:۔ موجودہ دور کے اسفار میں کسی خاص مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، مثلاً ایک آدمی جب کراچی سے پشاور کا سفر کرتا ہے تو بغیر کسی تکلیف کے چند گھنٹوں میں منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں سہولت اور راحت کے باوجود نماز قصر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سفر میں رخصت پر رعایت کسی مشقت کے ہونے پر مبنی نہیں بلکہ نفسِ سفر کے ہوتے ہوئے رخصت دی گئی ہے، خود سفر مشقت کے لیے سبب ہونے کی وجہ سے احکام اسی پر مترتب ہو کر محض سفر کی موجودگی میں قصر کی جائے گی۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: حتی لو اسرع فوصل فی یومین قصر۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۳ صلوۃ المسافر) لہ

وطنِ اصلی میں تعدد ممکن ہے

سوال:۔ کیا ایک شخص کے لیے متعدد مقامات وطنِ اصلی بنانا ممکن ہے یا نہیں؟ جبکہ ہر ایک جگہ میں اس کا مستقل رہنے کا ارادہ ہو، یہاں تک کہ ایک گاؤں میں چھ مہینے اور دوسرے گاؤں میں چھ مہینے رہتا ہو اور وہاں جملہ ضروریاتِ زندگی اس کو میسر ہوں؟

الجواب:۔ وطنِ اصلی میں تعدد ممنوع نہیں، صورتِ مذکورہ کے مطابق ہر ایک جگہ میں جب مستقل رہنے کا عزم اس طرح ہو کر چھ مہینے ایک جگہ میں اور چھ مہینے دوسری جگہ میں رہتا ہو مثلاً دونوں جگہ شادی کر کے گھر آباد کیا ہو تو دونوں جگہیں موصوف کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوں گی اور دونوں جگہوں میں پوری نماز پڑھی جائے گی۔

قال علاء الدین الکاسانیؒ: ثم الوطن الاصلی یجوز ان یکون واحدا او اکثر من ذلک بان کان له اهل ودار فی بلدتین او اکثر ولم یکن من نیة اهله الخروج منها وان کان هو ینتقل من اهل الی اهل فی السنة حتی انه لو خرج مسافرا من

لہ وفی الہندیۃ: ولو کانت المسافۃ ثلاثا بالسیر المعتاد فسار الیها علی الفرس جریا حثیثا فوصل فی یومین او اقل قصر۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوۃ المسافر) ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۹ باب المسافر۔

من بنية فيه اهله ودخل في اي بلدة من بلاد التي فيها اهله فيصير مقيماً من غير نية الاقامة ـ (بدائع الصنائع ج ا صـ۱۰۳ فصل في بيان ما يصير به المسافر مقيماً) ـ له

ایک وطن اصلی کا دوسرے وطن اصلی سے متاثر ہونا

سوال: اگر ایک شخص اپنے وطن اصلی کو چھوڑ کر سفر کی مسافت سے زائد سے کسی دوسرے مقام میں اہل وعیال کے ساتھ سکونت اختیار کرے تو یہ شخص اگر دو تین دن کے لیے اپنے آبائی وطن آجائے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ جبکہ یہاں آبائی وطن میں مملوکہ زمین بھی موجود ہو؟

الجواب: کسی آدمی کا اپنے وطن سے مسافت سفر پر نکلنا اگر بہ نیت سفر ہو تو پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں نماز قصر کرنا واجب ہے، البتہ یہ شخص اگر اپنے آبائی وطن چلا جائے اور وہاں اس کی مملوکہ جائیداد بھی ہو تو یہ مقام اس کا وطن اصلی شمار ہو کر اتمام کرنا لازمی ہے، اس لیے کہ وطن اصلی متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔

لما قال صاحب مجمع الانهر تحت قوله (ويبطل الوطن الاصلي بمثله) لو كان له اهل بالكوفة واهل بالبصرة فمات اهله بالبصرة وبقي له دور وعقار بالبصرة قيل البصرة لا تبقى وطناً له لانه انما كانت وطناً له بالاهل لا بالعقار الا ترى انه لو تأهل ببلدة ولم يكن له عقار صارت وطناً له وقيل تبقى وطناً له لانها كانت وطناً له بالاهل والدار جميعاً فبزوال احدهما لا يرتفع الوطن كوطن الاقامة تبقى ببقاء الثقل ـ
(مجمع الانهر ج ا صـ۱۶۴ باب المسافر) ـه

له وفي الهندية: ويبطل وطن الاصلي بالوطن الاصلي اذا انتقل عن الاول باهله واما اذا لم ينتقل باهله ولكنه استحدث اهلاً ببلدة اخرى فلا يبطل وطنه الاول ويتم فيهما.
(الفتاوى الهندية ج ا صـ۱۴۲ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)
ومثله في البحر الرائق ج ۲ صـ۱۳۱ باب المسافر ـ

ـه وفي الهندية: ولو انتقل باهله ومتاعه الى بلد وبقي له دور وعقار في الاول قيل بقي الاول وطناً له واليه اشار محمد في الكتاب. (الفتاوى الهندية ج ا صـ۱۴۲ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)
ومثله في البحر الرائق ج ۲ صـ۱۳۶ باب المسافر ـ

شادی کے بعد والدین کا گھر عورت کیلئے وطن اصلی نہیں رہتا

سوال: شادی کے بعد عورت اگر چند دنوں کے لیے والدین کے گھر آئے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ قصر کرے گی یا پوری نماز پڑھے گی؟ جبکہ مسافت اڑتالیس (۴۸) میل ہو؟

الجواب: والدین کا گھر اگرچہ عورت کے لیے وطن اصلی تھا لیکن شادی کے بعد خاوند کے ہاں مستقل رہائش اختیار کرنے "الوطن الاصلی یبطل بمثلہ" کی وجہ سے اب یہ وطن اصلی نہیں رہتا اس لیے یہاں پندرہ اقامت کی نیت نہ کرنے کی صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تأهله او توطنه اى عزم على القرار فيه وعدم الارتحال وان لم يتأهل. ولو كان له ابوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له الا اذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذي كان له قبله.

(رد المحتار ج۲ ص۱۳۱ صلوٰۃ المسافر مطلب فی الوطن الاصلی الخ)[1]

وطن اصلی کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا

سوال: بسا اوقات وطن اصلی کے حدود ختم ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں سفر کی ابتداء کہاں سے ہونی چاہیئے؟

الجواب: جائے اقامت کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا، بڑے شہروں میں محصول چونگی کے مراکز سے عموماً شہر کے حدود شروع ہوتے ہیں تاہم بعض جگہوں پر تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے۔

قال عبد الله التمرتاشیؒ: من خرج من عمارة موضع اقامته قاصداً مسيرة ثلاثة ايام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعی ركعتين. (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۱۲۱ باب صلوٰۃ المسافر)[2]

---

[1] وفی الخلاصة: [illegible] اذا كان له ابوان ببلدة وهو بالغ فليس بوطن له [illegible] (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۰۲ الفصل الثاني والعشرون في صلوٰة المسافر)

وهكذا في الكبيری ص۵۴۲ صلوٰة المسافر مطلب في الوطن.

[2] وفی الهندیة: الصحیح ما ذكر انه يعتبر مجاوزة عمران المصر [illegible] (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۱۲۸ باب المسافر.

سامان کے ہوتے ہوئے انشاءِ سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوتا

سوال: بسا اوقات وطنِ اقامت سے سفر کے ارادہ سے باہر جانا پڑتا ہے لیکن وطنِ اقامت سے ترکِ تعلق کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پورا گھرانہ اور سامان اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں انشاءِ سفر سے وطنِ اقامت باطل ہو کر واپس آنے پر دوبارہ نیت کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟ جبکہ بعض اوقات پندرہ دن کے اندر اندر دوبارہ بھی سفر کا ارادہ ہوتا ہے؟

الجواب: جب تک اہل و عیال یا سامان وطنِ اقامت میں موجود ہوں تو انشاءِ سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوتا، ایسی حالت میں دو تین دن وطنِ اقامت میں موقع ملنے کی صورت میں بھی پوری نماز پڑھی جائے گی، تاہم اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ایک دفعہ پندرہ دن رہنے کا باقاعدہ ارادہ کرکے قیام کرے تاکہ وطنِ اقامت کی حقیقت ثابت ہو کر دوبارہ بطلان کی صورت سے بچ جائے۔

قال علامہ ابن نجیمؒ: کوطن الاقامۃ یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع آخر الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۶ باب المسافر)[1]

مسافر جس راستے سے جارہا ہو اس کی مسافت معتبر ہوگی

سوال: اگر منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے دو راستے ہوں جن میں ایک قریب اور دوسرا راستہ دور ہو تو سفر کے لیے کون سے راستہ کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: جس راستے سے مسافر جارہا ہو اسی راستہ کی مسافت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر اس راستہ کی مسافت سفرِ شرعی کے اندازے سے پوری ہو تو چلنے والا مسافر شمار ہوگا، اگرچہ دوسرا راستہ قریب کا بھی ممکن ہو۔

لما فی الہندیۃ: فاذا قصد بلدۃ والی مقصدہ طریقان احدہما مسیرۃ ثلٰثۃ

---

[1] وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویبطل مثلہ اذا لم یبق لہ بالاول اھل ولو بقی لم یبطل بل یتم فیہا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۲ صلوٰۃ المسافر)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۴۲ الفصل الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر۔

ایام ولیالیہا ولا آخر دونہا فسلک الطریق الا بعد کان مسافرعندنا۔ الخ

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۸ الفصل الخامس عشر فی صلوۃ المسافر)[1]

دونمازوں کو بیک وقت پڑھنا

سوال:۔ سفر کی حالت میں اگر مغرب کی نماز مؤخر کرکے عشاء کے وقت میں دونوں اکٹھی پڑھی جائیں تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دونمازوں کا بیک وقت پڑھنا اگر صوری ہو یعنی ایک نماز مؤخر کرکے آخری وقت میں اور دوسری نماز پہلے وقت میں پڑھی جائے تو بوقت ضرورت اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے علاوہ کسی دونمازوں کا بیک وقت پڑھنا جس میں ایک نماز اپنے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے فقہ حنفی کی رو سے یہ ناجائز ہے فقہ حنفی میں بجز عرفات اور مزدلفہ کے حقیقی طور سے جمع بین الصلوتین مشروع نہیں۔

قال محمد بن حسن الشیبانیؒ: لا یجمع بین صلوتین فی وقت واحد فی حضر ولا سفر الا بین العرفۃ والمزدلفۃ۔ (المبسوط ج ۱ ص ۱۴۹ مواقیت الصلوۃ)[2]

غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت

سوال:۔ بسا اوقات انسان کسی ایسی جگہ خیمہ زن ہوجاتا ہے جہاں پر کوئی آبادی نہیں ہوتی یعنی جنگل ہے ضروریات زندگی کے فقدان کی وجہ سے یہ شخص نیت کے مطابق ایک دن بھی پورا نہ کر سکے تو کیا ایسے جنگل اور غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اقامت کی نیت کے لیے محل کی صلاحیت ضروری ہے بصورت مذکورہ

---

[1] وقال علامہ ابن نجیمؒ: وفی فتاوی قاضی خان: الرجل اذا قصد بلدۃ والی مقصدہ طریقان احدھما مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولیالیہا والآخر دونہا فسلک الطریق الا بعد کان مسافرا عندنا۔ الخ (البحرالرائق ج ۲ ص ۱۲۹ باب المسافر)

وفی خلاصۃ الفتاوی ھکذا ج ۱ ص ۱۹۵ الفصل الثانی والعشرون فی صلوۃ المسافر۔

[2] وفی الہندیۃ: ولا یجمع بین الصلوتین فی وقت واحد لا فی السفر ولا فی الحضر بعذر ما عدا عرفۃ والمزدلفۃ کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۲ الباب الاول فی المواقیت)

ومثلہ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۴۰۲ کتاب الصلوۃ المواقیت۔

میں ایسی غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت معتبر نہیں لہٰذا نیت کے باوجود نماز قصر پڑھی جائے گی۔

کما فی الہندیۃ: حتی نوی الاقامۃ فی برّ او بحر او جزیرۃ لم یصح۔ الخ
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر) ؎۱

مدتِ اقامت کی نیت کے بغیر قصر واجب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص وطن اقامت سے ۴۸ میل کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے نکلے مگر پندرہ دن قیام یقینی نہ ہونے کی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی موزوں مقام پر باقاعدہ پندرہ دن کی اقامت کی نیت کے بغیر یہ شخص مسافر کے حکم میں رہے گا جس پر نماز قصر کرنا واجب ہے۔

قال برہان الدین مرغینانیؒ: ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ او قریۃ خمسۃ عشر یوما او اکثر وان نوی اقل من ذلک قصر۔۔۔ الخ
(الہدایۃ ج ۱ ص ۱۴۹ باب صلوٰۃ المسافر) ؎۲

اقامت میں ماتحت افراد با اختیار افسران کے تابع رہیں گے

سوال:۔ عسکری تربیت کے دوران جب فوجی لوگ کسی جگہ اقامت کریں تو کیا پوری نماز پڑھیں گے یا قصر نماز ادا کریں گے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں بالائی افسروں کی نیت پر دارومدار ہے اگر با اختیار افسران نے مدت اقامت کی نیت کی ہو تو ماتحت ملازمین نیت نہ کرنے کے باوجود بھی پوری نماز پڑھیں گے ورنہ مدت اقامت سے کم پر فوجی دستوں میں قصر کی جائے گی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والمعتبر نیۃ المتبوع لانہ الاصل لا التابع کامرأۃ

؎۱ قال علامہ ابن نجیمؒ: وقید بالبلد والقریۃ لان نیۃ الاقامۃ لا تصح فی غیرہما فلا تصح فی مفازۃ ولا جزیرۃ ولا بحر ولا سفینۃ۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۳ صلوٰۃ المسافر)
ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۸ فصل فی بیان ما یصیر المسافر بہ مقیما۔

؎۲ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فالذی یصیر المقیم بہ مسافرا نیۃ مدۃ السفر والخروج من عمران المصر الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۳ فصل فی بیان ما یصیر بہ المقیم مسافرا)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر۔

وتابعه صدره المعيل وعبد غير مكاتب وجندي اذا كان يرتزق من الامير او بيت المال الخ

(رد المحتار علی صدر رد المختار ج ۲ ص ۱۳۳ باب صلاة المسافر) له

مہاجرین افغانستان کی نیت اقامت

سوال: افغانستان سے ہجرت کرکے آنے والے مسلمانوں نے دشت و بیابان میں خیمے لگا کر ڈیرے ڈال دیئے ہیں، کیا ان جنگلوں میں ان کی نیت اقامت درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اقامت کی نیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں سکونت ممکن ہو؟

الجواب: مہاجرین نے کیمپوں کے ذریعہ بستی کی شکل اختیار کرکے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کیا ہے لہٰذا جملہ ضروریات زندگی میسر ہونے کی وجہ سے ان کی نیت اقامت درست ہے اس لیے یہ مستقل مقیم شمار ہوں گے۔

قال علاء الدين الكاساني: واختلف المتأخرون في الاعراب والاكراد والتركمان الذين يسكنون في بيوت الشعر والصوف. قال بعضهم لا يكونون مقيمين ابداً وان نووا الاقامة مدة الاقامة لان المفازة ليست موضع الاقامة والاصح انهم مقيمين لان عادتهم الاقامة في المفاوز دون الامصار والقرى فكانت المفاوز لهم كالامصار الخ

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۹ فصل في بيان ما يصير المسافر به مقيما) له

له وفي الهندية: وكل من كان تبعاً لغيره يلزمه طاعته يصير مقيماً باقامته ومسافراً بنيته وبعدم سفره قال والعسكري مع اميره فهؤلاء لا يصيرون مقيمين بنية انفسهم في ظاهر الرواية۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۴۱ الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۳۳ الفصل الثاني والعشرون في صلاة المسافر۔

له وفي الهندية: اختلف المشائخ في الذين يسكنون في الخيام والاخبية في المفازة من الاعراب والتركمانية هل صاروا مقيمين بالنية عن ابي يوسف فيه روايتان في احدهما لا وفي الاخرى قال يصيرون مقيمين وعليه الفتوى۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ باب الخامس عشر في صلاة المسافر)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۲ صلاة المسافر۔

دائمی مسافر کی نماز کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص عام زندگی میں مسافر ہے کسی جگہ میں مستقل اقامت کا موقع بہت کم میسر ہو مثلاً ڈرائیور یا پائلٹ جو ہمیشہ کیلئے سفر میں رہتے ہیں تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اقامت کے لیے باقاعدہ پندرہ دن کی نیت ضروری ہے جہاں یہ نیت نہ ہو تو مسافر شمار ہوگا۔ صورت مذکورہ میں ایسے لوگ جب بھی ایسی حالت میں یعنی ڈیوٹی پر رہیں تو نماز قصر پڑھیں گے، البتہ اپنی سکونت کی جگہ اتمام کریں گے، اگرچہ چند نمازیں پڑھنے کا موقع کیوں نہ ہو۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر مسیرة ثلاثة ایام ولیالیها صلی الفرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامه او ینوی اقامة نصف شهر الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۲ باب صلوٰۃ المسافر) ۱؎

مقیم امام کی اقتداء میں پوری نماز پڑھی جائے گی

سوال:۔ اگر ایک مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی ہو تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام کی متابعت کی وجہ سے مسافر مقتدی قصر نہیں رکھ سکتا بلکہ اتمام کرے۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: وان اقتدی المسافر بالمقیم فی الوقت اتم اربعاً لانه یتغیر فرضه الی اربع للتبعیة کما یتغیر بنیة الاقامة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴۹ باب صلوٰۃ المسافر) ۲؎

مسافر امام کی اقتداء میں مقیم کیلئے بقیہ نماز میں قراءت نہیں

سوال:۔ اگر ایک مقیم مقتدی نے کسی مسافر امام

۱؎ وقال علامہ ابن نجیمؒ: واما اشتراط قصد مسیرة ثلاثة ایام فلان الطائف الدنیا من غیر قصد الی قطع مسیرة ثلاثة ایام لا یترخص الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۸ باب المسافر)
ومثله فی الزیلعی ج۱ ص۲۰۹ صلوٰۃ المسافر۔

۲؎ وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۰ باب صلوٰۃ المسافر)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۳ صلوٰۃ المسافر۔

کے پیچھے اقتدا کی تو امام کی فراغت کے بعد مقتدی باقی رکعات میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب:- امام کی فراغت کے بعد مقیم مقتدی کے لیے اپنی بقیہ نماز کا پڑھنا ضروری ہے لیکن چونکہ یہ امام کے پیچھے شمار ہوتا ہے اس لیے مقتدی کے لیے آخری رکعات میں قراءت ضروری نہیں ہے بلکہ فاتحہ کی مقدار سے خاموش کھڑے ہو کر رکوع کرے گا۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعده فاذا قام المقیم الی الاتمام لا یقرأ۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۹ باب صلوٰۃ المسافر)[1]

مسافر امام کے اتمام کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہونا

سوال:- اگر مقیم نے مسافر امام کی اقتدا کی، اس حالت میں مسافر امام نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھ لی اور اس کے ساتھ مقتدیوں نے بھی پوری نماز پڑھ لی تو مقیم مقتدیوں کی نماز کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- مسافر امام کے حق میں آخری دو رکعات نفل رہیں گی جبکہ مقیم مقتدیوں کی پوری نماز فرض ہے، لہٰذا مفترض کا اقتداء متنفل کے پیچھے لازم ہو کر مقتدیوں کی نماز فاسد کرتی ہے اس لیے اس کا اعادہ ضروری ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله لو بهم مقیماً) فلو اتم المقیمون صلوتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض بالمتنفل۔ الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۱ باب صلوٰۃ المسافر)[2]

امام کی حالت سے واقفیت کی ضرورت

سوال:- کسی امام کے سفر یا اقامت کے بارے میں جب مقتدی کو علم نہ ہو تو مقتدی کی ذمہ داری کیا ہے اور اس کی نماز پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

---

[1] وفی الهندیة: وصاروا منفردین کالمسبوق الا انهم لا یقرؤن فی الاصح۔ الخ (الهندیة ج۱ ص۱۴۲ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ صلوٰۃ المسافر۔

[2] قال ابن عابدینؒ: حتی لو اتم المقیمون صلوتهم معه فسدت صلوتهم لان هذا اقتداء المفترض بالمتنفل وانه لا یصح۔ الخ (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ صلوٰۃ المسافر)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۴۳ صلوٰۃ المسافر۔

الجواب:۔ امام کی حالتِ سفر یا اقامت سے ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات مقتدی شکوک و شبہات کا شکار ہوتا ہے اس لیے امام کی حالت سے واقفیت مقتدی کے لیے ضروری امر ہے۔ اس لیے مقتدی کو امام کی حالتِ سفر و حضر معلوم کرنا چاہیے تاکہ اس کی اقتداء درست ہو اور لاعلمی کی صورت میں اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ان العلم بحال الامام شرط) لکن (وحاصلہ تسلیم اشتراط العلم بحال الامام۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۳۱ صلوٰۃ المسافر) [1]

میدانِ عرفات میں حنفی المسلک کے لیے مقیم امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! حج کے دوران عرفہ کے دن اگر شرعی مسافت سے کم مسافت سے آنے والا امام قصر نماز پڑھائے تو کیا حنفی المسلک شخص کے لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک مسافتِ قصر سے کم سفر میں قصر نماز پڑھنا جائز نہیں لہٰذا جو امام مقیم ہونے کے باوجود قصر نماز پڑھائے گا حنفی مقتدی کی نماز اس کے پیچھے جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: ولو كان مقيماً كامام مكة صلى بهم صلوٰة المقيمين ولا يجوز له القصر ولا للحجاج الاقتداء به۔ قال الامام الطحاويؒ كان الامام النسفي يقول العجب من اهل الموقف يتابعون امام مكة في القصر فاني يستجاب لهم او يرجى لهم الخير وصلوٰتهم غير جائزة۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۰۵ کتاب الحج مطلب فی شروط الجمع بین الصلوٰتین بعرفة) [2]

---

[1] وقال علامہ ابن نجیم المصریؒ: وهذا محمل ما في الفتاوى اذا اقتدى بالامام لا يدري أمسافر هو ام مقيم لا يصح لان العلم بحال الامام شرط الاداء بجماعة۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ باب المسافر)

ومثله في الكبيري ص۵۹۱ باب صلوٰة المسافر۔

[2] قال العلامة عبد الرحيم لاجپوریؒ: عرفات میں حنبلی امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ادا نہ ہوگی خواہ مقیم ہو یا مسافر۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج۱ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ المسافر)

مسافر کا غلطی سے چار رکعت کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر مسافر غلطی سے دو رکعت کی بجائے چار رکعت کی نیت کرلے تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا وہ نیت کے مطابق چار رکعت ہی پڑھے یا دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کی نیت میں نماز اور وقت کا تعین ضروری ہے تعداد کی تعیین ضروری نہیں ضمناً خود بخود آجاتی ہے چونکہ مسافر کے ذمے صرف دو رکعت فرض ہے اس لیے نماز کی نیت بھی مسافرانہ ہوگی اگر زبان پر غلطی سے تعداد رکعات میں زیادتی ہوگئی ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا بد من التعیین عند النیة ..... لفرض ...... دون تعیین عدد رکعاته لحصولها ضمناً فلا یضر الخطأ فی عددها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۳ باب شروط الصلوٰة مطلب فی النیة)[1]

باپ بیٹا مختلف شہروں میں رہتے ہوں تو ان کی نمازوں کا حکم

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دو مختلف شہروں میں مقیم ہوں اور باپ بیٹے کے ہاں یا بیٹا باپ کے ہاں چلا جائے تو کیا یہ دونوں نماز قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں ہر شخص کے الگ الگ وطن کا اعتبار ہے صورت مسئولہ میں جب دونوں کے وطن اصلی الگ الگ ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے پاس جانے سے مقیم نہیں ہوں گے بلکہ مسافر ہو کر قصر کریں گے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تأهله او توطنه یبطل بمثله إذا لم یبق له بالاول اهل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۱ باب صلوٰة المسافر)[2]

عمرہ کیلئے سعودی عرب جانے والوں پر قصر نماز کا حکم

سوال:۔ جو لوگ عمرہ کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں ان کا دین صرف

---

[1] وفی الهندیة: النیة ارادة الدخول فی الصلوٰة والشرط ان یعلم بقلبه ای صلوٰة یصلی وادناها ما لو سئل لامکنه ان یجیب علی البدیهة ولا عبرة للذکر باللسان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۶۵ الباب الرابع)

وفیه ایضاً: عزم علی الظهر وجری علی لسانه العصر ... (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۶۶ فصل الرابع فی النیة)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: الوطن الاصلی هو مکان ... ولد فیه او تزوج او لم یتزوج وهو قصد التعیش فیه لا الارتحال فیه۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۳۲۱ العودة الی محل الاقامة الاول)

پندرہ دن کا ہوتا ہے ان ایام میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں بھی قیام کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ میں بھی، تو کیا ایسے لوگ وطن اقامت کی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی نمازیں قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب: نیت اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت کا ایک ہی مقام پر ہونا ضروری ہے، صورت مسئولہ کے مطابق چونکہ ایسے لوگ مختلف مقامات میں پندرہ دن گزارتے ہیں اس لیے انکی نیت اقامت کا اعتبار نہیں بلکہ یہ لوگ قصر کرکے نمازیں پڑھیں گے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته لأنه يخرج إلى منى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۵ باب المسافر)[1]

مجاہدین غلبہ کے دوران قصر کریں گے یا اتمام

سوال: جہاد افغانستان میں بعض علاقے افغان مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہو گئے ہیں مگر ابھی انہیں مکمل کنٹرول حاصل نہیں ہو سکا تو کیا یہ مجاہدین وہاں غلبہ کے دوران پوری نماز ادا کریں یا قصر؟

الجواب: مسلح افواج جب کسی علاقہ میں فاتحانہ داخل ہوں تو جب تک وہاں پورا کنٹرول ان کے ہاتھوں میں نہ ہو تو یہ افواج وہاں نماز قصر کریں گی، البتہ جب پوری طرح کنٹرول حاصل ہو جائے اور اس علاقے کو اپنا علاقہ سمجھا جائے تو پھر نیت اقامت کی صورت میں نماز پوری ادا کرنا ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله (للتردد بين القرار والفرار) وفي البحر عن التجنيس إذا غلبوا على مدينة أهل الحرب فاتخذوها داراً أتموا ولا بل إذا أرادوا الإقامة بها شهراً أو أكثر قصروا وأبقوها دار حرب وهم محاربون فيها. (رد المحتار ج۲ ص۱۳۳ كتاب المسافر)[2]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: وإذا نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنى خمسة عشر يوماً لم يتم الصلاة لأن اعتبار النية في موضعين يقتضي اعتبارها في مواضع وهو ممتنع۔ (الهداية ج۱ ص۱۴۶ كتاب المسافر)

وهكذا في الهندية ج۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر

[2] قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: وإذا دخل العسكر أرض الحرب فنووا الإقامة بها قصروا وكذا إذا حاصروا فيها مدينة أو حصناً لأن الداخل بين أن يهزِم فيقر وبين أن ينهزم فيفر فلم تكن دار إقامة۔ (الهداية ج۱ ص۱۴۷ كتاب المسافر)

وهكذا في الهندية ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر۔

دورانِ جہاد کمانڈر کا کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرنا

سوال:۔ افغان مجاہدین اگر کسی علاقہ میں روسی افواج سے برسرِ پیکار ہوں تو کیا وہ اپنے کمانڈر کی پندرہ روزہ اقامت کی نیت کی بناء پر وہاں اتمام کریں گے یا قصر؟

الجواب:۔ تابعین کے لیے اگرچہ متبوع کی نیت کا اعتبار ہے کہ وہ جہاں اقامت کی نیت کرے تو تابعین پوری نماز ادا کریں گے مگر محاذِ جنگ ایسی جگہ ہے جہاں امیرِ جماعت کی نیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں وہاں قصر کرنا لازمی ہے چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی جنگ کی صورت ہے اس لیے مجاہدین وہاں قصر نماز پڑھیں گے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: اذا دخل العسكر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وكذا اذا حاصروا فيها مدينة او حصناً لان الداخل بين ان يهزم فيقر وبين ان يهزم فيفر فلم تكن دار اقامة. (الهداية ج۱ ص[illegible] كتاب المسافر) [۱]

مسافر کا سہواً پوری نماز پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی مسافر سہواً قصر نماز کی بجائے پوری نماز پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مسافر کے ذمے چار رکعت والی نمازوں میں صرف دو رکعت فرض لازم ہے، اگر کوئی مسافر سہواً پوری چار رکعت پڑھ لے اور اس نے قعدۂ اولیٰ بھی کیا ہو تو نماز درست ہے اگرچہ سجدۂ سہو اس کے ذمہ واجب ہے اور اگر قعدۂ اولیٰ اس سے رہ گیا ہو تو نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: فلو اتم مسافر ان قعد في القعدة الاولى تم فرضه ولكنه اساء لو عامداً لتاخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض

---

[۱] وفي الهندية: عسكر نووا الاقامة بمدينة في دار الحرب او اهل البغي في دار الاسلام في غير مصر نووا الاقامة خمسة عشر يوماً قصروا لان حالهم متردد بين قرار وفرار وان نزلوا في بيوت المدر. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر)
ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب المسافر۔

وهذا لا يحل ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۸ كتاب المسافر) ۱ه

مسافر قصداً پوری نماز پڑھے تو اس کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی مسافر قصداً وعمداً پوری نماز پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سفر میں نماز قصر کرنا شرعاً عزیمت ہے اس میں اپنی طرف سے قصداً وعمداً زیادتی کرنا موجب گناہ ہے اس لیے جو شخص قصداً سفر میں پوری نماز پڑھے تو گنہگار ہوگا جس سے توبہ کرنا لازم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: وان صلى اربعاً وقعد في الثانية قدر التشهد اجزأته الاوليان عن الفرض والاخريان له نافلة اعتباراً بالفجر ويصير مسيئاً لتاخير السلام۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۴۶ كتاب المسافر) ۲ه

قیدی مجاہدین قصر کریں گے یا اتمام

سوال:۔ ہمارے بعض مجاہدین افغانستان میں دشمن کی قید میں ہیں جو اپنے گھروں سے مسافت شرعی سے زیادہ دور ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ دشمن کب انہیں یہاں سے نکالیں گے تو کیا یہ قیدی قصر (سفری) نماز پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں؟

الجواب:۔ اگر قیدیوں کو اپنے گھر جانے یا کسی دوسرے شہر منتقل ہونے کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ دشمن کب اور کتنے دنوں بعد ان کو رہا کرے گا یا کتنے دنوں کے بعد دوسرے شہر منتقل کرے گا اس لیے صورت مسئولہ کے مطابق یہ قیدی قصر (سفری) نماز پڑھیں گے اگرچہ

۱ه قال العلامة برهان الدين المرغيناني: وان صلى اربعاً وقعد في الثانية قدر التشهد اجزأته الاوليان عن الفرض والاخريان له نافلة اعتباراً بالفجر ويصير مسيئاً لتاخير السلام۔
(الهداية ج ۱ ص ۱۴۶ كتاب المسافر)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ باب الخامس عشر في صلوٰة المسافر

۲ه قال العلامة الحصكفي: فلو اتم مسافر ان قعد في القعدة الاولى تم فرضه ولكنه اساء لو عامداً لتاخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا يحل (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۸ كتاب المسافر)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ باب الخامس عشر في صلوٰة المسافر.

کئی سال اُسی جگہ گزر جائیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ولو دخل مصراً على عزم أن يخرج غداً أو بعد غد ولم ينو مدة الإقامة حتى بقي على ذلك سنين قصر لأن ابن عمرؓ أقام بأذربيجان ستة أشهر وكان يقصر، وعن جماعة من الصحابة مثل ذلك۔

(الهداية ج ۱ ص ۱۳۱ كتاب المسافر) ۱

قصر و اتمام میں فوجی سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہیں

سوال: میں ایک فوجی ملازم ہوں جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو میرے علاوہ دوسرے ساتھیوں کے بھی ٹھکانے کا کوئی علم نہیں ہوتا کبھی کہاں اور کبھی کہاں کبھی کسی جگہ کئی کئی ہفتے تک قیام کرتے ہیں اور کبھی دو دن کے بعد ہی روانہ ہو جاتے ہیں تو ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم نمازیں قصر کریں یا پوری پڑھیں؟

الجواب: فوجی ملازم یا سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہوتے ہیں اگر افسرانِ بالا کسی جگہ پندرہ دن کے قیام کی نیت کریں تو وہاں دیگر ماتحت لوگوں کو بھی پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور جس جگہ پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو وہاں قصر کریں البتہ اگر کسی فوجی افسر کی نیت کا علم نہ ہو تو صحیح معلومات تک قصر کریں۔

لما قال العلامة الحصكفي: ولا بد من علم التابع بنية المتبوع فلو نوى المتبوع الإقامة ولم يعلم التابع فهو مسافر حتى يعلم على الأصح۔ وفي الفيض وبه يفتى كما في الخانية وغيره۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۲ كتاب المسافر) ۲

کیا سنتِ مؤکدہ کی رکعتوں میں بھی قصر کی جائے گی؟

سوال: حالتِ سفر میں چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت

---

۱ وفي الهندية: ولو بقي في المصر سنين على عزم أنه إذا قضى حاجته يخرج ولم ينو الإقامة خمسة عشر يوماً قصر۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۲ كتاب المسافر

۲ وفي الهندية: إن لم يعلم العبد بإقامة الأصل قيل يصير مقيماً وقيل لا يصير مقيماً وهو الأصح لأن في لزوم الحكم قبل العلم به حرجاً وضرراً وهو مدفوع شرعاً۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۴۱ الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

ہو جاتی ہے تو کیا سنتِ مؤکدہ میں بھی کچھ تخفیف ہے یا کہ وہ چار ہی پڑھی جائیں گی؟

الجواب:۔ اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ فرض نمازوں کے علاوہ کسی نماز میں بھی قصر نہیں البتہ ترک اور عدمِ ترک میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں لیکن افضل و بہتر یہ ہے کہ اگر موقع ہو اور قافلہ چھوٹنے یا مقصود میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو تو سنتیں پڑھنی چاہئیں۔

لما فی الہندیۃ: ولا قصر فی السنن کذا فی محیط السرخسی وبعضہم جوزوا للمسافر ترک السنن والمختار انہ لا یأتی بہا فی حال الخوف ویأتی بہا فی حال القرار والامن ھٰکذا فی الوجیز للکردری۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)[۱]

مسافر کا مقیم امام کے ساتھ نماز کے آخر میں ملنا

سوال:۔ اگر مسافر نے مقیم امام کی اقتداء نماز کے آخر میں کی تو کیا اس صورت میں بھی مسافر پر اتمام کرنا یعنی پوری نماز پڑھنا ضروری ہے یا قصر کرے گا؟

الجواب:۔ مسافر مقتدی جب مقیم امام کی اقتداء کی نیت کرے تو اتباعِ امام کی وجہ سے اُسے پوری نماز ادا کرنی ہوگی اگرچہ وہ بالکل آخر میں شامل ہوا ہو۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وان اقتدیٰ مسافر مقیما یصلی رباعیۃ ولو فی التشہد الاخیر (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۴۲ کتاب المسافر)[۲]

بحری جہاز کے ملازمین کپتان کے تابع ہیں

سوال:۔ بحری جہاز کے ملازمین ہمیشہ جہاز کے کپتان کے تابع ہوتے ہیں، کپتان جس ملک میں جتنے ایّام گزارنا چاہے گزارتا ہے، کیا سفر کی نیت میں بھی ملازمین اپنے کپتان کی نیت کے تابع ہوں گے یا کہ ہر ملازم کو اپنی نیت کرنی ہوگی؟

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویأتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والا بان کان فی خوف وفرار لا یأتی بہا ھو المختار لانہ ترک لعذر۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۱ کتاب المسافر)
ومِثلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلّتہ ج۲ ص۳۳۹ سابعا صلوٰۃ السنن فی السفر۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولما اقتدا المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ ویتم) ای یصیر فرضہ اربعا لاقتدائہ بہ فی القعدۃ الاخیرۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۰ باب صلوٰۃ المسافر)

الجواب: بحری جہاز کے ملازمین جس طرح چلنے پھرنے اور کسی ملک میں قیام کرنے میں اپنے کپتان کے تابع ہوتے ہیں تو اسی طرح احکامِ سفر میں بھی کپتان کی نیت کا اعتبار ہوگا ملازمین جتنے بھی ایام کی نیت کریں معتبر نہیں، کتبِ فقہ میں اس کی نظیر امیر الجیش یا آقا کا ہے۔

وفی الہندیۃ: وکل من کان تبعاً لغیرہ یلزمہ طاعتہ یصیر مقیماً باقامتہ ومسافراً بنیتہ وخروجہ الی السفر۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر) لہ

سفر کی نیت نہ ہونے کے باوجود مہینوں سفر کرنا

سوال: بعض لوگ مہینوں سفر کرتے ہیں مگر ان کی نیت سفر کی نہیں ہوتی تو کیا وہ لوگ قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے؟

الجواب: مسافر کے لیے تین دن کے سفر (موجودہ دور میں ۴۸ میل یا ۷۸ کلومیٹر کے برابر مسافت) کی نیت ضروری ہے، بغیر سفر کی نیت کے سفر کرنے والا آدمی مسافر شمار نہیں ہوگا اگرچہ وہ مہینوں یا سالوں تک سفر کرتا رہے، اس لیے ایسے شخص کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۲ باب صلوٰۃ المسافر) لہ

سفر میں شاگرد یا مرید اپنے استاد اور مرشد کا تابع ہے

سوال: شاگرد یا مرید اپنے استاد یا پیر و مرشد کے ساتھ سفر میں ہوں تو کیا شاگرد یا مرید اپنے استاذ یا مرشد کے تابع ہوں گے یا نہیں؟

لہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: والمعتبر نیۃ المتبوع لأنہ الاصل لا التابع کامرأۃ وفاھا مھرھا المعجل وتلمیذ وعبد غیر مکاتب وجندی اذا کان یرتزق من الامیر او بیت المال واجیر و اسیر وغریم الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علیٰ ہامش الطحطاوی ص۲۴۴ کتاب المسافر۔

لہ قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: والثانیۃ نیۃ مدۃ السفر لان الانسان قد یخرج من مصرہ الی موضع لاصلاح الضیعۃ ثم تبدو لہ حاجۃ اخرىٰ الی المجاوزۃ عنہ الی موضع آخر لیس بینھما مدۃ السفر ثم وثم الی ان یقطع مسافۃ بعیدۃ اکثر من مدۃ السفر (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۴ کتاب السفر)

الجواب:۔ اگر شاگرد یا مرید کا سفری خرچہ استاد و مرشد برداشت کر رہا ہو تو اس صورت میں شاگرد و مرید تابع ہو کر استاد کی نیت سے مقیم اور اس کی نیت سے مسافر ہونگے ورنہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ تحت قوله (والتلمیذ) ای اذا کان یرتزق من استاذه والمراد به مطلق المتعلم مع معلمه الملازم له لا خصوص طالب العلم مع شیخه۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر) [له]

فرمانبردار بالغ بیٹا باپ کے تابع ہے

سوال:۔ کیا سفر میں بالغ بیٹا باپ کے تابع ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیٹا فرمانبردار ہو اور وہ باپ کے اشارے پر چلتا ہو تو بالغ ہونے کے باوجود سفر میں باپ کے تابع ہوگا اور باپ کی نیت اقامت سے مقیم اور نیت سفر سے مسافر شمار ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قلت ومثله بالاولی الابن البار البالغ مع ابیه۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر)

پشاور کا رہنے والا کراچی میں سسرال کے ہاں دوران قیام قصر کریگا یا اتمام؟

سوال:۔ پشاور کے رہنے والے ایک شخص نے کراچی میں شادی کی ہوئی ہے اب اگر یہ شخص اپنے سسرال کے ہاں کراچی جائے جبکہ اس کی نیت بھی پندرہ دن سے کم کی ہو تو یہ شخص کراچی میں نماز قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب:۔ صرف شادی کرنے سے سسرال کا وطن وطن اصلی نہیں بنتا بلکہ شادی کے بعد وہاں مستقل سکونت کی نیت بھی ضروری ہے چونکہ صورت مسئولہ میں اس شخص نے کراچی میں صرف شادی کی ہے وہاں اپنا مسکن نہیں بنایا اس لیے یہ شخص جب کراچی میں پندرہ دن سے کم قیام کرنے کی نیت کرے گا تو وہاں مسافر متصور ہو کر قصر کرے گا۔

[له] وفی الهندیة: والتلمیذ مع استاذه والاجیر مع مستأجره والجندی مع امیره فهؤلاء لا یصیرون مقیمین بنیة انفسهم فی ظاهر الروایة ...... هذا اذا کانت ارزاقهم من مولاهم فالعبرة لنیتهم۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۸ باب صلوٰة المسافر۔

قال الامام فخر الدین ... رحمہ اللہ: لو فرضنا اجتمع عسکر فی مصر ... وإن کان ذلک
وطنا اصلیا بأن کان مولدہ وسکن فیہ أو لم یکن مولدہ لکنہ تأهل بہ وجعلہ دارا۔

(فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیہ ج۱ ص۱۶۳ باب صلوٰۃ المسافر)

اغوا ہونے والا شخص قصر کرے گا یا اتمام

سوال: جو شخص اغوا ہو جائے اور اسے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر محبوس کر دیا جائے تو اس شخص کے لیے نماز میں قصر یا اتمام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص اغوا کر کے مسافت شرعی کی مقدار پر لے جایا گیا تو وہ اغوا کرنے والے کا تابع ہے اگر اغوا کرنے والا وہاں مقیم ہے تو یہ شخص اتمام کرے گا اور اگر متبوع بھی مسافر ہو تو یہ شخص بھی قصر کرے گا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (والأسیر) وذکر فی المنتقی أن المسلم إذا أسرہ العدو، إن کان مقصدہ ثلاثۃ ایام قصر وان لم یعلم سألہ فان لم یخبرہ وکان العدو مقیما أتم وإن کان مسافرا قصر۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۲۵ کتاب الصلاۃ)

مفرور شخص کی نیت اقامت صحیح ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص کسی جرم میں گرفتار ہونے کے خوف سے مفرور ہو کر کسی دور دراز شہر میں چلا جائے اور وہاں نیت اقامت کی کرے تو کیا اس شخص کی نیت کا اعتبار صحیح ہوگا یا نہیں جبکہ کسی وقت بھی اس کو گرفتار کر کے واپس لے جایا جا سکتا ہے؟

الجواب: اگر یہ شخص مفرور ہو کر کسی ایسے مقام میں ہو جہاں کی انتظامیہ یا پولیس سے مجرم کے اپنے وطن کی پولیس یا انتظامیہ کا مجرموں کو پکڑنے یا چھاپہ مارنے کا معاہدہ ہو تو اس شخص کی

لہ قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ: فان من ہو مولی للانسان او موضع تأهل بہ وہو محل قصد التوطن بہ کالاصل۔ (کبیری ص۵۴۳ فصل فی صلوٰۃ المسافر)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۱۲ کتاب المسافر۔

لہ قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ: وان مسلم أسرہ العدو وإن کان مقصدہ ثلاثۃ ایام قصر وان لم یعلم سألہ فان لم یخبرہ وکان العدو مقیما أتم وإن کان مسافرا قصر۔

(کبیری ص۵۴۸ فصل فی صلوٰۃ المسافر)

نیت کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ اس قرار و فرار کے مابین شک و تردد ہے، البتہ اگر اس مقام کی انتظامیہ کے ساتھ مجبوراً طلباء کے وطن کی انتظامیہ کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ ہو جو نیت کا اعتبار کرے تو مقیم متصور ہوگا۔

قال العلامة ابن نجيم المصري: لان حالهم يخالف عزيمتهم لتردد رأيهم بين القرار والفرار. (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۲ باب صلوة المسافر) لـه

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مقیم بلوچستانی طلبہ پشاور میں قصر کریں گے یا اتمام؟

سوال: ہم چند ساتھی بلوچستان سے یہاں دارالعلوم میں حصول تعلیم کیلئے آئے ہوئے ہیں، دوران تعلیم اگر ہم مدرسے کسی کام کے لیے پشاور جائیں تو کیا ہم وہاں قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے؟

الجواب: آپ لوگوں کا سفر یہاں تک ختم ہوا ہے اب یہاں آپ لوگ مقیم متصور ہوں گے، اگر آپ یہاں سے کسی ایسے مقام کو جائیں جو اکوڑہ سے شرعی مسافت سے کم مسافت پر واقع ہو تو پوری نماز پڑھیں گے اور اگر مسافت شرعی یا اس سے زیادہ پر واقع ہو تو پھر قصر کرنا واجب ہے اس لیے کہ آپ لوگوں کا دوسرا سفر اکوڑہ سے شروع ہوگا بلوچستان سے نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين: والحاصل ان انشاء السفر يبطل وطن الاقامة اذا كان منه اما لو انشأه من غيره فان لم يكن فيه مرور على وطن الاقامة او كان ولكن بعد سير ثلاثة ايام فكذلك ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لان قيام الوطن مانع من صحته. والله اعلم. (رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۲ كتاب الصلوة باب صلوة المسافر) ٢ه

لـه قال العلامة طحطاوي: او حاصروا اهل البغي في دار الاسلام في غير مصر بنية الاقامة [illegible] للتردد بين القرار والفرار. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص ۲۳۱ كتاب صلوة المسافر) ومثله في كبيري ص ۵۳۶ فصل في صلوة المسافر.

٢ه لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: واتفق الفقهاء على ان المسافر الذي يجوز له القصر [illegible] المسافر حتى يبلغ الى [illegible] (الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۳۲۴ [illegible]) الذي يباح له [illegible] ومثله في مراقي الفلاح ص ۱۴۸ باب صلوة المسافر.

سفر کے چند مسائل کے بارے میں معلومات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) مسافر اور مسافت کی توضیح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیا ہے اور کتنی اور کس چیز پر ہے؟ کیا وقت حاضرہ کی سواری اور سفری دیگر سہولیات کے پیش نظر حکم شرعی میں تبدیلی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسافر کے لیے نماز قصر پڑھنا ضروری ہے اگر پوری پڑھے گا تو گنہگار رہے گا یا ثواب ملے گا؟

(۳) کیا کوئی آثار موجود ہیں کہ مجاہدین اسلام بحالت جنگ میں قصر کیا کرتے تھے؟ اور اس کی قید پندرہ دن یا دس سال تک بھی کیوں نہ ہو انہیں قصر نماز پڑھنے کا حکم تھا کیونکہ قیام کی غرض تو جنگ تھی یا ایسے ہی موجودہ دور میں اگر عساکر اسلامی کو کسی ایسی مہم پر بھیجا جائے کہ فوجی مورچہ کی شکل میں کوئی حفاظت کی شکل ہو تو کیا نماز قصر کریں گے اور کیا سنت مؤکدہ ادا کرنا ان کے لیے ضروری ہے یا چھوڑ دینے کی اجازت ہے؟ کیا اطمینان شرط ہے؟

(۴) ایسا مسافر جو غیر مطمئن ہو اور اس کو کسی قسم کا علم نہ ہو کہ میں نے کتنے دن قیام کرنا ہے اور ایسی صورت میں انفرادی ارادہ کا اعتبار ہوگا یا اجتماعی؟ کیا نقل و حرکت کا اعتبار فرد پر ہے یا حاکم کے حکم پر ہے؟

(۵) ایسے مجاہدین جو افسران بالا کے حکم کے منتظر ہوں اور منتظر رہیں ان کا چاہے کتنا ہی عرصہ قیام کریں وہ نماز قصر ادا کریں گے یا نہیں؟

(۶) کیا ایسے عساکر کو ہر وقت مسافر تصور کیا جائے گا یا اطمینان کی حالت میں مقیم مسافر یا نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ضروری نہیں کہ جمعہ ترک کیا جائے بلکہ باعث اجر ہے اور نہ پڑھنے میں گناہ نہیں۔

(۷) عساکر اسلامی اگر مسجد کا سامان اپنے ساتھ پھرائیں تو کیا یہ جائز ہے؟ کیونکہ عارضی مسجد کا سامان سفر میں ساتھ پھرتا ہے تو کیا حکم ہے ایسے سامان کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں؟

الجواب: مسافت کی توضیح میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں تحریر فرمایا ہے جس کی عبارت یہ ہے "چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں،

حدیث مؤطا امام مالکؒ سے ثابت ہوتی ہیں مگر مقدار میل کی مختلف ہے لہٰذا تین منزل کا سفر
عرب کے ہاں متفق ہے یہی مقدار سفر شرعی ہے جس کی وجہ سے احکام میں تغیر
واقع ہو جاتا ہے۔ اور جس کو فقہاء کرام نے مختلف عبارات میں اپنی اپنی کتابوں میں ذکر
کیا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: قال
مسافة تتغیر فیها الاحکام مسیرة ثلاثة ایام کذا فی التبیین هو الصحیح کذا فی
جواهر الاخلاطی. (فتاویٰ عالمگیریہ ج ۱ ص ۱۳۸) اس قدر سفر کا قصد کرنے
والے کو شرعاً مسافر کہا جاتا ہے اور جو احکام اس قدر سفر سے متغیر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:
الاحکام التی تتغیر بالسفر هی قصر الصلوٰة واباحة الفطر وامتداد مدة مسح
الی ثلٰثة ایام وسقوط وجوب الجمعة والعیدین والاضحیة وحرمة الخروج
علی الحرة بغیر محرم کذا فی العتابیة. (فتاویٰ عالمگیری) اور اس
مقدار سفر کو طے کرنے میں درمیانی رفتار معتبر ہے: والمعتبر السیر الوسط کذا فی الهدایة۔
اور فقہاء اس درمیانی رفتار کی وضاحت یوں کرتے ہیں: وهو سیر الابل ومشی
الاقدام فی اقصر ایام السنة کذا فی التبیین۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اعتبار مسافت کا ہے اگر چہ سواری کی تیز رفتار
ہونے سے وہ جلدی طے ہو جائے جیسا کہ ریل اور ہوائی جہاز وغیرہ کے سفر میں یہی حکم ہے
مثلاً ایک منزل مقصود کو آدمی اگر پیدل یا اونٹ پر سوار ہو کر تین دن میں پہنچ جاتا ہے
اور ریل کے ذریعہ ایک دن میں اور ہوائی جہاز کے ذریعہ تیس منٹ میں تو بھی وہ آدمی
قصر کرے گا کیونکہ اعتبار مسافت کا ہے اور فقہاء نے بھی یہی ذکر کیا ہے جیسا کہ عالمگیری
میں ہے: ولو کانت المسافة ثلاثاً بالسیر المعتاد فسار الیها علی الفرس جریاً
فوصل فی یومین او اقل قصر کذا فی الجوهرة النیرة. (فتاویٰ عالمگیریہ)

اس سے ثابت ہوا کہ وقت میں کمی یا تیز رفتار سواریوں سے حکم شرعی میں تبدیلی جائز نہیں
ہے ایسا ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی امداد الفتاویٰ جلد اول میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق قصر واجب ہے۔ والقصر واجب عندنا
کذا فی الخلاصة. اب جس نے تمام کیا تو ضرور گنہگار ہوگا: فان صلی اربعاً وقعد
فی الثانیة قدر التشهد اجزأته والاخریان له نافلة ویصیر مسیئاً (عالمگیری ج ۱)

كذا في الهداية ـــــ درمختار میں ہے: صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوبا لـــــ
علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: فيكره الاتمام عندنا حتى روي عن ابي حنيفة
لانه قال من اتم الصلوة فقد اساء وخالف السنة. (درمختار مع شرحہ شامی ج ۱ ص)

(۲) (الف) عسکر اسلامی اگر دار الحرب میں داخل ہوجائے یا دار الحرب میں ایک شہر یا ایک
قلعہ کا محاصرہ کرلیں اور پندرہ دن نیت اقامت کر بھی لیں تو ان کی نیت اقامت درست نہیں بلکہ
وہ قصر کریں گے کیونکہ وہ بین القرار والفرار ہیں۔ ہدایہ میں ہے: واذا دخل العسکر
ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وكذا اذا حاصروا فيها مدينة او حصنا
لان الداخل بين ان يهزم فيقر وبين ان يهزم فيفر فلم تكن دار اقامة۔
(شامی اور عالمگیری میں بھی اسی طرح لکھا ہے) اور ایک شخص مسافر اس وقت تک رہے گا
جب تک کہ وہ کسی شہر یا گاؤں میں کم از کم پندرہ دن کی نیت اقامت نہ کرے اور زیادہ
کی کوئی حد نہیں اور اگر پندرہ دن سے کم نیت اقامت کرے گا تو وہ مقیم نہ ہوگا اور قصر کرے گا۔
اسی طرح امام طحاویؒ نے ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے نقل کرکے اخراج کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:
ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الاقامة في بلدة او قرية خمسة عشر يوما
او اكثر وان نوى اقل من ذلك قصر وهو مأثور عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ
(اخرجه الطحاوي عنهما) والاثر في مثله كالخبر لانه لا مدخل للرأي فيه فكأنهما
ان الصحابي رواه عن النبي صلى الله عليه وسلم. (الهداية ج ۱ ص ۱۴۸ باب صلوة المسافر)
لہٰذا صورت مذکورہ میں اگر عساکر اسلامی کسی مہم پر جاکر دار الحرب میں اتریں یا وہاں کے کسی شہر
یا گاؤں کا محاصرہ کریں تو وہ اگر نیت اقامت کرلیں تو [?] اتمام کریں گے نہیں۔

(ب) ملاحوں کا مسئلہ تو اس کے لئے صرف اطمینان شرط ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:
ولا قصر في السفينة كذا في محيط السرخسي. وبعضهم جوزوا لهما في ترك الاذان
والمختار انه لا يأتي بهما في حال الخوف. ويأتي بهما في حال القرار ولا من هكذا [?]
في الوجيز للكردري. (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۲) اور اسی طرح صاحب درمختار نے
بھی لکھا ہے۔

(۳) ایسا مسافر جو کسی حاجت کے لئے کسی شہر میں داخل ہوجائے اور ارادہ یہ ہو کہ جب بھی
حاجت پوری ہوجائے تو نکلے گا اور پندرہ دن کی نیت اقامت نہیں کی ہے تو اسی طرح وہ کئی سال

كذا في الكافي حتى لا يجب الجمعة على العبيد والنسوان والمسافرين والمرضى كذا في المحيط ـــــ اس سے چند سطر آگے کی عبارت کچھ اس طرح ہے، ومن لا جمعة عليه إن أداها جاز عن فرض الوقت كذا في الكنز۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۴ الباب السادس عشر في صلوٰۃ الجمعۃ)

(۷) جس طرح کہ اور ضروری سفری سامان عساکر اسلامی اپنے ساتھ لیتے ہیں اسی طرح اگر مسجد کا سامان مثلاً چٹائی وغیرہ اپنے ساتھ لے لیں تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(فقط واللہ اعلم)

جس سفر کے درمیان وطن اقامت ہو اس کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میں بسلسلہ ملازمت نوشہرہ کینٹ میں ملازم ہوں، ایک بار کسی کام کے لیے مردان گیا اور وہاں سے اسلام آباد جانے کی نیت کی، جب رسالپور پہنچا تو میں نے عصر کی نماز دو رکعت پڑھی، اس پر میرے ایک ساتھی نے کہا کہ آپ کو تو پوری نماز پڑھنی تھی، تمہارا قصر نوشہرہ سے نکل جانے کے بعد شروع ہوگا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا میرے ساتھی کی بات درست ہے یا میرا عمل؟ قرآن و سنت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعت مقدسہ کی رو سے سفر کا انشاء وطن اقامت ہوتا ہے کسی دوسرے مقام سے نہیں، چونکہ آپ کا وطن اقامت نوشہرہ ہے مردان نہیں، جبکہ مردان اور نوشہرہ کے درمیان مسافت سفر بھی نہیں اس لیے آپ کو پوری نماز پڑھنی چاہیے تھی، قصر کا حکم نوشہرہ سے نکل جانے کے بعد متوجہ ہوتا۔ اس لیے آپ کے ساتھی کی بات درست ہے، اگر آپ نے دوبارہ نماز نہ پڑھی ہو تو نماز کا اعادہ کرلیں۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: والحاصل أن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة إذا كان منه، أما لو أنشأه من غيره فإن لم يكن فيه مرور على وطن الإقامة أو كان ولكن بعد سير ثلاثة أيام فكذلك، ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لأن قيام الوطن مانع من صحته والله أعلم ..... وقال في الفتح إن السفر الناقض لوطن الإقامة ما ليس فيه مرور على وطن الإقامة أو يكون فيه المرور به بعد سير مدة السفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۲ كتاب السفر)

پندرہ دن اقامت کی نیت کے بعد ارادہ بدلنے پر قصر ہے یا اتمام؟

سوال: ایک شخص کسی شہر میں پندرہ دن کی نیت سے رہنے لگا لیکن اچانک نیت تبدیل کرکے تین چار دن کے بعد جانے کا ارادہ کر لیا حتی کہ سفر کے لیے ٹکٹ بھی لے لی تو کیا یہ شخص اب قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: جس شخص نے ایک دفعہ اقامت کی نیت کرکے رہنا شروع کر دیا تو وہ اس وقت تک اسی شہر میں مقیم متصور ہوگا جب تک وہ اس شہر کی حدود سے باہر نہ نکلے اگرچہ درمیان میں اس نے نیت تبدیل کرکے مدت اقامت سے قبل جانے کا ارادہ کر لیا ہو۔

قال العلامة السرخسیؒ: ولا یکون مسافرا بالنیة کما یکون مقیما بالنیة لانه لا یکون مسافرا حتی یخرج ولا قامة تکون بالنیة لان الاقامة لیس بعمل (المبسوط للسرخسی ج۱) [1]

کرفیو کی وجہ سے قصر و اتمام کا حکم

سوال: ایک شخص کسی شہر میں ضروری کام کے لیے گیا مگر اتفاق سے وہاں کرفیو لگ گیا جس کی وجہ سے پندرہ دن سے قبل وہاں سے نکلنا ممکن نہ رہا تو کیا یہ شخص وہاں مقیم متصور ہوگا یا مسافر؟

الجواب: جب کسی شہر میں پندرہ دن کا قیام یقینی ہو تو وہاں آدمی مقیم متصور ہوگا، صورت مسئولہ میں چونکہ کرفیو کی وجہ سے پندرہ دن سے قبل نکلنا ممکن نہ رہا اگرچہ یہ اتفاقیہ حادثہ ہے تب بھی یہ شخص مقیم متصور ہوگا۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوما او اکثر۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴۵ باب صلوة المسافر) [2]

کسی دوسرے شہر میں ذاتی مکان ہو تو اس میں قصر و اتمام کا حکم

سوال: بعض مالدار لوگ اور گرمیوں کے ایام سوات چترال

---

[1] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: والثالث: الخروج من عمران المصر فلا یصیر مسافرا بمجرد نیة السفر ما لم یخرج من عمران المصر (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۴ فصل بالمصیر به المقیم مسافرا)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ولا یزال المسافر علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة مدة معینة سنذکرها۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۳۲۵ ثامنا الموضع الذی یبدأ منه القصر)

ومثله فی کبیری ص۵۳۹ فصل فی صلوة المسافر۔

ایبٹ آباد، مری وغیرہ ٹھنڈے علاقہ جات میں گزارتے ہیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے وہاں اپنے ذاتی مکان بھی بنا رکھے ہیں، تو کیا یہ لوگ ان علاقوں میں مقیم متصور ہوں گے یا مسافر، خواہ وہ ایک دو دن کے لیے ہی جاتے ہوں؟

الجواب:۔ جو شخص کسی دوسرے شہر میں اپنا ذاتی مکان بنائے اور وہاں ایک دفعہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ موسم گرما گزار لے تو وہ اس شخص کا وطن اصلی شمار ہوگا، اس طرح یہ شخص جب بھی اس شہر میں آئے گا مقیم ہو کر پوری نماز پڑھے گا جب تک اس کا مکان اس شہر میں ہو، اسی لیے صورت مسئولہ کے مطابق ایسے لوگ مقیم ہوں گے اور ان پر واجب ہے کہ پوری نماز پڑھیں گے۔

قال العلامة ابن نجيم المصري: الوطن الأصلي هو وطن الانسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها۔ (البحر الرائق ج۲ ص[illegible] باب صلوة المسافر) لـه

لـه قال العلامة ابراهيم الحلبي: الوطن الاصلي هو موطن الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال عنه۔ (كبيري ص۵۴۲ فصل في صلوة المسافر)

ومثله في بدائع الصنائع ج۱ ص[illegible] مطلب في ان الاوطان ثلثة۔

باب الجمعة والعیدین

(جمعہ و عیدین کے احکام و مسائل)

نمازِ جمعہ کی فرضیت سے منکر کا حکم

سوال: نمازِ جمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص اس کی فرضیت سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز بھی فرضِ عین ہے، اس کی فرضیت سے انکار موجبِ کفر ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ھی فرض عین یکفر جاحدھا لثبوتھا بالدلیل القطعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص[illegible] باب الجمعة) [1]

جمعہ کے وجوب کے لیے حاکم کی اجازت کی شرعی حیثیت

سوال: فقہاء نے نمازِ جمعہ کے وجوب ادا میں بادشاہ کی اجازت کا ہونا ضروری لکھا ہے لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کا حاکم نہ ہو تو وہاں پر جمعہ پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: جہاں کہیں اسلامی سلطنت قائم ہو تو وہاں پر اجازت صراحتاً یا دلالۃً ضروری ہے لیکن اگر کہیں پر ایسا انتظام نہ ہو تو بصورتِ مجبوری عام مسلمان خود اپنی ذمہ داری محسوس کر کے نمازِ جمعہ کا اہتمام کریں گے۔

لما ذکر فی الھندیة: ولو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعة جاز۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۴۶ باب صلوٰة الجمعة) [2]

---

[1] وقال علامہ ابن نجیمؒ: ومن فرضیتھا ثابتة بالکتاب والسنة والاجماع یکفر جاحدھا۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب الجمعة)
ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۱ باب الجمعة۔

[2] وقال الشلبی فی حاشیة الزیلعی: ولو اجتمعت العامة علی ان یقدموا رجلا من غیر امر خلیفة المیت او القاضی لم یجز ولم تکن جمعة لانه لم یفوض الیھم امرھم الا اذا لم یکن ثمہ قاض ولا خلیفة المیت بان کان الکل میتا حینئذ یجوز للضرورة۔ (الزیلعی ج۱ ص[illegible] باب صلوٰة الجمعة)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص[illegible] باب صلوٰة الجمعة۔

مصر کے توابع میں نماز جمعہ کا حکم

سوال:- اگر کسی قریہ کبیرہ کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہو، اس کی اپنی آبادی کم ہو لیکن رسم و رواج، غمی و خوشی میں کے تمام تعلقات بڑے گاؤں سے ہی ہوں تاہم درمیان میں کچھ زمین خالی پڑی ہے جس میں تا حال کوئی آبادی نہیں۔ کیا اس چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر اس چھوٹے گاؤں کی حیثیت ایک محلہ کی طرح ہو تو پھر درمیان میں خالی زمین اس کے لیے مانع نہیں کہ اس کو اس بڑے گاؤں کے توابع میں شمار کیا جائے، توابع ہونے کی صورت میں جمعہ وعیدین یہاں واجب رہیں گے اگرچہ اس کی مستقل آبادی کم ہو۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولا تصح الجمعة الا فی المصر وتوابعه فلا تجب علی اهل القری التی لیست من توابع المصر۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۵۹ فصل بیان شرائط الجمعة) [1]

فناء مصر کی مقدار

سوال:- کسی مصر یا قریہ کبیرہ کے توابع اور فناء کا دائرہ کتنی مسافت تک محدود رہتا ہے جبکہ بڑے بڑے گاؤں کا دائرہ میلوں تک رہتا ہے، کیا یہ تمام علاقہ مضافات میں شمار ہوگا؟

الجواب:- گاؤں یا مصر کے توابع کی تعیین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق جہاں تک اذان کی آواز سنائی دیتی ہو تو وہ علاقہ توابع میں شمار ہوگا۔ دوسرے متعدد اقوال مسافت کے بارے میں بھی مروی ہیں لیکن موجودہ وقت میں کسی بڑے گاؤں کا وہ علاقہ جو انتظامی طور پر نافذ العمل ہو وہی علاقہ توابع میں شمار ہوگا۔ مثلاً گاؤں کمیٹی، کارپوریشن وغیرہ کا متعلقہ توابع سمجھا جاتا ہے اس لیے یہی علاقہ متعلقہ کمیٹیوں کی آمدنی اور مصارف کے لیے مخصوص کیے جاتے ہیں، البتہ یونین کونسل کا اس زمرہ میں آنا مشکل ہے، پھر بھی ایسے بڑے گاؤں علاقہ کے عرف کے تابع ہونے چاہئیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما تفسیر توابع المصر فقد اختلفوا فیها روی عن ابی یوسفؒ ان المعتبر فیه سماع النداء ان کان موضعاً یسمع فیه النداء

---

[1] وقال محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ: تقع فرضاً فی القصبات والقری او فنائه وهو ما اتصل به لاجل مصالحه۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۸ باب الجمعة)

[2] وهکذا فی الهندیة ج۱ ص۱۴۵ صلوٰة الجمعة

من المصر فهو من توابع المصر الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۰ فصل بیان شرائط الجمعة) ۔

متعدد آبادیوں پر مشتمل قریہ میں جواز جمعہ کا حکم

سوال:۔ چند چھوٹے گاؤں جن کی مجموعی آبادی تو قریہ کبیرہ تک پہنچتی ہے لیکن انفرادی ہر ایک کی آبادی دیہات کے حکم میں ہے، کیا ان متعدد آبادیوں کو ملا کر یہاں پر جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مذکورہ چھوٹی آبادیاں محلہ جات کی شکل میں ہوں اور ایک محلہ سے دوسرے محلہ تک خالی جگہ پڑی ہو تو اس معمولی مسافت کی وجہ سے اگرچہ نام الگ ہوں لیکن پھر بھی باہمی تعلقات، غمی اور خوشی اور دوسرے امور میں شرکت کی وجہ سے ایک قریہ کبیرہ شمار ہوکر ایسی جگہ میں نماز جمعہ وعیدین ادا کرنا درست ہے۔ اور اگر ایک گاؤں کا کسی دوسرے گاؤں سے کوئی خاص تعلق نہ ہو ہر ایک میں انفرادیت ہو اور ان متعدد چھوٹی آبادیوں کی حیثیت الگ الگ دیہات کی ہو تو اس کو مجموعی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ دیہات کی صورت میں فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ وعیدین پڑھنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن العابدینؒ: تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق۔ الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۸ باب الجمعة) [1]

ہنگامی حالات کے تحت بازار میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے

سوال:۔ اگر کسی جگہ کی مقامی آبادی قریہ کبیرہ تک نہ پہنچتی ہو لیکن جمعہ کے دن کاروباری مرکز ہونے کی وجہ سے لوگوں کا اژدحام رہتا ہے۔ تو کیا اس وقتی کثرت کی وجہ

---

[1] وقال العلامة ابن عابدینؒ: وجملة اقوالهم فی تقدیره ثمانیة اقوال او تسعة غلوة میل میلان ثلاثة فرسخ فرسخان ثلاثة سماع الصوت سماع الاذان الخ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۹ باب صلوٰة الجمعة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۱ باب صلوٰة الجمعة۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وجوب الجمعة علی ثلاثة اقسام فرض علی البعض وواجب علی البعض وسنة علی البعض اما الفرض فعلی الامصار واما الواجب فعلی توابعها واما السنة فعلی القری الکبیرة والمستجمعة للشرائط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۱ باب الجمعة)

ومثله فی امداد الفتاوی ج۱ ص۴۲۵ باب الجمعة۔

ہے اس طرح یہ نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں جبکہ سامنے پہاڑ پر منیٰ میں یہ کیفیت قائم رہتی ہے۔

الجواب:۔ مثالی حالات کے پیش نظر جمعہ کے دن یہ جگہ جب مصر یا قریہ کبیرہ بن سکے تو اس میں منیٰ کی طرح وقتی کثرت کی وجہ سے نماز جمعہ پڑھنا درست ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز عندہما ان کان الامیر امیر الحجاز او کان الخلیفة مسافراً عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وقال محمدؒ لا جمعة بمنی لانہا من القری حتی لا یعید بہا۔ ولہما انہا تتمصر فی ایام الموسم۔ (الہدایة ج۱ ص۱۶۹ باب صلوٰة الجمعة) ؎

متعدد مقامات پر نماز جمعہ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی جگہ جمعہ کی شرائط پوری ہوں تو متعدد مقامات پر نماز جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایک جامع مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرائط پوری ہونے کے بعد جب ایک دفعہ جمعہ وعیدین واجب ہو جائیں تو متعدد مقامات پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ابتداء ہی سے متعدد جگہوں میں جمعہ شروع ہو، بلکہ ایک جامع مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ ضرورت محسوس ہو تو نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے تاہم کسی فتنہ وفساد اور مسلمانوں کے درمیان افتراق کے پیش نظر کسی جامع مسجد سے علیحدگی کو بہانہ بنانا دانشمندی کا تقاضا نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتوی الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۴ باب الجمعة) ؎

فوجی چھاؤنی یا کسی ممنوعہ علاقہ میں نماز جمعہ کا حکم

سوال:۔ بعض حساس علاقوں یا فوجی چھاؤنیوں میں غیر متعلقہ افراد کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے، ایسے مقامات پر چونکہ ہر ایک کو آنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اذن عام مفقود

؎ وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وجازت الجمعة بمنی فی الموسم الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ص۱۴۳ باب صلوٰة الجمعة) ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب صلوٰة الجمعة۔

؎ وفی الہندیة: وتؤدی فی مصر واحد فی مواضع کثیرة وہو قول ابی حنیفة ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وہو الاصح۔ (الفتاوی الہندیة ج۱ ص۱۴۵ صلوٰة الجمعة) ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب صلوٰة الجمعة۔

ہوتا ہے نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ فقہ کی کتابوں میں ایک شرط اذنِ عام بھی لکھی گئی ہے۔

الجواب:- ایسے مقامات پر داخلہ کی پابندی انتظامی امور کا حصہ ہے تاکہ اشرار اور مفسدین کے شر سے محفوظ رہے، اس لیے اس پابندی سے جمعہ کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی، تاہم یہاں پر بھی متعلقہ افراد کو داخلہ کی اجازت ہوکر "بعض" اذنِ عام پایا جاتا ہے، اس لیے یہ مقام جب ایسے علاقہ میں واقع ہو جہاں پر جمعہ وعیدین واجب ہوں تو متعدد مقامات پر نماز مشروع ہونے کی وجہ سے یہاں پر جمعہ وعیدین پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: تحت قوله الإذن العام فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله الخ. (الدر المختار ج ۲ ص ۱۵۲ باب الجمعة)[1]

دیہات میں نمازِ جمعہ وعیدین کا حکم

سوال:- دیہات میں نمازِ جمعہ وعیدین کو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہاء احناف نے نمازِ جمعہ کے وجوب اور صحت کیلئے دیگر شرائط کے علاوہ مقام کا مصر یا فناء مصر کا ہونا ضروری لکھا ہے، اس لیے دیہات میں شرائط کے فقدان کی وجہ سے نمازِ جمعہ وعیدین کا پڑھنا واجب نہیں، عدمِ وجوب کے باوجود پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: وفي القنية صلوة العيد في القرى تكره تحريماً أي لأنه اشتغال بما لا يصح الخ. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۷ باب العيدين)[2]

دیہات میں جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا

سوال:- جہاں پر جمعہ واجب نہ ہو اور شرط معدوم ہونے کے باوجود محض ہٹ دھرمی پر قائم رہ کر بعض لوگ جمعہ پڑھتے ہیں تو کیا ان سے ظہر کی نماز کی ذمہ داری چھوٹ جاتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال ابن عابدينؒ: وما يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفاً من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن الإذن العام مقرر لأهله الخ. (مجمع الأنهر ج ۱ ص ۱۶۶ باب الجمعة)

[2] وقال علامه ابن نجيم المصريؒ: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية ولا مفازة الخ. (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۲ صلوة الجمعة)

ومثله في الزيلعي ج ۱ ص ۲۱۷ باب صلوة الجمعة۔

الجواب:۔ جب جمعہ ہی نہ ہو تو ظہر کی نماز فرض ہوگی، ایسی حالت میں باوجود عدمِ وجوب جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ظہر کی نماز سے فراغت ذمہ کے لیے بے سود ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة ألا تری أن فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر (شامی ج۱ ص۱۳۸)[1]

صحراء میں نمازِ جمعہ پڑھنا

سوال:۔ کسی صحراء میں لوگ جمع ہو کر نمازِ جمعہ پڑھیں تو کیا حکم ہے؟ خاص کر لوگ جب وہاں پر کثیر تعداد میں موجود تو ہوں لیکن مستقل طور پر وہاں آباد نہ ہوں؟

الجواب:۔ اگر یہ صحراء کسی مصر یا قریۂ کبیرہ کے توابع میں سے نہ ہو تو نمازِ جمعہ وعیدین ایسی جگہ میں ادا کرنا جائز نہیں۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: ولا بعرفات لأنها مفازة۔ الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۴ باب الجمعة)[2]

دیہات میں نمازِ جمعہ

سوال:۔ عام علاقوں میں جمعہ کی نماز میں احناف کے نزدیک مصر یا فنائے مصر ہونے کے شرائط میں کافی کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگ چند گھرانوں پر مشتمل آبادی کو کافی جان کر جمعہ کی نماز شروع کرتے ہیں، جبکہ فقہ حنفی میں مصر کی تعریف مختلف عبارات سے ہوتی ہے، کسی ایک تعریف کو دیکھ کر ہمارے لیے فیصلہ کرنے کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک نمازِ جمعہ کے وجوبِ ادا کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ مصر یا فنائے مصر ہونا مستقل شرط ہے، تاہم قریۂ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں داخل ہے لیکن مصر

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: قوله شرطها أی شرط صحتها أن تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریة ولا مفازة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۰ باب الجمعة)
ومثله فی البنایة شرح الهدایة ج۳ ص۴۸ باب الجمعة۔

[2] وفی الهندیة: ولا جمعة بعرفات اتفاقاً کذا فی الکافی۔ (الهندیة ج۱ ص۱۴۵)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب الجمعة۔

اور قریہ کبیرہ کی کوئی خاص حد مقرر نہیں جس کو ہم اعتبار کا درجہ دے دیں۔ یہ ایک عرفی حقیقت ہے جو زمانہ اور حالات سے متاثر ہوتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے اپنے زمانے کے اعتبار سے مصر کی تعریف کی ہے جو ہماری کتابوں میں مختلف عبارات سے نقل ہوئی ہے۔ یہاں تک تو اتفاق ہے کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس سے ظہر کی نماز کی ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی۔ موجودہ وقت کے اعتبار سے جس گاؤں کی مستقل آبادی بشمول مرد و زن چھوٹے بڑے اور مسلم و غیر مسلم دو ہزار تک پہنچی ہو تو وہ گاؤں بڑا سمجھا جاتا ہے اور اس میں ضروریات زندگی کا سامان بھی موجود ہو۔ لہٰذا نماز جمعہ کے وجوب کے لیے ایک گاؤں کی آبادی کم از کم دو ہزار ہونا ضروری ہے لیکن واضح ہو کہ یہ گاؤں کی اپنی آبادی ہونی چاہیئے ورنہ قرب و جوار جو اس کے مضافات میں نہ ہوں کی آبادی ملا کر بھی دو ہزار تک ہو تو اسے دیہات ہونے کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

قال الحصكفیؒ: وفی القنیة صلوة العید فی القری تکرہ تحریماً ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۷ باب العیدین) [1]

مسافر کے لیے جمعہ کا حکم

سوال:۔ مسافر پر نماز جمعہ واجب نہ ہونے کے باوجود اگر ادا کرے تو کیا اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا نماز ظہر الگ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اقامت نماز جمعہ کے وجوب ادا کے شرائط میں سے ہے جن کی عدم موجودگی میں بھی نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے اس لیے مسافر کی نماز جمعہ درست ہے، اس پر ظہر کی نماز جمعہ پڑھنے کے بعد لازم نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قولہ واقلها ثلثة رجال اطلق فیهم فشمل العبید والمسافر والمریض والامیین والخرس لصلاحیتهم للامامة الخ (شامی ج ۲ ص ۱۵۱ باب الجمعة) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ وای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریة ولا مفازة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰ باب الجمعة)

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۱۷ باب الجمعة۔

[2] وفی الهندیة: وتنعقد الجمعة بتمام العبید والمسافرین والمرضی وکذا بالامیین والخرس الخ۔ (الهندیة ج ۱ ص ۱۴۸ صلوة الجمعة)

ومثله فی فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳ باب صلوة الجمعة۔

نمازِ جمعہ و عیدین کے لیے عورتوں کی حاضری

سوال:- مساجد میں جمعہ و عیدین کے لیے عورتوں کی حاضری کا شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب:- عورتوں کے لیے مستقل طور پر جمعہ و عیدین کا اہتمام مشروع نہیں اور نہ ہی ان پر واجب ہے، تاہم کسی جامع مسجد میں بتقاضائے شرکت جماعت تو ممنوع نہیں۔ لیکن دورِ حاضر میں عورتوں کا نکلنا فتنہ و فساد سے خالی نہیں اس لیے جمعہ کے لیے کسی مسجد میں حاضری کے بجائے خود گھر میں ظہر کی نماز پڑھیں، اور عیدین کی نماز ان (عورتوں) پر واجب نہیں۔

قال علاء الدین الکاسانیؒ: وأما المرأة فلانها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج الی محافل الرجال لکون الخروج سببا للفتنة ولهذا لا جماعة علیهن ولا جمعة الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۵۸ فصل بیان شرائط الجمعة)[1]

معذور پر نمازِ جمعہ واجب نہیں

سوال:- ایک شخص جو چلنے پھرنے پر قادر نہ ہو اس کے لیے نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- جب کسی قریبی جامع مسجد تک نماز جمعہ کے لیے پہنچنے پر قادر نہ ہو تو ایسا شخص دوسرے معذورین کے حکم میں ہو کر نماز جمعہ کے وجوب سے مستثنیٰ ہے، تاہم اگر کسی طریقہ سے کہیں جا کر جمعہ پڑھے تو از روئے شرع یہ عمل قابلِ تحسین ہے، گنہگار نہیں ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله وقادر علی المشی) فلا تجب علی المقعد وان وجد حاملاً اتفاقاً فیه لانه غیر قادر علی السعی اصلاً فلا یجری فیه خلاف فی الاعمی کما نبه علیه القهستانی۔

(ردالمحتار ج۲ ص۱۵۳ مطلب فی شروط وجوب الجمعة)[2]

---

[1] وذکر السرخسیؒ: والمرأة لانها مشغولة بخدمة الزوج منهیة عن الخروج شرعاً لما فی خروجها الی مجمع الرجال فتنة۔ (المبسوط ج۲ ص۲۲ باب الجمعة)

ومثله فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۸۰ باب الجمعة۔

[2] وفی الهندیة: حتی لا تجب علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضى کذا فی محیط السرخسی ولا علی المقعد بالاجماع الخ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۴ باب صلاة الجمعة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۳ باب صلوة الجمعة۔

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے دینے کا حکم

سوال: جمعہ کے دن خطبہ کی اذان کہاں دی جائے گی؟ کیا امام سے دائیں بائیں جانب اذان کہنا جائز ہے یا لازمی طور پر امام کے سامنے دی جائے گی؟

الجواب: اگرچہ اذان ایک اعلان ہونے کی حیثیت سے کسی مقام سے مخصوص نہیں لیکن خطبہ سے قبل اذان کے لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونی چاہیے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویؤذن ثانیاً بین یدیه ای الخطیب۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۶۱ مطلب فی حکم الاذان بین یدی الخطیب) [1]

جمعہ کے لیے ایک خطبہ پر اکتفاء خلافِ سنت ہے

سوال: اگر کسی خطیب نے دو خطبوں کی جگہ ایک خطبہ پر اکتفاء کیا تو کیا اس سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور اسی حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک خطبہ پڑھنے سے اگرچہ خطبہ کی شرط پوری ہو جاتی ہے لیکن دو خطبے پڑھنا مسنون ہے اس لیے ایک خطبہ پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے تاہم نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال محمد بن عبداللہ التمرتاشی: ویسن خطبتان بجلسة بینهما۔

(تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۸ باب الجمعة) [2]

خطبہ سننے کیلئے بیٹھنے کی کیفیت

سوال: خطبہ کے دوران بیٹھنے کی کیفیت کیسی ہونی چاہیے؟ کیا تشہد کی حالت بنانا ضروری ہے؟

الجواب: عام کتابوں میں تشہد کی سی کیفیت اختیار کرنے کو بہتر لکھا گیا ہے لیکن روایات کی رو سے اس کے علاوہ بھی کیفیت پر بیٹھنا ممنوع نہیں۔

---

[1] وفی الهدایة: واذا جلس علی المنبر اذن بین یدیه ... (الهدایة ج۱ ص۱۳۹ صلوٰة الجمعة)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۱ باب صلوٰة الجمعة۔

[2] قال برهان الدین المرغینانیؒ: ویخطب خطبتین یفصل بینهما بقعدة وبه جرى التوارث۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴۸ باب صلوٰة الجمعة)
ومثله فی الزیلعی ج۱ ص۲۲۰ باب الجمعة۔

لما ورد في الحديث: حدثنا داود بن رشيد نا خالد بن حيان الرقي نا سليمان بن عبد الله بن الزبرقان عن يعلى بن شداد بن اوس قال شهدت مع معاويةؓ بيت المقدس فجمع بنا فنظرت فاذا جل من في المسجد اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فرأيتهم محتبين والامام يخطب. قال ابوداود وكان ابن عمر يحتبي والامام يخطب... الخ (رواه ابوداؤد ج۱ ص۱۵۸) ۱؎

منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے

سوال: منبر کے بغیر خطبہ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: منبر پر خطبہ دینا سنت نبوی ہے اس کے بغیر خطبہ دینا خلاف سنت ہے۔

قال العلامة جلال الدين عبد الرحمٰن ابن ابي بكر السيوطيؒ: واخرج ابن ابي شيبة عن الشعبيؒ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صعد المنبر يوم الجمعة استقبل الناس بوجهه الكريم فقال السلام عليكم ويحمد الله ويثني عليه ويقرأ سورة ثم يجلس ثم يقوم فيخطب ثم ينزل وكان ابوبكرؓ وعمرؓ يفعلانه. (تفسير درمنثور ج۶ ص۲۲۱) ۲؎

دورانِ خطبہ خلفاء راشدینؓ کے تذکرہ کا حکم

سوال: عام کتابوں میں خطبہ جمعہ میں حمد و صلوٰۃ، وعظ و نصائح کا تذکرہ ملتا ہے اس کے علاوہ خلفاء راشدینؓ کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: اگرچہ خطبہ کا جواز خلفاء راشدینؓ کے تذکرہ پر موقوف نہیں لیکن پھر بھی صحابہ کرامؓ اور خصوصاً خلفاء راشدین کا تذکرہ کرنا مستحسن فعل ہے۔

قال الحصكفيؒ: ويندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين الخ (ردالمحتار ج۲ ص۱۷۶ مطلب في تزوج الخطيب) ۳؎

۱؎ وفي الهندية: اذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبيا او متربعا او كما تيسر لانه ليس بصلوٰة عملاً وحقيقة كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۸ الباب السادس عشر في صلوٰة الجمعة)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۶۲ باب الجمعة، شرائط الجمعة۔

۲؎ وقال العلامة ابن عابدينؒ: ومن السنة ان يخطب عليه اقتداء به صلى الله عليه وسلم الخ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۷۰ باب العيدين)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر في صلوٰة الجمعة۔

۳؎ وفي الهندية: وذكر الخلفاء الراشدين والعمين رضوان الله تعالى عليهم اجمعين مستحسن بذلك جرى التوارث كذا في التجنيس۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر في صلوٰة الجمعة)

دورانِ خطبہ درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ دورانِ خطبہ آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا سُن کر درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل میں درود شریف پڑھے البتہ زبان سے پڑھنے سے احتراز کرے تاکہ خطبہ کا سننا متاثر نہ ہو۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وروی عن ابی یوسفؒ انه ينبغي ان يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم فی نفسه عند سماع ... (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۳ فصل بيان شرائط الجمعة) [1]

دورانِ خطبہ باتیں کرنے کا حکم

سوال:۔ خطبہ کے دوران باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر خطیب دورانِ خطبہ کوئی بات کرے تو کیا اس سے خطبہ کی تاثیر متاثر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دورانِ خطبہ خطیب کے لیے امر بالمعروف کے علاوہ دوسری قسم کی باتیں کرنا مکروہ ہے تاہم خطبہ کا اعادہ کرنا ضروری نہیں، البتہ سامعین کو سماعِ خطبہ کے وجوب کی وجہ سے مطلقاً کلام کرنا یا اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویکره تکلمه فیها الا لامر بمعروف لانه منها ... الخ
(رد المحتار علی صدر الدر المختار ج۲ ص۱۴۹ باب الجمعة)

وایضا کل ما حرم فی الصلوٰة حرم فیها ای فی الخطبة خلاصة وغیرها فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحا او رد السلام او امرا بمعروف بل یجب علیه ان یستمع ویسکت۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ مطلب فی شروط وجوب الجمعة) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: والصواب انه یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم عند سماع اسمه فی نفسه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ باب الجمعة)
ومثله فی فتح القدیر ج۲ ص۳۱ باب الجمعة۔

[2] کما قال العلامة ابن نجیمؒ: تحت قوله واذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام ... ویکره للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبة الا اذا کان امرا بمعروف فلا یکره ..... اما بعد الخطبة فان کلامه مکروه تحریما لکونه امرا بمعروف او تسبیحا او غیره۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۵ باب الجمعة)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۰۶ الفصل الثالث والعشرون فی صلوٰة الجمعة۔

دورانِ خطبہ دعا کرنے کا حکم

سوال:۔ جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان خطیب یا سامعین کے لیے دعا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دعا کا ثبوت مروی نہیں اس لیے اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔

حدثنا احمد بن منيع، نا هشيم، نا حصين قال سمعت عمارة بن رويبة وبشر بن مروان يخطب فرفع يديه في الدعاء فقال عمارة قبح الله هاتين اليديتين القصيرتين لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يزيد على ان يقول هكذا واشار هشيم بالسبابة. قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح. (الجامع للترمذي ج۱ ص۱۱۴) [1]

نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں

سوال:۔ کیا مسجد سے باہر کسی مکان وغیرہ میں چند آدمی جمع ہو کر نمازِ جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ مقامی طور پر یہ جگہ قریۂ کبیرہ یا مصر کے حکم میں ہو؟

الجواب:۔ نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں اس لیے کسی بیرونی جگہ میں نمازِ جمعہ پڑھنا باعث الزام نہیں بشرطیکہ یہ جگہ قریۂ کبیرہ کے فناء میں ہو تاہم بہتر یہ ہے کہ جمعہ جامع مسجد میں ادا کیا جائے۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: ويشترط لصحتها ۔ الخ المصر الخ او فنائه وهو ما حوله اتصل به او لا (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۷ باب الجمعة) [2]

عیدین کی جماعت ہونے کے بعد دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنا

سوال:۔ عیدین کی جماعت ہو جانے کے بعد جن لوگوں سے نماز چھوٹ گئی ہو ان کیلئے دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ ایک ہی شہر کے اندر متعدد مقامات پر ایک ہی وقت میں جمعہ وعیدین کی

---

[1] وقال الشیخ عبد الحق دہلویؒ: و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان ہر دو خطبہ لحظہ جلستی چنانچہ در حدیث صحیح آمدہ و اسناد عامۂ آوردن دعا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در آن وقت بصحت نرسیدہ (شرح سفر السعادت ص۲۴۲)
ومثلہ فی غایۃ الاوطار ج۱ ص۳۴۳ باب الجمعۃ۔

[2] وقال ابن نجیمؒ المصر او مصلاہ ای مصلی المصر لانہ من توابعہ فکان فی حکمہ والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع افنیۃ المصر لانہا بمنزلۃ المصر الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۱ باب صلوۃ الجمعۃ)۔
ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۴ باب الجمعۃ۔

نماز پڑھنا درست ہے مگر ایک ہی جگہ پر متعدد جماعات کرانا جائز نہیں، لہٰذا جن لوگوں سے عید کی نماز رہ گئی ہو وہ کسی اور جگہ میں دوسرے امام کی اقتداء کرسکتے ہیں یا دوسرے مقام پر جماعت کا اہتمام کرسکتے ہوں تو درست ہے اور اسی جگہ (مسجد یا عیدگاہ) میں دوبارہ نماز پڑھنا درست نہیں۔

وقال العلامة ابن نجیمؒ: ولا یصلیها وحده ان فاتت مع الامام فانه ان یذهب الی امام آخر فانه یذهب الیه لانه یجوز تعدد ها فی مصر واحد فی موضعین واکثر اتفاقا۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۱۶۲ باب العیدین)

عیدین کی نماز میں مسبوق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نے عیدین کی نماز میں امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شرکت کی تو فوت شدہ رکعت کس طرح پوری کی جائے گی؟

الجواب:۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق کھڑے ہوکر سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ پڑھ کر بعد میں اپنے مسلک کے مطابق تکبیرات زوائد کہہ کر اپنی رکعت مکمل کرے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فاذا فرغ الامام من صلوته یقوم الی قضاء ما سبق به ثم ان کان رأیه یخالف رأی الامام یتبع رأی نفسه لانه منفرد فیما یقضی بخلاف اللاحق لانه فی الحکم کانه خلف الامام وان کان رأیه موافقاً لرأی امامه بان کان امامه یری رأی ابن مسعودؓ وهو کذلک بدأ بالقراءة ثم بالتکبیرات ...الخ[1]

(بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۷۹ فصل بیان صلوٰۃ العیدین)

عیدین کی نماز کے لیے باہر نکلنا بہتر ہے

سوال:۔ عیدین کی نماز محلہ یا گاؤں کی جامع مسجد میں پڑھی جائے یا اس کے لیے آبادی سے باہر عیدگاہ کو نکلنا ضروری ہے؟ جبکہ بعض مقامات پر عیدگاہ میسر نہیں ہوتی؟

الجواب:۔ عیدگاہ کا تعین ضروری ہے۔ بہرحال کوئی ایسا امر نہیں جس کو واجب یا فرض قرار دیا جائے اور نہ ہی فقہاء کرام نے اشتراط پر قول کیا ہے، نہ ہی عیدین کی نماز کی صحت اس پر موقوف

---

[1] وقال العلامة ابن العابدینؒ: یقرء ثم یکبر ای اذا قام الی قضائها شلا یتوالی التکبیر۔

(رد المحتار) ج ۲ ص۱۷۴ باب العیدین، مطلب امر الخلیفة لا یبقی بعد موته۔

ومثله فی الطحطاوی ص۲۹۳ باب احکام العیدین۔

ہے۔ تاہم بعض اقوال اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ صحراء میں ہونا بہتر ہے لیکن گاؤں کی جامع مسجد میں بھی عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع ... الخ۔ (در مختار ج۲ ص۱۶۸ باب العیدین) [1]

نمازِ جمعہ کے لیے افضل وقت

سوال: فقہِ حنفی کی رو سے ظہر کی نماز میں سردیوں میں تعجیل اور گرمیوں میں ابراد افضل ہے لیکن جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وقت کے تعین اور افضلیت دونوں کے اعتبار سے جمعہ کا حکم ظہر کی نماز کی طرح ہے اس لیے نمازِ جمعہ کے لیے بھی سردیوں میں تعجیل اور گرمیوں میں ابراد مستحب ہے۔

قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ: والجمعۃ کالظہر اصلاً واستحباباً فی الزمانین کذا ذکرہ الاسبیجابی۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۸ کتاب الصلوٰۃ فی المواقیت الصلوٰۃ) [2]

عیدین کے لیے صاف ستھرے کپڑے پہننا

سوال: عیدین میں نئے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہننے کے اہتمام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایسے اجتماعی مواقع میں صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہننا مستحب ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وندب یوم الفطر اکلہ ... و یغتسل ... ولبس احسن ثیابہ ولو غیر ابیض۔ (رد المحتار علی صدر الدر المختار ج۲ ص۱۶۶ باب العیدین) [3]

---

[1] وفی الہندیۃ: الخروج الی الجبانۃ فی صلوٰۃ العید وان کان یسعہم المسجد الجامع علی ہذا عامۃ المشائخ وہو الصحیح کذا فی المضمرات۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۵۰ صلوٰۃ العیدین)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ العیدین

[2] وقال برہان الدین المرغینانیؒ: ومن شرائطہا الوقت فتصح فی وقت الظہر ولا تصح بعدہ لقولہ علیہ السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعۃ۔ (الہدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۴ باب الجمعۃ)
ومثلہ فی الزیلعی ج۱ ص۲۱۹ باب الجمعۃ۔

[3] وفی الہندیۃ: ویستحب فی یوم الفطر ... الاغتسال والسواک و یلبس احسن ثیابہ ... الخ
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۴۹ صلوٰۃ العیدین)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۷ باب صلوٰۃ العیدین۔

جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کا وقت

سوال:۔ جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کس وقت ناخن کٹوانا مناسب ہے؟

الجواب:۔ بعض علماء نے جمعہ کی سعادتوں کے حصول کی خاطر نماز جمعہ کے بعد ناخن کٹوانا موزوں جانا ہے، لیکن رسول اللہ صلعم نماز جمعہ سے قبل ناخن کاٹنے کے بارے میں روایت ثابت ہے، اگرچہ محدثین نے اس روایت پر کلام کیا ہے لیکن فضائل میں ایسی روایات کو اعتبار دیا جاتا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ: کان یقلم اظفارہ ویقص شاربہ یوم الجمعۃ قبل ان یخرج الی الصلوٰۃ
اخرجہ البزار والطبرانی والبیہقی بسند حسن حکاہ فی الدر المنثور ج۱ ص۱۱۲ ؎۱

جمعہ کی اذان کے بعد کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر جمعہ کے دن کھانا کھانے کے دوران جمعہ کی اذان شروع ہو جائے تو کیا اس کے بعد کھانا کھانا جائز ہے یا خرید و فروخت کی طرح حرام ہے؟

الجواب:۔ اذان کے وقت اگر کھانے میں رغبت زیادہ ہو یا نماز سے فارغ ہونے تک اس کے خراب یا بے لذت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کھانا جاری رکھ کر فراغت کے بعد نماز پڑھی جائے، تاہم اگر کہیں نماز جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کھانا بند کرکے نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ ہر وہ عمل جس سے جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو اذان کے بعد اس کا جاری رکھنا حرام ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وسمع النداء وھو یأکل ترکہ ان خاف فوت الجمعۃ او المکتوبۃ
وذکر الشامی تحت قولہ ولا حصل ای الذی تمیل الیہ النفس وخاف ذھاب لذتہ او بعضہ لا فی ترک الجماعۃ۔ (شامی ج۲ ص۱۶۳ قبیل مطلب اذا شرع فی عبارتہ الخ) ؎۲

؎۱ وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقص شاربہ ویقلم اظفارہ یوم الجمعۃ قبل ان یخرج الی الصلوٰۃ۔ قال البیہقیؒ: وبالجملۃ فارجحھا ای الاقوال دلیلاً ونقلاً یوم الجمعۃ والاخبار الواردۃ فیہ لیست بواھیۃ جداً مع ان الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال (رد المحتار ج۵ ص۲۶۱ فصل فی البیع)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ الفصل التاسع فی الحظر والاباحۃ۔ کتاب الطہارۃ۔

؎۲ وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی کثیر من الکتب لو سمع النداء وقت الاکل یترکہ ان خاف فوت الجمعۃ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۵ باب الجمعۃ)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۔۔ باب صلوٰۃ الجمعۃ المتفرقات۔

عیدین کے لیے اذان دینا خلافِ سنت ہے

سوال:- عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے لیے اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے اذان و اقامت دینا خلافِ سنت ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لا یسن لغیرھا کعید۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۸۵ باب الاذان) ۔[۱]

خطیب کی تقرری کا حق کس کو ہے

سوال:- اگر متعدد افراد کسی مسجد میں خطیب بننے کا دعویٰ کریں تو ان میں کون زیادہ حق دار ہے؟

الجواب:- جہاں پر قاضی یا حاکم ذمہ داری محسوس کر کے جس کسی کو بھی خطیب مقرر کرے تو وہ خطبہ دینے کا زیادہ حقدار ہے، البتہ جہاں پر ایسا انتظام نہ ہو تو پھر قوم کا مقرر کردہ خطیب جمعہ پڑھا سکتا ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: او القاضی المأذون له فی ذلک ... الی ان قال: ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر، اما مع عدمهم فیجوز للضرورة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۳ باب الجمعة) ۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین جمعہ پڑھنا

سوال:- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولین جمعہ کہاں ادا فرمایا؟

الجواب:- جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ منورہ تشریف لائے

---

[۱] وفی الهندیة: ولیس لغیر الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین اذان ولا اقامة کذا فی المحیط۔ (الهندیة ج۱ ص۵۳ الباب الثانی فی الاذان)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۴۸ الفصل الاول فی الاذان۔

[۲] وقال العلامة ابن نجیم المصری: ولو اجتمعت العامة علی تقدیم رجل لما مات القاضی او خلیفة المیت لم یجز ولم تکن جمعة، ولو لم یکن ثمة قاضی ولا خلیفة المیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز للضرورة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۳ باب الجمعة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۴۶ صلوة الجمعة۔

اس وقت کوئی مسجد آباد نہیں تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی بنی سالم بن عمرو میں جمعہ کا خطبہ پڑھا یہ جمعہ کا اولین خطبہ تھا جو آپ سے سنا گیا۔

کما فی البدایۃ والنہایۃ: قال ابن جریر حدثنی یونس بن عبد الاعلیٰ اخبرنا ابن وھب عن سعید بن عبد الرحمن الجمحی انہ بلغہ عن خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ فی بنی سالم بن عمرو بن عوف۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۱۳) لہ

تکبیراتِ ایام التشریق کن پر واجب ہیں

سوال:- کیا تکبیرات ایام التشریق صرف مردوں پر واجب ہیں یا عورتیں بھی اس حکم میں شریک ہیں یا جو عورتیں گھر میں انفراداً نماز پڑھتی ہیں؟

الجواب:- چونکہ صاحبین کے نزدیک تکبیراتِ تشریق کیلئے جماعت، اقامت اور مصر کی شرط نہیں بلکہ تمام نمازوں پر جو واجب ہیں خواہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے یا انفراداً ادا ہو لہٰذا اس صورت مردوں کی طرح عورتوں پر بھی تکبیرات واجب ہیں تاہم عورتوں کیلئے ضروری ہے کہ تکبیرات پڑھتے وقت اخفا کریں۔ کتبِ فقہ سے صاحبین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وقالا بوجوبہ فور کل فرض مطلقاً ولو منفرداً او مسافراً او امرأۃ لانہ تبع للمکتوبۃ الی عصر الیوم الخامس آخر ایام التشریق وعلیہ الاعتماد والعمل والفتوی فی عامۃ الامصار وکافۃ الاعصار۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۹ تحت باب العیدین) لہ

لہ قال العلامۃ السیوطیؒ: واخرج الزبیر بن بکار فی اخبار المدینۃ عن شھاب قال رکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ من قباء فمر علی بنی سالم فصلی فیھم الجمعۃ ببنی سالم وھو المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعۃ صلاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۸ سورۃ الجمعۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۳ باب الجمعۃ۔

لہ قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وقالا ای ابو یوسف ومحمدؒ یجب التکبیر فور کل فرض علی من صلاہ ولو کان منفرداً او مسافراً او قرویاً لانہ تبع للمکتوبۃ من فجر عرفۃ الی عقیب عصر الیوم الخامس من یوم العرفۃ فیکون الی آخر ایام التشریق وبہ ای بقولھما یعمل وعلیہ الفتوی۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۹۴ احکام العیدین)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۵ باب العیدین۔

بحری جہاز میں نماز جمعہ کا حکم

سوال: بعض عازمین حج بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے جاتے ہیں، اگر وہ سب مل کر جہاز میں ہی نماز جمعہ ادا کرنا چاہیں تو کیا فقہ حنفی کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: فرضیت جمعہ کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر یعنی شہر کا ہونا ضروری ہے اور جہاز چونکہ مصر کے حکم میں نہیں اگرچہ اس میں عازمین حج کافی تعداد میں موجود ہوں، اس لیے فقہ حنفی کی رو سے بحری جہاز میں نماز جمعہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط لصحتها سبعة اشیاء: المصر وهو ما لا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها وعلیه فتوی اکثر الفقهاء۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج [illegible] باب الجمعة) ؎

جیل میں نماز جمعہ کا حکم

سوال: آج کل پاکستان میں اکثر جیلیں شہروں کے وسط میں واقع ہیں جن میں باہر سے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی جبکہ ان جیلوں میں قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک ہوتی ہے، اندریں صورت ایسی جیلوں میں نماز جمعہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: فقہ حنفی کے مطابق جمعہ کی ادائیگی کے لیے اذن عام شرط ہے، چونکہ جیل کے اندر باہر سے لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے جیل میں جمعہ و عیدین پڑھنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: الشرط السادس الاذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فیؤذن للناس کافة حتی ان جماعة لو جمعوا فی الجامع واغلقوا ابواب المسجد علی انفسهم وجمعوا لم یجزهم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص [illegible] شرائط الجمعة) ؎

عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنا

سوال: آجکل اکثر دیہاتوں اور کئی شہروں میں بھی عیدین کی نماز مساجد میں ادا کی جاتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا

؎ لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔
(الهدایة ج ۱ ص ۱۴۸ باب صلوة الجمعة)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۴۵ الباب السادس عشر فی صلوة الجمعة۔

؎ قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صحت صلوٰۃ جمعہ کے شرائط میں سے اذن عام بھی ہے اور صورت مذکورہ میں وہ مفقود ہے لہٰذا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ (امداد الاحکام ج [illegible] فصل فی الجمعة والعیدین)
ومثله فی کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص [illegible] فصل شروط الجمعة۔

عیدگاہ کو نکلنا ضروری ہے؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید باہر عیدگاہ میں ادا فرمائی ہے، اس لیے عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ کو نکلنا مسنون ہے تاہم مساجد میں بھی عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: الخروج الی الجبانۃ فی صلوۃ العید سنۃ وان کان یسعھم المسجد الجامع علی ھذا عامۃ المشائخ وھو الصحیح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص[illegible] الباب السابع عشر فی صلوۃ العیدین)[1]

خطبہ میں تعوذ اور تسمیہ جہراً کہنا

سوال: اگر کوئی خطیب خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہراً پڑھے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: خطیب کے لیے خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ سے اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے، بسم اللہ تو منقول نہیں، تاہم اگر پڑھ لیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ قال فی المجتبیٰ بالتعوذ سراً) ای قبل الخطبۃ الاولیٰ بالتعوذ سراً ثم بحمد اللہ .... والثانیۃ کالاولیٰ الا انہ یدعو للمسلمین مکان الوعظ۔ (رد المحتار ج۱ ص۷۹ باب الجمعۃ مطلب فی قول الخطیب)[2]

دوسرے شخص کے تعاون کے بغیر نابینا آدمی کے لیے جمعہ کا حکم

سوال: زید کا بھائی بصارت سے محروم (نابینا) ہے مگر اس کو چلنے پھرنے میں دقت نہیں ہوتی بلکہ بغیر کسی دوسرے آدمی کی مدد کے بہ دور تک چلتا پھرتا ہے، کیا اس نابینا پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وہ نابینا جو دوسرے شخص کی مدد کے بغیر اپنے دنیاوی کام کاج کر سکتا ہو اور اس کو چلنے پھرنے میں تکلیف نہ ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے، اس کو جمعہ وعیدین کے لیے جانا ضروری ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واقول ینبغی ان یجری ھذا علی العمیان الذی یمشی فی الاسواق

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی المجتبیٰ والخروج الی الجبانۃ سنۃ لصلوۃ العید وان کان یسعھم المسجد الجامع عند عامۃ المشائخ وھو الصحیح۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ باب صلوۃ العید)
ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۳۶۷ رابعاً موضع اداء صلوۃ العید۔

[2] لما قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے صرف اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم آہستہ پڑھے اور بسم اللہ کا پڑھنا منقول نہیں ...... اس عبارت کے ذیل میں [illegible] والثانیۃ کالاولیٰ [illegible] خطبہ کو الحمد للہ سے آہستہ پڑھ کر شروع کیا جائے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص[illegible] فصل فی الجمعۃ والعیدین)

خطبۂ جمعہ کے بعد اقامت سے پہلے حدیث کا ترجمہ کرنا

سوال: ہماری مسجد کے خطیب صاحب خطبۂ جمعہ کے بعد اور اقامت سے پہلے کبھی کبھی خطبہ کی حدیث وغیرہ کا ترجمہ فرماتے ہیں، کیا ایسا کرنا ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبۂ جمعہ اور اقامت کے درمیان دنیاوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے البتہ دینی وعظ یا مسئلہ اگر مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: فاذا تم اقيمت ويكره الفصل بامر الدنيا ذكره العيني۔
قال ابن عابدينؒ ...... ما يشعر من مشكل او امر يعرف فلا۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۱ باب الجمعة) [۱]

جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا

سوال: فرض نماز کے پہلے کہی گئی اذان کا جواب دینا تو ضروری ہے کیا جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ اذان کا جواب دینا ضروری امر ہے لیکن جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا جواب زبان سے دینا فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے مناسب یہ ہے کہ جواب نہ دیا جائے، البتہ اگر دل ہی دل میں جواب دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وينبغي ان لا يجيب بلسانه اتفاقا في الاذان بين يدي الخطيب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۳۹۹ باب الاذان) [۲]

نمازِ جمعہ میں تاخیر کرنے کا حکم

سوال: بعض خطیب صاحبان جمعہ اتنی دیر سے پڑھتے ہیں کہ مثلِ اول کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب: ظہر کا وقت مثلِ ثانی کے اختتام تک ہے اور مثلِ اول سے مثلِ ثانی کا وقت

---

[۱] قال العلامة السيد احمد الطحطاويؒ: (تحت قوله ويكره الفصل بامر الدنيا) يفهم منه انه لا يكره الفصل بامر الآخرة كذكر۔ (حاشية الطحطاوي على الدر المختار ج۱ ص۳۴۳ باب الجمعة)

[۲] قال الشيخ العلامة عبد الحي اللكهنويؒ: ينبغي ان لا يجيب بلسانه اتفاقا في الاذان بين يدي الخطيب وان يجيب اتفاقا في الاذان الاول يوم الجمعة۔

(السعاية في حل شرح الوقاية ج۲ ص۵۲ باب الاذان)

مکروہ ہے اس لیے جو نماز مثلِ اول کے بعد پڑھا جائے تو وہ مکروہ ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک مثلِ اول کے بعد بھی جائز ہے اس لیے جمعہ مثلِ اول سے پہلے پہلے پڑھنا چاہیئے۔

لما قال الشیخ السید احمد الطحطاوی : (تحت قولہ ویستحب الابراد بالظہر) وفی المزنیۃ الوقت المکروہ فی الظہر ان یدخل فی حد الاختلاف فاذا اخرہ حتی صار ظل کل شیء مثلہ فقد دخل فی حد الاختلاف۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۰۴ کتاب الصلوٰۃ)[1]

ایک ہی دن میں جمعہ اور عید کے خطبہ کا حکم

سوال: بعض لوگوں سے سنا گیا ہے کہ اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں، کیا واقعی دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں یا کہ دونوں واجب ہیں؟

الجواب: جمعہ و عید کی نمازیں دونوں الگ الگ واجبات ہیں، ایک کی ادائیگی سے دوسرا ساقط نہیں ہوتا اس لیے دونوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین : اما مذہبنا فلزوم کل واحد منہما ... (رد المحتار ج۱ ص۵۵۵ باب العیدین مطلب فی القائل والمیرۃ)[2]

جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۂ کہف کی تلاوت کرنا

سوال: ہمارے بعض احباب کا معمول ہے کہ وہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۂ کہف ضرور تلاوت کرتے ہیں شرعاً اس کا کیا ثبوت ہے؟

الجواب: احادیث مبارکہ میں جمعہ کے دن سورۂ کہف تلاوت کرنے کی بہت فضیلت

---

[1] قال الشیخ محمد یوسف البنوری : قال شیخنا والحق ما قالہ صاحب البدائع ان آخر وقت الظہر بلوغ المثل فان المثل الثانی وقت العصر وحکی الشیخ السید احمد زینی دحلان الشافعی فی رسالتہ عن الفتاوی الظہیریۃ وغیرہ من کتب المذہب رجوع ابی حنیفۃ الی المثل الاول اھ (معارف السنن ج۲ ص۱۲۱ باب ما جاء فی مواقیت الصلوٰۃ)

[2] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانی : فی الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنۃ والثانی فریضۃ ولا یترک واحد منہما۔ قال بدر الدین : عیدان ای من العید والجمعۃ اما الجمعۃ فلانہا فریضۃ واما العید فلان ترکہا بدعۃ وضلالۃ۔ (البنایہ ج۲ ص۲۲۵ باب صلوٰۃ العیدین)

ومثلہ فی امداد الفتاوی ج۱ ص۴۳۳ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین

آتا ہے کہ یہ نور دو جمعوں کے درمیان ایک نور ہوگا شراح حدیث نے اس کو دل یا قبر یا حشر کی چمک پر محمول کیا ہے۔

عن ابی سعیدؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکہف فی یوم الجمعۃ اضاء له النور ما بین الجمعتین۔ رواہ البیہقی ـــ قال العلامۃ الطیبیؒ: قوله اضاء له فی قلبه او فی قبره او یوم حشره۔ (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۸۹) ؎۱

بارش کی وجہ سے جمعہ کی نماز کا ترک کرنا

سوال:۔ اگر عین جمعہ کی اذان کے بعد تیز بارش شروع ہو جائے تو کیا پھر بھی جمعہ کے لیے مسجد میں جانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بارش اتنی شدید ہو کہ اس میں جمعہ کیلئے مسجد میں جانا ممکن نہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے جمعہ کو ترک کرنا مرخص ہے تاہم کوشش کرکے جانا بہتر ہے۔

قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: واذا اصاب الناس مطر شدید یوم الجمعۃ فهم فی سعة من التخلف۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۱۰ باب الجمعۃ وما یتصل بهذا) ؎۲

مریض کی عیادت پر مامور تیماردار کے لیے جمعہ کا حکم

سوال:۔ ہسپتال میں بیمار کی خدمت پر مامور تیماردار سے جمعہ ساقط ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مریض کی حالت زیادہ خراب ہو اور تیماردار کے جمعہ کیلئے جانے سے اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو تیماردار سے جمعہ ساقط ہے مریض کے پاس رہ کر صرف ظہر کی نماز

؎۱ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال من قرأ سورۃ الکہف یوم الجمعۃ اضاء له من النور ما بينه وبين البيت العتيق۔ هكذا وقع موقوفا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۹ سورۃ الکہف)

ومثله فی الدر المنثور ج ۴ ص ۲۰۹ سورۃ الکہف۔

؎۲ قال الشیخ وهبة الزحیلی: فلا بد لمن تجب علیه الجمعة من الصحة والحریة والبصر والقدرة علی المشی وعدم الحبس وعدم المطر الشدید والوحل والثلج ونحوها۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص [illegible] باب الجمعة، اللازمة من الاعذار)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص [illegible] باب الجمعة۔

پڑھے اور اگر حرکت کا خطرہ نہ ہو تو جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔

"قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: الحق بالمریض الممرض ان بقی المریض ضائعا بخروجه علی الاصح۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۸۲ باب الجمعۃ) له

خطبہ جمعہ کے دوران کسی کو منکر کام سے منع کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص دوران خطبہ جمعہ کسی کو منکر کام کرتے دیکھے اور اس کو اشارہ سے منع کرے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دوران خطبہ ہر وہ عمل جو استماع خطبہ کے منافی ہو کرنا جائز نہیں البتہ اگر کسی کو منکر کام کرتے دیکھ کر اشارہ سے منع کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

لما قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: ولکن لو اشار برأسه او عینه او یده عند رؤیة المنکر ولم یتکلم بل نهاه بالتغییر لا یکره۔ (کبیری ص۵۶۳ باب الجمعة) له

خطبہ کے دوران خطیب کا دائیں بائیں دیکھنا

سوال:۔ بعض خطباء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خطبہ کے دوران دائیں بائیں دیکھتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خطبہ کے دوران سنت طریقہ یہ ہے کہ خطیب سامنے کی طرف توجہ کرے بلا ضرورت ادھر ادھر نہ دیکھے، فقہاء کرام نے اس طرح کرنے (دائیں بائیں دیکھنے) سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وما یفعله بعض الخطباء من تحویل الوجه جهة الیمین وجهة الیسار عند الصلوة علی النبی علیه الصلوة والسلام فی الخطبة الثانیة لم أر من ذکره والظاهر انه بدعة ینبغی ترکه لئلا یتوهم انه سنة ثم رأیت فی منهاج النووی

له قال الشیخ وهبة الزحیلی: فلا تجب الجمعة علی مریض یعجزه عن ذلك ومثله الممرض ان بقی المریض ضائعا ونحو ذلك۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۲۶۳ باب الجمعة، السلامة من الاعذار)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۱۵۳ باب الجمعة، مطلب فی شروط وجوب الجمعة۔

له ذکر العلامة ابن نجیمؒ عن ابی یوسفؒ انه کان ینظر فی کتاب وهو یسمع وقت الخطبة ولو اشار بیده او برأسه او بعینه حین رأی منکرا الصحیح انه لا بأس به۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ باب الجمعة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة۔

ولا يشمت عاطسا ولا يرد سلاما في شيء منه ... فإن ذلك بدعة۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ باب الجمعة مطلب في قول الخطيب ...)

خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنا

سوال: بعض لوگ عین خطبہ کے دوران جمعہ کے لیے مسجد آتے ہیں اور آتے ہی سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، کیا خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اس دوران ہر وہ عمل جو خطبہ سننے سے مشغول رکھے کرنا جائز نہیں، اس لیے فقہ حنفی کی رو سے دوران خطبہ سنتیں پڑھنا درست نہیں۔

لما قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام — قال ابن نجيمؒ: في شرحه ما رواه ابن ابي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر رضي الله عنهم كانوا يكرهون الصلوٰة والكلام بعد خروج الامام وقول الصحابي حجة۔

(البحر الرائق ج۲ ص۱۵۵ باب الجمعة)

دوران خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا

سوال: بعض اوقات ہمارے محلے کی مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا اور اس کے لیے متوجہ ہو کر خاموش رہنا واجب ہے، اس دوران نماز و کلام جیسے امور جائز نہیں، لہٰذا دوران خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا صحیح نہیں، چندہ کیلئے

---

[1] قال الشيخ وهبة الزحيلي: ما يطلب في الخطبة ... عند الحنفية ... استقبال القوم بوجهه دون التفات يمينا وشمالا بالاتفاق لما روى ابن ماجه عن عدي بن ثابت عن ابيه عن جده قال كان النبي ﷺ اذا قام على المنبر استقبله اصحابه بوجوههم۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۲۹۰ مطلب سنن الخطبة ومكروهاتها)

[2] قال العلامة الحصكفيؒ: اذا خرج الامام من الحجرة ان كان والا فقيامه للصعود شرح المجمع فلا صلوٰة ولا كلام ... قال ابن عابدينؒ: (قوله فلا صلوٰة) شمل السنة وتحية المسجد۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۵۸ باب الجمعة)

ومثله في الهداية ج۱ ص۱۵۸ باب الجمعة۔

کوئی اور وقت مقرر کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: واذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام۔

(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۵ باب الجمعۃ) ؎۱

خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے وقت خطیب کا السلام علیکم کہنا

سوال:۔ ہمارے خطیب صاحب جب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے ہیں تو حاضرین کو السلام علیکم کہتے ہیں کیا اس وقت سلام کرنا سُنّت ہے؟

الجواب:۔ جب خطیب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے تو اس دوران اُس کا حاضرین کو سلام کہنا احناف کے ہاں درست نہیں اگرچہ امام شافعیؒ نے جواز کا قول نقل کیا ہے مگر چونکہ یہ بھی کلام ہے جو بنص حدیث ممنوع ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے۔

لما قال العلامۃ محمد ابراھیم الحلبیؒ: الخطیب اذا صعد المنبر لایسلم علی القوم عندنا وبہ قال مالک وقال الشافعی واحمد یسلم علیھم (المروی من سلام عندنا غیر مقبول) قال البیھقیؒ: لیس بالقوی۔ وقال عبد الحق فی الاحکام الکبریٰ ھو مرسل قال واسندہ ابواحمد من حدیث ابن لھیعۃ وھو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ۔

(کبیری ص ۵۶۳ باب الجمعۃ البحث الثالث) ؎۲

کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے

سوال:۔ ہماری مسجد کے خطیب اتنی آواز سے خطبہ پڑھتے ہیں کہ بمشکل ایک دو صف والے سن سکتے ہیں، کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے یا آہستہ آواز سے؟

الجواب:۔ اصلاً تو کلمات خطبہ پر تلفظ ضروری ہے مع صوت (آواز کے ساتھ) اگرچہ ...

؎۱ قال العلامۃ الحصکفیؒ: اذا خرج الامام من الحجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود شرح المجمع فلا صلوٰۃ ولا کلام الی تمامہا وان کان فیھا ذکر الظلمۃ فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۹ باب الجمعۃ)

ومثلہ فی الھدایۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب الجمعۃ۔

؎۲ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ومن السنۃ جلوسہ فی مخدعہ عن یمین المنبر ولبس السواد وترک السلام من خروجہ الی دخولہ فی الصلوٰۃ۔ وقال الشافعیؒ اذا استوٰی علی المنبر سلّم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۱ باب الجمعۃ)

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۰۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین۔

یہ ہے کہ خطبہ مناسب آواز سے اونچا پڑھا جائے۔

لما في الهندية: ومن المستحب أن يرفع الخطيب صوته وأن يكون الجهر في الثانية دون الأولى۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر في الجمعة)[۱]

خطبہ کے دوران بیٹھنے کا طریقہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ خطبہ سننے کے لیے کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ جبکہ بعض لوگ پہلے خطبے میں زیر ناف ہاتھ رکھتے ہیں اور دوسرے خطبے میں التحیات کی طرح گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب:- خطبہ سننا واجب ہے اس کے سننے کے لیے جیسے بھی سہولت ہو بیٹھنا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ خطبہ سننے کے لیے ایسے بیٹھنا چاہیے جس طرح نماز میں التحیات کے لیے بیٹھا جاتا ہے، باقی پہلے خطبہ میں ناف اور دوسرے میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا بے بنیاد عمل ہے شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

وفي الهندية: إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر لأنه ليس بصلوة عملا وحقيقة كذا في المضمرات ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلوة كذا في معراج الدراية۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر في الجمعة)[۲]

خطبے کے دوران وعظ کرنے کا حکم

سوال:- بعض خطباء خطبہ کے دوران میں خطبے کا ترجمہ بصورت وعظ شروع کر دیتے ہیں بلکہ کبھی سارے خطبے کا ترجمہ بھی کر جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:- خطیب کے لیے دوران خطبہ گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ علماء امت کا تعامل یہی آرہا ہے کہ وہ خطبہ میں عربی عبارت کے علاوہ دوسری کسی بھی زبان کے الفاظ کو ملحق نہیں

---

[۱] قال العلامة ابن نجيم: ومن المستحب أن يرفع الخطيب صوته كما في الخلاصة والتجنيس وأن يكون الجهر في الثانية دون الأولى۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۸ باب الجمعة)

[۲] وفي معارف السنن [illegible] ہوگی۔ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ عمل بدعت ہے۔ دوسرا خطبہ کی حالت تشہد میں بیٹھنا مستحب، دونوں میں [illegible] یہ نشست مستحب ہے ورنہ جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج۴ ص۱۲۲ باب الجمعة)

کرتے اس لیے خطبہ کے دوران خطبہ کا ترجمہ کرنا خلافِ سنت ہے تاہم مختصراً بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما قال الامام شاہ ولی اللہ المحدث الدھلویؒ: ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنہم وھلم جرا فتنقحنا وجود اشیاء منھا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی والامر بالتقوی وتلاوۃ آیۃ والدعا للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ الی قولہ واما کونھا عربیۃ فلاستمرار اھل المسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔ وقال النووی فی الاذکار مختصراً ویشترط کونھا ای خطبۃ الجمعۃ وغیرھا بالعربیۃ۔

(المصفیٰ شرح موطا مالک بحوالہ جواھر الفقہ ج۱ ص۳۴۵) سنہ

خطبہ جمعہ کے بغیر نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ کیا بغیر خطبہ جمعہ کے نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ خطبہ جمعہ کے شرائط میں داخل ہے اس لیے بغیر خطبہ کے نمازِ جمعہ درست نہیں۔

وفی الھندیۃ: ومنھا الخطبۃ قبلھا حتی لو صلوا بلا خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یجز۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۶ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ) سنہ

سلطان یا اسکے نائب کے بغیر نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ کتبِ فقہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ جمعہ کی امامت کے لیے

سنہ قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ خطبہ میں امر کا غیر عربی زبان میں نہیں کیا اس لیے خطبہ عربی میں پڑھنا چاہئے ہاں اگر کوئی نصیحت اس وقت کسی واقعہ دینی خود ہی کرنی ہو تو بعد نماز کے کہہ دے۔ (ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں)..... باقی اس کو عادت کر لینا یا بلاضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ کرنا یا طویل وعظ بیچ میں خطبہ میں خلافِ سنت ہے۔ (امداد الفتاوی ج۱ ص۶۳۵،۶۳۶ باب صلوٰۃ الجمعہ والعیدین)

ومثلہٗ فی الجواھر الفقہ ج۱ ص۳۴۶ خلاصہ احکام الخطبۃ۔

سنہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی فتح القدیر واعلم ان الخطبۃ شرط الانعقاد فی حق من ینشئ التحریمۃ للجمعۃ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۶ باب الجمعۃ)

ومثلہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۲۸۲ باب خطبۃ الخطبۃ قبل الصلوٰۃ۔

امام (سلطان) یا اس کے مقرر کردہ نائب کا ہونا ضروری ہے جو آج کل کے حالات میں ناپید ہے بلکہ جو جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے کیا امام یا اس کے نائب کے بغیر اقامت جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ کی نماز کی جماعت پر غور کرنے سے اس شرط کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ سلطان یا اس کے نائب کا وجود مقصود بالذات نہیں بلکہ فتنہ کے سد باب کے لیے ہے، لہٰذا اگر مسلمان باہمی رضامندی سے کسی اور شخص کو امامت جمعہ کے لیے مقرر کریں تو اس کی اقامت جائز ہے اور اس کے جمعہ میں کوئی شک نہیں، لہٰذا موجودہ زمانہ میں بھی جمعہ کی امامت اور دوسری نمازیں صحیح ہیں۔

لما قال العلامة المرغيناني: ولا يجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم۔

الهداية ج۱ ص۱۴۸ باب الجمعة۔[۱]

خطبہ جمعہ اور نماز کیلئے علیحدہ علیحدہ اماموں کا حکم

سوال: بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ ایک آدمی نے دیا اور نماز دوسرے شخص نے پڑھائی، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس سے جمعہ کی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا؟

الجواب: خطبہ جمعہ اور نماز دونوں تقریباً ایک چیز ہیں اس لیے ان دونوں کے لیے ایک ہی شخص ہونا چاہیے، البتہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو جمعہ ادا ہو جائے گا البتہ اس کو عادت نہیں بنانا چاہیے۔ بہرحال تقریر اور خطبہ دونوں الگ الگ آدمی پڑھائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي: لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشيء واحد فان فعل بان خطب صبي باذن السلطان وصلى بالغ جاز. الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۷۶۲ باب الجمعة۔[۲]

دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار

سوال: دو خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھنا مسنون ہے؟

---

[۱] قال العلامة الحصكفي: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۷۶۲ باب الجمعة مطلب في جواز استنابة الخطيب)

ومثله في امداد الفتاوى ج۱ ص۶۳۳ باب صلوة الجمعة والعيدين۔

[۲] وفي الهندية: ولا ينبغي ان يصلي غير الخطيب كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۶ الباب السادس عشر في الجمعة)

ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۲۹۶ خطبة الجمعة۔

الجواب: دونوں خطبوں کے درمیان ایک مرتبہ اتنی دیر بیٹھنا کہ بدن کے اعضاء اپنی جگہ پر قرار پکڑ سکیں مسنون ہے۔

في الهندية: والناس عشر الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات في ظاهر الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلاً عن الفتاوى۔ قال شمس الأئمة السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين انه اذا تمكن في موضع جلوسه واستقر كل عضو منه في موضعه قام من غير مكث ولبث كذا في التاتارخانية والمختار ما قاله شمس الأئمة السرخسي۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۴۷ الباب السادس عشر في الجمعة)

جمعہ و عیدین کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! جمعہ اور عیدین کے خطبہ کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: جمعہ و عیدین کے خطبہ کو کھڑے ہو کر پڑھنا سنت مؤکدہ ہے بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا بھی مرخص ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: ويسن خطبتان ..... بطهارة وستر عورة قائماً۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص [illegible] باب الجمعة) [۱]

غیر مستقل امام یا خطیب نماز جمعہ و عیدین پڑھا سکتا ہے

سوال: اگر کوئی عالم دین کسی مسجد کا امام یا خطیب نہ ہو اور وہ جمعہ کی نماز پڑھائے تو جمعہ کی نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ جبکہ ایک عالم صاحب نے عدم ادائیگی

---

[۱] قال العلامة الحصكفي: ويسن خطبتان خفيفتان وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل بجلسة بينهما بقدر ثلاث آيات على المذهب وتاركها مسيء على الأصح (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۸ باب الجمعة)

ومثله في الفقه الإسلامي وأدلته ج ۲ ص ۲۸۳ الخطبة قبل الجمعة۔

[۲] قال الشيخ وهبة الزحيلي: قال الحنفية ..... ويخطب قائماً ..... ولو خطب قاعداً أو على غير طهارة جاز لحصول المقصود إلا أنه يكره لمخالفته المتوارث۔

(الفقه الإسلامي وأدلته ج ۲ ص ۲۸۳ باب الجمعة الخطبة قبل الصلاة)

ومثله في امداد الفتاوى ج ۱ ص ۴۲۵ باب صلوٰة الجمعة والعيدين۔

کا کیا ہے؟

الجواب:۔ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز اُسی مسجد کا امام یا خطیب خود ہی پڑھائے اور اگر اس (امام وخطیب) کو کوئی شرعی عذر ہو تو کسی دوسرے عالم دین کا جمعہ و عیدین کی نماز پڑھانا بلاکراہت جائز ہے البتہ اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس صورت میں اگرچہ عیدین اور جمعہ کی نماز تو ادا ہو جائے گی مگر یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الشرط الخامس للجمعة لکن سیجیئ انه لایشترط اتحاد الامام والخطیب (وقال بعد صفحات)....لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب...... جاز هو المختار۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۴۳ و ص۱۶۱ باب الجمعة) [1]

خطیب کا خطبہ کے دوران منکر سے منع کرنا

سوال:۔ خطبۂ جمعہ کے دوران مسجد کے صحن میں چند بچے شور شرابہ کر رہے تھے کہ اچانک خطیب نے بچوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ خاموش آرام سے بیٹھ جاؤ۔ دریافت طلب بات یہ ہے کیا خطبہ کے دوران خطیب صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبۂ جمعہ کے دوران اگرچہ باتیں کرنا جائز نہیں لیکن خطیب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اگر وہ خطبہ کے دوران ہی کسی کو منکر و ناجائز کام سے منع کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس سے خطبہ پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

لما فی الهندیة: ویکره للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبة الا ان یکون امراً بالمعروف۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۷ باب الجمعة) [2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ولا یشترط اتحاد الامام والخطیب لکن لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشئی واحد۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۲۹۳ الخطبة قبل الصلوٰة۔ باب الجمعة)

ومثله فی امداد الفتاوی ج۱ ص۴۲۶ باب صلوٰة الجمعة والعیدین۔

[2] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: یکره للخطیب ان یتکلم فی حالة الخطبة للاخلال بالنظم الا ان یکون امر بمعروف لقصة عمرؓ وعثمانؓ وهی معروفة۔

{فتح القدیر ج۱ ص۴۱۰
باب الجمعة ومن شرائطها الخطبة}

عیدین کی نماز کا اصل وقت

سوال:- عیدین کی نماز طلوعِ آفتاب کے کتنی دیر بعد پڑھنی چاہیئے؟

الجواب:- جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہوجائے اُسی وقت سے لیکر زوال تک عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ووقتها من الارتفاع قدر رمح فلا تصح قبله بل تکون نفلا محرما الی الزوال باسقاط الغایة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۶ باب صلوٰة العیدین)[1]

حنفی العقیدہ کیلئے شافعی العقیدہ امام کے پیچھے نماز عید پڑھنے کا حکم

سوال:- ہم لوگ بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم ہیں، عیدین کی نماز میں ہمارا امام شافعی المسلک ہوتا ہے جو تکبیرات زوائد چھ سے زیادہ (۱۲) پڑھتا ہے کیا ہم اس امام کی اقتداء کر سکتے ہیں؟

الجواب:- عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد شرعاً مختلف ہے، احناف نے چھ کو ترجیح دی ہے جبکہ دیگر مذاہب والوں نے بارہ کو ترجیح دی ہے، چونکہ یہ اجتہادی ترجیح ہے اس لیے چھ سے زائد تکبیرات کہنے والے کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مأثور۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله الی ستة عشر) کذا فی البحر عن المحیط وفی الفتح. قیل یتابعه الی ثلاث عشرة وقیل الی ستة عشر ..... فهذا اقوی یا القول الاول وهذا قدمه فی الفتح ونسبه فی البدائع الی عامة المشائخ علی ان ضم الثلاث الاصلیة الی الزوائد بعید جدا لان القراءة فاصلة بینهما۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۷۲ باب صلوٰة العیدین، مطلب امر الخلیفة لا یبقی بعد موته)[2]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وابتداء وقت صحة صلوٰة العید ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحین حتی تبیض للنهی عن الصلوٰة وقت الطلوع الی ان تبیض لانه صلی الله علیه وسلم کان یصلی العید حتی ترتفع الشمس قدر رمح او رمحین فلو صلوا قبل ذلک لا تکون صلوٰة عید بل نفلا محرما۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۸ باب صلوٰة العیدین)

ومثله فی خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۱۳ الفصل الرابع والعشرون فی صلوٰة العیدین۔

[2] قال محمدؒ فی الجامع: اذا دخل الرجل مع الامام فی صلوٰة العید وهذا الرجل یری تکبیرات ابن مسعود رضی الله عنهما فکبر الامام غیر ذلک اتبع الامام الا اذا کبر الامام تکبیرا لم یکبره احد من الفقهاء فحینئذ لا یتابعه۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۵۰ باب صلوٰة العیدین)

عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً پڑھے یا سراً

سوال:۔ کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے وقت راستے میں تکبیرات جہراً (با آواز بلند) پڑھے یا سراً (دل میں)؟

الجواب:۔ عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً (با آواز بلند) کہے جبکہ عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے وقت سراً (دل میں) پڑھی جائیں یہی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور علامہ قاسم بن قطلوبغا نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: ويوم الفطر لا يجهر به عنده وعندهما يجهر وهو رواية عنه والخلاف في الافضلية اما الكراهة فمنفية عن الطرفين وقد ذكر الشيخ قاسم في تصحيحه ان المعتمد قول الامام۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۷۰ باب صلوٰة العيدين مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس) ۱ـــه

عید کی نماز اور خطبہ دو آدمیوں کے پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں عید کی نماز ایک مولوی صاحب پڑھاتے ہیں اور خطبہ دوسرے مولوی صاحب پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ اگر عید کی نماز ایک مولوی صاحب پڑھائیں اور خطبہ کوئی اور دے تو اس سے نماز کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ نماز صحیح اور درست ہوگی البتہ مناسب یہ ہے کہ نماز اور خطبہ ایک ہی آدمی پڑھائے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ما يسن في الجمعة ويكره يسن فيها ويكره۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۹ باب صلوٰة العيد)

وقال ايضاً: لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشيء واحد (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۳ باب الجمعة) ۲ـــه

۱ـــه قال العلامة الكاسانيؒ: ورضيها انه يقدر على ان يمضي جاهراً بالتكبير في عيد الاضحى فاذا انتهى الى المصلى ترك... وأما في عيد الفطر فلا يجهر بالتكبير عند ابي حنيفة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۷۹ صلوٰة العيدين)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۵۰ باب صلوٰة العيدين۔

۲ـــه قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ويسن فيهما ما يسن في خطبة الجمعة ويكره فيهما ما يكره فيها۔

(كبيري ص۵۶۵ باب صلوٰة العيدين)

وفي البحر: ولا ينبغي ان يصلي غير الخطيب كذا في الكافي۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۴۶ الباب السادس عشر في صلوٰة الجمعة)

ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۲۹۶ الخطبة قبل الجمعة۔

ہے اور باقی ساقط ہو جاتی ہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولو ادرك المؤتم الامام في القيام بعد ما كبر كبر في الحال برأي نفسه لانه مسبوق ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبيرات۔ قال ابن عابدينؒ: (قوله في القيام) اي الذي قبل الركوع اما لو ادركه راكعاً فان غلب على ظنه ادراكه في الركوع كبر قائماً برأي نفسه ثم ركع والا ركع وكبر في ركوعه خلافاً لابي يوسفؒ ولا يرفع يديه لان الوضع على الركبتين سنة في محله والرفع لا في محله وان رفع الامام رأسه سقط عنه ما بقي من التكبير لئلا تفوته المتابعة ولو ادركه في قيام الركوع لا يقضيها فيه لانه يقضي الركعة مع تكبيراتها۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۲ باب صلوٰۃ العیدین)[1]

تکبیرات تشریق کی تعداد

سوال:۔ تکبیرات تشریق فرض نمازوں کے بعد کتنی مرتبہ پڑھی جاتی ہیں؟

الجواب:۔ فرض نماز کے بعد ایک دفعہ تکبیر یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھنا واجب ہے اس سے زائد یعنی تین دفعہ پڑھنا مستحب ہے اگرچہ بعض فقہاء نے اس کو خلاف سنت کہا ہے محقق عبدالحیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تین دفعہ پڑھنا نقل کیا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ويجب تكبير التشريق في الاصح للامر به مرة وان زاد عليه يكون فضلاً قاله العينيؒ۔ صفته الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد

---

[1] قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: ولو ادركه بعد ما كبر الامام الزوائد وشرع في القرأة فانه يكبر تكبيرة الافتتاح ويأتي بالزوائد برأي نفسه لا برأي الامام لانه مسبوق وان ادرك الامام في الركوع فان لم يخف فوت الركوع مع الامام يكبر الافتتاح قائماً ويأتي بالزوائد ثم يتابع الامام في الركوع ...... فان رفع الامام رأسه من الركوع قبل ان يتمها رفع رأسه لان متابعة واجبة وسقط عنه ما بقي من التكبيرات لانه فات محلها ... هذا اذا ادرك الامام في الركعة الاولى فان ادركه في الركعة الثانية كبر للافتتاح وتابع الامام في الركعة الثانية ويتبع فيها رأي امامه لما قلنا فاذا فرغ الامام من صلوته يقوم الى قضاء ما سبق به۔ (بدائع الصنائع ج ۱ باب صلوٰۃ العیدین فصل بیان قدر صلوٰۃ العیدین وکیفیۃ ادائہا) ومثله في الہندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب صلوٰۃ العیدین۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله وان زاد الخ) أي وان قوله مرة بيان للواجب
لكن ذكر ابو السعود ان الحموي نقل عن القراحصاري ان الاتيان به مرتين خلاف السنة.
(رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰة العيدين) لـه

تکبیرات تشریق عید کی نماز کے بعد پڑھنے کا حکم

سوال:- فتاویٰ میں تکبیرات تشریق کے بارے میں ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کا حکم ہے، ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی پڑھتے رہتے ہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

الجواب:- ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر کہنا واجب ہے اور عید کی نماز کے بعد تکبیر پڑھنا مستحب ہے، فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے اس لیے آپ کی مسجد کے امام صاحب کا عمل درست ہے اور فتاویٰ میں اس عمل کے ساتھ تعارض نہیں۔

لـه قال العلامة الحصكفيؒ: ولا بأس به عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون. قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله ولا بأس به) بل مستحب في المندوب كما في البحر من باب الجمعة و لقوله فوجب اتباعهم قوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه وفي البحر عن المجتبى والبلخيون يكبرون عقب صلوٰة العيد لانها تؤدى بجماعة فاشبهت الجمعة.
(رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰة العيدين مطلب كلمة لا بأس الخ) لـه

تکبیرات تشریق بھول جانے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص تکبیرات تشریق بھول جائے تو کیا اس پر دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا نہ؟ توضیح

لـه قال العلامة عبد القادر الرافعيؒ: (تحت قوله خلاف السنة) نقل عن شرح ابن الشلبي: عن ابي حنيفةؒ ان يكبر ثلاثا ولا كذا للصلوٰة ويقول لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير (تقريرات الرافعي على رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰة العيدين) ومثله في الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص۲۹۴ باب صلوٰة العيدين.

لـه قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: ولا بأس بالتكبير عقب صلوٰة العيدين كذا في المبسوط عن ابي الليث لتوارث المسلمين ذلك. (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۲۹۴ باب صلوٰة العيدين)

نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے

سوال:- نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے یا سوار ہو کر جانا بہتر ہے؟

الجواب:- کتبِ فقہ میں بصراحت یہ بات موجود ہے کہ نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا مسنون ہے البتہ اگر واپسی پر سوار ہو کر گھر آئے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: ثم خروجه ...... ماشیا الی الجبانة وهی المصلی العام والوجه مطلق التوجه ... ولا بأس بعوده راكبا. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۱۶۹ باب العیدین)[۱]

ایک ہی گاؤں میں دو عیدگاہوں میں نمازِ عید کا حکم

سوال:- ہمارے گاؤں میں دو عیدگاہیں ہیں جن میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، کیا دونوں عیدگاہوں میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:- ایک شہر یا گاؤں میں متعدد مقامات پر عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے اس لیے آپ کے گاؤں کی دونوں عیدگاہوں میں نمازِ عید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاء الدین الحصكفیؒ: وتؤدی بمصر واحد بمواضع كثیرة اتفاقا. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۷ باب العیدین)[۲]

ایامِ تشریق میں قضا نمازوں کے بعد تکبیراتِ تشریق پڑھنا

سوال:- ایک شخص ایامِ تشریق میں قضا نمازیں ادا کر رہا ہے تو کیا وہ ان قضا نمازوں کے بعد بھی تکبیراتِ تشریق پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب:- علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کی مختلف صورتیں لکھی ہیں: (۱) ایامِ تشریق

---

[۱] وفی الهندیة: والخروج الی المصلی ماشیا والرجوع فی طریق آخر كذا فی القنیة ولا بأس بالركوب فی الجمعة والعیدین والمشی افضل فی حق من یقدر علیه كذا فی الظهیریة. (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۰ الباب السابع عشر فی صلوة العیدین)
ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۹ باب صلوة العیدین۔

[۲] وفی الهندیة: وتؤدی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع كثیرة وهو قول ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی وهو الاصح. (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۵ الباب السادس عشر فی صلوة الجمعة)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۵ ص۲۰۸ مسائل نماز عیدین۔

ساس کے پستانوں کو پکڑنے سے بیوی حرام ہوجاتی ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر داماد ساس کے پستانوں کو ہاتھوں سے پکڑ لے تو اس پر بیوی حرام ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر داماد نے بنظر شہوت ساس کے پستانوں کو بلاحائل ہاتھ لگایا یا حائل تھا مگر بہت باریک تھا جس کے ہوتے ہوئے بھی لذت حاصل ہوسکتی تھی تو اس شخص پر بیوی حرام ہوجائے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وحرم أصل ممسوسة بشهوة ولو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة..... وفروعهن مطلقاً والعبرة للشهوة عند المس۔ قال ابن عابدينؒ تحت (قوله بشهوة) أي ولو من أحدهما (قوله بحائل) أي لو بحائل..... فلو كان مانعاً لا تثبت الحرمة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۵ فصل في المحرمات) ۱؎

حرمت مصاہرت کے اثبات کیلئے گواہوں کی تعداد

سوال: حرمت مصاہرت کے اثبات کے لیے کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے بوقت انکار دعویٰ ثابت کیا جاسکے؟

الجواب: زنا کے علاوہ دیگر حقوق اور دعاوی کے اثبات کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے لہٰذا حرمت مصاہرت بھی مذکورہ گواہوں کی گواہی سے ثابت کی جاسکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالاً أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة... رجلان أو رجل وامرأتان۔ (الدرالمختار على هامش ردالمحتار ج۴ ص۳۸۳ كتاب الشهادة) ۲؎

۱؎ قال العلامة ابن نجيمؒ: فما على الرأس كالبدن بخلاف المسترسل وفسر الحائل الذي لا يمنع... من البدن بغير حائل وأما إذا كان بحائل فإن وصلت حرارة البدن إلى يده تثبت الحرمة وإلا فلا۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۷ فصل في المحرمات)

۲؎ قال العلامة ابن نجيمؒ: ولغيرها رجلان أو رجل وامرأتان... أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح والطلاق والوكالة والوصية والنسب۔
(البحرالرائق ج۷ ص۶۲ كتاب الشهادة)

مزنیہ کی بیٹی کا نکاح زانی کے بیٹے سے جائز ہے

سوال:۔ ایک شخص اپنے ناجائز تعلقات والی عورت کی بیٹی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ نکاح جائز ہے جبکہ مزنیہ کی یہ بیٹی اپنے شوہر سے ہے؟

الجواب:۔ حرمت مصاہرت میں جانبین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں یہ حکم دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ زانی کے بیٹے اور مزنیہ کی بیٹی کے درمیان حرمت کا کوئی رشتہ نہیں اس لیے ان دونوں کا نکاح زانی اور مزنیہ کے ناجائز تعلقات کی وجہ سے متاثر نہیں ہوگا۔

وفی الهندية: لا بأس بان يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها او امها كذا في محيط السرخسي۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۷ القسم الثاني في المحرمات بالصهرية) [1]

مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے نکاح کرنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے زانی کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زنا چونکہ حرمت مصاہرت کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے جانبین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں چاہے وہ نسبی ہوں یا رضاعی اس لیے زانی کا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی وغیرہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

قال الحصكفي: حرمت المرأة على اصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمت اصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۲ فصل في المحرمات) [2]

---

[1] قال المرغيناني: ويجوز ان يتزوج الرجل باخت اخيه من الرضاع لانه يجوز ان يتزوج باخت اخيه من النسب (الهداية ج۲ ص۳۳۲ باب الرضاع) ومثله في

[2] قال العلامة ابو البركات النسفي رحمه الله: حرم تزوج أمه وبنته وان بعدتا وأخته وبنتها وبنت اخيه وعمته وخالته وام امرأته وبنتها ان دخل بها وامرأة ابيه وابنه وان بعدا والكل رضاعا۔

(كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ فصل في المحرمات)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث في المحرمات۔

مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص کے کسی عورت سے ناجائز تعلق تھے جس میں لمس وتقبیل کے علاوہ وہ زنا کا ارتکاب بھی ہو چکا ہے، اب یہ شخص اس عورت کی پوتی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ لمس وتقبیل اور زنا کے ارتکاب سے مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر اور زانی کے اصول وفروع مزنیہ پر حرام ہو جاتے ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مزنیہ کی پوتی زانی کے لیے حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا وحرمت اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبا ورضاعا۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۴ فصل فی المحرمات)[۱]

منکوحہ کی ربیبہ بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے منکوحہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کی بیٹی جو کہ اس کے پہلے شوہر سے ہے، کے ساتھ زنا کیا، تو کیا اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ شوہر کا اپنی منکوحہ کی ربیبہ بیٹی سے زنا کرنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے اس لیے اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاهرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا وحرمۃ اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبا ورضاعا۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۸۴ فصل فی المحرمات)[۲]

---

[۱] وفی الهندیۃ: فمن زنا بامرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت الخ
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریۃ)
ومثلہ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ فصل فی المحرمات۔

[۲] وفی الهندیۃ: فمن قبل امرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت۔ الخ
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریۃ)
ومثلہ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ فصل فی المحرمات۔

منکوحہ غیر مدخولہ بیوی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا مسئلہ

سوال:- ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی تک دخول نہیں ہوا ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ اس عورت کی بیٹی جو کہ اس کے پہلے شوہر سے ہے کے ساتھ نکاح کرلے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:- صورت مرقومہ میں منکوحہ عورت کی بیٹی اگرچہ محرمات میں داخل ہے مگر اس کی حرمت بشرط دخول کے ساتھ معلق ہے، چونکہ صورت مسئولہ میں دخول نہیں ہوا ہے اس لیے یہ شخص اس عورت کو طلاق دینے اور عدت گذر جانے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔

لقوله تعالیٰ: وربائبکم اللّٰتی فی حجورکم من نسائکم اللّٰتی دخلتم بهنّ فان لم تکونوا دخلتم...[1]

بیٹے کی منکوحہ غیر مدخولہ بہو سے نکاح کرنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کی ایک جگہ منگنی کی جس میں باقاعدہ طور پر نکاح بھی باندھا گیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک حادثے میں انتقال کرگیا، اب اگر اس لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟

الجواب:- جب گواہان شرعی کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول بصورت نکاح صحیح ہوجائے تو یہ لڑکی اب شخص مذکور کے بیٹے کی منکوحہ ہے، باپ کا اس کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے چاہے بیٹے نے دخول کیا ہو یا نہیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال المرغینانیؒ: ولا بامرأۃ ابنہ وبنی اولادہ لقوله تعالیٰ: وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ (الہدایۃ ج۲ ص۲۸۹ فصل فی بیان المحرمات)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وحرم بالمصاہرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ وام زوجتہ وجداتہا مطلقاً بمجرد العقد الصحیح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۲ فصل فی المحرمات) ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۷۴ فصل فی بیان المحرمات۔

[2] قال ابن نجیمؒ: اما حلیلۃ الابن فبقولہ تعالیٰ: وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ والتقیید بالحلیلۃ من حلول الفراش وحل الازار... الموطوءۃ بملک یمین او شبہۃ او زنا فیحرم... علی الاباء... والفرض انہا بمجرد العقد تحرم علی الاب.... (البحر الرائق ج۳ ص۹۳ فصل فی المحرمات)

ومثلہ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۹ فصل فی المحرمات۔

خسر پر فقط دعویٰ زنا سے بیٹے پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ میرے ساتھ میرے خسر نے زنا کیا ہے جبکہ خسر اس سے انکاری ہو تو کیا یہ عورت اس کے بیٹے کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں عورت کا دعویٰ بغیر شہادت معتبرہ یا خسر کے اقرار کے ثابت نہ ہوگا اور نہ صرف دعویٰ کرنے سے میاں بیوی کے درمیان حرمت ثابت ہوگی جب تک کہ شوہر اس امر کو قبول نہ کرے، البتہ تسلیم الزوج اقرار کی صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں تاہم اگر واقعتاً عورت کے ساتھ ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو کسی مناسب طریقے سے جدائی اختیار کی جا سکتی ہے۔

وفی الہندیۃ: رجل تزوج امرأۃ علی انہا عذراء فلما اراد وقاعہا وجدہا قد افتضت فقال لہا من افتضک فقالت ابوک ان صدقہا الزوج بانت منہ ولا مہر لہا وان کذبہا فہی امرأتہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۷۶ القسم الثانی المحرمات بالصہریۃ)

مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہو جاتے ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک مطلقہ سے عدت طلاق ختم ہونے سے پہلے ہی نکاح کر لیتا ہے پھر اپنی منکوحہ سے جماع کے کچھ عرصہ بعد اپنی ساس سے زنا کا مرتکب ہو جاتا ہے، مطلقہ منکوحہ سے زید کے بچے بھی ہیں اور اب بھی اس کا زید سے تعلق ہے، تو دونوں کے نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا دوبارہ کسی طریقے سے وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زید اور موصوفہ کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے کوئی حیلہ یا طریقہ اس نکاح کے جواز کا نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وحرم ایضا بالصہریۃ اصل مزنیتہ واصل ممسوسۃ بشہوۃ واصل ماستہ وناظرۃ الی ذکرہ ... الی قولہ وفروعہن مطلقا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۰تا۲۸۴ فصل فی المحرمات)[1]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہا وبنتہا ... تحرم اصولہا وفروعہا علی اصولہ وفروعہ الخ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۲۸۹ فصل فی بیان المحرمات)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۵ فصل فی المحرمات۔

خون دینے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال:- اگر خاوند اور بیوی کے خون کا گروپ ایک ہو تو خاوند کا خون بیوی کو چڑھانے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- خاوند کا بیوی کو خون دینے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو باوجود اس فعل کے حرام ہونے کے ان کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی حالانکہ دودھ جزو بدن بنے گا۔

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال:- اگر زید اپنی بیوی کی بہن سے زبردستی زنا کرے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سالی سے زبردستی زنا کرنے پر زید کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی البتہ سخت گنہگار ہوگا۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وفي فتاوى النسفي رجل وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته اھ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۶ كتاب النكاح الفصل الثالث فيمن يكون محلاً للنكاح وفيما لا يكون) ـ له

له قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: وفي الخلاصة وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته. قال ابن عابدينؒ (قوله وفي الخلاصة) هذا محترز التقييد بالأصول والفروع وقوله لا تحرم أي لا تثبت حرمة المصاهرة فالمعنى لا تحرم حرمة مؤبدة وإلا فتحرم إلى انقضاء عدة الموطوءة لو بشبهة. (رد المحتار على صدر الدر المختار ج ۲ ص ۳۴ كتاب النكاح ـ فصل في المحرمات)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج ۷ ص ۳۴۴ كتاب النكاح فصل في حرمة مصاهرة.

باب الحضانة

(چھوٹے بچوں کی پرورش کے مسائل)

چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال :- ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور اس کے چھوٹے بچوں پر دادا اور دادی نے قبضہ کیا ہوا ہے جو بچوں کو والدہ کے پاس جانے نہیں دیتے ایسی حالت میں تربیت کا حق ماں کو حاصل ہے یا دادا دادی کو؟

الجواب :- از روئے شرع مرقومہ صورت میں بچوں کی تربیت کا حق والدہ کو حاصل ہے خواہ والدہ نکاح میں ہو یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو گئی ہو صورت مذکورہ میں جب بچوں کی والدہ انکی تربیت کے لیے بیتاب ہے تو باپ کے ورثاء کا بچوں کو اپنے پاس رکھ کر والدہ کے پاس نہ چھوڑنا ظلم و زیادتی کے مترادف ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: تثبت للأم ولو بعد الفرقة الا ان تكون مرتدة.
(در مختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۳۳ باب الحضانة) [۱]

والدہ کے بعد تربیت کا حق نانی کو ہے

سوال :- ایک عورت کی وفات کے بعد اس کی چھوٹی بچی کی تربیت و پرورش کے بارے میں نانی اور دادی کے مابین تنازع پیدا ہو گیا ہے ہر ایک بچی کی تربیت کرنے کا دعویدار ہے ایسی حالت میں از روئے شرع کس کو تربیت کا حق پہنچتا ہے؟

الجواب :- از روئے شرع بچی کی پرورش کا حق ماں کے بعد اس کی نانی کو حاصل ہے بالغ ہونے تک بچی نانی کے پاس رہے گی بالغ ہونے کے بعد اس کی مرضی ہے چاہے تو باپ کے گھر رہے یا نانی کے گھر بشرطیکہ نانی کے گھر میں اس وقت اس کی عصمت

---

[۱] وقال في الهندية :- احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح او بعد الفرقة الأم. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر في الحضانة)
ومثله في البحر الرائق ج۴ ص۱۶۶ باب الحضانة)

کہ کوئی خطرہ نہ ہو۔

لہ قال فی الہندیۃ: وان لم یکن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غیر أهل للحضانة أو متزوجة بغیر محرم أو ماتت فأم الأم أولی من كل واحدة۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

والد کی بجائے نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق مغلظہ دے دی، مطلقہ کے بطن سے ایک بچی ہے جو طلاق کے بعد اس کے پاس رہی اور باپ اس بچی کو خرچہ دیتا رہا، کچھ عرصہ بعد مطلقہ مذکورہ نے نکاح ثانی کر لیا، اب نانی کہتی ہے کہ بچی کی پرورش کا مجھے حق ہے جبکہ باپ کہتا ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی۔ از روئے شرع بچی کی پرورش کا کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب: صورت مرقومہ کے مطابق مطلقہ کا نکاح ثانی کر لینے سے اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لیکن والد کی بجائے بچی کی تربیت کی نانی زیادہ حق دار ہے، تاہم بچی کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے۔

لہ قال العلامۃ التمرتاشی: ثم ای بعد الأم أم الأم۔

(تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۴۲ باب الحضانۃ) ـــہ ۲

لڑکی کے حق پرورش کی مدت

سوال: اگر ایک بچی کی تربیت اس کی والدہ کے ذمہ ہو تو والدہ کو کتنی مدت تک یہ حق حاصل ہے؟ کیا والد کو بچی اپنے ساتھ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

لہ قال العلامۃ الحصکفی: (ثم) ای بعد الأم بأن ماتت او لم تقبل او اسقطت حقها او تزوجت بأجنبی (أم الأم)۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۴۲ باب الحضانۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۶۶ باب الحضانۃ

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ثم أم الأم ای بعد الام۔

(البحر الرائق ج۴ ص۱۶۷ باب الحضانۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ۔

الجواب:۔ بچی کے بالغ ہونے تک والدہ اُسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے اور اس دوران اُسے بچی کی تربیت کا حق حاصل ہے، جب تک حق تربیت کے اسقاط کے اسباب موجود نہ ہوں تو ورثاء اس بچی کو والدہ سے نہیں لے جا سکتا، البتہ بالغ ہونے کے بعد بچی اپنی مرضی سے والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے رہ سکتی ہے ۔

قال علاء الدين الحصكفي: والام والجدة احق بها حتى تحيض وغيرهما احق بها حتى تشتهي وقدر بتسع وبه يفتى. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۱ باب الحضانة) ؎

بیوہ کا نکاح ثانی کرنے سے شیرخوار بچی کی تربیت کا مسئلہ

سوال:۔ ایک بیوہ عورت نے جب نکاح ثانی کیا تو اس کی گود میں چار ماہ کی شیرخوار بچی بھی تھی، نکاح کے وقت طرفین میں سے کسی نے بھی بچی کی تربیت کے استحقاق کا مسئلہ نہیں چھیڑا تھا، اب جبکہ بچی سات سال کی ہوگئی ہے تو اس کے عصبہ ورثاء واپسی کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بچی کو عصبہ واپس لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ بچی کا سوتیلا باپ اس کی تربیت اور اخراجات کے تکفل کے لیے تیار ہے؟

الجواب:۔ جب خاوند ربیبہ کے اخراجات اور تربیت کی تبرعاً ذمہ داری قبول کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ ماں کے پاس رہنے سے بچی کو جو سکون و اطمینان حاصل ہوگا وہ عصبہ یعنی ورثاء کے پاس ممکن نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بچی والدہ کے پاس رہے اور ورثاء کے پاس نہ جائے ۔

قال الحصكفي: ولو الام تزوجت باجنبي وطلبت تربيته بنفقة والمتبرعة ابى عمه مجانا ولا حاضنة له فله ذلك. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۲ باب الحضانة) ؎۲

؎ قال ابن نجيم المصري: وقدر ابو الليث بتسع سنين وعليه الفتوى. (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۲ باب الحضانة)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۵۴۲ الباب السادس عشر في الحضانة.

؎۲ قال ابن نجيم المصري: والصحيح انه يقال للوالدة اما ان تمسكي الولد بغير اجر واما ان تدفعيه الى العمة. (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۴ باب النفقة)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۵۴۲ الباب السادس عشر في الحضانة.

ولد الزنا کی حضانت (پرورش) کس کے ذمہ ہے

سوال:- جو بچہ ناجائز حمل سے پیدا ہو اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟ زانی یا مزنیہ (بچے کی ماں)؟

الجواب:- جس بچے کا باپ معلوم نہ ہو اس کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے لہٰذا اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی ماں پر ہی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: والحضانة تثبت للأم النسبية۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب الحضانة) [1]

عورت کو بچہ دار الحرب لے جانے کا حق نہیں

سوال:- ایک شخص یہاں سے جاپان چلا گیا اور وہاں اس نے ایک عورت سے شادی کرلی، کچھ سال کے بعد واپس پاکستان آگیا اور یہیں رہنے لگا اور کچھ عرصہ بعد گھریلو ناچاکی کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچ گئی اور اس نے بیوی کو طلاق دے دی، اس شخص کا اس عورت سے ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے جسے اب وہ عورت اپنے ساتھ جاپان لے جانا چاہتی ہے جبکہ یہ شخص بچے کو اس کے ساتھ جاپان نہیں دیتا، تو کیا اس عورت کو بچہ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- حضانت میں یہ ضروری ہے کہ بچہ زوجین میں سے کسی ایک کے گھر میں پرورش پائے مگر دار الحرب اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں یہ عورت اس بچے کو شرعاً اپنے ساتھ جاپان نہیں لے جا سکتی بلکہ بچے کی تربیت پاکستان میں رہ کر ہی کرے گی۔

لما فی الهندية: ليس للمرأة ان تنقل ولدها الى دار الحرب وان كانت تزوجها هناك وكانت حربية بعد ان يكون زوجها مسلما او ذميا۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص[illegible] الباب السادس عشر فی الحضانة)

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: واذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم احق بالولد۔
(الهداية ج۲ ص۴۳۴ باب حضانة الولد ومن احق به)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۱ ص۹۱ باب الحضانة۔

باب الولیمۃ

(ولیمہ کے مسائل و احکام)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! شریعتِ مقدسہ میں ولیمہ کی حیثیت واجب کی ہے یا سنت کی؟

الجواب: دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قول و فعل اس پر دال ہے تاہم واجب نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

فخرج إلى السوق فباع واشترى فأصاب شيئا من أقط وسمن فتزوج فقال النبي صلى الله عليه وسلم أولم ولو بشاة۔ (الصحيح للبخاري ج۲ ص۷۷۵ باب من أولم على بعض نسائه)

وعن أنس رضي الله عنه قال ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة۔ (مشكوة ج۲ ص۲۷۸ باب الوليمة) [1]

دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت

سوال: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے؟ شادی کے بعد یا پہلے؟

الجواب: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت دلہن کو گھر لانے کے بعد کا ہے، خلوتِ صحیحہ اور دخول کے بعد دعوت کھلانا مسنون ولیمہ ہے، تاہم دلہن کو گھر لانے سے قبل کھلایا جانے والا طعام مسنون ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے قربانی کے جانور کو قربانی کے وقت سے پہلے ذبح کیا جائے تو قربانی نہیں ہوگی، تاہم اس کا کھانا جائز ہے۔

قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح

---

[1] قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات)
ومثله في إعلاء السنن ج۱۱ ص۱ باب استحباب الوليمة۔

لهم ويصنع لهم طعاماً. (الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات) لـه

دعوت ولیمہ میں غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے شرکت نہ کرنا

سوال:- جس دعوت ولیمہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- جس دعوت ولیمہ وغیرہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ بات پہلے سے معلوم ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں، اور اگر چلے جانے کے بعد معلوم ہوا تو اگر دستر خوان کے پاس نہ ہو اور مقتدا ہو تو ایسی صورت میں واپس آ جائے اور اگر عام الناس میں سے ہے تو ٹھہر جانے میں بھی گنجائش ہے، اور اگر غیر شرعی امور کا ارتکاب دستر خوان کے قریب ہو رہا ہو تو پھر واپس ہو جانا ضروری ہے چاہے عوام الناس میں سے کیوں نہ ہو۔

قال المرغيناني: ومن دعي إلى وليمة أو طعام فوجد ثمة لعباً أو غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل. قال أبو حنيفة: ابتليت بهذا مرة فصبرت وهذا لأن إجابة الدعوة سنة، قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى أبا القاسم فلا يتركها لما اقترنت به من البدعة من غيره كصلاة الجنازة واجبة الإقامة وإن حضرتها نياحة فإن قدر على المنع منعهم وإن لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدى فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين والمحكي عن أبي حنيفة في الكتاب كان قبل أن يصير مقتدى ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى لقوله تعالى: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ. هذا كله بعد الحضور ولو علم قبل الحضور لا يحضر لأنه لم يلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم عليه لأنه قد لزمه. (الهداية ج۴ ص۴۵۵ كتاب الكراهية) [۲]

لـه عن أنس رضي الله عنه قال صنع النبي صلى الله عليه وسلم بزينب ابنة جحش ... فدعا الناس للطعام ... (صحيح البخاري ج۲ ص۷۷۷) وقال الشيخ عثماني نقلاً عن فتح الباري وحديث أنس في هذا الباب صريح في أنهم ... لم يحضر لقوله فيه فجعل ... بينه ... القوم. (إعلاء السنن ج۱۱ ص...)

[۲] قال الطوري: ولو كان ذلك على المائدة فلا يقعد وإن كان غير مقتدى ... لا يحضر لأنه لا يلزمه الإجابة إذا كان هناك منكر لما روي عن علي قال صنعت للنبي صلى الله عليه وسلم طعاماً فدعوته فجاء فرأى في البيت تصاوير فرجع. (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۵ كتاب الكراهية)
ومثله في بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۸ كتاب الاستحسان.

لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ولیمہ شمار نہیں ہوگا

سوال:۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں و برات کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے کیا وہ ولیمہ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں و برات کو کھانا کھلانا ولیمہ میں داخل نہیں، ولیمہ اس طعام کو کہتے ہیں جو شادی کے بعد دولہا کی طرف سے کھلایا جاتا ہے۔

قال فی الہندیۃ: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي اذا بنى الرجل بامرأته أن يدعو الجيران والاقرباء والاصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاماً۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۵ ص۳۴۳ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات) [1]

ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ولیمہ صرف ایک دن ہی ہونا چاہیے یا ایک دن سے زیادہ بھی کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ولیمہ اس دعوت کو کہا جاتا ہے جو شادی کے بعد دی جاتی ہے، شریعت نے اس کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ اس دعوت کو شادی کرنے والے کی استطاعت پر چھوڑا گیا ہے، اگر وہ ایک دن سے زیادہ یہ دعوت کرنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لما فی الحدیث: عن انس رضی اللہ عنہ قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفیۃ وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلاثة ايام۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۳ باب جواز الولیمۃ الی ایام ان لم یکن فخراً) [2]

---

[1] عن انس رضی اللہ عنہ قال ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم أولم علی أحد من نسائه ما أولم علی زینب أولم بشاۃ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۸ باب الولیمۃ۔
ومثلہ فی اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۰ باب استحباب الولیمۃ۔

[2] عن حفصۃ بنت سیرین قالت لما تزوج ابی دعا الصحابۃ سبعۃ ایام فلما کان یوم الانصار دعا ابی بن کعب وزید بن ثابت وغیرهما فکان ابی صائماً فلما طعموا دعا ابی واثنی۔
(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۳ باب جواز الولیمۃ الی ایام ان لم یکن فخراً)

مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک فی عقد نکاح فی اطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لکم لا تأخذون فقالوا انک نہیت عن النہبی فقال انما نہیتکم عن نہبی العساکر خذوا علی اسم اللہ (مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۳۴)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ (جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاہ حبشہ نجاشی کے واسطے سے ہوچکا تھا) طبقات ابن سعد سے نقل کر کے لکھتے ہیں: ثم بعد فرغ من النکاح ارادوا ان یقوموا فقال اجلسوا فان سنة الانبیاء اذا تزوجوا ان یؤکل طعام علی التزویج فدعا بطعام فاکلوا ثم تفرقوا انتہی (مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۳۴)

چونکہ ان دونوں روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں لہٰذا ان سے سنیت، وجوب یا افضلیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ البتہ اباحت و جواز ثابت ہوسکتا ہے۔

بہرحال اگر ان چیزوں کا ثبوت عہد نبوی اور عہد صحابہ میں صحیح احادیث اور معتبر روایات سے نہ بھی ملتا ہو تب بھی اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ عمل امور مباحہ میں شمار ہوگا بشرطیکہ اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً نکاح کی یہ چیزیں یا طعام لڑکے یا لڑکی والوں نے بطیب خاطر تیار کیا ہو اور ان پر کسی قسم کا جبر نہ کیا گیا ہو، نہ وہ اس پر ناراض ہوں اور اس کو لازم اور سنت بھی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ ایسا صرف باہمی محبت و مودت کے استحکام کے لیے کیا گیا ہو تو اس حالت میں یہ ایک قسم کی ضیافت ہوگی جس کو کسی طرح بھی ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

کتاب الجنائز

(جنازے کے مسائل واحکام)

نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ کسی مسلمان کے فوت ہوجانے پر جنازہ کے بارے میں دوسرے مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اور یہ ذمہ داری کون کون لوگ نبھا سکتے ہیں؟

الجواب:۔ احادیث کی رو سے فوت ہوجانے والے مسلمان کی نمازِ جنازہ تمام اہلِ اسلام پر فرضِ کفایہ ہے یعنی بعض مسلمانوں کی ادائیگی سے باقی لوگوں کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے البتہ اگر تمام لوگ اجتماعی طور پر نمازِ جنازہ چھوڑ دیں تو تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: والاجماع منعقد علی فرضیتها ایضاً الا انها فرض کفایة اذا قام به البعض یسقط عن الباقین... الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل فی صلوٰۃ الجنازۃ) [له]

بغیر نیت کے نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں کھڑے ہوتے وقت نیت اگر بھول کر چھوڑ دی جائے تو اس طرح جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دیگر نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی نیت ضروری ہے لہٰذا بلا نیت پڑھی ہوئی نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما شرائط جوازها فکل ما یعتبر شرطاً لجواز سائر الصلوات من الطهارة الحقیقیة والحکمیة واستقبال القبلة وستر العورة والنیة یعتبر شرطاً لجواز صلوٰة الجنازة. (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۵ فصل فی صلوٰۃ الجنازۃ) [له]

له وفی الهندیة: الصلوٰة علی الجنازة فرض کفایة اذا قام به البعض واحداً کان او جماعة ذکراً کان او انثی سقط عن الباقین واذا ترک الکل اثموا. هکذا فی التاتارخانیة. (ج ۱ ص ۱۶۲ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ فصل السلطان احق بصلوته۔

له وقال ابن عابدینؒ: واما الشروط التی ترجع الی المصلی فهی شروط بقیة الصلوات من الطهارة الحقیقیة بدناً وثوباً ومکاناً والحکمیة وستر العورة والاستقبال والنیة. الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۸۲۲ مطلب فی صلوٰۃ الجنازۃ)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت۔

نمازِ جنازہ کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے

سوال:۔ نمازِ جنازہ کے لیے جس جگہ صفیں بنائی جاتی ہیں کیا اس کا پاک ہونا ضروری ہے؟ یا بغیر کسی امتیازِ طہارت و نجاست مکان کا استعمال جائز ہے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ کے لیے جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے لہٰذا ناپاک جگہ پر نمازِ جنازہ کی صفیں کھڑی ہو کر اگر نمازِ جنازہ ادا کی جائے تو وہ صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ بلا طہارتِ میت جنازہ کو اعتبار نہیں دیا جاتا۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ:۔ اما ما تختص به فکل ما یعتبر شرطا لصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقیقیة والحکمیة ... (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۵ فصل بیان ما تصح به وما یفسد) ؎۱

ولد الزنا کا جنازہ

سوال:۔ اگر کوئی بچہ کسی غیر شرعی ذریعہ یعنی زنا سے پیدا ہو تو ایسے بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زنا کی قباحت کی نسبت بچے کی والدہ اور زانی کی طرف کی جاتی ہے، خود بچہ ایسے جرائم میں بری الذمہ متصور ہوتا ہے لہٰذا اس کی معصومیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں پر ایسے بچہ کے مرنے کی صورت میں نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو خود زانی اور زانیہ کے اس شنیع فعل کے ارتکاب کے باوجود ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی تو پھر اس بچے کا جنازہ تو بطریقِ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر۔ (کنز العمال ج۶ ص۵۴ حدیث ۱۴۸۱۵) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن عابدینؒ: واما الشروط التی ترجع الی المصلی فهی شروط بقیة الصلوٰة من الطهارة الحقیقیة بدنا وثوبا ومکانا ..... الخ
(رد المحتار ج۱ ص۶۴۲ مطلب فی صلوٰة الجنازة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

؎۲ وفی الهندیة: وهی فرض علی کل مسلم مات بعد الولادة صغیرا کان او کبیرا ذکرا کان او انثی ... الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۲۱۱ باب الجنائز۔

جنازہ نہ پڑھنے کی صورت میں ماخوذ کون ہوگا؟

سوال:- ایک مسلمان اگر بلا جنازہ دفنایا گیا تو اس کا گناہ کس پہ ہوگا؟ کیا مرنے والا مسلمان گنہگار ہوگا یا پسماندگان کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:- جو شخص شرعاً مستحقِ جنازہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں کی مذہبی و اخلاقی ذمہ داری ہے، لہٰذا جو مسلمان بلا جنازہ دفن کیا گیا تو وہ مسلمان جو جنازہ پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود جنازہ نہ پڑھیں گے گنہگار ہوں گے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: ومن صفتها انها فرض كفاية اذا قام بها البعض وفي شرح الملتقى واحد كان او جماعة ذكراً كان او انثى سقط عن الباقين واذا تركوا كلهم اثموا۔ (التاتارخانية ج ۲ ص۱۵۳ باب صلاة الجنازة۔ نوع اخر من هذا الفصل في الصلوة على الجنازة) له

جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال:- جنازہ پڑھانے کے لیے سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ کیا فرض نماز کی طرح جنازہ پڑھانے کیلئے بھی اہلیت کا اعتبار کیا جائے گا یا اس کا حکم الگ ہے؟

الجواب:- نمازِ جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکمِ وقت ہے بشرطیکہ وہ پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اگر حاکمِ وقت نہ ہو تو علاقے کے قاضی کو پڑھانے کا حق دیا جائے گا ورنہ پھر محلے کا امام جنازہ پڑھائے، ورنہ قرابتداروں میں سے کوئی قریبی رشتہ دار جنازہ پڑھانے کا حقدار ہے۔

لما في الهندية: اولى الناس بالصلوة عليه السلطان ان حضر فان لم يحضر فالقاضي ثم امام الحي ثم الولي۔ (الهندية ج ۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس في الصلوة على الميت) ثه

له وفي الهندية: الصلوة على الجنازة فرض كفاية اذا قام به البعض واحداً كان او جماعة ذكراً كان او انثى سقط عن الباقين واذا ترك الكل اثموا۔ (الهندية ج ۱ ص۱۶۲ الفصل الخامس في الصلوة على الميت)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۹ فصل في الصلوة على الميت۔

ثه وقال علاء الدين الكاسانيؒ: وروى الحسن عن ابي حنيفةؒ ان الامام الاعظم احق بالصلوة ان حضر فان لم يحضر فامير المصر وان لم يحضر فامام الحي فان لم يحضر فالاقرب من ذوي قرابته وهذا هو حاصل المذهب عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۱۷)

ومثله في كبيري ص۵۸۵ باب الجنائز۔

اگر مرد موجود نہ ہوں تو خواتین نماز جنازہ پڑھا سکتی ہیں

سوال:۔ اگر نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی مرد حاضر نہ ہو تو کیا خواتین جنازہ پڑھا سکتی ہیں یا نہیں؟ نیز ان کی جنازہ پڑھانے کی کیا کیفیت ہوگی؟

الجواب:۔ جنازہ میں تنہا عورتیں حاضر ہو سکتی ہیں یہاں تک کہ جنازہ میں عورات کی امامت بھی البتہ اگر کہیں مرد نہ ہوں تو خواتین یہ حق ادا کر سکتی ہیں۔ اس حالت میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورتیں بلا جماعت انفرادا بیک وقت نماز جنازہ پڑھیں۔ البتہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر امامت کرنے والی عورت درمیان میں رہے گی۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وإذا صلین النساء جماعة علی جنازة قامت الإمام منهن وسطهن کما فی الصلوة المفروضة المعهودة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل بیان کیفیة الصلوة علی المیت)[1]

مرحوم کا جنازہ کتنے دنوں تک جائز ہے

سوال:۔ اگر کوئی مسلمان کسی وجہ سے بغیر جنازہ کے دفنایا گیا تو اس کی قبر پر کتنے دنوں تک جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ جب تک اعضاء سالم ہوں اس وقت تک قبر پہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس میں مدت کا کوئی تعین نہیں بلکہ زمین کی حرارت اور برودت کی وجہ سے جسم کے گلنے سڑنے میں تفاوت یقینی ہے۔ اس لیے غلبہ ظن کا اعتبار کرکے جب تک یقین ہو کہ جسم محفوظ ہوگا تو اس پر جنازہ پڑھا جائے گا۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: وإن دفن المیت ولم یصل علیه صلی علی قبره ...الخ (الهدایة ج۱ ص۱۶۱ فصل فی الصلوة علی المیت)[2]

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ولو أمت امرأة فیها تأدت الصلوة ....الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۸۱ فصل فی الصلوة علی المیت)
ومثله فی الصغیری ص۳۰۰ کتاب الجنائز۔

[2] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولو دفن بعد الغسل قبل الصلوة علیه صلی علیه فی القبر ما لم یعلم أنه تفرق ...الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۵ فصل فی بیان ما تصح به وما تفسد)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۶۵ الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت۔

مرتد کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا

سوال:- اگر کوئی شخص علماء کرام کو محض اس وجہ سے گالی دے کہ یہ لوگ دینِ اسلام کے پاسبان ہیں اس کے علاوہ علماء کی تشبیہ بدترین حیوانات سے دیتا ہو حدیث کا منکر ہو اور اس کو عجمی سازش کہہ کر قرآنی آیات کی من مانی تاویل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہو ایسے شخص کی موت کے بعد اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- ایسے عقائد رکھنے والا شخص کافر اور مرتد ہوکر خارج از اسلام ہے اور مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے جنازے کا بھی اہل نہیں، جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا ضروری ہے جیسا کہ کتابوں میں ومن شرائطہ اسلام المیت ذکر ہوا ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرطہا ستۃ اسلام المیت۔ قال ابن عابدینؒ: فی ولو بصیرورتہ تبعیۃ لأحد ابویہ او للدار او للسابی کما سیأتی۔

(رد المحتار ج ۲ ص۲۳۰ مطلب فی صلوٰۃ الجنازۃ) ؎۱

شیعہ کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:- جو شخص ضروریاتِ دینِ اسلام کا منکر ہو مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت یا نبوت کا قائل ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والا ہو تو ایسے شیعہ کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس کا جنازہ ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- ایسے عقائد رکھنے والا شیعہ کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہے اس کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا او انکر صحبۃ الصدیقؓ او اعتقد الالوہیۃ فی علیؓ ..... الخ۔ (شامی ج ۴ ص۲۳۱ باب المرتد) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیمؒ: وشرطہا اسلام المیت فلا تصح علی الکافر للآیۃ: ولا تصل علی احد منہم مات ابدا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۹ کتاب الجنائز)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۶۲ الفصل الخامس فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

؎۲ وفی الہندیۃ: ولو قذف عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالزنا کفر باللہ ..... الخ (الہندیۃ ج ۲ ص۲۶۳)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۵ ص۱۲۱ باب المرتد۔

جرائم کے دوران ہلاک شدگان کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ تاوان کی بھاری رقم کی وصولی کے لیے انسانوں کو اغوا کرتے ہیں اور اگر موقع ملے تو قتل وغارت سے بھی پہلو تہی نہیں کرتے، ایسے لوگ اگر ان جرائم کے دوران کسی طرح مارے جائیں تو کیا ان کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر دوران اغوا و ڈاکہ یہ لوگ مارے جائیں تو ان کا جنازہ بطور تعزیر نہیں پڑھا جائے گا، البتہ اگر ان جرائم میں ملوث افراد اپنی طبعی موت مر جائیں تو پھر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق فلا یغسلوا ولا یصلی علیھم اذا قتلوا فی الحرب ولو بعدہ صلی علیھم ...الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۲ باب الجنائز مطلب فی صلوۃ الجنازۃ)[1]

فاسق کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور عمر بھر کسی نے اسے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہو تو کیا ایسے شخص کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ نیز زانی، چور اور دوسرے امور فسقیہ کے مرتکب کا جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی میت کی نماز جنازہ کے لیے صرف اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، جب تک صریح کفر کا ثبوت نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، نماز نہ پڑھنے یا دوسرے جرائم سے کوئی شخص اسلام کے دائرے سے نہیں نکلتا، اس لیے مسلمانوں پر ایسے شخص کا جنازہ پڑھنا ضروری ہے، البتہ چیدہ علماء کرام اور اصحاب مروت اسکے جنازہ میں تادیباً شریک نہ ہوں۔

لما ورد فی الحدیث: وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر (کنز العمال ج۶ ص۵۴ حدیث ۱۴۸۱۵)

۱؎ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: الا البغاۃ وقطاع الطریق ومن بمثل حالھم ...الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۲ فصل الکلام فی صلوۃ الجنازۃ)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت۔

۲؎ وقال ابن عابدینؒ: وھی فرض علی کل مسلم مات الخ (رد المحتار ج۲ ص۲۱۰ باب الجنائز)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۶۳ الفصل فی الصلوۃ علی المیت۔

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم

سوال: خودکشی کرنا قرآن وحدیث کی رو سے عظیم گناہ ہے، اس کا ارتکاب کرنے والے کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: خودکشی کرنا یقیناً عظیم گناہ ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی گناہ کا ارتکاب موجب کفر نہیں، لہٰذا خودکشی کرنے والا بھی دیگر گنہگار مسلمانوں کی طرح ایک گنہگار ہے جس کا جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ جن روایات میں نفی آئی ہے وہ تعزیر پر محمول ہے تاکہ معاشرہ میں اس کے خوف سے کوئی ایسے قبیح فعل کا ارتکاب نہ کرسکے۔

قال طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: وقاتل النفس یغسل ویصلی علیه عند ابی حنیفة ومحمدؒ وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوانی۔ (خلاصة الفتاوی ج ص۲ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، الجنس الاول فی الشہید) ؎

مجنون کے جنازے کی کیفیت

سوال: جس شخص کے بارے میں قطعی طور پر یقین ہو کہ یہ مجنون ہے تو اس کی موت پر اس کے جنازہ کی کیفیت کیا ہوگی؟

الجواب: اگر مجنون کی یہ بیماری بچپن سے چلی آرہی ہو حتی کہ بالغ ہونے تک وہ صحتیاب نہیں ہوا ہو تو ایسا شخص نابالغوں کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، اس کے جنازے کی آخری تکبیر میں وہی دعا پڑھی جائے گی جو نابالغ بچوں کے لیے پڑھی جاتی ہے، البتہ اگر یہ جنون بلوغت کے بعد اس پر طاری ہوا ہو تو پھر جنون اگرچہ معاصی کے لیے دافع ہے لیکن مزیل نہیں، اس لیے مدتِ بلوغت کے ایام صحت کی رعایت کرتے ہوئے یہ شخص بالغ شمار ہوگا۔

قال العلامة ابن العابدینؒ: تحت قولہ کصبی سبی مع احد ابویہ والمجنون

؎ وفی الہندیة: ومن قتل نفسه خطأً بان تناول رجلاً من العدو لیضربه بالسیف فاخطأ واصاب نفسه ومات غسل وصلی علیه وهذا بلا خلاف کذا فی التبیین۔ وان قتل نفسه عمداً یصلی علیه عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله وهو الاصح کذا فی التبیین۔ (ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۲۱۱ باب الجنائز۔

البالغ كالصبي. الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۵ باب الجنائز) ـه

جسم کے بعض اعضاء پر جنازہ کا حکم

سوال :- اگر جنازہ کے حادثہ میں یا کسی دوسرے حادثہ میں انسانی جسم متاثر ہو کر بعض حصے دستیاب ہوں تو پورا جسم نہ ملنے کی صورت میں بعض دستیاب حصوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- صورت مسئولہ میں اگر جسم کا اکثر حصہ مل جائے یا نصف حصہ سر کے ساتھ مل جائے تو پھر ان بعض حصوں پر جنازہ پڑھا جائے گا ورنہ اس کے بغیر جنازہ کی ضرورت نہیں۔

قال علاء الدين الكاسانيؒ: وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي انه اذا وجد النصف ومعه الرأس يغسل وان لم يكن معه الرأس لا يغسل فكانه جعل مع الرأس في حكم الاكثر لكونه معظم البدن. (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۰۲ فصل شرائط الجنازة كتاب الجنائز) ـه

متعدد اموات کا ایک ہی جنازہ کافی ہے

سوال :- اگر ایک وقت میں متعدد جنازے جمع ہو جائیں تو ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جنازہ پڑھنا ضروری ہے یا کہ تمام کے لیے ایک ہی جنازہ کافی ہے؟

الجواب :- ہر ایک میت پر علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنا افضل ہے اور اگر ایک ہی دفعہ تمام کا جنازہ پڑھا گیا تو یہ بھی صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰة على كل واحدة اولى من الجمع وان جمع جاز. الخ (الدر المختار على رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۸ باب الجنائز) ـه

ـه وقال ابراهيم بن الحلبيؒ: والمجنون كالصبي وينبغي ان يقيد بالمجنون الاصلي دون العارض. الخ (صغيري ص ۲۹۳ كتاب الجنائز)

ومثله في مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۳۲۳ باب احكام الجنائز فصل في الصلوٰة على الميت.

ـه وفي الهندية: ولو وجد اكثر البدن او نصفه مع الرأس يغسل ويكفن ويصلى عليه كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۵۹ الفصل الثاني في الغسل)

ومثله في رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۹ كتاب الجنائز مطلب في [illegible].

ـه وفي الهندية: ولو اجتمعت الجنائز يخير الامام ان شاء صلى على كل واحدة وان شاء صلى على الكل دفعة بالنية على الجميع كذا في معراج الدراية. (ج ۱ ص ۱۶۵ الفصل الخامس في الصلوٰة على الميت)

ومثله في الخلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون في الجنائز.

جنازہ میں ہاتھ اٹھانے کا حکم

سوال:۔ جنازہ میں تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک تکبیر اولیٰ کے علاوہ دیگر تکبیرات میں ہاتھ اٹھانا سنت نہیں (سوائے تکبیرات عیدین کے) اس لئے نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔

قال علاء الدين الحصكفيؒ: وهي اربع تكبيرات كل تكبيرة قائمة مقام ركعة يرفع يديه في الاولى فقط۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۸۱۲ باب الجنائز)[1]

تکبیر کا رہ جانا مفسد جنازہ ہے

سوال:۔ چار تکبیرات میں سے کسی تکبیر کے رہ جانے کی صورت میں جنازے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ میں چار تکبیرات کی حیثیت ارکان کی ہے کسی ایک تکبیر کے رہ جانے سے جنازہ فاسد ہوگا اور فساد کی صورت میں دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

قال علاء الدين الكاسانيؒ: ولان كل تكبيرة من هذه الصلوة قائمة مقام ركعة بدليل انه لو ترك تكبيرة منها تفسد صلوته كما لو ترك ركعة من ذوات الاربع۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل بيان كيفية صلوة على الجنازة)[2]

جنازہ کی پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت ضروری نہیں

سوال:۔ اگر امام نے غلطی سے پانچویں تکبیر شروع کی تو مقتدی کو کیا کرنا چاہیے کیا ایسی صورت میں امام کی متابعت ضروری ہے یا نہیں؟ ایسا ہی اگر امام نے غلطی سے پانچویں تکبیر کہہ دی تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ جنازہ کل چار تکبیرات سے عبارت ہے اس لیے پانچویں تکبیر کہنے کی صورت

---

[1] قال علاء الدين الكاسانيؒ: ولا يرفع يديه الا في التكبيرة الاولى ... الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل بيان كيفية الصلوة على الجنازة)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۲۴ كتاب الجنائز۔

[2] وقال العلامة ابن الهمامؒ: وانه لو ترك تكبيرة واحدة منها فسدت صلوته كما لو ترك ركعة من الظهر۔ (فتح القدير ج۲ ص۸۸ باب الجنائز)
ومثله في تبيين الحقائق ج۱ ص۲۴۱ كتاب الجنائز۔

نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھے تو کیا جنازہ کا اعادہ کیا جائے گا؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ درحقیقت دُعا ہے، اس میں سورۃ فاتحہ یا کسی دوسری سورۃ کی قرأت ضروری نہیں، اس میں صرف دُعائیں پڑھی جائیں گی، سورۃ فاتحہ بھی اگر کہیں دُعا کی نیت سے پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ قرأت کی نیت سے پڑھنا ناجائز ہے۔ چونکہ جنازہ چار تکبیرات سے عبارت ہے اس کے ہوتے ہوئے جنازہ ادا ہوگیا لہٰذا قرأتِ فاتحہ کی صورت میں اعادہ واجب نہیں۔

لما فی الھندیۃ: ولا یقرأ فیھا القرآن ولو قرأ الفاتحۃ بنیۃ الدعاء فلا بأس بہ وان قرأھا بنیۃ القرأۃ لا یجوز لأنّھا محل الدعاء دون القرأۃ کذا فی المحیط السرخسی (ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت) ؎۱

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ دوبارہ جنازہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ ایک دفعہ میت کی نمازِ جنازہ پڑھنا فرضِ کفایہ ہے، لہٰذا اگر میت کے ولی یا قاضی نے اصالۃً یا نیابۃً نمازِ جنازہ ایک دفعہ ادا کی تو دوبارہ یا متعدد بار جنازہ پڑھنا غیر مشروع ہے، البتہ اگر کہیں ولی کی اجازت کے بغیر اجنبی لوگ جنازہ پڑھالیں تو ولی اور قاضی اعادہ کا حق رکھتے ہیں۔

قال فی الھندیۃ: ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ والتنفل بصلوٰۃ الجنازۃ غیر مشروع کذا فی الایضاح ولا یعید الولی ان صلی الامام الاعظم او السلطان او الوالی او القاضی او امام الحی لان ھؤلاء اولی منہ وان کان غیرھؤلاء لہ ان یعید (الھندیۃ ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت) ؎۲

؎۱ قال علاؤ الدین الکاسانی: ولا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ شیء من القرآن۔ اھ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل بیان کیفیۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت۔

؎۲ وقال علاؤ الدین الکاسانی: ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ لا جماعۃ ولا وحدانا عندنا۔ اھ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۱ فصل الکلام فی صلوٰۃ الجنازۃ)

غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کا حکم

سوال:- کیا نماز جنازہ کے لیے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو ہمارے ملک میں عموماً کسی بڑے لیڈر کی موت پر حنفی مسلک کے لوگ بھی غائبانہ جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- احناف کے نزدیک نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرنے والے کی لاش سامنے ہو، یہی وجہ ہے کہ احناف غائبانہ جنازہ کے قائل نہیں ہیں، البتہ نامور شخصیات کی موت پر ملک کے طول و عرض میں ان کے جنازے اور حنفی المسلک لوگوں کا ان میں شریک ہونا ایک سیاسی حربہ ہے جس کا مسلک و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، یہ محض عوام کو خوش رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے جس میں شرکت سے اجتناب ضروری ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرطها ایضاً حضوره ووضعه وکونه هو او اکثره امام المصلی ...الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۰۸ باب الجنائز مطلب فی صلوٰة الجنازة)[1]

نماز جنازہ میں درود شریف کا تعین

سوال:- عموماً نماز جنازہ میں درود شریف پڑھتے وقت کما صلیت وسلمت وبارکت ورحمت وترحمت کا اضافہ کیا جاتا ہے، اس درود شریف کے ثبوت کے لیے دلیل کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص کو یہ درود شریف یاد نہ ہو تو وہ نماز میں پڑھا جانے والا مشہور درود شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- نماز جنازہ کے لیے کسی خاص درود شریف کا تعین نہیں، صرف درود شریف پڑھنا سنت ہے لیکن اکثر کتابوں میں مشہور درود ابراہیمی لکھا گیا ہے لہٰذا اس کا پڑھنا بہتر ہے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: والتکبیرة الثانیة یأتی بالصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهی الصلوٰة المعروفة ...الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل فی بیان کیفیة صلوٰة الجنازة)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ومنها اشتراط حضور المیت ووضعه وکونه امام المصلی فلا تصح علی غائب ولا علی محمول علی دابة ولا علی موضوع ...الخ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۷۹ فصل السلطان احق بصلاته۔

[2] وقال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله کما فی التشهد) ای المراد الصلوٰة الابراهیمیة التی یأتی بها المصلی فی قعدة التشهد۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۱۲ باب الجنائز)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ کتاب الجنائز۔

نوٹ: تاہم مذکورہ درود شریف یعنی کی اصلیت وسلمت... بعض روایات سے ثابت ہے
اس لیے اس درود کا انکار کرنا یا اس کو بدعت بنانا مناسب نہیں۔

اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال: کیا اوقات مکروہہ میں دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ بھی مکروہ ہے یا اس کا حکم علیحدہ ہے؟ حضرت علیؓ کی اس روایت سے کہ یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها كفوًا۔ (مشکوٰۃ ص۶۱) معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ جس وقت حاضر ہو جائے تو اسی وقت ادا کیا جائے گا، اس میں اوقات مکروہہ کا استثناء نہیں، حالانکہ عام فقہاء نے اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے؟

الجواب: تعجیل کے بارے میں جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے ایسا ہی منع کے بارے میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت بھی موجود ہے جو کہ صاحب مشکوٰۃ نے ان الفاظ سے نقل کی ہے: عن عقبة بن عامرؓ قال ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلي فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۹۲)
دونوں روایات درجہ کے اعتبار سے مساوی ہیں، لہٰذا ایک روایت کو لے کر دوسری روایت کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ تو احناف نے ایسے وقت میں تطبیق کی صورت نکالی ہے تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو سکے۔ فقہی اعتبار سے ان روایات کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنازہ کا پڑھنا اس وقت فرض ہوتا ہے جس وقت جنازہ حاضر ہو، جیسا کہ فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ وقت کی صحت اور نقصان سے وجوب کی حیثیت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، جہاں کہیں وقت صحیح ہو تو وجوب کامل ہوگا اور جہاں کہیں وقت ناقص ہو تو وجوب ناقص رہے گا۔ کما بین بالتفصیل فی الاصول۔ لہٰذا جنازہ اگر کہیں پہلے سے حاضر ہو تو وجوب کامل کی وجہ سے ایسا جنازہ وقت مکروہ تک مؤخر کرنا ناجائز ہے اور اوقات مکروہہ میں ایسے جنازے کا پڑھنا حضرت علیؓ کی روایت کی رو سے مکروہ ہے لیکن اگر کہیں جنازہ وقت مکروہ میں حاضر ہو تو پھر حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت کی رو سے اوقات غیر مکروہہ تک اس کی تاخیر مکروہ ہے اور وجوب ناقص کی وجہ سے اسی مکروہ وقت میں اس جنازہ کا پڑھنا جائز بلا کراہت ہے۔

لما قال العلامة بدر الدين العينيؒ: لا تجوز الصلوٰة الجنازة في الاوقات الثلاثة المذكورة هذا محمول على جنازة حضرت قبل التغير لان الصلوٰة وجبت حينئذ كاملة

ولا تؤدى بالناقص حتى لو حضرت جنازة فى هذا الوقت جازت الصلوٰة مع الكراهة لانها ادیت ناقصة كما وجبت۔ (البنایة ج۱ ص۸۲۲ کتاب الصلوٰة باب المواقیت) [1]

نمازِ جنازہ کی دعاؤں میں اخفا سنت ہے

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان کے پڑھنے کی مسنون کیفیت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص یہ دعائیں جہراً پڑھے تو کیا جنازہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس میں صرف تکبیرات ارکان ہیں ان کے علاوہ ثناء، درود شریف یا جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ تمام سنت ہیں، اس لیے یہ دعائیں خاموشی سے پڑھنا مسنون ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعائیں جہراً پڑھے تو اس نے خلافِ سنت کا ارتکاب کیا تاہم اعادہ ضروری نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصكفىؒ: ويسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسليمتين ناويا الميت مع القوم ويسر الكل الا التكبير الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱۳ باب الجنائز) [2]

جنازہ کی صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے جبکہ بعض علاقوں میں اس پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ صفیں طاق ہونے تک تکبیر تحریمہ روک دیتے ہیں؟

---

[1] لما قال العلامة الحصكفىؒ: (وكره) تحريمًا (وكل ما لا يجوز مكروه) (صلوٰة) مطلقًا (ولو) قضاءً او واجبة (او نفلًا او) (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو) لا شكر (مع شروق واستواء وغروب الا عصر يومه) ...... لا ينعقد الفرض وما هو ملحق به كواجب لعينه كوتر وسجدة تلاوة وصلوٰة جنازة تليت الآية فى كامل وحضرت الجنازة قبل لوجوبه كاملًا فلا يتأدى ناقصًا فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما اى تحريمًا قال ابن عابدينؒ: قوله (تحريمًا) افاد ثبوت الكراهة التنزيهية۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۷۰ تا ۳۷۴ الاوقات المكروه)

ومثلہ فى مراقى الفلاح وطحطاوى ص۱۰۲ كتاب الصلوٰة، فصل فى الاوقات المكروهة۔

[2] لما فى الهندية: ويخافت فى الكل الا فى التكبير كذا فى التبيين۔ (الهندية ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فى الصلوٰة على الميت)

ومثلہ فى البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ باب صلوٰة الجنازة۔

الجواب: بلاشک نماز جنازہ میں طاق صفوں کی فضیلت روایات سے ثابت ہے لیکن فقہی کتابوں کی عام عبارتیں تین صفوں تک کی نشاندہی کرتی ہیں اس لیے اس کی رعایت بہتر ہے تاہم جنازہ کو اس پر موقوف کرنا اچھا نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: ما من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلثة صفوف من المسلمین الا اوجب۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۷ الفصل الثالث فی المشی الی الجنازۃ) [1]

جنازہ میں قدم شمار کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: کئی علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت امام مسجد چارپائی کے دائیں پاؤں سے شروع ہو کر ہر پاؤں پر دس دس قدم اٹھا کر چالیس قدم پورے کرتا ہے، اور امام کے ہر دس قدم تبدیل کرنے پر دوسرے پاؤں والے بھی تبدیل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض گاؤں میں امام مسجد کے لیے یہ عمل لازمی شمار ہوتا ہے اور ترک کرنے پر لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ از روئے شرع قدموں کا یہ شمار کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قدم شمار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے جنازے کو چالیس قدم تک اٹھایا تو اس کے چالیس بڑے گناہ معاف ہوں گے۔ فقہاء نے اس حدیث پر عمل کی یہ صورت بیان کی ہے کہ چارپائی کے ہر پاؤں کے ساتھ دس دس قدم تک چلنے میں چالیس قدم پورے ہو کر میت کا حق ادا ہو جاتا ہے، لیکن مروجہ طریقے سے قدم شمار کرنے میں کئی قباحتیں سامنے آتی ہیں، مثلاً یہ صرف امام مسجد کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے حالانکہ یہ ہر اٹھانے والے کے لیے ہونا چاہیے، مزید برآں یہ امام کے فرائض میں شمار ہوا، نیز اس میں خصوصی طور پر نیکی اور ثواب کا عقیدہ رکھا جاتا ہے جو زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اس لیے اس لزوم سے اجتناب کیا جائے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واذا حمل الجنازۃ وضع مقدمہا بیمینہ عشر خطوات لحدیث من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ کفرت عنہ اربعین کبیرۃ۔ (الدرالمختار ج۱ ص۹۳۳ الجنائز)

اور حدیث کنز العمال جلد ۱۵ ص... حدیث ۴۲۲۶۵ میں مذکور ہے لیکن اس نے لفظ خطوۃ

---

[1] وقال علامہ ابن عابدینؒ: وینبغی ان یصف ثلثة صفوف۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۲۱۴ باب الجنائز)
ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۴۳ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت۔

ذکر نہیں کیا ہے۔[1]

تعزیت کے لیے چند منٹ کے سکوت کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل عمومی سطح پر جب کسی کی وفات پر اجتماعی سے تعزیت کی جاتی ہے تو اس کے لیے چند منٹ کی خاموشی اختیار کی جاتی ہے، کیا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام نے کسی کی وفات پر میت کے پسماندگان کے غم میں شرکت اور تعزیت کا ایک طریقہ مسلمانوں کو بتایا ہے اور مسلمان اسی طریقہ کے مطابق کسی کے غم میں شرکت اور تعزیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ سوال میں اظہار تعزیت کا درج شدہ طریقہ یہود و ہنود کا ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ یہود و ہنود سے مشابہت کی وجہ سے واجب الترک ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يجلس حتى يوضع في اللحد فكان قائما مع اصحابه على رأس قبر فقال يهودي هكذا نصنع بموتانا فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال خالفوهم۔

(مجمع الزوائد ج۳ ص۲۸ كتاب الجنائز)

ولی کے لیے تیمم جائز نہیں

سوال:- کیا نماز جنازہ کے لیے باوجود پانی کے حصول پر قادر ہونے کے تیمم جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا اس رخصت سے میت کا ولی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے یا غیر ولی کے لیے خاص ہے اور میت کے ولی کے لیے وضو ضروری ہے؟

الجواب:- نماز جنازہ کے لیے تیمم کی اجازت اور رخصت ملنے میں بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ایسی عبادت ہے جس کے فوت ہو جانے سے قضا نہیں کیونکہ تعدد یا نماز جنازہ غیر مشروع ہے۔ لہٰذا جب کسی سے جنازہ فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو معقول عذر کی وجہ سے یہ شخص وضو کی جگہ

---

[1] وقال ابراهيم بن علي: و يستحب من كل جانب عشر خطوات لقوله عليه السلام من حمل اربعين خطوة ... الخ (صغيري ص۲۹۵ كتاب الجنائز)
ومثله في غنية الاوطار ج۱ ص۴۱۵ كتاب الجنائز۔

تیمم کر سکتا ہے لیکن ولی کے مقام قرب اور حیثیت کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ اس کی اجازت پر موقوف ہے جب تک ولی اجازت نہ دے تو کوئی دوسرا شخص جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ لہٰذا اس کے حق میں جنازہ کا فوت ہو جانا متحقق نہیں، اس لیے ولی باقاعدہ وضو کرے وہ تیمم پر اکتفاء نہیں کر سکتا۔

قال علامہ برهان الدین المرغینانیؒ: وتیمم الصحیح فی المصر اذا حضرت جنازة والولی غیره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الصلوٰة لانها لا تقضی ... الخ (الهدایة ج۱ ص۳۳ باب التیمم) ؎۱

میت کے لیے چارپائی کا استعمال کرنا

سوال: اگر کسی مسلمان کی میت چارپائی پر رکھی جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: چارپائی پر میت رکھنا مقصود بالذات نہیں، سہولت کی خاطر اگر میت کو چارپائی پر رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے، جنازہ پڑھنے کے لیے اس کو علیحدہ کرنا ضروری نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ بھی چارپائی پر رکھ کر پڑھی گئی تھی۔

لما ذکر فی مسند امام احمدؒ: عن عبد اللہ بن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیه عن جده عن علیؓ قال لما وضع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی السریر قال لا یقوم علیه احد هو امامکم حیًّا ومیتًا فکان یدخل الناس رسلاً رسلاً فیصلون علیه صفًا صفًا لیس لهم امام ویکبرون۔ (ج۱ ص۸۱) ؎۲

؎۱ وقال علاء الدین الکاسانیؒ: حتی لو حضرته الجنازة وخاف فوت الصلوٰة لو اشتغل بالوضوء تیمم وصلی ... الی قوله حتی لو کان الولی لا یباح له التیمم ... الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۵۱ باب التیمم فصل کیفیة التیمم)

ومثله فی رد المحتار ج۱ ص۲۴۱ باب التیمم۔

؎۲ وفی المشکوٰة المصابیح: وعن نافع ابی غالب قال صلیت مع انس بن مالک علی جنازة رجل فقام حیال رأسه ثم جاؤا بجنازة امرأة من قریش فقالوا یا ابا حمزة صل علیها فقام حیال وسط السریر فقال له العلاء بن زیاد هکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قام علی الجنازة مقامک منها ومن الرجل مقامک منه قال نعم۔ (ص۱۴۶)

ومثله فی الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۱۵۸ کتاب الجنائز۔

جنازہ میں میت کی چارپائی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں

سوال:- نمازِ جنازہ میں جس جگہ میت کی چارپائی رکھی جاتی ہے کیا اس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- میت کی چارپائی کی جگہ کو پاک ہونا جنازہ کی صحت کی شرائط میں سے نہیں اس لئے یہ جگہ اگر پاک نہ ہو تو جنازہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة ابن عابدین: وفی التاتارخانیة سئل قاضی خان عن طہارة مکان المیت هل تشترط لجواز الصلوة علیه قال ان کان المیت علی الجنازة لاشک انه یجوز والا فلا روایة لهذا وینبغی الجواز۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۸۴ مطلب فی صلوة الجنازة)[1]

دعا بعد جنازہ کی شرعی حیثیت

سوال:- بعض علاقوں میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد فوراً امام قوم کی طرف رخ کرکے ہاتھ اٹھا کر قوم کی معیت میں ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا مانگتے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں اجتماعی دعا کی اہمیت اتنی بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعا نہ کرے تو اس کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ بعض علاقوں میں خود علماء کرام کی طرف سے ایک دوسرے کو سب وشتم تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ از روئے شرع اس کیفیت سے دعا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- دعا بعد جنازہ بہیئت اجتماعی کا حکم بیان کرنے سے قبل چند مقدمات کی طرف توجہ دینی ضروری ہے۔ (۱) پہلا مقدمہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ بذاتِ خود دعا ہے، امام قوم کی معیت میں مرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مغفرت اور رفع درجات کے لیے سفارش کرتا ہے۔ (۲) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعت میں عمل کا وہی طریقہ معتبر ہوگا جس کی اجازت شریعت نے دی ہو، اگر کہیں شریعت کے عمل مسنونہ کی شرعی حیثیت کسی ایسی حرکت سے مجروح ہوتی ہو تو ایسی حرکت سے اجتناب ضروری ہے۔ (۳) تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ میت کیلئے اس کے پسماندگان جب

---

۱ وقال العلامة ابن نجیم: وقید المصنف بطهارة المیت احترازاً عن طهارة مکانه قال فی الفتاوی الخانیة ان کان علی جنازة لاشک انه یجوز وان کان بغیر جنازة لا روایة لهذا وینبغی ان یجوز لان طهارة مکان المیت لیس بشرط لانه ممنوعة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۷۹)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت۔

صدقِ نیت سے دعا کریں تو اس کا فائدہ یقیناً میت کو پہنچتا ہے۔

ان تین مقدمات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میت کے لیے جب بھی کوئی دعا مانگی جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی فائدہ اُسے پہنچتا ہے لیکن مقدمہ ثانیہ کی رُو سے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کو کسی ایسی حرکت سے محفوظ رکھے جس سے اس کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہو۔ مقدمہ اولیٰ کی رُو سے جب جنازہ خود دعا ہے تو سلام پھیرنے کے ساتھ ہی یہ دعا ختم ہو جاتی ہے، سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ دعا مانگنے سے لازمی طور پر عمل متوارثہ یعنی جنازہ پر زیادت کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ لوگ صفوں میں ایسی تو جہت کھڑے رہتے ہیں جیسا کہ جنازہ کی تکبیر ادا ہو رہی ہو لہٰذا اس اشتباہ سے بچنے کے لیے ایسی کیفیت پر دعا کرنے سے اجتناب ضروری ہے خاص کر جب اہتمام کی حالت یہ ہو کہ ایسی رسمی دعا میں شرکت نہ کرنا موجبِ عار سمجھا جاتا ہے، البتہ اگر بغیر کسی لزوم والتزام کے ایسے وقت میں دعا کی جائے کہ صفیں توڑ دی گئی ہوں تو بعد کسر الصفوف اشتباہ نہ رہنے اور کسی اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر اس کو کہیں جنازہ کا جزو قرار دیا جائے تو اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

قال طاهر بن عبد الرشيد البخاري: لا يقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة ... الخ

(خلاصة الفتاوى ص۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون في الجنائز۔ نوع منه)[1]

میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا

سوال:۔ میت کے قریب وجوار میں بیٹھے ہوئے لوگ اگر ہر قسم کے ناموافق حالات ہوتے ہوئے قرآن کی تلاوت کریں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر میت کو غسل دے کر کفنانے کے بعد اس کے پاس قرآن کی تلاوت کی جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے البتہ غسل دینے سے پہلے تلاوت کرنے کو اکثر کتابوں میں مکروہ لکھا ہے لیکن علامہ علاؤ الدین فرماتے ہیں کہ میت قبل از غسل محدث تو ضرور ہے لیکن نجاست یقینی نہیں اس لیے قبل الغسل بھی قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدين الحصكفي: ويقرأ عنده القرآن الى ان يرفع

---

[1] قال ملا علی قاری: ولا يدعو للميت بعد صلوٰة الجنازة لانه يشبه الزيادة في صلوٰة الجنازة۔ (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ج۴ ص۳۶۹ كتاب الجنائز)

ومثله في تجهيز الجنازة ص۱۰۱ كتاب الجنائز۔

افی الغسل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۹۲ باب الجنائز) ے

شرکائے جنازہ کا ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے

سوال:۔ بعض جگہوں میں جنازہ اٹھاتے وقت شرکاء راستے میں زور زور سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ذکر کرتے ہیں کیا راستے میں یہ ذکر کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ دل میں ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن صورت مذکورہ میں بلند آواز سے ذکر کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندية: ويكره رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن۔ وفيه ايضاً فان اراد ان يذكر الله يذكره فی نفسه (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۶۲ الفصل الرابع فی حمل الجنازة) لـه

تجہیز و تدفین میں تاخیر کرنا

سوال:۔ تجہیز و تدفین میں دور دراز رہنے والے رشتہ داروں کی آمد کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟ جبکہ بعض اوقات دوسرے شہروں سے اعزہ و اقرباء کے پہنچنے تک کافی انتظار کرنا پڑتا ہے؟

الجواب:۔ عام طور پر اموات کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں بغیر کسی معقول عذر کے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی معقول شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لما روی عن النبی صلی الله عليه وسلم قال یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفواً۔ (مشكوة شريف ص۶۱) لـه

لـه وقال العلامة ابن عابدين فی منحة الخالق: وتكره قراءة القرآن عنده الى ان يغسل ...الخ (منحة الخالق حاشية البحر الرائق ج۲ ص۱۸۱)

لـه وقال ابن نجيم: ويكره رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن وغيرها فی الجنازة الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۲ باب صلوة الجنازة)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۱ فصل الكلام فی حمله علی الجنازة۔

لـه وقال عبد الله التمرتاشی: وكره تاخير صلوته ودفنه ليصلی عليه جمع عظيم۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۳۲ كتاب الجنائز)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص... باب الجنائز۔

عورت کی تدفین میں غیر محارم کی شرکت

سوال :۔ کیا کوئی غیر محرم شخص کسی عورت کے جنازہ کو کندھا دے کر اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح تدفین کے وقت قبر میں اتارنے میں غیر محرم شخص کی شرکت اور تعاون کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ جہاں تک فوت شدہ عورت کی چارپائی اٹھانے کا مسئلہ ہے اس میں محارم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ باپردہ ہونے کے بعد اجنبی اشخاص بھی اٹھا سکتے ہیں۔ امہات المومنینؓ کی ڈولیاں باقاعدہ صحابہ کرامؓ اٹھایا کرتے تھے۔ اور قبر میں اتارنے کے وقت جب تک محارم موجود ہوں تو یہ ذمہ داریاں محارم خود نباہ لیا کریں، البتہ جب محارم موجود نہ ہوں تو پھر غیر محارم بھی ضرورت کے وقت یہ ذمہ ادا کر سکتے ہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ : ذوالرحم المحرم بادخال المرأة القبر من غيره لانه يجوز له مسها حالة الحياة فكذا بعد الموت وكذا ذوالرحم المحرم منها اولى من الاجنبى ولو لم يكن فيهم ذورحم فلا بأس للاجانب وضعها فى قبرها. الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۲۰) ۔[1]

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال :۔ ہمارے علاقہ میں ایک شخص کی نماز جنازہ ایسی جگہ پڑھائی گئی کہ قبر جنازہ سے ایک گز کے فاصلے پر واقع تھی، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :۔ شریعت مقدسہ کا حکم ہے کہ کسی ایسی جگہ نماز جنازہ پڑھنا جہاں قبر یا قبور ہوں مکروہ ہے، احناف نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے، تاہم اگر قبریں اتنی دور ہوں کہ نمازیوں کو نظر نہ آئیں یا دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس صورت میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ حضرت عائشہؓ سے قبر کے ہونے ہوئے بھی نماز جنازہ جائز ہے۔

قال ابو حنيفةؒ ولا ينبغى ان يصلى على ميت بين القبور وكان على وابن عباسؓ يكرهان ذلك فان صلوا اجزءهم ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵ باب الجنائز) ۔[2]

---

[1] وفى الهندية : ذوالرحم المحرم اولى بادخال المرأة من غيرهم وكذا ذوالرحم غير المحرم اولى من الاجنبى فان لم يكن فلا بأس للاجانب وضعها ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۶ الفصل السادس فى الدفن) وكذا فى البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۳ باب الجنائز ۔

[2] قال العلامة الكاسانىؒ : قال ابو حنيفةؒ ولا ينبغى ان يصلى على الميت بين القبور ۔ (بدائع والصنائع ج ۱ ص ۳۱۵ كتاب الجنائز) ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہ کی شرکت

سوال:- کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہ شریک ہوئے تھے؟

الجواب:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں چاروں خلفاء کی شرکت کا روایات سے ثابت ہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقالا السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعهما نفر من المهاجرین والانصار قدر ما یسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر الخ (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۰) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی تحقیق

سوال:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کیسے پڑھا گیا۔ آپ چونکہ گناہوں سے پاک تھے اس لیے آخری تکبیر میں آپ کے لیے کیسی دعا مانگی گئی؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں باقاعدہ امامت کا ثبوت نہیں اور نہ کسی کو امام بننے کی عزت ہوئی بلکہ صحابہؓ جماعت در جماعت حجرہ عائشہؓ میں داخل ہو کر آپ کا جنازہ پڑھتے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا جنازہ ادا کیا گیا اور عام دعا کی بجائے مندرجہ ذیل کلمات پڑھے گئے۔

قال العلامۃ الزرقانیؒ: ومنها انه صلی علیه الناس افواجا افواجا روی الترمذی قالوا لابی بکر أنصلی علی رسول اللہ قال نعم قالوا فکیف نصلی قال یدخل قوم فیصلون ویدعون ثم یدخل القوم فیصلون فیکبرون ویدعون فرادیٰ الخ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۹) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن کثیر رحمہ اللہ: قال الواقدی حدثنی موسیٰ بن محمد بن ابراهیم قال وجدت کتابا بخط ابی فیه انه لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر الخ (البدایۃ والنهایۃ ج ۵ ص ۲۳۲)

[2] وفیه ایضا: ویغنی عن دعاء الجنازۃ المعروف عن علی انهم کانوا یکبرون ویقولون السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ اللهم انا نشهد ان محمدا قد بلغ ما انزل علیه ونصح لامته وجاهد فی سبیلک حتی اعز اللہ کلمته۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۹)

مسائلِ شتّٰی بابُ الجنائز

(جنازے کے مختلف مسائل واحکام)

میت کو کنگھی کرنا یا سرمہ لگانا ناجائز ہے

سوال: بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کو کنگھی کرتے اور سرمہ وغیرہ لگاتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: مرنے کے بعد میت کی زینت کے لیے اسے سرمہ لگانا اور کنگھی وغیرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: التزین بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا یجوز۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ باب الجنائز تحت مطلب [illegible] ولیس منقطع [illegible])

میت کو غسل دینے کے لیے تختہ پر لٹانے کا طریقہ

سوال: میت کو غسل دیتے وقت کس رخ پر لٹانا کس طرف کرنا مسنون ہے؟

الجواب: حضرات فقہاء کرام نے میت کو غسل کے لیے تختے پر لٹانے کے دو طریقے لکھے ہیں: ۱۔ میت کے پاؤں کو قبلہ رخ کرکے تختہ پر رکھا جائے ۲۔ عرضاً قبلہ رخ ایسے رکھا جائے جیسا کہ میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے، یہ دونوں طریقے جائز ہیں البتہ دوسرا طریقہ مستحسن ہے۔

قال فی الهندية: وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كما في حالة المرض إذا أراد الصلوٰة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع كالوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۵۸)

[illegible] قوله ولا يسرح شعره ولحيته ولا يقص ظفره وشعره (لأنه للزينة وقد استغنى عنها) وظاهره أن هذا الصنيع لا يجوز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۳ کتاب الجنائز)

ومثله فی امداد الفتاوی ج ۱ ص ۷۸ باب الجنائز۔

۲. قال الشیخ العلامة ظفر احمد العثمانی: غسل کے وقت تختہ پر مردہ کو [illegible] پاؤں [illegible] کی طرف یا قبلہ کی طرف [illegible] اور دونوں صورتیں جائز ہیں [illegible] ... مگر [illegible] حدیث میں آیا ہے [illegible]۔

(امداد الفتاوی ج ۱ ص ۴۹۵ باب جنائز)

نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے وصیت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ فلاں شخص ہی میری نمازِ جنازہ پڑھائے، کیا ایسی وصیت پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میت کی اس قسم کی وصیت ناقابلِ عمل ہے، اس لیے کہ مرنے کے بعد اس کی وصیت باطل ہو جاتی ہے، نمازِ جنازہ جو بھی پڑھائے ادا ہو جائے گی۔

وفی الھندیۃ: وفی الکبریٰ: المیت اذا اوصی بان یصلی علیہ فلان فالوصیۃ باطلۃ وعلیہ الفتویٰ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۶۳ کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت) لہ

نمازِ جنازہ میں درود شریف کا پڑھنا

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں کون سا درود شریف پڑھنا زیادہ مناسب ہے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ میں وہ درود شریف پڑھنا چاہیے جو پنج وقتہ فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے یعنی درود ابراہیمی مراد ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ ویصلی علی النبی کما فی التشہد ای المراد الصلوۃ الابراہیمیۃ التی یاتی بہا المصلی فی قعدۃ التشہد۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۲۲ کتاب الجنائز مطلب ھل تسقط فرض الکفایۃ بفعل الصبی وحدہ) ۲

قبر میں میت کے صرف چہرے کو قبلہ رخ کرنا چاہیے

سوال:۔ یہاں ہمارے علاقے میں میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو صرف اس کے چہرے کو قبلہ رخ کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا مسنون ہے یا پورے بدن کو قبلہ رخ کرنا مسنون ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں میت کے چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم ہے اور

لہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: والفتویٰ علی بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلوۃ علیہ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص[illegible] کتاب الوصایا)

ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۲۱۹ کتاب الجنائز مطلب تعظیم اولی الامر واجب۔

۲ لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: والمراد بالصلوۃ الصلوۃ علیہ فی التشہد وھو الاولیٰ۔
(البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ کتاب الجنائز)

ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۴۸۶ رابعاً: ارکان صلوۃ الجنازۃ الخ

یہ امر دونوں صورتوں میں پورا ہو سکتا ہے، تاہم دائیں کروٹ لٹا کر قبلہ رخ کرنا بہتر ہے اگرچہ چت لٹا کر قبلہ رخ کرنا بھی جائز ہے۔

وفی الهندية: ویوضع فی القبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۶۶ الباب الحادی والعشرون) لـه

نماز جنازہ میں سلام بھول جانا

سوال: اگر نماز جنازہ میں کسی سے سلام پھیرنا بھول جائے تو کیا اس سے نماز جنازہ متاثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نماز جنازہ میں سلام پھیرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب، اس لیے بھول کر سلام نہ پھیرنے کی صورت میں نماز جنازہ متاثر نہیں ہوتی۔

لما قال العلامة الحصكفي: صلوة الجنازة ورکنها شیئان التکبیرات الاربع والقیام، وسنتها ثلاثة التحمید والثناء والدعاء فیها۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج۱ ص۸۲۴ باب الجنائز) لـه

شوہر بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا

سوال: کیا شوہر اپنی بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں جبکہ عورت کے محرم موجود ہوں؟

الجواب: خاوند کے لیے اپنی بیوی کو مرنے کے بعد ہاتھ لگانا شرعاً ممنوع ہے لہٰذا محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں خاوند بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا۔

لما قال العلامة الحصكفي: ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الاصح منیة، وقالت الائمة الثلاثة یجوز لان علیا غسل فاطمة قلنا هذا محمول علی بقاء الزوجية۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج۱ باب الجنائز) لـه

لـه لما قال العلامة الحصكفي: ویوجه الیه وجوبا وینبغی کونه علی شقه الایمن ولا ینبش لیوجه الیها۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج۱ باب صلوة الجنائز)

ومثله فی امداد الفتاوی ج۱ کتاب الجنائز

لـه قال العلامة ... علی نفقة نوری: وفی الدر المختار صلوة الجنازة ورکنها شیئان التکبیرات الاربع والقیام وسننها ثلاثة التحمید والثناء والدعاء فیها۔ (امداد الفتاوی ج۱ باب الجنائز)

لـه لما قال الشیخ وهبة الزحیلی: قال الحنفية لا یجوز للرجل غسل زوجته ومسها لانقطاع النکاح ویجوز له النظر الیها فی الاصح۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۲ باب صلوة الجنازة ثانیا صفة الغاسل)

ومثله فی امداد الفتاوی ج۱ باب الجنائز۔

بیوی کی وفات پر شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا

سوال: کیا بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: علماء کا اپنی بیوی کو غسل دینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لیے حنفیہ کی تحقیق کے مطابق بیوی کی وفات کے بعد چونکہ دونوں کا نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اس لیے شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

قال العلامة الحصكفیؒ: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الجنائز مطلب فی حديث كل سبب الخ)[1]

بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

سوال: کیا عورت اپنے خاوند کو مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شوہر کے مرنے کے بعد دونوں کا نکاح من کل الوجوہ ختم نہیں ہوتا، عورت ایام عدت میں من وجہ شوہر کے نکاح میں ہوتی ہے اس لیے شوہر کے مرنے کے بعد وہ اسے غسل دے سکتی ہے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: وهي لا تمنع من ذلك. قال ابن عابدينؒ: (قوله وهي لا تمنع من ذلك) أي من تغسيل زوجها دخل بها أو لا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الجنائز مطلب فی حديث كل سبب الخ)[2]

شوہر بیوی کو کفن نہیں پہنا سکتا

سوال: کیا کوئی شوہر اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اسے کفن پہنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیوی کے مرنے کے بعد میاں بیوی دونوں کا رشتہ ازدواج ختم ہو جاتا ہے

---

[1] قال الشيخ وهبة الزحيلي: قال الحنفية لا يجوز للرجل غسل زوجتها ومسها لانقطاع النكاح وبعدها، له النظر إليها في الأصح لا يشترط غض من المس۔
(الفقه الإسلامي وأدلته ج ۲ ص ۴۸۲ کتاب الجنائز)

[2] قال العلامة ابن نجيمؒ: والزوجة تغسل زوجها دخل بها أو لا بشرط بقاء الزوجية عند الغسل۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۶ باب الجنائز)

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويقدم في الصلاة عليه السلطان إن حضر أو نائبه وهو أمير المصر ثم القاضي ثم صاحب الشرط ...... ثم إمام الحي فيه إيهام وذلك أن تقديم الولاة واجب وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي ...... ثم الولي الخ.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰ كتاب الجنائز، مطلب في بيان من هو أحق بالصلاة على الميت) ۱ه

جنازہ اٹھانے سے قبل اجتماعی دعا کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ جنازہ اٹھانے سے قبل قریب کی مسجد کے امام صاحب بآواز بلند میت اور اس کے اہل خانہ کے لیے دعا کرتے ہیں اور حاضرین بآواز بلند آمین کہتے ہیں دعا ختم ہونے کے بعد جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ میت اور اس کے اہل خانہ کے لیے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، جنازہ اٹھانے سے قبل اور اس کے بعد انفرادی طور پر دعا کی جا سکتی ہے، البتہ اجتماعی طور پر بآواز بلند امام مسجد کا دعا کرنا اور حاضرین کا آمین کہنا سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں دعا کا درج شدہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں۔

لما في الهندية: يكره أن يقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلاة ويدعوا للميت ويرفع صوته. (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۱۹ كتاب الكراهية) ۲ه

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے

سوال:۔ قبرستان میں جا کر وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت و شرک کہتے ہیں؟

۱ه ما قال الشيخ وهبة الزحيلي: الرأي الأول للحنفية: السلطان إن حضر أو نائبه أحق بالصلاة على الميت بسبب السلطنة ولأن في التقدم عليه ازدراء به، فإن لم يحضر فالقاضي لأنه صاحب ولاية، فإن لم يحضر فيقدم إمام الحي لأنه رضيه في حياته. (الفقه الإسلامي وأدلته ج ۲ ص ۴۸۳ كتاب الجنائز، ثانيا من هو الأولى بالصلاة)

۲ه قال العلامة المفتي عبد الرحيم: الجواب: ہر ایک کو انفرادی طور پر دعا کرنے کی اجازت ہے سب کا مل کر دعا مانگنے کا دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نیز سلف صالحین کے عمل اور طریقہ کے خلاف ہے لہٰذا سوال میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۴۲ کتاب الجنائز)

الجواب:۔ قبرستان میں کھڑے ہو کر اہل قبور کے لیے دعا کرنا ثابت ہے اور بعض دعا میں ہاتھ اٹھانا تو آداب دعا میں سے ہے لہٰذا قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے بدعت کہنا درست نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ومن آدابها ان یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح لا علیک السلام فانه ورد ... ثم یدعو قائماً طویلاً وان جلس یجلس بعیداً او قریباً بحسب مرتبته فی حال حیاته. (رد المحتار ج۲ ص۲۴۲ کتاب الجنائز مطلب فی زیارۃ القبور)[۱]

سوال وجواب کا سلسلہ میت کو دفنانے کے بعد ہوگا

سوال:۔ بعض لوگ غیر ممالک میں فوت ہو جاتے ہیں اور ان کی میت کو اپنے وطن لانے میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں تو عرض ہے کہ ایسی اموات سے سوال جواب کب ہوگا؟ کیا فوت ہونے کے بعد پہلی رات جو بغیر دفنائے ہوئے گذرے اسی رات میں سوال وجواب ہوگا یا میت کو دفنانے کے بعد ہوگا؟

الجواب:۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ میت سے سوال وجواب کا وقت میت کے دفن کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے جب تک میت کو دفن نہ کر دیا جائے اس وقت کوئی سوال وجواب نہیں ہوتا۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسؤال فی القبر یاتی ان مات ولم یدفن ایاما بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر لا یسئل ما لم یدفن۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۲۶ کتاب الجنائز)[۲]

---

[۱] وقال الشیخ العلامة اشرف علی التھانویؒ: وفی رد المحتار آداب زیارة القبور ثم یدعو قائماً طویلاً۔ اس سے دعا کا جواز صراحۃً ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا۔ (امداد الفتاوی ج۱ ص۶۷۲ باب الجنائز)

[۲] وقال العلامة عبد الرحیم لاجپوریؒ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دفن کے بعد سوال ہوتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ جلد ۵ ص۸۶ باب احکام الجنائز)

دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو غسل دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص دریا میں ڈوب کر مر جائے تو کیا پانی سے نکالنے کے بعد بھی اسے غسل دیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ ہر مسلمان کو فوت ہو جانے کے بعد غسل دینا ضروری ہے چاہے وہ خشکی پر مرا ہو یا پانی میں ڈوب کر فوت ہوا ہو ، تاہم اگر پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے میت کو تین غوطے دیئے جائیں تو اتنا ہی کافی ہے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ۔

قال العلامة فخرالدین الشهیر بقاضی خان : الغریق یغسل ثلاثا فی قول ابی یوسفؒ وعن محمدؒ فی روایة ان نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلاثا وعنه فی روایة یغسل واحدة۔

(فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۹۰ کتاب الجنائز)[1]

آب زمزم سے دھوئے ہوئے کفن کے استعمال کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ! ایک صاحب سے سنا ہے کہ زمزم کے پانی سے دھوئے ہوئے کپڑے کا کفن استعمال کرنا صحیح نہیں اس میں سوء ادب ہے جس طرح اس پانی سے استنجاء وغیرہ کرنا مکروہ ہے تو اسی طرح اس سے کفن کے لیے کپڑے کو دھونا بھی کراہت سے خالی نہیں ہے ، کیا واقعی مسئلہ کی نوعیت اسی طرح ہے ؟

الجواب:۔ برکت کے حصول اور عذاب سے نجات کے لیے کوئی متبرک چیز اپنے پاس رکھنا یا اس کو استعمال کرنا بلا غرض ہے اسی طرح آب زمزم سے تر شدہ کفن استعمال کرنا بھی جائز ہے ۔

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ : والغریق یغسل ثلاثا عند ابی یوسفؒ وعن محمدؒ اذا نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلاثا وفی روایة یغسل مرة واحدة ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۱ کتاب الجنائز)

قال العلامة اسماعيل حقي البروسوي: قال في الاسرار المحمدية لو وضع شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم او عصاه او سوطه على قبر عاص نجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها۔

(تفسير روح البيان بحواله فتاوى رحيمية ج ا ص۳۶۲ كتاب الجنائز)[1]

جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ دور حاضر میں بعض کم فہم اہل علم کے لوگ جوتوں سمیت ہی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں، تو کیا جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر جوتے پاک صاف اور ستھرے ہوں تو جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے اور اگر جوتے نجس اور ناپاک ہوں تو ناپاک جوتوں کے ساتھ نماز جنازہ یا اور بھی کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت وبهذا يعلم ما يفعل في زماننا من القيام على النعلين في صلوة الجنازة لكن لا بد من طهارة النعلين۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۱۸۹ كتاب الجنائز)[2]

---

[1] قال العلامة المفتي عبد الرحيم لاجپوری: ہاں حصول برکت کی غرض سے آب زمزم میں تر کر کے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں اس میں سوء ادب جیسی کوئی چیز نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ج ا ص۳۶۳ کتاب الجنائز)

[2] قال العلامة المفتی عبد الرحیم لاجپوری: جوتا پہن کر یا جوتیاں نکال کر ان پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں جوتیوں کا پاک ہونا ضروری ہے اگر جوتے پاک نہ ہوں گی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

(فتاوی رحیمیہ ج ا ص۳۵۳ کتاب الجنائز)

نفل نماز پڑھنے کے دوران جنازہ حاضر ہونے پر نماز توڑنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص نفل نماز کی نیت کرکے کھڑا ہو کہ اسی دوران کوئی جنازہ حاضر ہو جائے تو کیا یہ شخص اب نفل نماز توڑ کر جنازہ میں شریک ہو جائے یا نماز پوری کرے؟

الجواب: نماز جنازہ ایک ایسی نماز ہے کہ اس کی کوئی قضاء نہیں لہٰذا اگر متنفل (نفل نماز پڑھنے والے) کو نماز جنازہ کے فوت ہو جانے کا یقین ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ نفل نماز ختم کرکے نماز جنازہ میں شریک ہو جائے اور اگر اسے یہ یقین ہو کہ نفل نماز مکمل کرکے جنازہ میں شریک ہو سکے گا تو نفل نماز کو پورا کرے۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصکفیؒ: او کان فی النفل فجیٔ بجنازة وخاف فوتها قطعه لامکان قضائه۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۱ باب النوافل)[1]

غلطی سے جنازہ الٹا رکھ کر اس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر غلطی سے جنازہ الٹا رکھا گیا ہو یعنی میت کا سر جنوب کی طرف اور پاؤں شمال کی طرف ہو گئے ہوں اور اس حالت میں جنازہ کی نماز بھی اس پر پڑھی گئی ہو تو کیا غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد اس پر دوبارہ نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ میت کا سر شمال اور پاؤں جنوب کی طرف کرکے جنازہ رکھا جائے جان بوجھ کر قصداً و عمداً الٹا رکھنا کراہت سے خالی نہیں لیکن اگر سہواً ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ نماز دہرانے کی ضرورت ہے۔

قال العلامة السيد احمد الطحطاویؒ: وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين واساؤا ان تعمدوا۔ (طحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص ۳۸۰ کتاب الجنائز)[2]

---

[1] قال المفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ: نماز جنازہ کے چھوٹ جانے کا خوف ہو تو نماز میں شامل ہونے کی غرض سے نفل نماز توڑ سکتے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۶۱ باب احکام الجنائز)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا اخطئوا بالرأس ووضعوه فی موضع الرجلين وصلوا عليها جازت الصلوة قال فعلوا ذلك عمداً جازت صلاتهم وقد اساؤا اذا تعمد۔ (فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص ۱۶۶ باب الجنائز المتفرقات)

قبرستان سے سبز گھاس ختم کرنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض لوگ محرم الحرام کے مہینے میں اپنے رشتہ داروں کی قبروں سے سبز گھاس وغیرہ جڑ سے اکھیڑتے ہیں اور ان پر نئی مٹی ڈالتے ہیں، شرعاً اس سبز گھاس کو ختم کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- سبز گھاس اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد بیان کرتی ہے اس لیے اسے قبروں سے ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے لیے خصوصاً محرم الحرام کا تعین تو اور زیادہ قبیح عمل ہے البتہ خشک گھاس کو رخصت ہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وکرہ قطع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرة لانه مادام رطبا یسبح الله تعالیٰ فیؤنس المیت وتنزل بذکر الله تعالیٰ الرحمة ولا بأس بقلع الیابس منهما الحشیش والشجر لزوال المقصود۔

(مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۳۳۲ کتاب الجنائز)[1]

قبرستان میں خشک گھاس کو آگ لگانے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قبرستان میں جب بھی گھاس خشک ہو جاتی ہے تو لوگ اسے آگ لگا دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام نے قبرستان میں آگ کے جلانے سے منع کیا ہے اس لیے خشک گھاس صاف کرنے کے لیے اسے آگ نہ لگائی جائے بلکہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔

قال الشیخ المفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ:- جب قبرستان میں آگ لے کر جانے کی ممانعت ہے تو قبروں کے اوپر کی گھاس وغیرہ جلانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے، صفائی کے لیے دوسری تدبیر عمل میں لائی جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج۵ ص۱۰۳ باب احکام الجنائز)

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرة الا اذا کان یابساً ولا یستحب قطع الحشیش الرطب۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۶ باب الجنائز)

ومثله فی فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۱۷۵ باب الجنائز المتفرقات۔

میت کو دفن کرتے وقت اس کا منہ غلط سمت ہو جانے پر قبر کو دوبارہ کھولنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک واقعہ پیش آیا ہے وہ یہ کہ ایک میت کو دفن کرنے والوں سے سہواً میت کا منہ قبلہ رُخ کی بجائے مشرق کی جانب رہ گیا ہے، اب مٹی وغیرہ ڈالنے اور قبر برابر کرنے کے بعد یاد آیا کہ میت کا منہ تو قبلہ رُخ کرنا چاہیئے تھا، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اب قبر کو دوبارہ کھول کر میت کا منہ قبلہ رُخ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان میت کو دفن کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے وقت میت کا رُخ قبلہ کی طرف کیا جائے لیکن اگر غلطی سے میت کا رُخ قبلہ کی جانب نہ ہو سکے اور مٹی وغیرہ ڈالنے کے بعد یاد آئے تو اب قبر کو دوبارہ کھولنے کی ضرورت نہیں، تاہم اگر مٹی ڈالنے سے قبل یاد آجائے تو پھر مناسب یہ ہے کہ میت کا رُخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: لو دفن مستدبراً لها واهالوا لتراب لاینبش لان التوجیه الی القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ما اذا کان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۴ کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت)[1]

---

[1] وما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: افاد کلام المصنف انه لو وضع لغیر القبلة او علی شقه الایسر او جعل راسه فی موضع رجلیه او دفن بلا غسل واهیل علیه التراب فانه لاینبش قال فی المبسوط لان النبش حرام۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵ باب الجنائز)

ومثله فی فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص ۱۶۵ باب الجنائز المتفرقات۔

دفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا سوال:۔ میت کو کفن دینے سے پہلے یا بعد اس کا چہرہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دفن سے پہلے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے، چاہے کفن دینے سے پہلے ہو یا کفن دینے کے بعد ہو۔

لما فی الھندیۃ: ولا بأس بان یرفع ستر المیت لیری وجھہ وانما یکرہ ذلک بعد الدفن، کذا فی القنیۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۱ کتاب الکراھیۃ، الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور وقرأۃ القرآن فی المقابر)

دو قبروں میں سے میت کو کس قبر میں دفن کی جائے سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک عورت فوت ہوگئی ہے، شوہر والوں نے ایک جگہ قبر تیار کی اور اس کے بھائیوں نے دوسری جگہ، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس عورت کو کس قبر میں دفن کیا جائے؟

الجواب:۔ فتنہ اور فساد سے دور رہتے ہوئے جہاں چاہیں مرحومہ کو دفن کر دیں شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

رشتہ داروں کی قبریں ایک ساتھ ہونے کا حکم سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے سخت بیماری کی حالت میں وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اپنے بھائی کے قریب دفن کیا جائے، تو کیا ان کی وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے یا قبرستان میں جہاں جگہ ملے دفن کردیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں اقارب اور رشتہ داروں کو ایک جگہ قریب قریب دفن کرنا مستحب ہے اس سے رشتہ داروں کا قبروں کی زیارت میں آسانی ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی خواہش فرمائی تھی اور عملاً کر کے دکھایا بھی ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن المطلب بن ابی وداعۃ قال لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازتہ فدفن فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا ان یأتیہ بحجر فلم یستطع حملھا فقام الیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... فوضعھا عند رأسہ وقال اعلم بھا قبر اخی وادفن الیہ من مات من اھلی۔

(مشکوۃ ص۱۴۹ کتاب الجنائز باب دفن المیت)

منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کسی پرویزی یعنی منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ پڑھنا، پڑھانا یا اس میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:- احادیثِ مبارکہ کو حجت ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس کی حجیت کا انکار کرنا کفر ہے۔ اس لیے علماءِ امت نے پرویزی فرقے کے معتقدین کو خارج عن الاسلام قرار دیا ہے۔ چونکہ نمازِ جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا ضروری اور شرط ہے جو صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے، اس لیے کسی پرویزی (منکرِ حدیث) کی نمازِ جنازہ پڑھنا، پڑھانا یا اس میں شرکت کرنا ناجائز و حرام ہے۔[1]

لقولہ تعالیٰ: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۸۴)

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ (التوبہ ۱۱۳)

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:- زید بیرونِ ملک فوت ہوا، وہاں اس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی جس میں اس کے بیٹوں نے بھی شرکت کی۔ جب میت اس کے آبائی گاؤں لائی گئی تو اس کے دوسرے ورثاء نے اصرار کیا کہ ہم یہاں دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً ان کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:- جب مسلمان میت پر اس کے ولی کے ہوتے ہوئے ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو دوبارہ (جبکہ ولی موجود ہو یا شریک ہو) نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ اس لیے کہ ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

---

[1] لما قال العلامۃ علاء الدین الحصکفیؒ: وشرطها ستة: اسلام المیت وطهارته ما لم یهل علیه التراب فیصلی علی قبره بلا غسل۔
(رد المحتار ج۱ ص۶۴۳ باب الجنازۃ، مطلب فی صلوٰۃ الجنازۃ)
ومثلہ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۱۸ باب الجنائز۔

لما قال العلامة المرغيناني: وان صلى غير الولي او السلطان اعاد الولي يعني ان شاء لما ذكرنا ان الحق للاولياء وان صلى الولي لم يجز لاحد ان يصلي بعده لان الفرض يتأدى بالاول والتنفل بها غير مشروع۔

(الهداية ج ۱ ص ۱۶۲ كتاب الجنائز) ؎

میت کا قبر میں قبلہ رخ ہونا ضروری ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں قبریں شمالاً جنوباً کھودی جاتی ہیں، کیا ہر جگہ یہی حکم ہے یا نہیں؟ شرعی مسئلہ سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: میت کو قبر میں رکھتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس کا چہرہ قبلے کی طرف ہو، چاہے قبلہ شمالاً جنوباً ہو یا شرقاً غرباً، میت کے چہرے کا قبلہ کی طرف ہونا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويوجه اليها وجوباً وينبغي كونه على شقه الايمن ولا ينبش ليوجه اليها. قال ابن عابدين رحمه الله: قوله وجوباً ان ظاهره التسوية بين الحياة والموت في وجوب استقباله۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۶ كتاب الجنائز، مطلب في دفن الميت) ؎

؎ لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ان فلا يصلي عليها ان يعيد مع الولي لان تكراره غير مشروع۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳ كتاب الجنائز)

؎ لما في الهندية: ويستحب ان يدخل الميت مما يلي القبلة وذلك ان يوضع في جانب القبلة من القبر ويحمل الميت منه ويوضع في اللحد فيكون الآخذ له مستقبل القبلة حالة الاخذ، كذا في فتح القدير ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله كذا في المتون ويوضع في القبر على جنبه الايمن مستقبل القبلة كذا في الخلاصة۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۶ كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن...الخ)

ومثله في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص ۱۹۲ باب غسل الميت...الخ

باب فی حکم الشہید

(شہید کے احکام و مسائل)

شہید کی حقیقت

سوال: شریعتِ محمدی کی رُو سے ہم کس کو شہید کا نام دے کر بغیر غسل دیئے کے دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب: شہید کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے (۱) اُخروی شہید (۲) دنیوی شہید۔ اول الذکر شہید کا دائرہ وسیع ہے لیکن احکامِ شہید کے اجراء کے لیے دنیاوی شہید ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کرام کی عبارات کی رُو سے دُنیاوی شہید وہ مسلمان ہے جس کو کافر قتل کریں یا میدانِ جنگ میں مُردہ پایا جائے اور اس پر زخموں کے آثار ہوں یا ظلماً قتل کرکے اس کے قتل کے عوض دیت واجب نہ ہو۔ غسل نہ دینا دُنیاوی شہید کی خصوصیات میں سے ہے۔

قال برہان الدین المرغینانیؒ: الشہید من قتله المشرکون او وجد فی المعرکة وبه اثر او قتله المسلمون ظلماً ولم یجب بقتله دیة فیکفن ویصلی علیه ولا یغسل۔۔۔ ومن قتله اهل الحرب او اهل البغی او قطاع الطریق فبای شیء قتلوه لم یغسل۔ الخ

(الهدایة ج ۱ ص ۱۸۳ باب الشہید) [1]

اُخروی اور دنیوی شہید کے درمیان فرق

سوال: اگر کوئی آدمی آگ میں جل جائے یا دریا میں ڈوب کر مر جائے یا کوئی گاڑی سے کچل ڈالے تو کیا اس کو شہید کہا جا سکتا ہے؟

الجواب: ایسے شخص کو شہیدِ اُخروی کہنا درست ہے مگر دنیوی شہید نہیں ہے، لہٰذا اس کو غسل وغیرہ دیا جائے گا، کیونکہ اُخروی شہید وہ ہے جس کے بارے میں کتبِ فقہیہ نے

---

[1] وقال عبد الله التمرتاشیؒ: الشهید هو کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث وکذا لو قتله باغ او حربی او قاطع طریق او وجد جریحاً میتاً فی معرکتهم۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۶ باب الشہید)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۷ باب الشہید۔

مندرجہ ذیل تعریف ذکر کی ہے :-

قال الحصکفی ھو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلماً بجارحۃ ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۷ باب الشہید) [1]

زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے کا موقع ملنے سے مقتول دنیوی شہید نہیں رہتا

سوال :- اگر ایک مسلمان شہید کی تعریف کی رو سے میدان کارزار میں زخمی ہو جائے یا کسی مسلمان کے ہاتھوں ظلماً زخمی ہو جائے اور پھر اس کا علاج بھی ہو جس میں چند دن زندہ رہ کر کھانا پینا نصیب ہو جائے تو کیا اس سے دنیاوی شہادت متاثر ہوتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایسا شخص اُخروی شہادت سے محروم نہیں رہتا البتہ زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے اور علاج معالجہ کے لیے موقع ملنے سے یہ دُنیوی شہید نہیں رہا اس لیے اس کو غسل دیا جائے گا۔

لما فی الھندیۃ : او قتلہ مسلم ظلماً ولم تجب بہ دیۃ کذا فی الکافی و بعد اسطر قال ویغسل من ارتث وھو من صار خلقاً فی حکم الشھادۃ لنیل مرافق احیاۃ وھو ان یاکل او یشرب او ینام او یداوی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۶۸ باب الشہید) [2]

رات کے اندر گھر میں نامعلوم افراد کے ہاتھوں مارا جانے والا شخص شہید ہے

سوال :- ایک شخص کو اپنے گھر میں رات کے وقت کسی نامعلوم آدمی نے قتل کر دیا تو کیا یہ مقتول شہداء میں شمار کیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- مذکورہ مقتول کا شہداء کے زمرے میں شمار کرنا صحیح ہے اور اس کا جنازہ

---

[1] وفی الھندیۃ : وھو فی الشرع من قتلہ اھل الحرب والبغی وقطاع الطریق۔ الخ
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۶۷ باب الشہید)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ باب الشہید۔

[2] وقال محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ : ھو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلماً ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۷ باب الشہید)
ومثلہ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۸ باب الشہید۔

بغیر غسل کے پڑھا جائے گا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله او قاطع طریق) والمکابرون فی المصر لیلاً بمنزلة قطاع الطریق کما فی البحر عن شرح المجمع ممن قتلوه ولو بغیر محدد فهو شهید کما لو قتله قطاع ولکن احسن تقییده بما اذا قتله اللصوص لیلاً۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۴۹ باب الشهید) ۱؎

محاذ جنگ میں بم پھٹنے سے مرنے والوں کا حکم

سوال: اگر ایک مجاہد محاذ جنگ میں بم کے پھٹنے سے مر جائے تو کیا اس کو شہید سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: میدان کارزار میں شہادت کے لیے تلوار یا کسی دوسرے آلہ جارحہ سے قتل ہونا ضروری نہیں بلکہ دشمن کے ہاتھوں سے جس کیفیت سے بھی مسلمان مر جائے تو وہ شہید سمجھا جائے گا، صورت مسئولہ میں بم جدید ہتھیار کی ایک قسم ہے اس لیے اس کے ذریعے مقتول مسلمان شہید سمجھا جائے گا۔

لما فی الهندیة: والاصل ان کل من صار مقتولاً فی قتال ثلاث اهل الحرب او البغاة او قطاع الطریق بمعنی مضاف الی العدو وسواء کان بالمباشرة او التسبب کان شهیداً۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۶۹ الفصل السابع فی الشهید) ۲؎

قاتل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا اس کو قتل مبطل شہادت نہیں

سوال: ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کے ارادے سے جا رہا تھا لیکن اسے قتل کرنے سے پہلے اس کو کسی دوسرے آدمی نے بغیر کسی

۱؎ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولو نزل علیه اللصوص لیلاً فی المصر فقتل بسلاح او غیره او قتله قطاع الطریق خارج المصر بسلاح او غیره فهو شهید الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۲ فصل فی الشهید)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۹ باب الشهید۔

۲؎ وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وهو من قتله اهل الحرب او البغاة او قطاع الطریق او وجد فی المعرکة وبه اثر الجرح بعد سطر قال وقیدنا بکونه فی المعرکة وهی موضع الحرب لانه لو وجد فی عسکر المسلمین قتیل لم یعلم قاتله فلیس بشهید۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۹ باب الشهید)

ومثله فی خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۲۲۶ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز۔

وجہ کے واسطہ میں قتل کر دیا، تو کیا اس مقتول کی شہادت میں قتل کا ارادہ کرنے سے کوئی خلل واقع ہوا یا نہیں؟

الجواب: یہ شخص از روئے شرع شہید ہے کیونکہ قاتل کے ہاتھوں سے وہ ظلماً قتل ہوا ہے، البتہ دوسرے شخص کے قتل کے ارادے سے اگرچہ یہ گنہگار رہتا ہے لیکن قاتل کے عوض بھی مال لازم نہیں ہو سکتا، اس لیے محض ارادہ کی وجہ سے اس کی شہادت متاثر نہیں ہوتی۔

قال برهان الدين المرغيناني: او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية ـ الخ
(الهداية ج۱ ص۱۸۱ باب الشهيد) [1]

تخریب کاری میں مرنے والے مسلمان شہید ہوتے ہیں

سوال: آجکل بڑے بڑے شہروں اور اجتماعات میں انتظامیہ کو بدنام کرنے کے لیے بموں کے دھماکے کیے جاتے ہیں جن میں بے شمار بے گناہ مسلمان مر جاتے ہیں ایسے مرے ہوئے لوگوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسے مقتولین شہداء کے حکم میں ہیں ان کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ بم پھینکنے والے، قصداً اسی نیت سے بم رکھتے ہیں تاکہ مظلوم مسلمانوں کا جانی نقصان ہو اور عوام جذبات میں آکر انتظامیہ کے متعلق کوئی قدم اٹھائیں۔

قال علامه ابن نجيم: لان ما قصد به القتل فهو تسبيب وما لا فلا۔
(البحر الرائق ج۲ ص۱۹۶ باب الشهيد) [2]

قاتل کے تعین کے بغیر دنیوی شہید کا حکم لگانا درست نہیں

سوال: ایک شخص کسی جگہ مردہ پایا گیا، اس کے قتل کی وجوہات

---

[1] وقال علاء الدين الكاساني: ومنها ان يكون مظلوماً الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۰ فصل اما الشهيد)

[2] وقال برهان الدين المرغيناني: او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل لانه في معنى شهداء احد وقال عليه السلام فيهم زملوهم بكلومهم ودمائهم ولا تغسلوهم فكل من قتل بالحديدة ظلماً وهو طاهر بالغ ولم يجب به عوض مالي فهو في معناهم فيلحق بهم۔ (فتح القدير ج۲ ص۱۴۲ باب الشهيد)
ومثله في تبيين الحقائق ج۱ ص۲۴۷ باب الشهيد۔

معلوم نہیں کیا ایسی صورت میں اسے شہید کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد ہے، البتہ دنیوی شہادت کا حکم لگانے کے لیے جب تک اس کا مظلوم ہونا ثابت نہ ہو تو اسے شہید نہیں کہا جائے گا۔

قال برهان الدين المرغيناني: او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية الخ (الهداية ج۱ ص۱۸۳ باب الشهيد) ؎۱

آپس کے تنازعات میں مرنے والے لوگوں کا حکم

سوال:۔ خاندانی اور قومی تنازعات میں مرنے والے لوگ شہداء کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسے خاندانی تنازعات میں اگر مقتول نے فریقِ مخالف (قاتل) کے قتل کیلئے ابتداء نہیں کی ہو اور قاتل نے دیدہ دانستہ دوسرے مسلمان کا حق ظلماً چھین لینے کا ارادہ کیا ہو تو یہ مقتول شہید کے حکم میں آتا ہے لہٰذا اس کا جنازہ بغیر غسل کے پڑھا جائے گا۔

قال علاء الدين الكاساني: واذا عرف شرائط الشهادة فنقول اذا قتل الرجل في المعركة او غيرها وهو يقاتل اهل الحرب او قتل مدافعاً عن نفسه وماله او اهله او واحد من المسلمين او اهل الذمة فهو شهيد سواء قتل بسلاح او غيره لاستجماع شرائط الشهادة في حقه. (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۲ فصل اما الشهيد) ؎۲

دفاعی جنگ میں مرنے والوں کا حکم

سوال:۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان کی سرحدات پر جارحانہ حملہ کیا اور پاکستان کو بزعم خود ختم کرنے کا ارادہ کیا تو پاکستان کی طرف سے دفاع کرنا جہاد میں شمار

؎۱ وقال علاء الدين الكاساني: ومنها ان يكون مظلوماً الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۰ فصل اما الشهيد)
ومثله في رد المحتار ۲۴ ص— كتاب الجنائز باب الشهيد۔

؎۲ وفي الهندية: ومن قتل مدافعاً عن نفسه او ماله او عن المسلمين او اهل الذمة باي آلة قتل بحديد او حجر او خشب فهو شهيد. الخ
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۶۸ الفصل السابع في الشهيد)
ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۱۹۴ باب الشهيد۔

ہوگا یا نہیں اور اس میں مرنے والے شہید ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب: چونکہ پاکستان نے یہ جنگ اپنے دفاع کے واسطے لڑی ہے لہٰذا یہ دفاعی جہاد شمار ہوکر اس میں حصہ لینے والے مقتولین شہداء شمار ہوں گے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ودخل فيه المقتول مدافعا عن نفسه او ماله او المسلمين او اهل الذمة فانه شهيد لكن لا بالشروط بحيث ذكرنا في البحر عن المحيط۔ (رد المحتار ج۱ صفحہ۹۰ باب الشهيد) [1]

افغانستان کے جہاد میں مرنے والوں کا حکم

سوال: افغانستان کے موجودہ جہاد کے دوران اگر کوئی قتل ہوجائے تو کیا اس کو شہادت کا مقام ملے گا یا نہیں ؟

الجواب: جہادِ افغانستان چونکہ احیاءِ دین اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کیا جارہا ہے لہٰذا اس میں حصہ لینا ضروری ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حصہ لینے والا اگر قتل ہوجائے تو وہ شہید ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجيمؒ: الشهيد هو من قتله اهل الحرب او البغي او قطاع الطريق او وجد في المعركة وبه اثر او قتله مسلم ظلما ولم يجب بقتله دية۔

(البحر الرائق ج۲ صفحہ۱۹۲ باب الشهيد) [2]

---

[1] وفي الهندية: ومن قتل مدافعا عن نفسه او ماله او عن المسلمين واهل الذمة باي آلة قتل بحديد او حجر او خشب فهو شهيد كذا في محيط السرخسي۔

(الفتاوى الهندية ج۱ صفحہ۱۶۸ باب الشهيد)

ومثله في البحر الرائق ج۲ صفحہ۱۹۲ باب الشهيد۔

[2] وقال العلامة الحصكفيؒ: وكذا يكون شهيدا لو قتل باغ او حربي او قاطع طريق۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۱ صفحہ۸۴۲ باب الشهيد)

ومثله في الهندية ج۱ صفحہ۱۶۸ باب الشهيد۔

شہید کو دفنانے سے قبل یا بعد اپنے وطن واپس لانا

سوال: از جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں مجاہدینِ اسلام جس جگہ شہید ہو جائیں تو ان کی لاش کو قبل از دفن یا بعد از دفن قبر سے نکال کر اپنے وطن لانا شریعتِ مطہرہ کی رو سے کیسا ہے؟ فائدہ اور نقصان، ثواب و عذاب جس میں ہو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ نیز عوام الناس میں یہ جو مشہور ہے کہ ہم نے فلاں میت کو اتنا عرصہ امانت کے طور پر دفنا کے رکھا ہے پھر نکال لیے ہیں جرم نہیں ہے؛ اس مسئلے کا کوئی شرعی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ (القرآن)

اسلام ایک مکمل دین اور مکمل قانون ہے۔ ہر ایک مسئلے کے لیے اسلام میں جواز اور عدم جواز کی اصل اور دلیل موجود ہے۔ جن چیزوں کا تعلق مسلمانوں کی اس دنیاوی زندگی اور آخروی زندگی سے ہے قرآن و حدیث اور دیگر مذہبی کتب میں ان پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمان کی زندگی اور موت سے وابستہ جتنے احکام ہیں ان کی تفصیلات میں کسی چیز کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی اور کسی شخص کی ذاتی رائے اور خواہش کو بھی اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مسلمانوں کو ہر حالت میں رضا بالقضا کا شیوہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنے اور مطیع و فرمانبردار رہنے میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ مسلمان سے اس کی جان و مال اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور اللہ کے دشمنوں سے لڑ کر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے گا اور اس میں اگر اسے اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے: إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۱)

مسلمان کی موت جہاں کہیں واقع ہو جائے وہ اس کے لیے مبارک ہے چاہے تخت پر ہو یا خاکِ زمین پر، لیکن اس سے ہزار درجہ بہتر و مبارک وہ موت ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی میں تلواروں کے سائے تلے واقع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں شہداء کی امتیازی شان اور اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کا جا بجا ذکر ہے۔ شہید فی سبیل اللہ یہ

کتنی خوش قسمتی ہے کہ قیامت کے دن اسی خون میں لت پت قبر سے اٹھایا جائے گا۔ جو کہ معرکۂ کارزار میں دشمنوں کے وحشیانہ اور جارحانہ حملوں کے وار سہہ کر اللہ کی راہ میں نکل گیا تھا۔ ایسے مواقع میں ان اعلیٰ مدارج کی بنا پر شریعت نے شہید کے ورثاء کو استقلال اور صبر و استقامت کا سبق دیا ہے۔ غزوۂ احد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور کافروں نے ان کے کان اور ناک کاٹ کر مثلہ بنا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نارضگی کا عذر میرے ساتھ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گی کہ میرے بھائی کو دفن تک نہیں کیا گیا تو میں اپنے چچا کو ایسے ہی زمین پر چھوڑ دیتا اور درندے و پرندے آ کر ان کے گوشت و پوست کو نوچ ڈالتے اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں مجھے یہ فخر روئی حاصل ہوتی کہ میرے چچا کے گوشت و پوست کو درندوں اور پرندوں کے پیٹ سے جمع کیا جاتا اور میں کہتا کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان نے تیری راہ میں یہ قربانی دی ہے — یہ کتنا بڑا مقام ہے اور کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و استقلال کا مظاہرہ فرمایا اور ایسے مواقع پر صبر و استقلال سے کام لینے کی امت کو تعلیم دی۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک جان نثار اور عاشق رسول صحابی ہیں جو ایک پاؤں سے لنگڑے تھے، غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش کیا، اور ساتھ آپ کے بیٹے بھی شہید ہوئے تو بیوی نے خاوند اور بیٹے کو اونٹنی پر لاد کر مدینہ لے جانے کا ارادہ کیا تو اونٹنی میدانِ احد سے چند قدم آگے چل کر بیٹھ گئی۔ اور رخ احد کی طرف کر لیا اور باوجود کوشش کے مدینہ منورہ کی طرف نہ چلتی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھر سے آتے وقت اس نے کچھ کہا تو نہیں تھا؟ تو بیوی نے کہا جی ہاں قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی: اللّٰھم لا تردنی الیٰ اھلی۔ اے اللہ مجھے میدانِ جنگ سے گھر واپس نہ لانا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہیں دفن کر دو۔ چنانچہ وہیں دفن کئے گئے۔

ان فضائل، برکات اور بلند مراتب کی وجہ سے شریعت نے عام مردوں کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ جہاں ان کی موت واقع ہو وہیں ان کو دفن کرنے میں بہتری ہے — کتب مذہب میں یہاں تک لکھا ہے کہ آدمی کی جہاں موت واقع ہو جائے وہیں اسے دفن کرنا بہتر ہے۔ اور اگر قبل از دفن اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو جائز ہے لیکن جب ایک دفعہ اس کو دفن

کر کے اوپر مٹی ڈال دی گئی تو اب قبر کھودنا اور میت کو نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا حرام اور گناہ ہے، ہاں اگر کوئی ضرورت شرعیہ داعیہ موجود ہو تو پھر ایسا کیا جا سکتا ہے، مثلاً زمین مغصوبہ ہو یا شفعہ پہ لے لی گئی ہو۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل عبارات:۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے: ویستحب فی القتیل والمیت دفنہ فی المکان الذی مات فی مقابر أولئک القوم وإن نقل قبل الدفن إلی قدر میل أو میلین فلا بأس بہ کذا فی الخلاصۃ. وکذا لو مات فی غیر بلدہ یستحب ترکہ فإن نقل إلی مصر آخر لا بأس بہ ولا ینبغی إخراج المیت من القبر بعد ما دفن إلا إذا کانت الأرض مغصوبۃ أو أخذت بشفعۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

درمختار میں ہے: ولا یخرج منہ بعد إہالۃ التراب إلا لحق آدمی کأن تکون الأرض مغصوبۃ أو أخذت بشفعۃ ــــ اس سے چند سطر آگے درمختار میں ہے: لا بأس بنقلہ قبل دفنہ ــــ اس کی شرح میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: وأما نقلہ بعد دفنہ فلا مطلقاً قال فی الفتح واتفقت کلمۃ المشائخ فی امرأۃ دفن ابنہا وہی غائبۃ فی غیر بلدہا فلم تصبر وأرادت نقلہ علی أنہ لا یسعہا ذلک فتجویز شواذ بعض المتأخرین لا یلتفت إلیہ وأما نقل یعقوب ویوسف علیہما السلام من مصر إلی الشام لیکونا مع آبائہما الکرام فہو شرع من قبلنا ولم یتوفر فیہ شروط کونہ شرعاً لنا. اھ

فقہاء کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ میت شہید ہو یا غیر شہید قبل از دفن اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر نہیں، اور بعد از دفن تو بالکل جائز نہیں، قبر کھودنا اور میت کا اخراج حرام ہے۔ ہاں اگر ضرورت شرعیہ پیش آ جائے تو جائز ہے، اور ضرورت شرعیہ کی صورتیں اوپر مذکور ہو گئی ہیں ــــ نیز میت کو کچھ عرصہ کے لیے امانتاً دفن کر کے پھر نکالنا یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

کتاب
الزکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے

سورة البقرة : آية ۲۷۷

باب وجوب الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کے واجب ہونے کے مسائل)

دو ہزار روپے میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

سوال:۔ ایک شخص کے پاس دو ہزار روپے ہیں سوال ان پر حولانِ حول سال کے گزر جانے کے بعد ان میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ نصابِ زکوٰۃ ساڑھے باون (۵۲½) تولہ چاندی یا ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر نقدی ہے، لہٰذا اگر مذکورہ ہزار روپے چاندی یا سونے کی قیمت کے برابر بنتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ اقل نصاب میں زکوٰۃ نہیں۔

لما فی الهندیة: ومنها کون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منه۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها) له

زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کی اہمیت

سوال:۔ اگر ایک شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ فقراء اور غرباء کو کچھ رقم صدقہ میں دے دے، کیا یہ ادائیگی زکوٰۃ میں شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت انتہائی ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں رقم دیتے وقت خیرات وصدقہ کی نیت تھی تو ادائیگی کے بعد زکوٰۃ کی نیت کرنے سے یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم اگر دینے کے وقت نیت نہیں کی تھی لیکن بعد میں زکوٰۃ کی نیت کی اور رقم فقیر کی ملک میں ہو تو ایسی صورت میں یہ رقم زکوٰۃ میں شمار ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء ولو کانت المقارنة حکماً کما لو دفع بلا نیة ثم نوی والمال قائم فی ید الفقیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ) له

له قال العلامة الحصکفی: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه تام بالرفع صفة ملک خرج مال المکاتب۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

له قال الشیخ نظام: واذا دفع الی الفقیر بلا نیة ثم نواه عن الزکوٰۃ فان کان المال قائماً فی ید الفقیر اجزأه والا فلا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۴۹۲ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولانِ حول شرط ہے

سوال: ایک آدمی سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گیا ہے جب تک اس کو جی پی فنڈ وغیرہ کی رقم حکومت کی طرف سے نہ ملے تو اس پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں لیکن جب اس آدمی کو یہ رقم مل جائے تو کیا اس پر فوری طور پر زکوٰۃ اور حج فرض ہو جائے گا یا سال گزرنے کے بعد؟

الجواب: ایسے آدمی پر زکوٰۃ حولانِ حول کے بعد فرض ہوتی ہے یعنی جب اس آدمی کو تمام واجبات کی رقم مل جائے اور اس کا اس رقم پر قبضہ ہو جانے کے بعد سال گزر جائے تو پھر اس آدمی پر زکوٰۃ فرض ہو گی اور فوری طور پر زکوٰۃ تو فرض نہیں ہوتی لیکن حج کے لیے حولانِ حول شرط نہیں صرف استطاعت شرط ہے۔

لما قال ابن نجیمؒ: والمراد بکونه حولیاً ان یتم الحول علیه وهو فی ملکه لقوله علیه السلام لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیه الحول۔ قال فی الغایة سمی حولاً لان الاحوال تحول فیه وفی القنیة العبرة فی الزکوٰۃ للحول القمری۔ (البحر الرائق ج ۲ ص [illegible] کتاب الزکوٰۃ) [1]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں قمری سال کا اعتبار ہو گا

سوال: زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولانِ حول کا ہونا جو ضروری قرار دیا گیا ہے تو اس سے کون سا سال مراد ہے، قمری یا شمسی؟ کیونکہ قمری سال شمسی سال سے نسبتاً کم ہے۔

الجواب: فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں قمری سال کو اعتبار دیا ہے اس لیے زکوٰۃ کی فرضیت میں اسلامی (قمری) مہینوں کا سہارا لینا ضروری ہے، اور فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق قمری سال کی مقدار تین سو چون (۳۵۴) دن، آٹھ گھنٹے اور اڑتالیس منٹ ہیں۔

کما فی شرح الوقایة: والسنة القمریة اثنا عشر شهراً قمریاً ومدتها ثلاث مائة واربعة وخمسون یوماً وثلث یوم وثلث عشر یوم۔
(شرح الوقایة ج ۲ ص [illegible] باب العنین)

لما قال فی الهندیة: ومنها حولان الحول علی المال العبرة فی الزکوٰۃ

---

[1] قال شیخ الاسلام التمرتاشیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص [illegible] کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص [illegible] کتاب الزکوٰۃ الباب الاول فی تفسیرها الخ

کے قائل ہیں اُن کے نزدیک تراخی سے گناہ لازم آتا ہے۔ اور صاحب ہندیہ نے علی الفور کو اصح قرار دیا ہے جبکہ ابن الہمامؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال الشيخ النظامؒ: وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر وفي رواية الرازي على التراخي حتى يأثم عند الموت والأول أصح كذا في التهذيب۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوة الباب الأول) ـلـه

زکوٰۃ کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا

سوال: بعض لوگ زکوٰۃ رجب یا رمضان کے مہینے میں ادا کرتے ہیں کیا ازروئے شرع اس کیلئے کوئی وقت متعین ہے یا نہیں؟

الجواب: ازروئے شرع زکوٰۃ کی ادائیگی سال پورا ہونے پر واجب ہے اس لیے اس میں کسی خاص مہینے کا تعین نہیں تاہم رمضان میں عبادات کی عظمت بڑھنے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں ادائیگی زیادہ مناسب ہے لیکن یہ واضح رہے کہ وجوب کے بعد رمضان تک مؤخر کرنے کے بجائے مالک ہونے کے بعد پہلے رمضان میں ادا کرے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه۔ (الدر المختار ج۲ ص۲۵۹ كتاب الزكوة) ـ٢ـه

صاحب نصاب آدمی کے پاس سال کے درمیان میں مزید مال آجائے تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: ایک شخص کے پاس رمضان میں دس ہزار روپے موجود تھے دوسرے سال رمضان آنے پر اس شخص کے پاس پچاس ہزار روپے جمع ہوگئے ظاہر ہے کہ دس ہزار روپے پر تو سال گزر گیا ہے لیکن بقیہ چالیس ہزار روپے پر تو ابھی حولی

ـلـه لما قال العلامة الحصكفيؒ: وافتراضها عمري أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره وقيل فوري أي واجب على الفور وعليه الفتوى كما في شرح الوهبانية۔ (الدر المختار ج۲ ص۲۷۱ كتاب الزكوة قبيل باب السائمة)

ومثله في الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۱۱۳ كتاب الزكوة۔

ـ٢ـه قال الحسن بن عمار بن عليؒ: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي۔ (مراقي الفلاح ص۳۸۹ كتاب الزكوة)۔

ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۳۸/۱۳۹ كتاب الزكوة۔

نہیں ہوا ہے تو کیا اس شخص کو دس ہزار روپے سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا پچاس ہزار روپے پر زکوٰۃ لازم ہوگی؟

الجواب: زکوٰۃ کے نصاب پر سال کا گذرنا ضروری ہے یہ ضروری نہیں کہ تمام رقم پر پورا سال گذرے۔ صورتِ مذکورہ میں دورانِ سال جو آمدنی ہوئی ہے اس سے بھی رمضان میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی، گویا مالِ مستفاد اگرچہ شعبان کے مہینے میں آیا ہو پھر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة حسن بن عمار بن علیؒ: وشرط وجوب ادائها حولان الحول على النصاب الأصلي وأما المستفاد في أثناء الحول فيضم إلى مجانسه ويزكى بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة أو ميراث أو غيره. (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي ص[illegible] كتاب الزكوٰة)[1]

زکوٰۃ قضاء ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

سوال: اگر ایک آدمی نے غفلت سے یا قصداً اپنے مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کے بعد عند الشرع کیا حکم ہے؟ آیا زکوٰۃ ساقط ہوگی یا پھر ادا کرنا ضروری ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے وجوب کے وقت جلدی ادا کرنا زیادہ مناسب ہے تاہم زکوٰۃ کسی وقت سے خاص نہیں کہ اس کے گذر جانے پر یہ قضا ہو بلکہ مدت گذرنے کے باوجود ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

لما قال في الهندية: وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر وفي رواية الرازي على التراخي حتى يأثم عند الموت والأول أصح.
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوٰة الباب الأول في تفسيرها)[2]

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: ولو استفاد بعد الحول ... وسط الحول يضم إلى نصابه من جنسه فيزكيه بحول الأصل. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۸ باب زكوٰة الغنم)
ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۵ كتاب الزكوٰة الباب الأول في تفسيرها الخ.

[2] قال شيخ الإسلام أبو بكر بن علي بن محمدؒ: قال في المحيط على الفور عند محمدؒ حتى لا يجوز التراخي من غير عذر فإنه لم يؤدها لا تقبل شهادته لأنها حق للفقراء وفي تأخير الأداء عنهم إضرار لهم. (الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۲۸ كتاب الزكوٰة)
ومثله في مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي ص۳۸۸ كتاب الزكوٰة۔

مکان کا نہ ہونا مانع وجوب زکوٰۃ نہیں

سوال:- اگر ایک آدمی کے پاس نصاب کی مقدار سے زائد رقم موجود ہو لیکن اس آدمی کا ذاتی مکان نہیں ہے تو کیا یہ آدمی دوسروں سے زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں اور اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- ایک آدمی جب نصاب کا مالک ہو اور یہ رقم حاجت اصلیہ سے فارغ ہو تو یہ آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے بلکہ اس کو خود بھی اس رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اگر مسکونہ مکان نہ ہو تو یہ ایسا عذر نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اسے غریب شمار کیا جائے، جب تک یہ رقم خرچ نہ ہو تو ضرورت سے زائد تصور ہوگی۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفی: ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلیة من ای مال کان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص [illegible] باب المصرف)

مہتمم مدرسہ کا ذاتی مال طلباء پر خرچ کرنے کیلئے روزانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ کافی ہے

سوال:- ایک صاحب کا اپنا دینی مدرسہ ہے، وہ مدرسے کی تمام ضروریات مثلاً اساتذہ کی تنخواہ، بجلی کا بل وغیرہ اپنی جیب سے ادا کرتا ہے، مہتمم صاحب نے شروع سے نیت کی ہے کہ مدرسے کے جس شعبہ میں زکوٰۃ جائز ہے تو وہ ان کی زکوٰۃ ہے اور جس میں زکوٰۃ جائز نہیں وہ میری طرف سے خیرات ہے۔ تو کیا مہتمم کے لیے روزانہ یا ماہانہ یا سالانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ ہی زکوٰۃ کی نیت کافی ہے؟

الجواب:- اگر مہتمم صاحب زکوٰۃ کا مال جدا کرتے وقت نیت کریں اور پھر وہ منہا شدہ رقم تھوڑی تھوڑی خرچ کریں تو دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں بلکہ زکوٰۃ جدا کرتے وقت نیت کرنا ہی کافی ہے، اور اگر تھوڑا تھوڑا کرکے خرچ کرے اور پہلے سے نیت نہ ہو تو اس وقت نیت ضروری ہے ورنہ پھر زکوٰۃ نہ ہوگی۔

لما فی البزازیة: قال کلما تصدقت فی هذه السنة فهو عن الزکوٰة ثم جعل یتصدق [illegible]۔ ولا یجوز دفع الزکوٰة الی من یملک نصابا ای مال کان دنانیر او دراهم او سوائم او عروضا للتجارة او لغیر التجارة فاضلا عن حاجته فی جمیع السنة هکذا فی الزاهدی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص [illegible] کتاب الزکوٰة، الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص [illegible] الفصل السابع فی اداء الزکوٰة۔

نہیں ہوری اگر ممکن ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے یہ تمام رقم ختم ہوجائے اور مکان بنانے کی خواہش پوری نہ ہوسکے ؟ اس بارے میں شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- وجوب زکوٰۃ کے لیے فقہاء نے فارغ عن الدّین و عن حوائج الاصلیہ کی قید کا ذکر کیا ہے ، ایسی صورت میں جب کہ حوائج اصلیہ میں مصروف اور مشغولیت میں تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں لیکن جو رقم کسی ضرورت کی تکمیل مثلاً مکان ، اسلحہ ، کتب وغیرہ کے لیے رکھی گئی ہو اور مجموعہ رقم پر سال گذر جائے تو ایسی رقم میں وجوب زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی رائے مختلف ہیں ، الشیخ ابن الملک کے نزدیک ایسی رقم حکماً ضروریات میں مصروف ہے جو بمنزلہ معدوم ہو کر اس میں حولان حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں ۔ فاذا کان عندہ دراھم اعدھا لھذہ الاشیاء وحال علیھا الحول لا تجب فیھا الزکوٰۃ ۔ علامہ ابن عابدینؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں : فاذا کان لہ دراھم مستحقۃ بصرفہ الی تلک الحوائج صارت کالعدوم کما ان الماء المستحق بصرفہ الی العطش کان کالمعدوم وجاز عندہ التیمم الخ ۔ لیکن ابن نجیمؒ کی عبارت سے ایسی رقم میں زکوٰۃ کا وجوب معلوم ہوتا ہے ۔ ویخالفہ ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ (ج ۲ ص ۲۰۲)

موجودہ وقت میں انسان کی بے تحاشا ضروریات کے تقاضا کی صورت میں کسی شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ، ہر شخص ایک بڑی رقم کسی عالیشان محل ، موٹر ، ائیر کنڈیشن اور دوسری ضروریات زندگی خریدنے کے ارادے سے رکھے گا جو اس کی ضروریات میں مصروف ہو کر زکوٰۃ کا موقع نہیں رہے گا ، اس لیے احتیاطاً ہر صورت میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی خواہ یہ رقم مکان خریدنے کے ارادہ سے کیوں نہ ہو ۔ اگر فقہاء کی عبارات کو دیکھا جائے تو ان میں بھی فارغ عن الدّین و عن الحوائج الاصلیۃ لکھا گیا ہے ، اس پر کسی نے نہیں لکھا ہے کہ فارغ عن قیمۃ حوائج الاصلیۃ ، یہ عبارت بھی وجوب زکوٰۃ کی نشاندہی کرتی ہے ۔

قال ابن عابدینؒ : ویخالفہ ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب الزکوٰۃ) [1]

---

[1] وفی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح : وھو مخالف لما فی المعراج والبدائع ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیف امسکہ للنفقۃ او للنماء (ص ۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی حاشیۃ علی الدر ص ۱۰۲ کتاب الزکوٰۃ ۔

حوائج اصلیہ سے زائد رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- نصاب زکوٰۃ روپوں کی تعداد کے لحاظ سے کتنی ہے اور گھر کی ضروری حاجات سے جو رقم زائد ہو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کسی کے پاس نقد روپے موجود ہوں جو تمام حوائج اصلیہ اور قرض وغیرہ سے خالی ہوں، حوائج اصلیہ زمانہ، عرف اور حالات سے بدلتے رہتے ہیں، جب تمام اخراجات ضروریہ کے علاوہ یہ رقم مقدار نصاب تک پہنچے تو حولان حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور نوٹوں سے زکوٰۃ نکالنے میں سونا اور چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اس لیے نقد رقم کا نصاب ایک مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ سونے اور چاندی کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے اس لیے مقدار نصاب میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

قال علاء الدين الحصكفيؒ: وسببه اي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد وفارغ عن حاجته الاصلية لان المشغول بها كالمعدوم۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ كتاب الزكوٰة) [1]

محفوظ رقم میں ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس نقد اتنی رقم ہو جو مقدار نصاب کو پہنچتی ہے اور کئی سال تک اس کے استعمال کی نوبت نہ آئے تو کیا یہ شخص صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا اسے ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب:- اگر کسی شخص کے پاس نقد اتنی رقم موجود ہو جو مقدار نصاب کو پہنچتی ہو یا نصاب سے زائد ہو تو سال کے گزرنے سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح جتنے سال یہ رقم محفوظ رہے گی اور مقدار نصاب میں بھی کوئی فرق نہ آیا ہو تو ہر سال کی علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

قال علي بن ابي بكر المرغينانيؒ: الزكوٰة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم

---

[1] قال زين الدين ابن نجيمؒ: وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحوائجه الاصلية نام ولو تقديراً۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوٰة)
ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔

اذا ملک نصاباً ملکاً تاماً وحال علیه الحول۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

زکوٰۃ کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں

سوال:۔ اگر کسی کے پاس زکوٰۃ کی رقم موجود ہو اور وہ کسی مستحق کو ماہانہ کچھ رقم بطورِ زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں، قسط وار دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے تاہم مجموعی طور پر ادائیگی کے وقت نیت ضروری ہے ورنہ ہر قسط میں نیت کرنا پڑے گی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: او مقارنة بعزل ما وجب کله او بعضه ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے

سوال:۔ اگر کسی کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو لیکن منکوحہ کے حق مہر کی ادائیگی تاحال اس کے ذمہ باقی ہو تو ایسی صورت میں یہ شخص اگر حق مہر ادا کرے تو باقی مال نصاب زکوٰۃ سے کم رہتا ہے، کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب رہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ کا حق مہر مستقل حق ہے جس کی ادائیگی خاوند کے ذمہ واجب ہے، اگر خاوند فوت ہو جائے تو منکوحہ کا حق مہر دیگر قرضوں کی طرح متروکہ جائیداد سے ورثاء کے درمیان تقسیم کرنے سے قبل منہا کیا جائے گا۔ خاوند کی اس ذمہ داری سے فراغت کے لئے حق مہر کی ادائیگی یا منکوحہ کی طرف سے برضا و رغبت معافی کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں لہٰذا خاوند کے ذمہ واجب الادا قرضہ ہونے کی وجہ سے یہ مانع وجوب زکوٰۃ ہے، اگر نصاب سے حق مہر منہا کر کے باقی کا نصاب پر بنتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی اور اگر بقایا مال نصاب کی مقدار

؎۱ قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی تام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ قال زین الدین ابن نجیمؒ: وشرط ادائها نیة مقارنة للاداء او لعزل ما وجب او تصدق بکله۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔

تک پہنچا ہو تو پھر مہر مؤجل منہا کرکے بقایا رقم سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ قال ابن عابدینؒ: فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد سواء کان للہ کزکوٰۃ وخراج او للعبد ولو کفالۃ او مؤجلاً ولو صداق زوجتہ المؤجل وفی البحر اختار الصدر الشہید انہ غیر مانع۔ (رد المحتار ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ)

البتہ منکوحہ کے حق میں دین قوی نہ ہونے کی وجہ سے جب تک حق مہر وصول نہ ہوا ہو تو اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب الادا نہیں، منکوحہ پر مہر مؤجل میں زکوٰۃ کے وجوب کا اعتبار وصول کے بعد ہی ہوگا، تاہم اگر منکوحہ کے پاس اس کے علاوہ نصاب موجود ہو اور حولانِ حول سے قبل مہر مؤجل وصول ہو جائے تو پھر مال مستفاد کے حکم میں ہو کر تمام مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ ای بعد قبض من دین ضعیف وھو بدل غیر مال کمھر ودیۃ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۶ باب زکوٰۃ المال) لہ

حج کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: اگر کسی نے حج کے لیے کئی سال سے کچھ رقم بینک میں جمع کی ہو اور وہ رقم نصاب سے زیادہ ہو تو کیا حولانِ حول کے بعد اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حج کے لیے رقم رکھنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، جب تک یہ رقم حج میں خرچ نہ ہوئی ہو اور اس کی مقدار نصاب سے زائد ہو تو اس پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال ابن عابدینؒ: فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) ۲ے

لے لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: وعلی ھذا یخرج مھر المرأۃ فانہ یمنع وجوب الزکوٰۃ عندنا معجلاً کان او مؤجلاً لانھا اذا طالبتہ یؤاخذ بہ، وقال بعض مشائخنا ان المؤجل لا یمنع لانہ غیر مطالب بہ عادۃ الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول۔

۲ے قال الشیخ العلامۃ ابن نجیمؒ: وبما ذکرنا فی المعراج الدرایۃ فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔

منگنی یا شادی کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: منگنی یا شادی کے لیے خریدے ہوئے سامان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ اس سامان کی قیمت مقدار نصاب سے بہت زیادہ ہے۔

الجواب: منگنی و شادی کے لیے جمع شدہ سامان چونکہ اثاث البیت میں داخل ہے اور اثاث البیت پر زکوٰۃ لازم نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں منگنی یا شادی کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔

(الہدایۃ ج ۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) [1]

شادی کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص نے شادی کے لیے کچھ رقم جمع کی ہے جو کہ نصاب سے متجاوز ہے اور یہ رقم کئی سال اس شخص کے پاس موجود رہی لیکن پورے وسائل میسر نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شادی نہیں کی جبکہ یہ رقم ضرورت شادی کے لیے مختص ہے، کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جب تک یہ رقم خرچ نہیں ہو تو شادی کی ضروریات کی وجہ سے وجوب زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی اور اس شخص پر بقاعدہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر والد نے اپنی اولاد کی شادی کے لیے رقم جمع کی ہو اور نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو حولان حول کے بعد اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔

وسبب لزوم ادائہا توجہ الخطاب یعنی قولہ تعالیٰ: وَآتُوا الزَّكٰوةَ۔ وشرطہ ای شرط افتراض ادائہا حولان الحول وھو فی ملکہ وثمنیۃ المال کالدراھم والدنانیر لتعینھما للتجارۃ باصل الخلقۃ فتلزم الزکوٰۃ کیفما امسکھما

---

[1] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا فی ثیاب البدن المحتاج الیھا لدفع الحر والبرد۔۔۔ ولا فی اثاث المنزل ودور السکنی ونحوھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

ولو نفقۃ عیالہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۴ کتاب الزکوٰۃ) ؎

گھر میں استعمال ہونے والے سامان میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ گھریلو ضروریات کیلئے رکھے ہوئے سامان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ نیز ضرورت کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟ بسا اوقات گھر میں متعدد بستر اور کھانے پینے کے برتن پڑے رہتے ہیں جن کی قیمت ہزاروں روپے تک پہنچتی ہے۔

الجواب:۔ ضرورت کے وقت جس سامان کے استعمال کی حاجت پڑے تو وہ اشیاء گھریلو ضروریات کے زمرہ میں شمار ہوں گی۔ معاشرہ میں وقت، حالات اور تعلقات میں اختلاف کی وجہ سے ضروریات میں تفاوت لازمی چیز ہے۔ اگر کسی کے ہاں مہمان زیادہ آتے ہوں تو اس کیلئے زیادہ سامان رکھنا ضروری ہے، بہرحال ضرورت کا کوئی مخصوص معیار نہیں ہے۔ قال محمد ابن عبد الباقی الزرقانیؒ فی شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة فكان یقتصر منه نفقة او صفة علی قدر الحاجة الخ۔ وقال جنس الفراش فیصدق بتعدده عند الاحتیاج الیه لكثرة ضیفانه عادة (ج ۵ ص [illegible]) تاہم جو چیز گھر کے استعمال کے نام سے خریدی جائے تو وہ ضرورت کے لیے ہو یا ضرورت سے زائد ہو لیکن تجارت کی نیت سے نہ خریدی گئی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ قربانی اور صدقۂ فطر کے لیے ضرورت سے زائد اشیاء کی قیمت لگا کر اگر نصاب کو پہنچے تو پھر قربانی اور صدقۂ فطر واجب رہے گا۔

قال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس فی دور السكنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زكوٰة۔

(الہدایۃ ج ۱ ص ۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

؎ وشرط وجوب ادائها ای افتراضها حولان الحول وهو فی ملكه ای فی تنمية المال كالدراهم والدنانیر۔ (حاشیۃ الطحطاوی ص ۳۹۹ کتاب الزکوٰۃ حاشیۃ الطحطاوی)

ومثله فی الهندية ج ۱ ص ۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ قال العلامة الحصكفیؒ: كثیاب البدن المحتاج الیها لدفع الحر والبرد ای ملك واثاث المنزل ودور السكنی ونحوها۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندية ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ نہیں

سوال :- جناب مفتی صاحب! نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- زکوٰۃ کے وجوب میں منجملہ دیگر شرائط کے عاقل بالغ ہونا شرط ہے لہٰذا بناء بریں نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) [1]

والد کے مال سے بیٹا بلا اجازت والد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں

سوال :- اگر والد کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوئی ہو تو یہ زکوٰۃ بلا اجازت والد کے بیٹا کسی مستحق کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- بغیر اجازت والد کے بیٹا اس کے مال میں سے زکوٰۃ نہیں دے سکتا، البتہ اگر والد کی اجازت کے بغیر بیٹے نے والد کے مال میں سے زکوٰۃ دے دی اور پھر والد نے ایسی حالت میں کہ وہ زکوٰۃ کی رقم فقیر (محتاج) کے ہاتھ میں موجود تھی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ والاً فلا

کما قال فی الهندیة: رجل ادی زکوٰۃ غیرہ عن مال ذٰلک الغیر فاجازہ المالک فان کان المال قائماً فی ید الفقیر جاز والا فلا۔ (فتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول) [2]

میت کی طرف سے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال :- ایک شخص نے اپنی عین حیات میں خود زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو اس کی وفات کے بعد اگر اس کے ورثاء اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیں تو یہ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہ؟

الجواب :- اگر میت نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ میرے ذمے اتنی زکوٰۃ کی ادائیگی

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ ۔۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال الحسن بن عمار بن علیؒ: ولو مقارنة حکمیة کالودفع بلا نیة ثم نوی والمال قائم بید الفقیر ولا یشترط علم الفقیر انها زکوٰۃ۔ (مراقی الفلاح ص۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

باقی ہے تو ثلث جائیداد سے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے ورثاء پر لازم ہے کہ ذمہ کی فراغت کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں، اور اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو تو اگرچہ ورثاء پر لازم نہیں لیکن ادائیگی کی صورت میں فراغ ذمہ کی امید ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: (قوله ولو مات) فلو ادّاها وارثه جاز، فانه لو مات من عليه الزكوٰة او الفطرة او الكفارة او النذر لم تؤخذ من تركته عندنا الا ان يتبرع ورثته بذلك وهم من اهل التبرع ولم يجبروا عليه وان اوصى تنفذ من الثلث (رد المحتار ج۲ ص۲۹۴ باب صدقة الفطر) لہ

نوٹ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

سوال: کیا زکوٰۃ میں دس یا پانچ روپے کے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں کیونکہ یہ مال نہیں بلکہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کیا جائے گا۔

الجواب: مروجہ کرنسی نوٹ کی حقیقت کے بارے میں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں، کچھ علماء کے نزدیک مروجہ کرنسی نوٹ ایک رسید کی مانند ہیں یعنی جس نوٹ پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ "حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کیا جائے گا" تو اس سے مجلس میں قبضہ نہ ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی تاہم ایک روپیہ کے نوٹ پر یہ الفاظ نہیں لکھے ہوتے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن جن علماء کے نزدیک مروجہ کرنسی نوٹ ثمن عرفی کے حکم میں ہیں جیسا کہ یہی احتمال غالب ہے تو اس صورت میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وجاز دفع القيمة في زكوٰة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الاعتاق وتعتبر القيمة يوم الوجوب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۵) لہ

لہ قال الشيخ النظامؒ: واذا مات من عليه زكوٰة او فطرة او كفارة او نذر لم يؤخذ من تركته عندنا الا ان يتبرع ورثته بذلك وهم من اهل التبرع فان امتنعوا لم يجبروا عليه وان اوصى بذلك يجوز وينفذ من ثلث ماله۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۳ كتاب الزكوٰة الباب الثامن في صدقة الفطر)

وبمثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۵۳ كتاب الزكوٰة فصل بيان ما يسقطها۔

لہ قال في الهندية: ويجوز دفع القيم في الزكوٰة عندنا وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۰ الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة)

وبمثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۲۱ كتاب الزكوٰة۔

قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک شخص کے پاس کچھ رقم موجود ہے جس کی زکوٰۃ وہ خود ادا کرتا ہے لیکن کچھ رقم اس سے عزیز و اقارب نے بطور قرض لی ہوئی ہے جس کی باوجود تقاضہ کرنے کے واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہو تو ایسے قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر عزیز و اقارب اس قرض کا اقرار کرتے ہوں یعنی قرض واپس کرنے سے منکر نہ ہوں تو وصولی کی صورت میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب ہوگی۔ تاہم اگر یہ رقم یکمشت وصول ہوجائے تو رقم وصول ہوتے ہی اس کی مقدار کے حساب سے ۴۰ واں حصہ ادا کرے۔

لما قال علاء الدين الحصكفي: واعلم ان الديون عند الامام ثلاثة قوي ومتوسط وضعيف فتجب زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورا بل عند قبض اربعين درهما من القوي كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض اربعين درهما يلزمه درهم (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۵ باب زكوة المال)۔[1]

کمیٹی کی رقم یعنی بیسی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ہم بائیس افراد نے مل کر ایک کمیٹی بنائی ہے جس میں ہر ایک ممبر پانچ سو روپیہ ماہوار جمع کرتا ہے اور ہر ماہ کے آخر میں قرعہ اندازی سے نام نکلتے ہیں جس کا بھی نام نکل آئے تو جمع شدہ رقم (گیارہ ہزار روپے) اسے دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح بائیس ماہ بعد میرا نام نکلا، اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بائیس ماہ بعد میں نے جو رقم حاصل کی ہے اس میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ رقم ملتے ہی زکوٰۃ دینی ہوگی یا سال کے بعد؟

الجواب:- اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں تو اپنے نصاب کے ساتھ اس کمیٹی والی

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: الدين على اقسام قوي ووسط وضعيف فالقوي هو بدل القرض ومال التجارة اذا قبضه وكان على مقر ولو مفلسا او على جاحد عليه بينة زكاه لما مضى ويتراخى وجوب الاداء الى ان يقبض اربعين درهما ففيها درهم لان ما دون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه وكذا فيما زاد بحسابه.

(مراقي الفلاح ص [illegible] كتاب الزكوة)

ومثله في الطحطاوي على مراقي الفلاح ص ۳۹۰ كتاب الزكوة.

رقم کو زکوٰۃ بدستور دیا کریں اور اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب نہیں تو جب کبھی بھی آپ کی رقم نصاب کے برابر جمع ہو جائے تو اسی وقت سے آپ صاحبِ نصاب شمار ہوں گے اور اسی کے حساب سے حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دیں گے خواہ اقساط پر سال گذرا ہو یا نہ؟

لما قال التمرتاشي والعلامة الحصكفيؒ: (وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه ...... (والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الأصل) قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله ولو بهبة أو إرث) أدخل فيه المستفاد بشراء أو ميراث أو هبة وما كان حاصلاً من الأصل كالأولاد والربح

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب الزکوٰۃ مطلب مهم في اللغة واجب الخ) [۱]

قرض منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی یا قرض کی موجودگی میں؟

سوال:۔ ایک شخص کے پاس بیس ہزار روپے نقد ہو لیکن اس کے ذمہ واجب الادا قرض بھی ہو اگرچہ قرض فی الحال ادا کرنا ضروری نہ ہو لیکن قرض خواہ کی طرف سے کسی وقت بھی اس کا مطالبہ ہو سکتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں موجودہ تمام رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا پہلے قرضے منہا کیا جائے گا؟

الجواب:۔ جو قرض واجب الادا ہو اور مدیون مطالبہ ہوتا ہو یا دائن کے پاس گواہان موجود ہوں تو کل مال سے قرضہ منہا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اگرچہ کسی وقت بھی ادا ہو لیکن اگر قرض پورے مال کو محیط ہو تو پھر اس کے ذمہ کوئی زکوٰۃ نہیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوٰة عليه

---

[۱] وفي الهندية: ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه أو لا وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك ولو كان من غير جنسه من كل وجه كالغنم مع الإبل فإنه لا يضم. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۷۵ الباب الأول)

وفيه أيضاً: تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ الباب الثالث في زکوٰۃ الذهب والفضة)

ومثله في بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳ فصل حولان الحول فليس من شرائطها ادا۔

وان كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصاباً۔ (الهداية ج ۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة) ۔ لہ

بیٹی کے حق مہر کی رقم والد نے لی ہو تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

سوال: ایک شخص نے اپنی بیٹی کا حق مہر تقریباً دس ہزار روپے لے کر اپنے پاس رکھا، تو سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ کس پر لازم ہوگی، باپ یا بیٹی پر؟

الجواب: اگر بیٹی نے شرم وحیاء کی وجہ سے یہ رقم اپنے والد کو دے دی ہو تو اس ہبہ کا اعتبار نہیں کیونکہ ہبہ میں رضا و ہبہ ضروری ہے، لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ لڑکی پر واجب ہوگی اور باپ کے لیے اس رقم کا استعمال جائز نہیں، البتہ اگر بیٹی نے یہ رقم خوشی سے باپ کو دی ہو تو پھر باپ کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اس رقم کی زکوٰۃ والد پر واجب ہوگی۔

لما في الهندية: ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول مالاً من جنسه ضمه الى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه اولا وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث او هبة او غير ذلك ولو كان من غير جنسه۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۵ كتاب الزكوٰة، الباب الاول في تفسيرها) لہ

وجوبِ زکوٰۃ کے لیے قرض کا منہا کرنا

سوال: ایک شخص کے پاس بارہ ہزار روپے کے زیورات ہیں اور دس ہزار روپے کا وہ مقروض بھی ہے تو کیا اس صورت میں وہ بارہ ہزار سے زکوٰۃ دے گا یا قرض منہا کرکے دو ہزار سے دے گا؟

الجواب: اگر اس آدمی کے پاس زیورات کے علاوہ کوئی دوسری رقم نہ ہو جس سے وہ قرضہ ادا کرسکے تو اس صورت میں وہ صرف دو ہزار روپے میں زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ یہ رقم نصاب تک پہنچتی ہو، البتہ اگر قرضہ ادائیگی کے لیے اور بھی کچھ ہو تو اس صورت میں بارہ ہزار پر

لہ قال ابن عابدين: (تحت قوله فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد) وهذا اذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكوٰة فلو لحقه بعده لم تسقط الزكوٰة لانها ثبتت في ذمته فلا يسقطها ما لحق من الدين بعد ثبوته۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۲ كتاب الزكوٰة)

ومثله في الهندية ج ۱ ص۱۷۳ كتاب الزكوٰة، الباب الاول۔

لہ قال ابن نجيم: وفي المستفاد من استفاد بميراث او هبة او شراء او وصية۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۲ فصل في الغنم)

ومثله في الهداية على صدر فتح القدير ج ۲ ص۱۲۲ كتاب الزكوٰة۔

زکوٰۃ لازم ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: سببه أي سبب افتراضها ملك نصاب ...... تام ......
فارغ عن الدين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكوٰة وخراج — وسبب لزوم أدائه توجه الخطاب (قوله تعالى وآتوا الزكوٰة) وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكوٰة كيف امسكهما ولو للنفقة. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹/۲۶۰ کتاب الزکوٰة)

امانت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک آدمی نے دوسرے شخص کے پاس کچھ رقم بطور امانت رکھی ہے، تو اس کی زکوٰۃ اصل مالک پر ہوگی یا جس کے پاس رقم بطور امانت رکھی ہے؟

الجواب: کسی کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اس لیے جب تک ملکیت میں ہو اور مستلزم ہو تو اصل مالک پر بعد از حولانِ حول زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله فلوله بينة تجب) ونخاصم على القول بالوجوب ان حكمه حكم الدين القوي. (رد المحتار ج۲ ص۲۶۶ کتاب الزکوٰة) [۲]

---

[۱] قال في الهندية: منها الفراغ عن الدين قال اصحابنا كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكوٰة .... (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۳ الباب الاول)

وفيها ايضاً: تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروباً كان او لم يكن مصوغاً كان او غير مصوغ حلياً كان للرجال او للنساء تبراً كان او سبيكة كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰة الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة)

ومثله في بدائع الصنائع جلد۲ ص۱۶ کتاب الزکوٰة فصل صفة هذا النصاب۔

[۲] قال الامام ابن الهمامؒ: (تحت قوله ولو كان الدين على مقر ملئ) فهو قوي تجب الزكوٰة اذا حال الحول ويتراخى الاداء الى ان يقبض اربعين درهماً۔ (فتح القدير ج۲ ص۱۶۷ کتاب الزکوٰة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰة الباب الاول في تفسيرها۔

حلال وحرام سے مخلوط مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک شخص نے بینک سے سُودی کھاتہ جات میں نقد رقم جمع کی ہو اور کئی سال کے بعد سود کے اضافے کی وجہ سے وہ رقم کئی گنا زیادہ ہوگئی تو ایسی صورت میں اگر وہ شخص زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کیا اصل رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گا یا بمع سود کل رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:- اگر حلال اور حرام کی مقدار معلوم ہو تو حلال آمدنی سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اور حرام مال کے بارے میں اصل حکم یہ ہے کہ اگر وہ کسی اور شخص کا مال ہو تو اس کو واپس کیا جائے اور جہاں کہیں مالک معلوم نہ ہوسکے تو بلانیت ثواب خیرات کر دیا جائے تاکہ حرام مال سے ذمہ فارغ ہو جائے، اور اگر مالک کا ذہن نہیں بنا ہو اور وہ دونوں (حرام اور حلال مال) سے مجموعی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی اس کے حق میں باعث تخفیف ہے جس کی رُو سے حلال مال سے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور حرام مال میں زکوٰۃ کے نام سے ادا شدہ رقم سے اس کی ذمہ داری فارغ ہوگی، ایسی حالت میں اگر حلال اور حرام میں تمیز نہ ہوسکے اور دونوں قسم کا مال اکٹھا ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے۔

لما قال ابن نجیمؒ: ولو اخلطوا اموال سلطانا غصب مالاً وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكوٰة وورث عنه على قول ابو حنيفةؒ لان خلط دراهمه بدراهم غيره استهلاك اما على قولهما فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- آجکل بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں ملازمین کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ لی جاتی ہے اور کچھ رقم محکمہ اپنی طرف سے ملا کر اس رقم کو ملازم کے نام پر جمع کرتا ہے اور یہ رقم ملازم کو ملازمت کے ختم کرنے سے قبل نہیں دی جاتی بلکہ ملازمت ختم ہونے (یعنی ریٹائرمنٹ) پر دی جاتی ہے اور عرف

---

[1] قال ابن عابدینؒ: لو اخرج زكوٰة المال الحلال من مال حرام ذكر في الوهبانية انه يجزئ عند البعض ونقل القولين في القنية. وقال في البزازية ولو نوى في المال الخبيث الذي وجبت صدقته ان يقع عن الزكوٰة وقع عنها اه اي نوى في الذي وجب التصدق به لجهل اربابه۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۱ مطلب في التصدق من المال الحرام قبيل نوع آخر)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۸۶ کتاب الزکوٰۃ۔

میں اس رقم کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں، کیا ایسی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ جو ملازم کی تنخواہ سے جبراً کچھ رقم کاٹتا ہے اور باوجود ملازم کی ملک ہونے کے اس مال پر ملازم کو تصرف و قبضہ حاصل نہیں ہوتا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اس پر زکوٰۃ نہیں۔ علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عمر بن میمون قال اخذ الولید بن عبد الملک مال رجل من اھل الرقۃ یقال لہ ابو عائشۃ عشرین الفا فالقاھا فی بیت المال فلما ولی عمر بن عبد العزیز اتاہ ولدہ فرفعوا مظلمتھم الیہ فکتب الی میمون ان ادفعوا الیھم اموالھم وخذوا زکوٰۃ عامھم ھذا الخ۔ کیونکہ پراویڈنٹ فنڈ دین ضعیف میں شامل ہے جو وصول کے بعد گزرنا حولان حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: وعند قبض مائتین مع حولان حول بعدہ ای بعد القبض من دین ضعیف وھو بدل غیر مال کمھر ودیۃ وبدل کتابۃ وخلع۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۶ باب زکوٰۃ المال)[1]

شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- اس جدید دور میں شیئرز کا کاروبار عروج پر ہے جس میں مشترکہ سرمایہ نصاب زکوٰۃ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کو تقسیم کیا جائے تو بعض حصہ داروں کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہے اور بعض کا نہیں، تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ کے معاملہ میں جیسا کہ مال کا نصاب تک پہنچنا ضروری ہے بالکل اسی طرح مزکّی کا بھی صاحب نصاب ہونا ضروری امر ہے۔ یہاں اگرچہ مشترکہ مال نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہے لیکن تقسیم کے بعد بعض حصہ داروں کا حصہ نصاب زکوٰۃ تک پہنچتا ہے اور بعض کا نہیں، اس لیے شیئرز کے کاروبار میں مشترکہ مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ہر حصہ دار کے حصہ پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ حصہ دار صاحب نصاب بن سکتا ہو۔

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وفی الضعیف لا تجب ما لم یقبض نصاباً ویحول الحول بعد القبض علیہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة وان صحت الخلطة فيه ..... وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ويتراجعان بالحصص وبيانه في الحاوي فان بلغ نصيب احدهما نصاباً زكاه دون الآخر۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۴ باب زكوة السائمة) لہ

لمیٹڈ کمپنیوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: چند اشخاص مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، وہ جس کی مالیت نصاب زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہے لیکن اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصے کی مالیت نصاب زکوٰۃ سے کم ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ کے لیے جس طرح مال کا نصاب تک پہنچنا ضروری ہے اسی طرح صرف (؟) یعنی زکوٰۃ دینے والے کا صاحب نصاب ہونا بھی ضروری ہے۔ صورت مسئولہ میں اگرچہ مشترکہ مالیت نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہے لیکن اگر تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کا حصہ نصاب تک نہ پہنچتا ہو تو اس مال مشترک پر زکوٰۃ نہیں، تاہم اگر مالیت اس قدر ہو کہ اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کا حصہ یا جس کسی کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: فاما اذا كانت مشتركة بين اثنين فقد اختلف فيه قال اصحابنا انه يعتبر في حال الشركة ما يعتبر في حال الانفراد وهو كمال النصاب في حق كل واحد منهما فان كان نصيب كل واحد منهما يبلغ نصاباً تجب الزكوة والا فلا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹) لہ

لہ لما قال العلامة الكاسانيؒ: فاما اذا كانت مشتركة بين اثنين فقد اختلف فيه قال اصحابنا انه يعتبر في حال الشركة ما يعتبر في حال الانفراد وهو كمال النصاب في حق كل واحد منهما فان كان نصيب كل واحد منهما يبلغ نصاباً تجب الزكوة والا فلا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹ كتاب الزكوة)

ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۲۹۵ كتاب الزكوة۔

لہ قال العلامة الحصكفيؒ: لا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة وان صحت ..... وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ..... فان بلغ نصيب احدهما نصاباً زكاه دون الآخر۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۴ باب زكوة المال)

ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۲۹۵ كتاب الزكوة۔

فکسڈ ڈپازٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: جدید بینکاری نظام میں ایک کھاتہ فکسڈ ڈپازٹ کا ہے جس میں رقم ایک مقررہ مدت مثلاً تین سال یا پانچ سال کے لیے جمع کی جاتی ہے اور اس مدت کے ختم ہونے سے قبل کھاتہ دار اپنی رقم بینک سے واپس نہیں لے سکتا، تو کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اگرچہ ملک تام کا ہونا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنا مال دوسرے کے حوالے کرے اور وہ دوسرا شخص اس کا مقر ہو لیکن سردست دینے والا مال پر قبضہ نہ کرسکتا ہو تو یہ دین میں داخل ہے اس لیے اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی مگر ادائیگی اس وقت ضروری ہے جب وہ مال قبضہ میں آجائے لہٰذا بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں زکوٰۃ واجب ہے مگر ادائیگی بوقت وصول لازمی ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: ولو کان الدین علی مقر ملیٔ او علی معسر او مفلس ای محکوم بافلاسہ او علی جاحد علیہ بینۃ وعن محمدؒ لا زکوٰۃ وھو الصحیح ذکرہ ابن ملک وغیرہ لان البینۃ قد لا تقبل او علم بہ قاض سیجیٔ ان المفتی بہ عدم القضاء بعلم القاضی فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۹۶ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

انعامی بانڈز پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے پاس دس ہزار روپے کے انعامی بانڈز ہیں کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اور اگر واجب ہے تو کب ادا کی جائے گی؟

الجواب: فقہائے کرام نے دین کی تین قسمیں ذکر کی ہیں جس میں دین وسطی کی تعریف بانڈز پر صادق آتی ہے اس لیے کہ بانڈز خود مال نہیں بلکہ یہ اس مال کی رسید ہے جو آپ کا حکومت یا کسی پرائیویٹ ادارے کے پاس قرض کی شکل میں موجود ہے اسلئے بانڈز کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن جب یہ بانڈز مالیت کی شکل اختیار کرکے آپ کے ہاتھ آجائے تو گذشتہ اور موجودہ سال سب کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: و نوجبات الدین علی مقر ملیٔ او علی معسر او مفلس ای

---

[۱] قال الامام المرغینانیؒ: ولو کان الدین علی مقر ملیٔ او معسر تجب الزکوٰۃ لامکان الوصول الیہ ابتداءً او بواسطۃ — قال ابن الھمامؒ: تحتہ فی الغوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھماً ففیھا درھم۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

محکوم بافلاسہ اوعلی جاحد علیہ بینة ...... فوصل الی ملکہ لزم زکوٰة مامضی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶ کتاب الزکوٰة) لہ

پرائز یا نڈز زکوٰة میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کے پاس پرائز یا نڈز ہوں اور وہ ان کو زکوٰة میں دینا چاہے تو کیا اس سے زکوٰة ادا ہو جائیگی؟

الجواب:۔ بانڈز خود مال نہیں بلکہ یہ اس مال کی رسید ہے جو حکومت بینک والوں کے پاس آپ کی مالیت کی صورت میں موجود ہے جبکہ زکوٰة میں تملیک المال فرد کی ہے اور زکوٰة کی ایک اہم شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے زکوٰة میں پرائز بانڈز دینے سے زکوٰة ادا نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ہی تملیک خرج الاباحة فلو اطعم ناویا الزکوٰة لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم ...... جزء مال خرج المنفعة فلو اسکن فقیرا دارہ سنة ناویا لا یجزیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵ کتاب الزکوٰة) لہ

بینک اور انشورنس سے حاصل شدہ منافع پر زکوٰة کا حکم

سوال:۔ بینک کے مختلف کھاتہ جات یا انشورنس سے جو منافع حاصل ہوتا ہے کیا اس پر زکوٰة واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بینک یا دیگر سودی اداروں کی طرف سے جو منافع ملتا ہے وہ ربو (سود) ہے جو از روئے شرع حرام ہونے کی بنا پر واجب التصدق ہے اس لیے اس حاصل شدہ منافع پر کوئی زکوٰة نہیں البتہ اگر یہ سود اصل مال کے ساتھ خلط ہوا ہو اور غالب حصہ حلال مال کا ہو تو اس صورت میں زکوٰة واجب ہوگی، فقہی ذخائر میں اس کی نظیر یہ ہے کہ:۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو خلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ

لہ لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولو کان الدین علی مقر ملئ او معسر تجب الزکوٰة لامکان الوصول الیہ ـ قال ابن الهمام تحت قولہ ...... ففی القوی تجب الزکوٰة اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درهما ففیها درهم۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الزکوٰة)

لہ لما قال الامام ابو البرکات النسفیؒ: هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰة)

فتجب الزکوٰۃ فیہ ویورث عنہ لأن الخلط استھلاک اذا لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفۃؒ۔
(ردالمحتار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۳۱ باب زکوٰۃ الغنم)

پیشگی کرایہ کی رقم میں زکوٰۃ مالک پر ہے نہ کہ کرایہ دار پر

سوال:- آجکل بازاروں میں ایک عجیب رواج چلا ہے کہ بڑی بڑی مارکیٹوں کے مالک دوکاندار (کرایہ دار) سے پیشگی کرایہ لیتے ہیں، اس مخصوص رقم سے مالک دوکان ہر ماہ اپنا کرایہ منہا کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی یعنی کون زکوٰۃ ادا کرے گا؟ مالک دوکان یا کرایہ دار؟

الجواب:- فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگی کرایہ لینے سے مالک دوکان اس کرایہ کا مالک بن جاتا ہے، دوکاندار اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا، اس لیے اس رقم کی زکوٰۃ بھی مالک دوکان ہی پر واجب ہے، وہ ہی ادا کرے گا، دوکاندار (کرایہ دار) پر واجب نہیں۔

لما قال الشیخ ابن الھمامؒ: واما زکوٰۃ الاجرۃ المعجلۃ عن سنین فی الاجارۃ الطویلۃ التی یفعلھا بعض الناس عقودا ویشترطون الخیار ثلاثۃ ایام فی راس کل شھر فتجب علی الآجر لانہ ملکھا بالقبض۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۱۲۱ کتاب الزکوٰۃ) [1]

زرِ ضمانت کی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- آجکل انگریزی قانون کے مطابق کوئی بھی عدالت جب کسی مجرم کو آزاد کرتی ہے تو اس سے زرِ ضمانت (کچھ نقد رقم) وصول کرتی ہے جو کہ حکومت کے خزانہ میں جمع ہوتی ہے، تو اس رقم کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ کے وجوب کیلئے اہم شرط ملکیت تامہ ہے یعنی مالک مال کے رقبہ کا بھی مالک ہو اور اس پر ہر وقت تصرف کر سکتا ہو یعنی اس کے قبضہ میں ہو، یہاں زرِ ضمانت کی رقم اگرچہ اصلاً ضمانت جمع کرانے والے کی ملکیت ہے لیکن بطورِ ضمانت جمع کرنے کے بعد اس

---

[1] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: ذکر الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل فی الاجارۃ الطویلۃ التی تعارفھا اھل بخاری ان الزکوٰۃ فی الاجرۃ المعجلۃ تجب علی الآجر لانہ ملکہ قبل الفسخ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۰ کتاب الزکوٰۃ)

کے تصرف اور قبضہ سے خارج ہو کر حکومت کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس میں ملکیت تامہ باقی نہیں رہتی اسلئے مال مرہونہ کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا فی مرہون بعد قبضہ۔ قال ابن عابدینؒ: ای لا علی المرتہن لعدم ملک الرقبۃ ولا علی الراہن لعدم الیدواذا استردہ الراہن لایزکی عن السنین الماضیۃ۔

(الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ)[1]

رہن (گروی) پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن (گروی) رکھے تو اس رہن کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں مالیت کا ملک تام ہونا ضروری ہے کہ وہ شخص اس مال کا کلی مالک ہو، چونکہ رہن میں راہن کا ملک تام نہیں ہے اس لیے کہ رہن اس کے ہاتھوں سے باہر ہے اور مرتہن کو ملک تام حاصل ہے اس لیے کہ اس کو ملک رقبہ حاصل نہیں اسلئے رہن (گروی) کی مالیت کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں نہ راہن پر اور نہ مرتہن پر، تاہم جب راہن کسی ایک کا ہو جائے تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا فی مرہون بعد قبضہ۔ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ ای لا علی المرتہن لعدم ملک الرقبۃ ولا علی الراہن لعدم الید واذا استردہ الراہن لایزکی عن السنین الماضیۃ۔

(الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: واطلق الملک فانصرف الی الکامل وھو المملوک رقبۃ ویدا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتہن لعدم ملک الید۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۴ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: واطلق الملک فانصرف الی الکامل وھو المملوک رقبۃ ویدا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتہن لعدم ملک الید۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۴ کتاب الزکوٰۃ)

کمیٹی کی رقم سے زکوٰۃ

سوال: آج کل کاروباری اور عام لوگوں میں یہ رواج ہے کہ چند آدمی جمع ہو کر آپس میں ماہانہ کے حساب سے کچھ پیسے مقرر کرتے ہیں اور وقت مقررہ کے بعد بذریعہ قرعہ اندازی وہ مجموعہ رقم ایک شخص کو دے دی جاتی ہے اس کے بعد پھر جمع کرتے ہیں پھر اسی طرح بذریعہ قرعہ اندازی دوسرے شخص کو رقم دی جاتی ہے حتیٰ کہ سب ممبروں کو اتنی ہی رقم مل جاتی ہے تو جس کو یہ رقم اول مل گئی ہو اور اس پر سال گذر جائے تو کیا اس شخص کو مجموعہ رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی یا دوسروں کا قرض الگ کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی مثلاً بیس ہزار روپے کی کمیٹی ہے اور مجموعہ ممبران کی تعداد دس ہے اور ان بیس ہزار میں سے دو ہزار اس شخص کے اپنے ہیں اور باقی دوسرے ممبروں کے؟

الجواب: شریعت مقدسہ کی روشنی میں اولاً مال سے قرض منہا کیا جائے گا اور قرض منہا کرنے کے بعد جو بھی مال باقی بچے اسی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی باقی ماندہ پر زکوٰۃ واجب نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً جس شخص کو بیس ہزار کی رقم ملی ہے اس پر سے صرف دو ہزار کی زکوٰۃ دینی ہوگی باقی اٹھارہ ہزار کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں۔

لما في الهندية: قال اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكوٰة من جهة العباد يمنع وجوب الزكوٰة سواء كان الدين للعباد كالقرض، وثمن البيع وضمان المتلفات وارش الجراحة الخ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۳ كتاب الزكوٰة الباب الاول في تفسيرها الخ) [1]

افیون کے کاروبار پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص افیون کا کاروبار کرتا ہے تو کیا اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: افیون سے چونکہ بہت ساری نشہ آور چیزیں ہیروئن تیار کی جاتی ہے اس وجہ سے متاخرین علماء نے افیون کی کاشت اور اس کا کاروبار منع کیا ہے لیکن دوسری طرف اس کا استعمال ادویات میں بھی ہوتا ہے اور بذات خود یہ مال متقوم بھی ہے اس لئے فی نفسہ اس کی خرید و فروخت کی جائے تو جائز ہے اور

---

[1] لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوٰة عليه۔ وقال الشافعي تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا انه مشغول بحاجته الاصلية فاعتبر معدوما۔۔۔ وان كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا لفراغه عن الحاجة الاصلية۔
(الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۱۱ كتاب الزكوٰة)

اس سے حاصل شدہ مال پر زکوٰۃ واجب ہے

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وصح بيع غير الخمر مما مر ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تحت قوله (وصح بيع غير الخمر) اي عنده خلافاً لهما في البيع والضمان لكن الفتوى على قوله في البيع وعلى قولهما في الضمان. (رد المحتار ج۶ ص۴۵۴ كتاب الاشربة) [1]

طویل المیعاد قرضوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: بعض لوگ بینکوں سے طویل مدت کیلئے قرضے لیتے ہیں کیا ایسے قرضے وجوبِ زکوٰۃ سے اسی طرح مانع ہیں جس طرح کہ دوسرے قرضے مانع ہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں لیکن قاعدہ اور دلائل کے لحاظ سے جس کو متاخرین فقہاء نے راجح بھی قرار دیا ہے وہ یہ کہ ایسے قرضہ جات مانع زکوٰۃ نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله او مؤجلا) عزاه في المعراج الى شرح الطحاوي وقال عند ابي حنيفة رحمه الله لا يمنع وقال الصدر الشهيد لا رواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح انه غير مانع

(رد المحتار ج۲ ص۱۲ كتاب الزكوٰة) [2]

میت کے ترکہ سے زکوٰۃ کا حکم

سوال: اگر کوئی آدمی جس پر کہ زکوٰۃ فرض بھی ہو بغیر ادائیگی زکوٰۃ کے مر جائے تو کیا بعد الموت اس کے ترکہ

---

[1] لما قال الشيخ المفتي كفايت الله الدهلوي رحمه الله: افیون، چرس، بھنگ، کوکین یہ تمام چیزیں پاک ہیں اور ان کا ادویات میں خارجی استعمال جائز ہے البتہ نشہ کی غرض سے ان کو استعمال کرنا ناجائز (بلکہ حرام) ہے، مگر ان سب کی تجارت بوجہ فی الجملہ مباح الاستعمال ہونے کے مباح ہے۔
(کفایت المفتی جلد ۹ ص۱۲۹ چھٹا باب ماکولات ومشروبات)

[2] لما قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن رحمه الله: مہر مؤجل جیسا کہ اب عموماً ہوتا ہے صحیح مذہب کے موافق مانع زکوٰۃ سے نہیں ہے، یعنی یہ دین مہر مؤجل روپیہ موجودہ سے وضع نہ کیا جاوے بلکہ تمام روپیہ سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ۶ ص۱۲۲ پہلا باب شرائط وصفت زکوٰۃ)

سے زکوٰۃ لی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے جب نیت کرے تب زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، فوت ہونے کے بعد انسان نیت کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس لیے اس کے ترکہ سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، تاہم اگر مرتے وقت کسی کو وصیت کر جائے کہ میرے مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر زکوٰۃ کا ادا کرنا درست ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ولو مات من عليه الزكوٰة لا تؤخذ من تركته لفقد شرط صحتها وهو النية۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ) [1]

حکومت کا زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال:- اگر کوئی شخص خود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو کیا حکومت اس بات کی مجاز ہے کہ وہ زبردستی اس سے زکوٰۃ وصول کرے؟

الجواب:- اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے سے انکاری ہے یا اقرار کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو حاکم وقت کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس شخص سے زبردستی زکوٰۃ وصول کر کے فقراء میں تقسیم کرے۔

لما قال الامام ابو جعفر الطحاویؒ: ومن امتنع من زكوٰة ماله فاخذها الامام كرهاً فوضعها في اهلها اجزأت عنه۔ (مختصر الطحاوی ص۴۳ باب صدقة الغنم) [2]

---

[1] لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولو مات فلا تؤخذ ... قال ابن عابدینؒ: في الجوهرة: اذا مات من عليه زكوٰة او فطرة او كفارة او نذر لم تؤخذ من تركته عندنا ... الا ان وصی فتعتبر من الثلث۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۵۵ باب صدقة الفطر)

ومثله في فتاوی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۲۳۳ باب صدقة الفطر۔

[2] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ تحت قوله وشرط اداءها نية مقارنة ... ومن امتنع عن اداء زكوٰة ماله واخذها الامام كرهاً منه فوضعها في اهلها اجزأه لان للامام ولاية اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دفع المالك۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ صبی (نابالغ بچے) اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مکلف ہو یعنی عاقل و بالغ ہو، اس لیے فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ مجنون میں شرط یہ ہے کہ وہ سال بھر مجنون رہتا ہو اور اس دوران اگر وہ کسی وقت بھی صحیح اور بالکل تندرست ہوجائے تو مالک نصاب ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی الیمنیؒ:۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی ومجنون اذا وجد منہ الجنون فی السنۃ کلہا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۴۸ کتاب الزکوٰۃ)[1]

زمرد، جواہرات اور دیگر قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس ہیرے، زمرد اور دیگر قیمتی پتھر موجود ہوں مگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو کیا اس شخص پر ان جواہرات کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تمام وہ قیمتی پتھر جو تجارت کی غرض سے اپنے پاس نہ رکھے ہوں بلکہ شوقیہ رکھے ہوں تو ان پتھروں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواہر الا ان تکون للتجارۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ قبیل باب السائمۃ)[2]

---

[1] لما قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ:۔ ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ خلافاً للشافعی ..... ولو افاق المجنون فی بعض السنۃ فہو بمنزلۃ افاقتہ فی بعض الشہر فی الصوم یعنی اذا کان مفیقاً جزءاً من السنۃ اولہا وآخرہا قل او کثر بعد ملک النصاب فلزمہ الزکوٰۃ کما لو افاق فی جزء من شہر رمضان۔ (العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ج۲ ص۱۱۵، ۱۱۶ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] وفی الہندیۃ: ولا فی الیواقیت واللآلی والجواہر فلا زکوٰۃ فیہا وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارۃ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ والعروض)

ومثلہ فی الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۰ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ الذہب۔

زیرِ مطالعہ کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بندہ ایک ہائی سکول میں اسلامیات کا اُستاد ہے، میرے پاس ایک لاکھ روپے سے زیادہ رقم کی کتابیں ہیں جو صرف مطالعہ کے لیے ہیں تجارت کے لیے نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کتابوں کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً زکوٰۃ اُس مال پر واجب ہوتی ہے جو حوائجِ اصلیہ سے زائد ہو اور بہ نیتِ تجارت رکھا ہو، مسئولہ صورت میں چونکہ کتب تمام برائے مطالعہ ہے تجارت کے لیے نہیں اس لیے یہ حوائجِ اصلیہ میں داخل ہو کر اس کی مالیت پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

قال فی الہندیۃ: منھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ...... وکذا کتب العلم ان کان من اھلہ وآلات المحترفین۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول فی تفسیرہا) لہ

زکوٰۃ کی نیت کے بغیر فقراء اور مساکین میں رقم کی تقسیم زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بغیر نیتِ زکوٰۃ کے کافی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کرے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں، جبکہ یہ شخص یہ عمل کئی سالوں سے کر رہا ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا مالِ زکوٰۃ کو الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت لازمی ہے، لہٰذا اگر بغیر نیتِ زکوٰۃ کے کوئی شخص بطورِ رقم بھی فقراء کو دے دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ یہ شخص گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دوبارہ ادا کرے گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرط صحۃ ادائھا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء ولو کانت مقارنۃ حکماً...... ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰۃ) لہ

لہ قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل لہ کتب العلم مایساوی مائتی درہم ان کانت مما یحتاج الیھا فی الحفظ والدراسۃ والتصحیح لا یکون نصاباً وحل لہ اخذ الصدقۃ فقیھا کان او حدیثاً او ادیباً۔ الخ

(خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۴۳ الفصل السابع فی زکوٰۃ الکتب والعروض)

لہ قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ للاداء او مقارنۃ لعزل مقدار الواجب لان الزکوٰۃ عبادۃ فکان من شرطھا النیۃ۔ (الہدایہ ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۲۱ کتاب الزکوٰۃ۔

حکومت کا اموال باطنہ سے زکوٰۃ کاٹنا

سوال:۔ بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ کی کٹوتی میں حکومتی پالیسی یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقوم سے تو زکوٰۃ کاٹتی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ سے نہیں کاٹتی اور پھر اس رقم کو غریب عوام پہ تقسیم کرتی ہے، جبکہ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ حکومتی زکوٰۃ سود ہے اور اس کو دینا جائز نہیں، تو کیا واقعی مذکورہ بالا طریقے سے کاٹی گئی زکوٰۃ سود کے زمرے میں شمار ہوتی ہے؟

الجواب:۔ حکومت وقت شرعاً اس بات کی مجاز ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کرے چاہے وہ سیونگ اکاؤنٹ میں ہو یا کرنٹ اکاؤنٹ میں ہو، جب حکومت کو شرعاً یہ استحقاق حاصل ہے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعی زکوٰۃ ہے جس کا غریب عوام کے لیے لینا جائز ہے، البتہ حکومت کی پالیسی غلط ہے کہ وہ سیونگ اکاؤنٹ سے تو زکوٰۃ لیتی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ سے نہیں لیتی۔

وذکر الامام محمد بن حسن الشیبانیؒ:۔ کان ابوبکر اذا اعطی الناس عطیاتہم یسأل الرجل ھل عندک من مال قد وجبت فیہ الزکوٰۃ فان قال نعم اخذ من عطائہ زکوٰۃ ذلک المال وان قال لا سلّم الیہ عطاءہ قال محمدؒ وبھذا نأخذ وھو قول ابی حنیفۃؒ۔

(موطا امام محمدؒ ص۱۷۲ باب الرجل یکون لہ الدین ھل علیہ فیہ زکوٰۃ)[1]

سفراء مدارس کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی رقوم سے حصہ لینا جائز نہیں

سوال:۔ بعض سفراء دینی مدارس کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں اور اس چندہ پر ایک مقررہ حصہ بطور کمیشن لیتے ہیں اور اس کے ساتھ دوران سفر اسی چندہ سے کھاتے پیتے بھی ہیں، کیا سفراء کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سفیر چندہ دہندہ کا وکیل ہوتا ہے، تملیک سے قبل اس کے لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کی رقوم سے کھانا پینا اور اپنا مقررہ حصہ وصول کرنا جائز نہیں، اور سفراء کو عاملین زکوٰۃ پر قیاس کرنا درست ہے۔

---

[1] عن عائشۃ بنت قدامۃ عن ابیہا انہ قال کنت اذا جئت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اقبض عطائی سألنی ھل عندک من مال وجبت فیہ الزکوٰۃ قال فان قلت نعم اخذ من عطائی زکوٰۃ ذلک المال وان قلت لا دفع الیّ عطائی۔

(موطا امام مالک ص۲۴۲ الزکوٰۃ فی العین من الذھب والورق)

لما قال العلامة أكمل الدين البابرتي رحمه الله: والعامل هو الذي يبعثه الامام لجباية الصدقات. (العناية على هامش فتح القدير ج۲ ص۲۰۳ باب من يجوز دفع الزكوٰة الخ) [۱]

سال گزر جانے کے بعد قرض مانع زکوٰۃ نہیں

سوال:- ایک شخص نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی جس کی بیع مکمل ہو چکی ہے لیکن مشتری نے ابھی تک بائع کو رقم ادا نہیں کی کہ مذکورہ رقم پر سال گزر گیا تو کیا اس شخص پر ان پیسوں کی زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مذکورہ رقم پر سال گزر جانے کے بعد زمین خریدی گئی ہو تو یہ قرض گذشتہ سال کی زکوٰۃ کے لیے مانع نہیں بلکہ موصوف کو زکوٰۃ دینا پڑے گی اور اگر سال گزرنے سے قبل زمین خریدی اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے قرض ہے تو یہ قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہے، تاہم اگر موصوف کے پاس اس قرضہ کے علاوہ اور مال نصاب کو پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ لازم ہے۔

قال العلامة الكاساني: ومنها ان لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكوٰة بقدره حالا كان او مؤجلا ..... واما اذا استحق بعد الحول لا يسقط الزكوٰة لانه دين حادث الخ۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۶ كتاب الزكوٰة فصل شرائط الفرضية) [۲]

---

[۱] قال الشیخ عزیز الرحمٰنؒ: مد زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۶ (امداد المفتیین) ص۲۰۸ باب مصارف الزکوٰۃ)

[۲] قال العلامة الحصكفيؒ: فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكوٰة۔
قال العلامة ابن عابدينؒ تحته: فلو كان له نصاب حال عليه حولان ولم يزكه فيهما لا زكوٰة عليه في الحول الثاني وكذا لو استهلك النصاب بعد الحول ثم استفاد نصابا آخر وحال عليه الحول لا زكوٰة في المستفاد لاشتغال خمسه بدين المستهلك۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۲۶۰ كتاب الزكوٰة مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)

فوجی یونٹوں کے سرکاری فنڈز پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:- فوج کی مختلف یونٹوں میں جوانوں کی فلاح و بہبود کے لیے فنڈز مختص ہوتے ہیں جن کو متعلقہ افسر صاحبان یونٹوں کے اندر رفاہی کاموں پر خرچ کرتے ہیں، تو کیا ان فنڈز پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ بظاہر یہ فنڈز کسی بھی یونٹ کی ملکیت نہیں بلکہ صرف استعمال کے لیے دیئے جاتے ہیں اس لیے فوجی یونٹوں کے ذمہ ان فنڈز کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

لما فی الهندية: ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد واما اذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض او وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكوٰة - (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة، الباب الاول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها)[1]

نصاب سے کم سونے کے ساتھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک عورت کے پاس چار تولے سونے کے زیورات اور ایک ہزار روپے نقد ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز اس کی ملک میں نہیں ہے، کیا سال گزرنے کے بعد اس عورت پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- جب کسی کے پاس چار تولے سونا اور ایک ہزار روپے نقد ہوں تو دونوں کو ملا کر ان کی قیمت اگر ۵۲½ تولے چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما فی الهندية: ولو ضم احد النصابين الى الآخر حتى يؤدى كله من الذهب او من الفضة لا بأس به لكن يجب ان يكون التقويم بما هو انفع

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفی رحمه الله: وسببه اى سبب افتراضها ملك نصاب حولی - قال ابن عابدين: فقد ذكر فی البدائع من الشروط الملك المطلق قال وهو الملك يدا ورقبة - (رد المحتار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوٰة۔

بالمقدار قيمة أو وزنًا والا فيؤدي من كل واحد ربع عشره كذا في محيط السرخسي۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۷۹ الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض فصل في العروض)[1]

عید کے موقع پر زکوٰۃ بطور عیدی دینا

سوال:۔ کیا عید کے موقع پر زکوٰۃ عیدی کے طور پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے ایک صاحب سے سنا ہے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

الجواب:۔ زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، اس لیے اگر عیدی دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ ہو بلکہ صرف عیدی کی نیت ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی تاہم اگر مال دیتے وقت یا اس کو علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصکفی: دفع الزكوٰة الى صبيان اقاربه برسم عيد او الى مبشر او مهدي الباكورة جاز. وقال ابن عابدين: قوله الى صبيان اقاربه اي العقلاء والا فلا يصح الا بالدفع الى ولي الصغير. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۷۶ باب المصرف كتاب الزكوٰة)[2]

شوہر کے مقروض ہونے کی صورت میں بیوی سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی بیوی کے پاس بیس تولے سونا زیورات کی صورت میں موجود ہے جو اس کی ذاتی ملکیت ہے جبکہ زید اتنا مقروض ہے کہ اس کا قرضہ

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وقيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وضعا وجعلا۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴ باب زكوٰة المال)
ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۰ باب زكوٰة المال۔

[2] قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله: والمدفوع الزكوٰة فيما يدفعه الى صبيان اقاربه عيدا او لمن يهدي اليه نبأ كورة او يبشره بقدوم صديقه .... يجوز۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۸۶ الباب الثاني في المصرف)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع في المصارف۔

زیورات کی قیمت سے زیادہ ہے تو اس صورت میں زید کی بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسئلے کے زیورات چونکہ زید کی بیوی کی ملکیت ہیں لہٰذا بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے شوہر کے قرضے کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي..... نامٍ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳ كتاب الزكوٰة) ۱؎

اسلحہ میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ زید کے پاس ایک پستول ۔۔۔ ۲۰ ہزار روپے کی اور ایک کلاشنکوف ۲۵ ہزار روپے کی ہے اس کے علاوہ زید کے پاس اور کچھ نہیں ہے، تو کیا زید پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: پستول اور کلاشنکوف اگر اپنی حفاظت کے لیے ہوا اور اس کے علاوہ زید کے پاس اور کوئی مال موجبِ زکوٰۃ وقربانی نہ ہو تو زید پر زکوٰۃ وقربانی واجب نہیں تاہم تجارت کی صورت میں دونوں واجب ہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وفارغ عن حاجته الأصلية۔ قال ابن عابدينؒ: وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب...... أن المراد به نفس الحوائج فإنه قال وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل........ وسلاح الاستعمال الخ۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶ كتاب الزكوٰة) ۲؎

۱؎ قال العلامة المرغينانيؒ: الزكوٰة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكاً تاماً وحال عليه الحول الخ۔ (الهداية ج۱ ص۱۶۶ كتاب الزكوٰة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ باب الأول في بيان تفسيرها الخ

۲؎ قال العلامة المرغينانيؒ: وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوٰة لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضاً۔ (الهداية ج۱ ص۱۶۹ كتاب الزكوٰة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ باب الأول في تفسيرها الخ۔

زکوٰۃ لینے والے کو بتائے بغیر زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کیا زکوٰۃ ادا کرتے وقت فقیر کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے یا یہ بتائے بغیر بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت صرف زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے فقیر کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وشرط صحۃ ادائها نیۃ مقارنۃ له: ای اشار الی انه لا اعتبار للتسمیۃ فلو سماها هبۃ او قرضا تجزیه فی الاصح والی انه لو نوی الزکوٰۃ والتطوع وقع عنها عند الثانی لان نیۃ الفرض اقوی۔

(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص کتاب الزکوٰۃ) [1]

افغان مہاجرین کو ملنے والی امداد میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ افغان مہاجرین بعض اسلامی اور یورپی ممالک میں پناہ لیتے ہیں اور وہاں انہیں بطور امداد ماہوار اچھی خاصی رقم بھی ملتی ہے، تو کیا ان کیلئے اس امدادی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ امداد افغان مہاجرین کو بصورت تملیک دی جاتی ہو جو نصاب شرعی کے برابر ہو تو سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ دینا ضروری ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی تام فارغ عن دین له مطالب من جهۃ العباد...... وفارغ عن حاجته الاصلیۃ نام ولو تقدیرا۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ للاداء او مقارنۃ لعزل مقدار الواجب لان الزکوٰۃ عبادۃ فکان من شرطها النیۃ والاصل فیها الاقتران الا ان الدفع یتفرق فاکتفی بوجودها حالۃ العزل تیسیرا کتقدیم النیۃ فی الصوم۔ (الهدایۃ ج ۱ ص کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیۃ ج ۱ ص کتاب الزکوٰۃ ۔ الباب الاول۔

[2] قال المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملکا تاما وحال علیه الحول۔ (الهدایۃ ج ۱ ص کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیۃ ج ۱ ص کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها۔

فارمی مرغیوں اور ان کی پیداوار میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- جنگل پولٹری فارموں میں مرغیاں چوزوں کی پیداوار کے لیے پالی جاتی ہیں جو تقریباً چھ ماہ بعد انڈے دینے لگتی ہیں جن سے مخصوص مشینوں کے ذریعے چوزے پیدا کیے جاتے ہیں، انڈوں کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک جاری رہتا ہے اس کے بعد جب یہ مرغیاں انڈے دینا کم کر دیتی ہیں تو انہیں گوشت کیلئے بیچ دیا جاتا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مرغیوں اور پیداوار دونوں سے دینا ہوگی یا صرف پیداوار سے؟

الجواب :- جب مرغیاں اور انڈے وغیرہ فروخت کر دیئے جائیں تو قیمت سرمایہ میں حسب قاعدہ شرعی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال الحصكفيؒ : وشرطه حولان الحول.... وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة.... أو نية التجارة في العروض۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ كتاب الزكوٰة) [1]

فلور ملز اور ویگن سٹینڈ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- زید ایک سے زیادہ ویگن سٹینڈ کا مالک ہے اور ان کو ٹیکسی کے طور پر چلاتا ہے، اسی طرح ایک فلور ملز کا بھی مالک ہے، تو کیا ان دونوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب :- نقدین (دراہم و دنانیر) کے علاوہ جو بھی چیز تجارت کی نیت سے خریدی گئی ہو کہ اس کو نفع پر بیچیں گے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ چونکہ فلور ملز اور ویگن سٹینڈ کرایہ پر چلانے کے لیے خریدی گئی ہے لہٰذا ان کی ذات میں زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ان کے اس منافع میں زکوٰۃ واجب ہے جو نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر

---

[1] قال العلامة المرغينانيؒ : الزكوٰة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت (أي من أي جنس كانت) إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق، والذهب۔

(الهداية ج ۱ ص ۱۸۴ باب زكوٰة المال)

[2] ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۷۹ الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض۔

زکوٰۃ میں قیمت فروخت کا اعتبار ہے

سوال:۔ آجکل بازار میں عموماً دو قسم کے نرخ ہوتے ہیں (۱) تھوک (۲) پرچون۔ تھوک کے نرخ میں مال کی قیمت کم ہوتی ہے اور پرچون کے نرخ میں عموماً زیادہ ہوتی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کس نرخ کے حساب سے ادا کی جائے گی؟

الجواب:۔ دوکاندار جس نرخ پر بھی سامان فروخت کرتا ہو اسی نرخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وتعتبر القيمة يوم الوجوب۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۳ باب زكوٰة الغنم) [۱]

زیورات کے موتیوں کا وزن نصاب میں شامل نہیں

سوال:۔ سونے کے زیورات میں نگ اور موتی لگے ہوتے ہیں زکوٰۃ دیتے وقت ان کے وزن کو بھی شامل نصاب کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ سونے کے زیورات کی زکوٰۃ کو بغیر نگ و موتیوں کے ادا کیا جائے گا یعنی نگ وزن سونے کے وزن میں شمار نہیں ہوگا تاہم اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو پھر ان کی مالیت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

وفي الهندية: واما اليواقيت واللآلي والجواهر فلا زكوٰة فيها وان كانت حليا الا ان تكون للتجارة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثاني في العروض) [۲]

مکان کے لیے زمین خرید کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید نے تین سال پہلے مکان بنانے کے لیے ایک پلاٹ خریدا جس کی قیمت ۲ لاکھ روپے ہے تو اب اس پلاٹ پر

---

[۱] وفي الهندية: وان ادى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب لان الواجب احدهما۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثاني في العروض)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۲۰ فصل في الغنم۔

[۲] قال العلامة الحصكفي: لا زكوٰة في اللآلي والجواهر وان ساوت الفا اتفاقا الا ان تكون للتجارة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۷۳ كتاب الزكوٰة)

زکوٰۃ ہے یا نہیں ! اور اگر زید اسے فروخت کردے تو پھر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب : وہ قطعۂ زمین جو صرف مکان بنانے کے لیے خریدا گیا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ فروخت کردینے کی صورت میں جب اس کی قیمت نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : واثاث المنزل ودور السکنی ونحوھا وکذا الکتب وان لم تکن لاھلھا اذا لم تنو للتجارۃ ، وقال ابن عابدینؒ : واثاث المنزل الخ محترز قولہ نام ولو تقدیرا وقولہ ونحوھا ای کثیاب البدن بغیر محتاج الیھا وکالحوانیت والعقارات ۔ (رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ) ۔[1]

خالص حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے پاس خالص حرام کا مال ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب : اگر کسی کے پاس جمع شدہ مال خالص حرام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے کہ مالک معلوم ہونے کی صورت میں مال کا واپس کرنا واجب ہے اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں مال خبیث ہے جو واجب التصدق ہے ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : (قولہ لو کان الخ) فی القنیۃ لو کان الخبیث نصاباً لا یلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۵ باب زکوٰۃ الغنم) ۔[2]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ : ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ ... لانھا مشغولۃ بالحاجۃ الاصلیۃ ولیست بنامیۃ ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۲ الباب الاول فی تفسیرھا وصفتھا وشرائطھا ۔

[2] قال العلامۃ ابن بزاز الکردریؒ : ولو بلغ المال الخبیث نصاباً لا یجب فیہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق ۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۸۶ الثانی فی المصرف)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۲ باب الرکاز ۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص کے پاس کچھ رقم پاکستانی کرنسی میں ہو اور کچھ رقم افغانی کرنسی میں ہو تو کیا ان دونوں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا کسی ایک قسم کی کرنسی سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب:- روپیہ اور سکہ افغانی ہو یا پاکستانی اس میں نصاب زکوٰۃ ۵۲ تولے چاندی یا ۷ تولے سونا کی قیمت ہے، اسی طرح دونوں ملکوں کی کرنسی نوٹوں کی قیمت جب اس نصاب کو پہنچے تو جتنا مال ہو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی عروض تجارة قیمة نصاب ... من ذهب وورق ... مقوما باحدهما ... ولو بلغ باحدهما نصابا دون الآخر قوم به بالانفع للفقیر۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۱ باب زکوٰة المال)[1]

زیورات میں زکوٰۃ ہر سال واجب ہے

سوال:- کیا زیورات میں ہر سال زکوٰۃ دینا پڑے گی یا عمر بھر میں ایک ہی بار ادا کرنا کافی ہے؟ ہمارے یہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ اگر ہر سال زیورات سے زکوٰۃ دی جائے تو وہ جلد ہی اصل زر کھو بیٹھے گا، شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- وجوب زکوٰۃ کا سبب نصاب پر سال کا گذر جانا ہے، جب سونے یا چاندی کے نصاب پر چاہے وہ زیورات کی شکل میں ہو یا اپنی اصل صورت میں، پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، تاہم اگر دوسرے سال نصاب زکوٰۃ

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق او الذهب ... یقومها بما هو انفع للمساکین ... قال وتضم قیمة العروض الی الذهب والفضة حتی یتم النصاب ... ویضم الذهب الی الفضة۔

(الهدایة ج۱ ص۱۸۲، ۱۸۳ باب زکوٰة المال)

ومثله فی نور الایضاح للشرنبلالیؒ ص۱۵۰ کتاب الزکوٰة۔

۷½ تولے سونے اور ۵۲½ تولے چاندی سے کم رہ جائے تو اس سال کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی لیکن اگر ہر سال نصاب پورا ہو تو ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وشرطه ای شرط افتراض اداءها حولان الحول وهو فی ملكه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص کتاب الزکوٰۃ) [1]

نفع پر موقوف تجارت کی نیت زکوٰۃ کے لیے عملِ تجارت کی محتاج ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے ایک عدد فلائنگ کوچ چار لاکھ پچاس ہزار روپے میں اس نیت سے خریدی کہ اگر کہیں سے منافع ملا تو میں اس کو فروخت کر دوں گا، پھر اس نے فلائنگ کوچ کو دو سال مزدوری پر چلایا، تو کیا اب ذات فلائنگ کوچ میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی چیز کو خریدتے وقت اگر یہ نیت کی گئی ہو کہ اگر منافع ملا تو اسے فروخت کر دوں گا، بعد میں اس چیز کو ذاتی فائدے مثلاً مزدوری کے لیے استعمال کیا تو وہ چیز اس وقت تک تجارت کی شمار نہ ہوگی جب تک عملاً اس میں تجارت جاری نہ ہو جائے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ذات فلائنگ کوچ کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: عن محمدؒ فی رجل اشتری عبداً ليخدمه وهو ينوی ان اصاب ربحاً يبيعه لا زكوٰة فيه۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۳۱ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة الكاسانيؒ: اما الاول فحولان الحول فی ان اصل النصاب وهو النصاب الموجود فی اول الحول يشترط له الحول لقول النبی صلی الله عليه وسلم لا زكوٰة فی مال حتی يحول عليه الحول۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳ فصل واما الشرائط التی ترجع)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج ۱ ص ۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامة الحصكفيؒ: لا يبقی للتجارة ما ای عبد مثلاً۔ قال ابن عابدينؒ: واشار بقوله مثلاً الی ان العبد غير قيد لكن الاولی ان يقول يعنی ما نوی استعماله ليعم مثل الثوب والدابة۔ قال الحصكفيؒ: اشتراه لها فنوی بعد ذلك خدمته ثم ما نواه للخدمة لا يصير للتجارة وان نواه لها ما لم يبعه الخ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۳ قبيل باب السائمة)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱ کتاب الزکوٰۃ فصل واما الشرائط۔

زکوٰۃ کی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

سوال:- ہمارے علاقے میں ایک شخص کہتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے کیا اس کی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ کی مقادیر منصوص ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں مثلاً دو سو روپے میں پانچ روپے اور سو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد عفوت عن
مائۃ شیٔ فاذا بلغت مائتین ففیہا خمسۃ دراہم۔

(جامع الترمذی ج۱ ص۷۹ باب ما جاء فی زکوٰۃ الذہب والورق) ؎۱

صدقہ زکوٰۃ کی مد میں شمار نہیں ہوگا

سوال:- ایک شخص کے پاس کچھ نقد رقم تھی جس میں سے چار سو روپے اس نے صدقہ میں دے دیئے، کیا از روئے شرع صدقہ کئے ہوئے چار سو روپے زکوٰۃ کی مد میں شمار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- جو رقم صدقہ میں دے دی گئی ہو اس سے فرض زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ دینا ضروری ہے۔

وفی الہندیۃ: فاذا نوی ان یؤدی الزکوٰۃ ولم یعزل شیئاً فجعل یتصدق

؎۱ عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی ما دون خمس ذود صدقۃ من الابل ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ ولیس فی ما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۱۹۴ باب زکوٰۃ الورق)

وعن انسؓ ان ابا بکرؓ کتب لہ ہذا الکتاب ... وفی الرقۃ ربع العشر فان لم تکن الا تسعین ومائۃ فلیس فیہا شیٔ الا ان یشاء ربہا۔

(صحیح البخاری ج۱ ص۱۹۶ باب زکوٰۃ الغنم)

ومثلہ فی الہدایۃ ج۱ ص۱۷۶ باب زکوٰۃ المال۔

شیئاً فشیئاً الیٰ آخر السنة ولم تحضرہ النیة لم یجز عن الزکوٰۃ ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

نقد رقم کی بجائے دوسری اشیاء زکوٰۃ میں دینا

سوال :- ایک شخص کی زکوٰۃ سو روپے بنتی ہے لیکن وہ زکوٰۃ میں نقد رقم کے بدلے میں اس کے برابر کوئی اور چیز ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- زکوٰۃ میں غرباء کی حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو چیز ان کے لیے مناسب ہو وہ انہیں دینا زیادہ مناسب ہے، تاہم اگر اس کے بدلے میں غیر ضروری چیز بھی دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : اما اذا ادّی من خلاف جنسه فالقیمة معتبرة اتفاقاً ۔ (ردالمحتار علی ہامش الدرالمختار ج ۲ ص ۲۲ باب زکوٰۃ الغنم) [۲]

پینے کا پانی زکوٰۃ میں دینا

سوال :- بعض علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے یا سفر وغیرہ میں پانی کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر کسی پیاسے یا مسافر کو پانی کی سخت ضرورت ہو تو کیا اسے زکوٰۃ میں پانی دینے سے

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : وانما اشترط النیة لان فعل المزاحم للمالک ...... کما اذا ادفع بلا نیة ثم حضرته النیة والمال قائم فی ید الفقیر فانه یجزئه وهو بخلاف ما اذا نوی بعد هلاکه ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱ کتاب الزکوٰۃ ۔

[۲] قال العلامة الکاسانی رحمه الله : واما الذی یرجع الی المؤدی فمنها ان یکون مالاً متقوماً علی الاطلاق سواء کان منصوصاً علیه اولا من جنس المال الذی وجبت فیه الزکوٰۃ او من غیر جنسه ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۱ فصل واما الذی یرجع الی المؤدی)

ومثله فی نور الایضاح للشرنبلالیؒ ص ۱۴۵ کتاب الزکوٰۃ ۔

زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ان علاقوں میں پانی قیمتاً فروخت کرنے کا رواج ہو اور عموماً پانی کی وہاں خرید و فروخت ہوتی ہو تو اگر پیاسا اور مسافر آدمی فقیر اور مصرف زکوٰۃ ہو تو اسے زکوٰۃ میں پانی دیا جا سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اما اذا ادی من خلاف جنسہ فالقیمۃ معتبرۃ اتفاقاً۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۲ باب زکوٰۃ الغنم) [1]

زکوٰۃ کی رقم قسطوں میں ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ کے ایک ہزار روپے میں سے ۸۲۰ روپے مستحقین میں بانٹ دیتا ہے اور باقی ۱۸۰ روپے کسی مستحق زکوٰۃ غریب طالب علم کو ایک سال کے لیے ۱۵ روپے ماہوار کے حساب سے دینا چاہتا ہے، تو کیا رقم ماہانہ قسطوں میں دینے سے زکوٰۃ شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی غریب اور مستحق طالب علم کو ماہانہ اقساط کے حساب سے زکوٰۃ دینا اگرچہ جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی تاہم بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ یکمشت ادا کی جائے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وافتراضہا عمری ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیہ الفتویٰ کما فی شرح الوھبانیۃ فیأثم بتاخیرھا بلا عذر۔ وقال ابن عابدینؒ وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع۔ الخ

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ: واما التی یرجع الی المؤدی فمنہا ان یکون مالاً متقوما علی الاطلاق سواء کان منصوصاً علیہ اولا من جنس المال الذی وجبت فیہ الزکوٰۃ او من غیر جنسہ والاصل ان کل مال یجوز التصدق بہ تطوعاً یجوز اداء الزکوٰۃ منہ وما لا فلا۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۱ فصل واما الذی یرجع الی المؤدی)
ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ والعروض۔ الفصل الاول۔

یؤدی عن حق مضی حولٌ قبل سادۃ واتم۔ (رد المحتار علی ہامش در مختار ج۲ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

قرضہ وصولی کی اقساط شروع ہونے سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی گاڑی ۹۴ ہزار روپے ماہوار اقساط پر فروخت کی جبکہ معاہدہ کے مطابق اقساط چار سال بعد شروع ہوں گی، تو کیا ان چار سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی یا جب قسطوں کی وصولی شروع ہو جائے تو اس وقت کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: زکوٰۃ جس طرح نقد مالیت پر واجب ہوتی ہے اسی طرح دینِ قوی پر بھی لازم ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں گاڑی فروخت کرنے کے بعد جب سال گذر جائے تو کل رقم پر زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گی چاہے اقساط شروع ہو چکی ہوں یا نہ۔

قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاریؒ: اذا عجل زکوٰۃ سنین یجوز عند علمائنا الثلاثۃ خلافاً لزفر۔ وفی شرح الطحاوی: انما یجوز التعجیل بشرائط ثلاثۃ۔ احدھا ان یکون الحول منعقداً وقت التعجیل، والثانی ان یکون النصاب کاملاً فی الذی عجل عنہ فی آخر الحول، والثالث ان لا ینعدم اصلہ فیما بین ذلک۔

(تاتارخانیۃ ج۲ ص۲۵۳ باب التعجیل الزکوٰۃ) [۳]

---

[۱] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: ثم قیل ھی واجبۃ علی الفور لانہ مقتضی مطلق الامر وقیل علی التراخی لان جمیع العمر وقت الاداء ولہذا لا یضمن بہلاک النصاب بعد التفریط۔

(الہدایۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرھا وصفتھا وشرائطھا۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو عجل ذو نصاب زکوٰتہ لسنین او لنصب صح لوجود السبب۔ قال ابن عابدینؒ: بان کان لہ ثلثمائۃ درہم دفع منہا مائۃ درہم عن مائتین عشرین سنۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی فتاوی قاضیخان ج۱ ص۱۲۷ فصل فی تعجیل الزکوٰۃ۔

گاڑی حوائج اصلیہ میں داخل ہے

سوال:۔ ایک شخص کے پاس دس لاکھ کی گاڑی ہے تو کیا یہ شخص زکوٰۃ دیتے وقت اس گاڑی کی قیمت لگا کر اس کی بھی زکوٰۃ دے گا یا گاڑی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؟

الجواب:۔ ہر وہ مال جو آدمی کے حوائج اصلیہ میں داخل ہو چاہے وہ کتنا ہی قیمتی ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لیے صورت مسئولہ میں صرف زائد از حوائج اصلیہ مال کی زکوٰۃ دے گا، گاڑی کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰة لأنها مشغولة بحاجته الأصلية ولیست بنامية۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰة) ۱ے

سامانِ تجارت میں اندازے سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال:۔ میری بہت بڑی دکان ہے جس میں ہزاروں اشیاء موجود ہیں تو اگر میں اندازہ لگا کر ان کی زکوٰۃ ادا کر دوں تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ تجارت کے جتنے سامان پر جب سال گزر جائے تو اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دینا لازمی ہے، بہتر یہ ہے کہ جملہ اشیاء کو گن کر ان کی قیمت لگائی جائے البتہ اگر شمار کیے بغیر اندازے سے زکوٰۃ ادا کرنی ہو تو اندازہ زیادہ لگانا چاہیے تاکہ زکوٰۃ مالِ تجارت کی قیمت سے کم ادا نہ ہو۔

لما فی الھندیة: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذھب۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰة، الباب الثالث فی ۲) ۲ے

۱ے قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰة لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية۔ (الھدایة ج۱ ص۱۲۹ کتاب الزکوٰة)

وَمِثلہ فی الفقه الاسلامی وأدلته ج۲ ص ۔ کتاب الزکوٰة قبل شروط صحة أداء الزکوٰة۔

۲ے لما قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت إذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق أو الذھب لقوله علیه السلام فیها یقوّمها فیؤدّی من کل مائتی درھم خمسة دراھم۔

(الھدایة ج۱ ص۱۹۱ باب زکوٰة المال، فصل فی العروض)

وَمِثلہ فی فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۱۴۰ پانچواں باب: سامانِ تجارت کی زکوٰة

قرض پر زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہے؟

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے بیس ہزار روپے ایک شخص پر قرض ہیں لیکن وہ اس سے منکر ہے اور میرے پاس کوئی تحریری ثبوت بھی نہیں اور نہ میرے پاس کوئی گواہ ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا میرے ذمہ اس قرض کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جب دین (قرض) کی وصولی کا ظاہری طور پر کوئی امکان نہ ہو تو یہ مال ضمار میں داخل ہے چونکہ مال ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے صورت مسئولہ کے مطابق آپ پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

الجواب: شریعت مقدسہ میں ہر اس قرضہ پر زکوٰۃ واجب ہے جو دین قوی یا متوسط ہو یعنی دائن کے پاس گواہ یا تحریری ثبوت ہو یا پھر مدیون (قرضدار) قرضہ کا اقرار کرتا ہو مگر ساتھ ہی دائن یعنی قرض دہندہ قرض کی وصولی پر قادر بھی ہو تب زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ بصورت دیگر یہ قرضہ مال ضمار کے حکم میں ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: (و) لو (كان جحده) المديون (سنين) (ولا بينة له) قال العلامة السيد احمد الطحطاويؒ: تحت قوله (ولا بينة له) بل ولو كان عليه بينة على الصحيح۔
(الطحطاوي على حاشية الدر المختار ج۱ ص۲۹۳ كتاب الزكوٰة) لہ

صاحب نصاب نے زکوٰۃ ادا نہ کی اور پھر وہ مال مکان کی تعمیر میں خرچ کرنے کے باوجود زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی

سوال: اگر کسی کے پاس مال نصاب سے بھی زیادہ ہو اور سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور پھر وہ سارا مال اس نے مکان کی تعمیر میں خرچ کر دیا ہو تو کیا اس شخص کے ذمے زکوٰۃ باقی ہے یا کہ ساقط ہو جائے گی؟

لہ لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وعن محمدؒ لا تجب الزكوٰة وان كان له بينة لان البينة قد لا تقبل والقاضي قد لا يعدل وقد لا يظفر بالخصومة بين يديه فلا يكون في حكم المال وصححه في التحفة، كذا في غاية البيان وصححه في الخانية ايضاً۔ (البحر الرائق ج۲ ص[illegible] كتاب الزكوٰة)

ومثله في المنحة الخالق على البحر الرائق ج۲ ص[illegible] كتاب الزكوٰة۔

ادا کی ہے یا نہیں تو اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: زکوٰۃ کی ادائیگی میں اگر کسی کو شک پڑ جائے کہ آیا اس نے زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں تو چونکہ زکوٰۃ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بخلاف صلوٰۃ کے اسلئے زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: وفي الولوالجية: ولو شك رجل في الزكاة فلم يدر أزكى أم لا فإنه يعيد، فرق بين هذا وبين ما إذا شك في الصلاة بعد ذهاب الوقت أصلاها أم لا والفرق أن العمر كله وقت لأداء الزكاة فصار هذا بمنزلة شك وقع في أداء الصلاة أنه أدى أم لا وهو في وقتها ولو كان كذلك يعيد۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ كتاب الزكاة)

کیا ٹیکس زکوٰۃ کا متبادل ہو سکتا ہے

سوال: حکومت جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے کیا اس ٹیکس کی وصولی سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: شریعت اسلامیہ میں زکوٰۃ ایک عبادت ہے جس کے لیے شرعاً حدود، مقادیر وغیرہ مقرر ہیں بخلاف حکومتی ٹیکس کے کہ اس میں نہ مقدار مال مقرر ہے اور نہ یہ عبادت سمجھ کر لیا جاتا ہے اور نہ اس میں اسلام، بلوغ و عقل شرط ہے بلکہ یہ حکومت اس فائدہ کا عوض لیتی ہے جو عوام الناس کو ریاست سے ملتا ہے اور نہ اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں لہٰذا ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے موجودہ ٹیکس کو زکوٰۃ میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ مستقل زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول، أما الوجوب فلقوله تعالى وآتوا الزكاة ولقوله عليه السلام أدوا زكاة أموالكم وعليه إجماع الأمة۔

(الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص[illegible] كتاب الزكاة)

وفي المنتقى: رجل شك في الزكاة فلم يدر أزكى أو لم يزك فإنه يعيدها۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص[illegible])

ومثله في الفتاوى السراجية ص۲۲ باب نية الزكاة وكيفية الأداء۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: قوله وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية أي شرط افتراضها لأنها فريضة محكمة قطعية أجمع العلماء على تكفير جاحدها الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ كتاب الزكاة)

ومثله في الفقه الإسلامي وأدلته ج۲ ص۷۳۲ كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة۔

کپڑوں پر سونے یا چاندی کی کڑھائی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: شادی بیاہ کے موقع پر بعض لوگ نئے کپڑوں پر سونے یا چاندی کے دھاگوں سے کڑھائی کرلیتے ہیں تو کیا سال گذر جانے کے بعد اس کڑھائی کی زکوٰۃ دینا بھی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: کڑھائی کے لئے اگر خالص سونے یا چاندی کے دھاگے استعمال کئے جائیں تو اس صورت میں سال گذرنے کے بعد حساب کرکے زکوٰۃ دینا لازم ہے، البتہ کڑھائی کے خالص سونے یا چاندی کے دھاگوں کے بجائے ان دھاگوں کو صرف سونے یا چاندی کا پانی دیا گیا ہو تو صرف سونے چاندی کا رنگ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابو بكر الكاساني رحمه الله: ولا يعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة فتجب الزكوة فيها سواء كانت دراهم مضروبة او نقرة او تبرا او حليا مصوغا او حلية سيف او منطقة او لجام او سرج او الكواكب في المصاحف والاواني وغيرها اذا كانت تخلص عند الاذابة اذا بلغت مائتي درهم وسواء كان يمسكها للتجارة او للنفقة او للتجمل او لم ينو شيئا۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۱۷ كتاب الزكوة، فصل: واما صفة هذا النصاب) ١ه

انسانی جسم کے بعض اعضاء پر سونے چاندی کا خول چڑھانے پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال: بعض لوگ شوقیہ طور پر دانتوں پر سونے چاندی کا خول چڑھاتے ہیں یا پھر اندر سے کھوکھلے دانتوں کو سونے چاندی سے بھر دیتے ہیں۔ تو کیا ایسے لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: زمانہ قدیم سے بعض مصالح اور حالات کی بنا پر سونے چاندی کو انسانی جسم کے بعض اعضاء پر استعمال کرنے کا رواج چلا آرہا ہے۔ سونے چاندی کے ان اعضاء کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] قال العلامة زين بن نجيم المصري: وتجب الزكوة في الذهب والفضة مضروبا او تبرا او حليا مصوغا او حلية سيف او منطقة او لجام او سرج او الكواكب في المصاحف والاواني وغيرها اذا كانت تخلص عن الاذابة سواء كان يمسكها للتجارة او للنفقة او للتجمل او لم ينو شيئا (البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ كتاب الزكوة باب زكوة المال) ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۸ الباب الثالث في زكوة الذهب والفضة۔

ایسے وہ اعضاء جو انسانی بدن میں بالکل پیوست ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے الگ کرنا مشکل ہوتا ہے اور الگ کرنے کی صورت میں سخت تکلیف ہوتی ہے تو گویا کہ وہ مصنوعی اعضاء انسانی جسم کے حقیقی اعضاء کی طرح ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو الگ کرنا آسان ہوتا ہے اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ تو اول الذکر میں زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے کہ شریعت مقدسہ نے مال نامی ہونے کی جو علت وجوبِ زکوٰۃ کیلئے بیان کی وہ یہاں مفقود ہے اور ثانی الذکر قسم میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ اس میں نمو حکمی پائی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کا مال چوری ہو جائے تو

سوال:- ایک شخص نے اپنے جملہ مال سے زکوٰۃ کا مال جدا کرکے اپنے پاس رکھ لیا، ابھی اس نے وہ مال غرباء و مساکین میں تقسیم نہیں کیا تھا کہ چوری ہو گیا، تو کیا یہ شخص اب زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کا اپنے جملہ مال سے صرف جدا کرنا کافی نہیں بلکہ ادائیگی کے لئے کسی فقیر و مسکین کو تملیک کر دینا لازمی امر ہے بدون اس کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کا مال چوری ہو گیا ہے جس میں تملیک کی شرط مفقود ہے اسلئے موصوف کیلئے زکوٰۃ کا دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: رجل عزل زکوٰۃ مالہ ووضعها فی ناحیة بیته فسرقها سارق لایقطع یده للشبهة وعلیه ان یزکیها۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۳۸ کتاب الزکوٰۃ قبیل الفصل السادس)[1]

***
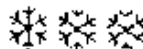
[1] قال العلامة الحصکفیؒ: (هی تملیك) خرج الاباحة (جزء مال) خرج المنفعة (عینه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولی خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقیر) ولو معتوها (غیر هاشمی ولا مولاه) ای معتقه (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) فلا یدفع لاصله وفرعه (لله تعالى) بیان لاشتراط النیة۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الزکوٰۃ)

باب زکوٰۃ فی الاموال

(سونا چاندی اور تجارتی سامان میں زکوٰۃ کے احکام)

زکوٰۃ میں سونے کی کون سی قیمت معتبر ہے؟

سوال:- اگر ایک شخص کے پاس سونا ہو تو اس میں کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ جبکہ مروجہ قیمت قیمتِ خرید سے کئی گنا زیادہ ہے۔

الجواب:- سونا ایسا مال ہے جس میں قدرتی طور پر نمو پائی جاتی ہے، اس لیے زکوٰۃ کے وجوب کے وقت اس سے مقررہ حصہ نکالا جاتا ہے لیکن قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری سے فارغ ہو سکتا ہے، اس لیے اس میں قیمتِ خرید کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ:- وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء...... و يقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي اقرب الامصار اليه.

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) لـه

سونے کی مقررہ مقدار سے کم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک شخص کے پاس ۴½ تولے سونا ہے جو اگرچہ سونے کی مقدارِ نصاب سے کم ہے لیکن اس کی قیمت کے حساب سے ۵۲½ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت سے اس کی قیمت زیادہ بنتی ہے، کیا ایسی حالت میں اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

لما قال ابن عابدین رحمہ اللہ:- فلو انه وجوب الضم اذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بان كان

لـه قال العلامة ابن الهمام رحمه الله:- يقومها اي المالك في البلد الذي فيه المال حتى لو كان بعث عبدا للتجارة الى بلد آخر فحال الحول يعتبر قيمته في ذلك البلد ولو كان في مفازة تعتبر قيمته في اقرب الامصار الى ذلك الموضع كذا في الفتاوى ثم قول ابي حنيفة رحمه الله فيه انه تعتبر القيمة يوم الوجوب وعندهما يوم الاداء - (فتح القدير ج ۲ ص ۱۶۱ باب زكوة المال فصل في العروض)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۹ باب زكوة المال۔

اقل مما ذکر لان کل واحد منهما نصابا تاما ولم یکن زائدا علیه۔ لا یجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد زکوته ولو ضم احدهما الی الآخر حتی یؤدی کله من الذهب او الفضة فلا بأس به عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما هو انفع للفقراء رواجا والا فیؤدی من کل واحد منهما ربع عشره۔ (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۳۲ باب زکوۃ المال)۔ ؎۱

میاں بیوی کے مشترکہ زیورات میں زکوۃ

سوال: اگر عورت کو والدین نے جہیز میں کچھ زیورات بنا کر دیئے ہوں اس کے علاوہ خاوند نے بھی کچھ زیورات بنا کر بیوی کو پہننے کے لیے دیئے ہوں لیکن خاوند اور بیوی کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ خاوند نے جو زیورات بنائے ہیں وہ اسی کی ملکیت ہیں لیکن عورت کو پہننے کا حق حاصل ہے، کیا ایسی صورت میں عورت پر مجموعہ زیورات کی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت کو خاوند کی طرف سے دیئے گئے زیورات عورت کی ملکیت ہوں اور مجموعہ زیورات شمار کرکے جب نصاب تک پہنچ جائیں پھر تو عورت ان کی زکوۃ ادا کرے گی لیکن اگر خاوند نے زیورات عورت کو عاریۃً دیئے ہوں تو ایسی حالت میں مشترکہ زیورات سے عورت کا اپنا حصہ اگر نصاب تک پہنچتا ہو پھر عورت کے لیے اپنے حصہ کی زکوۃ کی ادائیگی ضروری ہے، اور اگر مشترکہ زیورات نصاب کو پہنچتے ہوں لیکن انفرادی طور پر خاوند اور بیوی کا حصہ نصاب سے کم ہو تو پھر کسی ایک پر بھی زکوۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوۃ) ؎۲

؎۱ قال فی الهندیة: ولو ضم احدهما الی الآخر حتی یؤدی کله من الذهب او من الفضة لا بأس به لکن یجب ان یکون التقویم بما هو انفع للفقراء قدرا ورواجا والا یؤدی من کل واحد ربع عشره۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوۃ الباب الثالث فی زکوۃ الذهب الخ)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۳ باب زکوۃ المال)

؎۲ کما فی الهندیة: ومنها کون المال نصابا فلا زکوۃ فی اقل منه۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوۃ۔ الباب الاول)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوۃ۔

سونے چاندی کی مقدار میں علامہ عبدالحیؒ اور حضرت تھانویؒ کی عبارات میں تطبیق

سوال: سونے اور چاندی کے نصاب میں اکابرینؒ کی عبارتیں مختلف ہیں، حضرت تھانویؒ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے لیے نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کے لیے ساڑھے باون تولہ ہے جیسا کہ "امداد الفتاویٰ" کی عبارات سے واضح ہے لیکن مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کا قول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "اوزانِ شرعیہ" میں نقل فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی رحمہ اللہ کے نزدیک سونے کا نصاب ساڑھے پانچ تولہ اور چاندی کا نصاب ۳۶ تولہ ۵½ ماشہ ہے، ان دونوں اکابرینؒ کی رائے میں سے کس کو اعتبار دینا مناسب ہے؟

الجواب: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اوفق بالروایات ہے، آپ نے جس تولے سے حساب کیا ہے ہمارے ہاں یہی نصاب مروج ہے، ممکن ہے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے تولہ کی مقدار میں اختلاف کر کے اس تولہ کا حساب کیا ہو جو مروجہ تولہ سے زیادہ ہو، اسی لیے آپ نے کم حساب کیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی حضرت تھانویؒ کی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ کما قال مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اوزانِ شرعیہ" میں فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء کرام کی تحقیقات اس بارے میں متفاوت ہیں اور تفاوت بھی معمولی نہیں کیونکہ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے نزدیک چاندی کا نصاب چھتیس تولے اور ساڑھے پانچ ماشہ ہے اور سونے کا نصاب پانچ تولہ اور ڈھائی ماشہ ہے، اس تفاوت سے تمام احکام شرعیہ پر اثر پڑتا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ سونے کا نصاب شرعی بیس (۲۰) مثقال ہے اور ایک مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو اسی حساب سے سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہوگا اور چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک رتی کا پانچواں حصہ ہے تو اس حساب سے چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔[1]

---

[1] والتفصیل فی الاوزان الشرعیۃ للمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ اگر زیورات استعمال کے لیے ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سونا چاندی زیورات کی شکل میں ہو یا ویسے ہر حالت میں زکوٰۃ واجب ہے، نیز استعمال کے باوجود اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے بشرطیکہ وہ زیور نصاب تک پہنچتا ہو۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: وفی تبر الذهب والفضة وحليهما واوانيهما الزكوة۔ (الهداية ج۱ ص۱۹۲ باب زكوة المال) له

سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں

سوال:۔ ایک عورت کے پاس پانچ تولہ سونا ہے جو اس کو خاوند نے حق مہر میں دیا ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد رقم یا چاندی وغیرہ نہیں، اگرچہ سونے کی یہ مقدار نصاب تک نہیں پہنچتی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا ہو، لیکن سونے کی مروجہ قیمت کے اعتبار سے اس کی اتنی قیمت ضرور بنتی ہے کہ جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے، اس طریقہ سے اگر سونے کی قیمت کا حساب کیا جائے تو عورت صاحب نصاب بن سکتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں عورت صاحب نصاب شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب اس عورت کے پاس صرف سونا ہو تو اس میں قیمت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ نصاب کی رعایت ہوگی، سونے کا نصاب چونکہ ساڑھے سات تولہ ہے اور ۵ تولہ اس سے کم ہے اس لئے یہ عورت صاحب نصاب نہیں۔

لما قال فی الهندية: ومنها كون المال نصابا فلا تجب فی اقل منه۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوة۔ الباب الاول) ؎۲

له قال الامام علاؤ الدين ابی بكر بن مسعود الكاسانی الحنفیؒ: تجب الزكوة فی المصوغات منهما مضروبة او فقرة او تبرا او حليا مصوغا او حلية سيف او منطقة او لجام او سرج والكواكب فی المصاحف والاوانی وغيرها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۷ فصل واما صفة هذا النصاب)

ومثله فی الهندية ج۱ ص۱۷۸ الباب الثالث فی زكوة الذهب والفضة والعروض۔

؎۲ قال العلامة الحصكفی رحمه الله: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه عليه۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ كتاب الزكوة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوة۔

سونا چاندی سے ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے

سوال: ہم لوگ سونے کی زکوٰۃ اس طرح نکالتے ہیں کہ سونے کا حساب کر کے پہلے سال زکوٰۃ دیتے ہیں اس کے بعد پھر کسی بھی سال میں ہم زکوٰۃ نہیں نکالتے ہیں، آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر سال ایسے زیورات سے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے ایک سال زکوٰۃ دینا کافی نہیں کیونکہ یہ ان خلقی میں خواہ جس طریقے سے آدمی کے پاس ہوں ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، کیونکہ سونا چاندی ایسی چیزیں ہیں جن میں نمو اور زیادت خود بخود آتی ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشي رحمه الله: واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرا أو حليا مطلقا مباح الاستعمال أولا ولو للتجمل والنفقة لأنهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كانا. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۹۵ باب زكوٰة المال)[1]

حکومت کی طرف سے عائد جرمانہ کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال: اگر ایک شخص پر حکومت کی طرف سے کوئی جرمانہ واجب الادا ہو لیکن اس شخص کے پاس ادائیگی کے لیے کوئی رقم نہ ہو تو کیا اس کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم جرمانہ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی مجبور سے مالی تعاون کرنا بذاتِ خود بہت بڑی نیکی ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر یہ شخص غریب ہو تو بغیر کسی حیلے کے اس کو زکوٰۃ کی رقم دے کر جرمانہ کے ادا کرنے میں مدد دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر یہ شخص صاحبِ نصاب ہو لیکن جرمانہ کی ادائیگی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو تو کسی شرعی حیلے کے بغیر اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما قال الشيخ النظام رحمه الله: ولو قضى دين الفقير بزكوٰة ماله إن كان

---

[1] قال الامام برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وفي تبر الذهب والفضة وحليهما وآنيتهما الزكوٰة. (الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۱۶۲ باب زكوٰة المال، فصل في الذهب)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۶/۱۷ فصل صفة النصاب.

بامرہ یعنی وان کان بغیر امرہ لا یجوز وسقط الدَّین۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف) له

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: تجارت میں نقد اور قرض دونوں کا معاملہ ہوتا ہے اس لیے جو زکوٰۃ حول کے بعد اگر کسی تاجر کے پاس نقد رقم کم اور قرض کی رقم زیادہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں کون سا مال معتبر ہوگا؟

الجواب: تجارت کے کاروبار میں کُل مالیت کا اعتبار ہوگا خواہ وہ مالک کے پاس نقدی کی شکل میں ہو یا اموالِ تجارت (یعنی جنس) کی صورت میں موجود ہو یہاں تک کہ قرض بھی اس میں شمار ہوکر مجموعی مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ تاہم اگر قرض سے زکوٰۃ کی ادائیگی وصول پر موقوف رہے تو یہ بھی جائز ہے۔

قال زین الدین ابن نجیمؒ: قوی وهو بدل القرض ومال التجارة...... ففی القوی تجب الزكوٰة اذا حال الحول ويتراخى القضاء الى ان يقبض اربعين درهمًا ففيها درهم وكذا فيما زاد بحسابه۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ) له

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مروجہ قیمت کا اعتبار

سوال: اموالِ تجارت سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جس مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اس میں اموالِ تجارت کی کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ کیونکہ

له قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: ويحمل هذا ان يكون بغير اذن الحي اما اذا كان باذنه وهو فقير فيجوز عن الزكوٰة على انه تمليك منه والدائن يقبضه بحكم النيابة عنه ثم يصير قابضًا لنفسه. وفي الغاية نقلًا عن المحيط والمفيد لو قضى بها دين حي او ميت بامره جاز ... معلوم ارادة قيد الفقير ...... ولو قضى دين حي او ميت بغير اذن الحي لا يجوز۔
(فتح القدير ج۲ ص۲۰۸ باب من يجوز دفع الصدقة اليه الخ)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

له وفي الهندية: ... (قوي) وهو ما يجب بدلًا عن سلع التجارة اذا قبض اربعين زكى لما مضى كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال۔

اشیاء کی قیمت خرید ایک ہوتی ہے جبکہ آگے کو دوسری قیمت پر دی جاتی ہے۔

الجواب: سوال تجارت کی قیمت لگانے میں مقامی قیمت کا اعتبار ہوگا البتہ قیمت میں تفاوت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مارکیٹ کی موجودہ قیمت کا اعتبار دیا جائے گا، کیونکہ یہی اس کی مالیت کا معیار ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: ویقومها بما یعم فی البلد الذی فیہ المال حتی لو بعث عبدا للتجارۃ فی بلد آخر فحال الحول تعتبر قیمتہ فی ذلک البلد ولو کان فی مفازۃ تعتبر قیمتہ فی اقرب الامصار الی ذلک الموضع۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ، الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ والعروض، الفصل الثانی فی العروض)[1]

کاروبار کی جگہ کے فقراء زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں

سوال: اگر کسی شخص کا کاروبار ایک جگہ ہو اور رہائش دوسری جگہ ہو اور کہاں کے فقراء بھی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں، کیا اس میں رہائش کا اعتبار ہوگا یا کاروبار کی جگہ کا؟

الجواب: فقہائے کرام کی عبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاروبار کی جگہ کے فقراء ترجیحی سلوک کے مستحق ہیں۔

لما فی الہندیۃ: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلها الانسان الی قرابتہ او الی قوم ہم احوج الیہا من اہل بلدہ ...... ثم المعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال حتی لو کان ہو فی بلد ومالہ فی بلد آخر یفرق فی موضع المال۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ، باب سابع فی المصارف)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قولہ ویقوم فی البلد الذی المال فیہ) فلو بعث عبدا للتجارۃ فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیہ العبد۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۹ باب زکوٰۃ فی الاموال۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قول وکرہ نقلہا) ای من بلد الی بلد آخر لان فیہ رعایۃ حق الجوار فکان اولی وافاد بعدہ ان الکراہۃ تنزیہیۃ ... ولو نقلہا جاز لان المصرف مطلق الفقراء ویعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳ باب المصرف)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۷ باب المصرف۔

مالِ مضاربت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے دوسرے کاروباری آدمی کو مضاربت پر کچھ رقم دی ہے، رب المال دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو مال اس نے مضاربت پر دیا ہے کیا اس کی زکوٰۃ رب المال پر ہے یا مضارب پر، یا دونوں پر؟

الجواب:۔ مضاربت کی صورت میں جب تک فائدہ نہ ہو تو مضارب کے پاس رقم امانت ہوتی ہے اور مال رب المال کا شمار ہوتا ہے اس لیے زکوٰۃ رب المال کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر اس میں [1] یعنی فائدہ ہو کر مضارب کا حصہ بھی اتنا ہو کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو تو پھر ہر ایک پر اپنے حصے کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ویتراجعان بالحصص وبیانه فی الحاوی فان بلغ نصیب احدهما نصاباً زکاه دون الآخر . . . . واعلم ان الدیون عند الامام ثلاثة قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوٰتها اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درهماً من الدین القوی۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۵، ۳۰۳ باب زکوٰۃ المال)[1]

مسجد کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ

سوال:۔ ایک شخص مسجد کا متولی ہے اس نے اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کرائی اب متولی کا ارادہ ہے کہ یہ قرضہ لوگوں سے وصول کرے، تو کیا متولی مذکور لوگوں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر سکتا ہے تاکہ قرضہ ختم ہو جائے؟

الجواب:۔ مسجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جا سکتی، کسی شرعی حیلے کے بغیر مسجد میں زکوٰۃ کی رقم لگانا بے جا ہے[2] اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما قال فی الهندیة: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)۔ الخ

---

[1] قال فی الهندیة: الخیطان فی المواشی لغیر الخلیطین فان کان نصیب احدهما بلغ نصاباً وجبت الزکوٰۃ علی الذی بلغ نصیبه نصاباً دون الآخر فان کان احدهما ممن تجب علیه الزکوٰۃ دون الآخر فانها تجب علیٰ من تجب علیه اذا بلغ نصیبه نصاباً۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الزکوٰۃ الباب الثانی فی زکوٰۃ السوائم، مسائل شتی)

ومثله فی المراقی الفلاح ص ۳۹۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف)

ومثله فی الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۸ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ

مسجد کی رقم پر تجارت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- مسجد کے لیے جمع شدہ رقم پر ایک شخص اس نیت سے تجارت کرے کہ مسجد کی آمدنی میں ترقی ہو تو از روئے شرع یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- چندہ دہندگان یا ان کے معتمد علیہ کی اجازت سے اس رقم پر تجارت کرنا جائز ہے۔ تاہم اگر یہ رقم متولی کو دی گئی ہو تو یہ رقم چندہ دہندگان کی ملکیت سے نہیں نکلتی، تو ایسی صورت میں چندہ دینے والے کی اجازت سے تجارت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور مسجد کی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت ضروری ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔

لما قال ابن عابدین رحمه الله: (قوله سببه) ای سبب افتراضها ملك نصاب حولي تولي ملك النصاب فلا زكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

ذاتی اشیاء کے خریدنے میں تجارت کا ارادہ نہ ہو تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:- اگر کسی نے کوئی چیز ذاتی استعمال کے لیے خریدی اور اس وقت یہ ارادہ تھا کہ یہ چیز جب مہنگی ہو جائے گی تو اس کو فروخت کر دوں گا، تو کیا یہ چیز اموال تجارت میں شمار ہوگی اور حولان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- مال تجارت میں خریدنے کے وقت تجارت کی نیت ضروری ہے، احتمال کیسی نیت ہو تو پھر ان چیزوں کا شمار اموال تجارت میں نہیں ہوگا۔ مذکورہ صورت میں چونکہ خریدنے کے وقت تجارت کی نیت قطعی نہیں اس لیے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علاؤ الدين الحصكفي: ... او شتري شيئا للقنية ناويا انه ان وجد ربحا باعه لا زكوة عليه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة الكاساني: ... [illegible] ... فلا تجب الزكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك ... [illegible] ... (بدائع الصنائع ج ۲ ص ...)

ومثله في تبيين الحقائق ج ۱ ص ۲۵۳ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال الشيخ ابن الهمام: ... [illegible] ... ناويا بيعه ان وجد ربحا لا زكوة فيه۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۱۶۷ فصل في العروض)

ومثله في فتاوى قاضي خان ج ۱ ص ... کتاب الزکوٰۃ۔

کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص کے پاس ذاتی مطالعہ کے لیے کتابیں موجود ہیں، قیمت کا اعتبار کیا جائے تو ان کی مالیت لاکھوں روپے سے بھی زائد بنتی ہے، کیا ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب: کتابوں پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب وہ تجارت کے لیے ہوں، ذاتی کتب میں تجارت کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اموالِ تجارت میں شمار مشکل ہے، اس لیے ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما في الهندية: ومنها فراغ المال عن حاجته الأصلية...... وكذا كتب العلم إن كان من أهله وآلات المحترفين۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة، الباب الأول)[1]

گاڑیوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص کے پاس ایک گاڑی ہے جو مزدوری کے لیے استعمال ہوتی ہے، اس کی آمدنی سے وہ شخص دوسری گاڑی خریدتا ہے، یوں اس کے پاس سال بھر کی کمائی سے کئی گاڑیاں جمع رہتی ہیں لیکن نقد رقم سے تہی دست رہتا ہے، کیا اس شخص پر گاڑیوں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی گاڑی یا دوسرے ذرائع محنت و مزدوری کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان سے حاصل شدہ آمدنی کے حساب سے حولانِ حول کے بعد اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، بصورتِ مذکورہ میں جب نقد رقم نہ ہو اور گاڑی تجارت کی نیت سے نہیں خریدی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تاہم اگر یہ حیلہ زکوٰۃ کے وجوب سے بچنے کے لیے اپنایا ہو تو اس شخص کے گنہگار ہونے میں کوئی شک نہیں۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: وأما آلات الصناع الذين يعملون بها وظروف الأمتعة للتجارة لا تجب فيه الزكوٰة لأنها ليست بمعدة للتجارة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۴ باب زكوٰة الأموال فصل في العروض)[2]

---

[1] قال السيد أحمد الطحطاويؒ: ... عن حاجته الأصلية...... وكتب العلم لأهلها فإذا كانت عنده دراهم أعدها لصرفها في الأشياء وحال عليها الحول لا تجب فيها الزكوٰة وكتب العلم لغير أهلها ليست من الحوائج الأصلية ولكن الزكوٰة لا تجب على صاحبها بدون نية التجارة۔ (حاشية الطحطاوي ص۳۸۹ كتاب الزكوٰة)

ومثله في الشامي ج۲ ص۶ كتاب الزكوٰة۔

[2] لما قال في الهندية: ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويؤاجرها لا تجب فيها الزكوٰة كما لا تجب في بيوت الغلة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۰ كتاب الزكوٰة، الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زكوٰة المال۔

پلاٹ کی خرید و فروخت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: عموماً زمین سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کی زکوٰۃ بدلے عشر یا نصف عشر ادا کیا جاتا ہے لیکن ایک آدمی پلاٹ یا عمارت کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے ایسی حالت میں اس کی تمام تر مالیت جائیداد غیر منقولہ ہوتی ہے تو اس صورت میں حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: پراپرٹی کے کاروبار کی صورت میں جائیداد غیر منقولہ اپنی اصلی حالت سے ہٹ کر مالِ تجارت کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے، اس لیے اس کے ساتھ دیگر اموالِ تجارت جیسا معاملہ ہوگا کہ حولانِ حول کے بعد قیمت لگا کر زکوٰۃ واجب ہوگی، تاہم اس میں کاروباری انعقاد ہونے کی حیثیت کا تعین خریداری کے وقت کا ہوگا جس کے لیے اسی وقت تجارت کی نیت ضروری ہے ورنہ بعد ازاں کاروبار کی نیت کرنے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لـہ قال ابن نجیم رحمه الله: لأنه فيما إذا اشترى عينا من الأعيان بغرض التجارة أو يؤاجر داره التي للتجارة بعرض من العروض فيصير للتجارة وإن لم ينو التجارة صريحا لكن ذكر في البدائع الاختلاف في بدل منافع عين معدة للتجارة ففي كتاب الزكوٰة من الأصل أنه للتجارة بلا نية وفي الجامع ما يدل على التوقف على النية فكان في المسألة روايتان ومشايخ بلخ كانوا يصححون رواية الجامع لأن العين وإن كانت للتجارة لكن قد يقصد ببدل منافعها المنفعة فيؤاجر الدابة لينفق عليها والدار للعمارة فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية.

(البحر الرائق ج۲ ص۲۲۷ كتاب الزكوٰة) لـہ

اسلحہ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: علاقہ غیر میں رہنے والے اکثر لوگ اپنے ساتھ اسلحہ رکھتے ہیں اور اسلحہ کی قیمت مقدارِ نصاب سے بہت زیادہ ہوتی ہے، تو کیا اس اسلحہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جو اسلحہ مال و جان کے تحفظ کے لیے رکھا جائے اگرچہ وہ قیمت کے لحاظ سے مقدارِ نصاب سے بہت زیادہ ہو تو حوائجِ اصلیہ میں داخل ہو کر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ

لـہ قال العلامة الحصكفي رحمه الله: أو في عرض تجارة قيمته نصاب الجملة صفة عرض وهو هنا ما ليس بنقد وعروض

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۹۸ كتاب الزكوٰة)

ومثله في الهندية ج۱ ص[illegible] كتاب الزكوٰة۔

اگر تجارت کی غرض سے رکھا گیا ہو تو پھر اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔ (الہدایة ج ۱ صفحہ ۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

گدھے اموالِ تجارت میں ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے

سوال: ہمارے پاس کچھ گدھے ہیں جن سے ہماری غرض صرف کاروبار کا چلانا ہے کیا ان گدھوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ ایک مقرر رقم ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

الجواب: گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں شریعت مقدسہ نے کوئی واضح حکم نہیں دیا ہے لیکن گدھوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر گدھے تجارت کیلئے رکھے ہوں جیسا کہ سوال سے مستفاد ہے تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا شئ فی البغال والحمیر لقوله علیه السلام لم ینزل علی فیهما شئ والمقادیر تثبت سماعا الا ان یکون للتجارة لان الزکوٰۃ حینئذ تتعلق بالمالیة کسائر اموال التجارة۔ (الہدایة ج ۱ صفحہ ۱۹۱ فصل فی الخیل) ؎۲

اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال: ایک آدمی کے پاس کچھ رقم ہے اور اس نے چند سال سے اس میں تجارت شروع کی اور سال کے آخر میں اس نے کچھ منافع حاصل کیا تو کیا حولانِ حول کے بعد اصل رقم یا منافع پر الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی یا دونوں پر ایک ساتھ؟

الجواب: اگر کسی نے اوّل سال کی کسی تاریخ سے تجارتی کاروبار شروع کیا اور سال کے

؎۱ وفی الہندیة: ومنها فراغ المال عن حاجته الاصلیة فلیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔ (الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول فی تفسیرها الخ)

ومثلہ فی فتح القدیر ج ۱ صفحہ ۴۹۱ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا فی بغال وحمیر سائمة اجماعا لیست للتجارة فلو لها فلا کلام لانها من العروض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ صفحہ ۲۸ باب زکوٰۃ الغنم)

ومثلہ فی الہندیة ج ۱ صفحہ ۱۷۸ فصل خامس فیما تجب فیه الزکوٰۃ۔

آخر میں اس نے کوئی نفع حاصل کیا تو اس میں اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر سال کی ابتداء اور انتہاء میں نصاب پورا ہو تو دوران سال ناقص ہونے سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا سال کے آخر میں تمام مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانی :- ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه الیه وزکاه - (الهدایة ج ۱ ص ۱۹۳ فصل فی الغنم) [1]

ضرورت کے لیے خریدی گئی زمین پر تجارت کی نیت کرنا

سوال:- ایک شخص نے گھر زمین گھر کی تعمیر کیلئے خریدی اور نصف تعمیر کے بعد تجارت کی نیت کر لی اب تعمیر پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی؟ ابتداءً یا بوقت نیت؟

الجواب:- جو زمین گھر کی تعمیر کے لیے خریدی ہوئے اور دوران تعمیر اگر تجارت کی نیت کر لی تو قبل النیت خرچ کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ تجارت میں نیت بوقت عقد معتبر ہوتی ہے اور بعد نیت جو رقم خرچ کی گئی ہے باقی اموال سے ملا کر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ :- لا یبقی للتجارة ما ای عبد مثلا اشتراه لها فنوی بعد ذلک خدمته ثم ما نواه للخدمة لا یصیر للتجارة وان نواه لها مالم یبعه بجنس ما فیه الزکوٰة والفرق ان التجارة عمل فلا تتم بمجرد النیة۔

(در المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ) [2]

ذاتی استعمال کیلئے خریدی گئی مشین کو نفع پر فروخت کرنے میں زکوٰۃ

سوال:- اگر کسی شخص نے ایک مشین ذاتی استعمال کیلئے

---

[1] وفی الهندیة :- ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الی ماله وزکاه . الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۵ فصل منها حولان الحول علی المال)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۲ فصل فی الغنم۔

[2] قال الامام فخر الدین قاضیخانؒ :- اشتری خادما للخدمة وهو ینوی انه لو اصاب ربحا یبیعه فان علیه فلا زکوٰة فیه . (الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۲۵۱ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۹ کتاب الزکوٰۃ۔

خریدی ہو لیکن کوئی نفع آور صورت دیکھ اس کو فروخت کر دے تو کیا اس میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ شخص گذشتہ ایام سے صاحبِ نصاب ہو تو حولانِ حول کے بعد مشین کی قیمت اور منافع جملہ منافع شمار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی ورنہ حولانِ حول کے بغیر اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی: وشرطه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه عليه۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

کراکری کے سامان میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: اگر ایک شخص کی دوکان میں کھانے پینے کے برتن، پکانے کی دیگیں اور دوسرے ایسی چیزیں ہوں جو اجتماعی طور پر دعوت اور دیگر پروگراموں میں استعمال ہوتی ہوں، ایسے برتن عموماً کرایہ پر دیئے جاتے ہیں۔ اب ازروئے شرع ایسے شخص کی آمدنی میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ کیا برتن، ٹینٹ اور دیگوں کی قیمت سے بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ؟

الجواب: برتنوں، دیگوں اور کراکری، ٹینٹ وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان اشیاء سے جو کمائی حاصل ہو جائے اور نصاب کو پہنچ جائے تو حولانِ حول کے بعد اس نفع میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔

ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويؤجرها فلا تجب فيها الزكوٰة كما لا تجب في بيوت الغلة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۰ كتاب الزكوٰة، الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض) ؎۲

؎۱ قال ابن نجيم رحمه الله: والمراد بكونه حوليا أنه يتم الحول عليه وهو في ملكه لقوله عليه السلام لا زكوٰة في مال حتى يحول عليه الحول قال في الغاية سمي حولا لأن الأحوال تحول فيه۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ كتاب الزكوٰة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۵ كتاب الزكوٰة الباب الأول۔

؎۲ قال العلامة جلال الدين الخوارزمي رحمه الله: وأما آلات الصناع الذين يعملون بها وظروف الأمتعة لا تجب فيه الزكوٰة لأنها ليست معدة للتجارة كما لا تجب في بيوت الغلة۔ (الكفاية في ذيل فتح القدير ج۲ ص۱۶۸ فصل في العروض)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زكوٰة المال۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کو اپنے مالِ تجارت میں نقصان ہوا اور مال میں کمی آئی اور سال کے بعد مذکورہ مال میں اضافہ ہوا، اب وہ زکوٰۃ کس طریقے سے ادا کرے گا؟

الجواب:۔ حولانِ حول کے بعد اصل مال اور منافع کو جمع کرکے جب مقدارِ نصاب ہو تو مجموعہ سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی خواہ منافع ہو یا نقصان، اور راس المال جب مقدارِ نصاب سے زائد ہو تو باوجود خسارہ کے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔

قال العلامة الشرنبلالیؒ:۔ وشرط وجوب ادائها حولان الحول على النصاب الاصلي واما المستفاد في اثناء الحول فيضم الى مجانسه ويزكى بتمام الحول الاصلي سواء استفيد بتجارة او ميراث۔ (مراقی الفلاح ص۳۹۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

تجارت کے لیے مکانات میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ مکانات، دکانیں اور پلاٹ تجارت کی نیت سے خرید کر ان کا کاروبار کرتے ہیں ممکن ہے بسا اوقات کچھ وقت کے لیے رہنے کا فائدہ بھی حاصل کریں لیکن مقصود پیش نظر اس میں تجارت ہوتا ہے اور اسی مقصد کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کرتے ہیں ایسی حالت میں ان مکانات اور دکانوں کی قیمت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ منقولہ جائیداد کی طرح غیر منقولہ جائیداد کا کاروبار بھی معاشرہ کے اہم معاملات میں سے ہے، اگرچہ غیر منقولہ جائیداد بذاتِ خود نمو سے عاری ہونے کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہیں، یہی وجہ ہے کہ رہائش یا کرایہ کے لیے بنائے ہوئے مکانات اور دکانوں پر زکوٰۃ نہیں، لیکن جب یہی جائیداد کاروباری منڈی میں منتقل ہو کر خریدتے وقت باقاعدہ تجارت کی نیت کی گئی ہو تو پھر مالِ تجارت کے حکم میں ہو کر اس کی قیمت میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے گی۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله:۔ وسواء كان مال التجارة عروضا او عقارا او شيئا مما يكال او يوزن لان الوجوب في اموال التجارة تعلق بالمعنى وهو المالية والقيمة

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ:۔ وشرط كمال النصاب ولو سائمة في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد وفي الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۲ فصل زكوة الغنم) ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۲۲ فصل في الغنم۔

وضمّۃ آلا اموال کلها فی هذا المعنی جنس واحد۔ (البدائع الصنائع ج۲ ص۲۱ فصل اموال التجارۃ) ؎۱

اجارہ کیے ہوئے کان میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کی پتھریلی کان ہے جو اجارہ کے ہے لیکن اس کے جملہ ٹیکس بھی حکومت کو ادا کرتا ہے اور کان والوں کو بھی فی من کچھ رقم دیتا ہے، تو کیا یہ شخص کل آمدنی سے زکوٰۃ ادا کرے گا یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:۔ اس شخص کے دیگر اموال پر جب حولانِ حول ہو جائے تو اس کان سے خارج شدہ جواہرات کی زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ جواہرات فروخت شدہ ہوں اور اگر فروخت شدہ نہ ہوں تو اس میں زکوٰۃ دینا واجب نہیں اور ٹیکس ادا کیے بغیر زکوٰۃ دی جائے گی۔

لما قال ابن الهمامؒ: اخرج ابن ابی شیبۃ عن عکرمۃؓ: لیس فی حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرد زکوٰۃ الا ان یکون للتجارۃ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۸۱ باب المعدن والرکاز) ؎۲

کارخانہ کی زمین اور مشینوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ میں ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں، صنعت کے لیے میں نے صابن کا ایک کارخانہ لگایا ہوا ہے جس کی کافی زمین ہے اور اس میں مشینیں بھی ہیں، تو کیا مجھ پر کارخانہ کی زمین اور مشینوں کی زکوٰۃ لازم ہے؟

الجواب:۔ صنعتی آلات و وسائل جب تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ کسب کے لیے ہوں تو اُن کی ذات پر زکوٰۃ لازم نہیں اگرچہ وہ زمین یا مشینری لاکھوں کروڑوں روپے کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ اس کی آمدنی پر زکوٰۃ لازم ہے، البتہ اگر زمین یا آلات تجارت کی غرض سے ہوں تو پھر

۱؎ قال فی الهندیۃ: الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتها نصابا۔
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ، الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضۃ والعروض، الفصل الثانی فی العروض)
ومثلہ فی الهدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۶۳،۱۶۴ فصل فی العروض۔

۲؎ قال ابن نجیمؒ: (تحت قوله لا رکاز دار حرب وفیروزج ولؤلؤ وعنبر) ای لا خمس فی هذه الاشیاء اما الاول فلانه حجر مضیء یوجد فی الجبال وقد ورد فی الحدیث لا خمس فی الحجر ونحوه الیاقوت والجواهر کما قدمناه من کل جامد لا ینطبع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۲ باب الرکاز)
ومثله فی الهندیۃ ج۱ ص۱۸۴ کتاب الزکوٰۃ، الباب الخامس فی المعادن والرکاز۔

ان کی ذات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ولا فی ثیاب البدن ۔۔۔ ولا فی آلات المحترفین ۔ قال ابن عابدینؒ : ای سواء کانت مما لا تستھلک عینہ فی الانتفاع کالقدوم والمبرد او تستھلک۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الزکوٰۃ) ؎

آٹے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ نہیں

سوال :۔ اگر کسی نے ٹرک یا گاڑی وغیرہ مزدوری کے لیے خریدے ہوں اور ایسا ہی آٹا پیسنے کی مشین کمائی کے لیے خریدی ہو گیا حولان حول کے بعد آٹے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت لگا کر اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نقد اور سونا چاندی میں تجارت کی نیت ضروری ہے، ایسی صورت میں نصاب پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے گی اس کے علاوہ جو آلات یا گاڑی وغیرہ محنت و مزدوری کے لیے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ٹرک اور آٹا پیسنے کی مشین چونکہ آلاتِ مزدوری ہیں اس لیے ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ حولانِ حول کے بعد ان کی آمدنی اگر نصاب تک پہنچی ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ :۔ ولیس فی دور السکنی ۔۔۔ زکوٰۃ ۔۔۔ وآلات المحترفین لما قلنا ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) ؎

؎ قال الدکتور وھبۃ الزحیلی :۔ ولا زکوٰۃ باتفاق المذاھب فی الحوائج الاصلیۃ ۔۔۔۔ وآلات المحترفین لانھا مشغولۃ بالحاجۃ الاصلیۃ ولیست بنامیۃ اصلاً۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۷۴۲ البحث الثانی سبب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الھدایۃ ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ ۔

؎ وفی الھندیۃ : ومنھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ فلیس فی دور السکنی ۔۔۔ وکتب العلم ان کان من اھلہ وآلات المحترفین کذا فی السراج الوھاج ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الزکوٰۃ ۔

زمین کا کرایہ پیشگی دینے میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک شخص نے زمین کرایہ پر لی ہے اور دو تین سال کا کرایہ پیشگی مالک زمین کو دے دیا ہے۔ اس پیشگی کرایہ پر جو زکوٰۃ ہے وہ زمین کے مالک پر ہوگی یا مستاجر پر؟

الجواب:- کرایہ دار نے جو رقم پیشگی دی ہے اگر زمین کی اُجرت کے طور پر دی ہے تو زکوٰۃ مالک زمین پر ہوگی اور اگر بطور قرض دی ہو تو زکوٰۃ کرایہ دار پر ہوگی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض و بدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھما یلزمہ درھم۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [1]

قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی

سوال:- آجکل ایسے پتھر پائے جاتے ہیں جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں تو کیا ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

الجواب:- قیمتی پتھروں مثلاً زمرد وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں اگر تجارت کیلئے ہوں تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما فی الھندیۃ:- ولا شئ فیما یخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمک وفیھا ایضا ولا شئ فی الا ان یکون للتجارۃ فان کان للتجارۃ ففیھا حکم العروض۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۵،۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ الباب الخامس فی المعادن والرکاز) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: قسّم ابوحنیفۃؒ الدین علی ثلاثۃ اقسام قوی وھو بدل القرض ومال التجارۃ الخ ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھما ففیھا درھم وکذا فیما زاد بحسابہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۷)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۳۸ فصل السادس فی الدیون ومسائلھا۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواھر وان ساوت الفا اتفاقا الا ان تکون للتجارۃ والاصل ان ما عدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی مراقی الفلاح ص ۳۹۱ کتاب الزکوٰۃ قبیل باب المصرف۔

زیورات کے نگینہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- اگر زیورات کی مجموعی تعداد دس تولہ ہو لیکن اس میں دو تولہ قیمتی پتھر اور جواہر بھی ہوں جو کہ بطور نگینہ زیورات میں استعمال ہوئے تو کیا اس صورت میں مجموعی طور پر دس تولہ زیورات کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نگینہ منہا کرکے بقیہ زیورات سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

الجواب:- نگینہ خواہ قیمتی پتھر کا ہو یا موتی کا ہو اُس میں بذاتِ خود زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے سونے کے زیورات سے اس کو منہا کرکے اصل سونے سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی سونے کی مقدار (وزن) میں اس کا شمار نہیں ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ:- واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارۃ۔ (الجوهرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۱ باب زکوٰۃ الذهب) [1]

قدرتی خزانہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- قدرتی خزانہ پانے کی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- بیت المال کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے خمس یعنی ۵/۱ حصہ حکومت کو ملے گا اور بقیہ ۵/۴ حصے اس شخص کے پاس رہے گا جس کو خزانہ ملا ہے، خزانہ ملتے وقت اس میں زکوٰۃ واجب نہیں تاہم حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی۔

لما قال الشیخ النظامؒ: ما یخرج من المعادن ثلاثة منطبع بالنار ومائع وما لیس بمنطبع ولا مائع اما المنطبع کالذهب والفضة والحدید والرصاص والنحاس والصفر ففیه الخمس۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۳ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز) [2]

---

[1] وفی الهندیة: واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارۃ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ الباب الثالث الفصل الثانی فی العروض)
ومثله فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ... ولنا قوله علیه السلام وفی الرکاز الخمس وهو من الرکز فاطلق علی المعدن ولانها کانت فی ایدی الکفرة فحوتها ایدینا غلبة فکانت غنیمة وفی الغنائم الخمس۔ (الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۸۰ باب المعادن والرکاز)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۲ باب الرکاز۔

۴/۱ تولہ سونا اور ۴۰۰۰ روپے نقد پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ۴/۱ تولہ سونا اور تقریباً ۴۰۰۰ روپے کا سامان زائد از ضرورت موجود ہے اور اس پر ۳۰۰۰ روپے قرض بھی ہے تو کیا اس شخص پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ شخص جس کے پاس ۲/۱-۷ تولہ سونا یا ۲/۱-۵۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا سامان ضروریات اصلیہ سے زائد موجود ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے اور اگر دونوں اشیاء یعنی مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز سونا یا چاندی جس سے بقدر الفقراء ہو تو اسی نصاب سے نہ ہوں تو دونوں کو قیمتاً ضم کرکے نصاب بنایا جائے اب اگر اس شخص پر قرضہ بھی ہو تو حساب قیمت سے قرضہ منہا کرکے باقی مال اگر نصاب تک پہنچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔ صورت مسئولہ میں چونکہ ۴/۱ تولہ سونا اور اس کی قیمت تقریباً ۱۵۰۰/۴ ہزار روپے بنتی ہے اور اگر اس میں سے ۳ ہزار روپے کا قرضہ منہا کیا جائے تو بھی باقی مال نصاب تک پہنچتا ہے اسلئے اس شخص پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله واليسار) بان يملك مائتي درهم او عرضاً يساويها غير مسكنه وثياب اللبس او متاع يحتاجه الى ان يذبح الاضحية ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصاباً۔ (ردالمحتار ج۵ ص۲۱۹ كتاب الاضحية)

قال الامام ابو حنيفةؒ: يضم احدهما الى الآخر باعتبار القيمة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۹ كتاب الزكوٰة)

سائیکل اور گھڑی وغیرہ ضروریات میں داخل ہیں

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس اڑھائی تین ہزار کی سائیکل اور ایسے ہی ایک قیمتی گھڑی بھی ہو تو کیا ان اشیاء کی مجموعی قیمت نصاب کو پہنچ کر مالک کو غنی کے حکم میں قرار دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ موجودہ معاشرہ اور حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اشیاء حوائج اصلیہ میں داخل ہیں اس لیے ان کے مالک کو صاحب نصاب قرار نہیں دیا جا سکتا ہے بلکہ بعض اشخاص کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر موٹر سائیکل بھی ان کے لیے ضروریات میں داخل مانا گیا ہے اس لیے اگر یہ شخص غریب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

قال علي ابن ابي بكر المرغينانيؒ: ولا يجوز دفع الزكوٰة الى من يملك نصاباً من اي مال كان ۔۔۔ الخ قال ويجوز دفعها الى من يملك اقل من ذلك وان كان صحيحاً مكتسباً لانه فقير۔ (الهداية ج۱ ص [illegible] باب مصارف الزكوٰة)

للعوامل النفسی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۶ الباب الاول) لـه

چراگاہ کی اجرت دینے سے زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی

سوال: ایک آدمی کی ملکیت میں متعدد گائیں اور بھینسیں ہوں، سال کے اکثر حصہ میں یہ جانور چرتے ہوں لیکن جہاں پر یہ حیوانات چرتے ہیں اس کے لیے باقاعدہ سالانہ کچھ رقم ادا کرنا پڑتی ہے، اب جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا رقم کی ادائیگی کے وقت یہ حیوانات سائمہ شمار ہوں گے یا غیر سائمہ؟

الجواب: فقہاء کرام نے حیوانات میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے جو سائمہ کا ذکر کیا ہے تو ان حیوانات پر یہ حقیقت صادق آتی ہے اس لیے ماہانہ یا سالانہ رقم کی ادائیگی سے یہ حیوانات سائمہ کے حکم سے نہیں نکلتے لہٰذا سال کے اکثر حصہ میں چرنے کی وجہ سے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وشرعاً المکتفیۃ بالرعی المباح ذکرہ الشمنی فی اکثر العام لقصد الدر والنسل ذکرہ الزیلعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۶ باب السائمۃ) لـه

اتحاد مرعیٰ ضروری نہیں

سوال: اگر ایک شخص کے پاس سائمہ بکریاں ہوں اور اس نے ان کے لیے دو نوکر رکھے ہوئے ہوں جن میں سے ایک تو بیس بکریاں ایک جگہ اور دوسرا نوکر بیس بکریاں دوسری جگہ چراتا ہے تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ہمارے نزدیک نصاب پر حولان حول کے بعد مرعیٰ کا ایک ہونا ضروری نہیں، جب سائمہ بکریاں ایک شخص کی ملکیت ہوں تو الگ الگ مقامات پر ہونے کے باوجود

لـه قال العلامة الحصکفی: ومنہا ای من السبب ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ، مطلب فی [illegible])

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

لـه قال ابن نجیم رحمہ اللہ: هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر السنة بیان لها شرعاً لعلی الفقهاء لأن اسم السائمة لا یزول بالعلف الیسیر لانه لا یمکن التحرز عنه، ولانه لا فائدة لانه لو علفها نصف الحول فانها لا تکون سائمة فلا زکوٰۃ فیها لوقوع الشك فی السبب۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ باب صدقة السوائم)

ومثلہ فی الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۴۶ باب زکوٰۃ الخیل۔

اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لہ قال فی الہندیۃ: قطیعان فی مراعی لخلیطین ...... اسباب الملک ......
وسواء کانت فی مرعی واحد او فی مراعی متفرقۃ فان کان نصیب احدھما یبلغ نصابا
ونصیب الآخر لا یبلغ نصابا وجبت الزکوٰۃ علی الذی یبلغ نصیبہ نصابا دون الآخر۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۸۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم) الخ

گائے اور بھینس کی زکوٰۃ کے نصاب میں فرق ہے یا نہیں

سوال: گائے اور بھینس کے نصاب زکوٰۃ میں کتنی تعداد ہے جس کو پہنچ کر ان میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؟ اور کیا گائے اور بھینس دونوں ایک شمار ہوں گے یا علیحدہ علیحدہ؟

الجواب: گائے اور بھینس میں نصاب زکوٰۃ کم از کم تیس ہیں بشرطیکہ یہ سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں مفت کا چارہ کھاتی ہوں اور اس پر ایک سال کا بچہ یا بچی جو دوسرے سال میں داخل ہو زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔

لہ قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: لیس فی اقل من ثلثین من البقر صدقۃ فاذا کانت ثلثین سائمۃ وحال علیہا الحول ففیہا تبیع او تبیعۃ وھو الذی طعن فی الثانیۃ والجاموس والبقر سواء۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۸۱ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی البقر) الخ

لہ قال ابن الہمام رحمہ اللہ: وفی الوجوب الجمع بین الاملاک المتفرقۃ اذ المراد الجمع والتفریق فی الاملاک لا الامکنۃ الا تری ان النصاب المتفرق فی امکنۃ مع وحدۃ الملک تجب فیہ ومن ملک ثمانین شاۃ لیس للساعی ان یجعلہا نصابین بان یفرقہا فی مکانین فمعنی لا یفرق بین مجتمع انہ لا یفرق الساعی بین الثمانین مثلاً۔
(فتح القدیر ج۲ ص۱۳۱ باب صدقۃ السوائم۔ فصل فی الابل)
ومثلہ فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۱ ص۲۳۸ فصل فی صدقۃ الجلالات والنصاب۔

لہ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: نصاب البقر والجاموس ولو متولداً من وحشی واھلیۃ بخلاف عکسہ ...... ثلاثون سائمۃ غیر مشترکۃ وفیہا تبیع لانہ یتبع امہ ذو سنۃ کاملۃ او تبیعۃ انثاہ الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ البقر)
ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی نصاب البقر۔

بکریوں میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بکریوں کی تعداد نصابِ زکوٰۃ میں کتنی ہے جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو؟

الجواب:۔ بھیڑ بکریوں کی تعداد جب چالیس تک پہنچ جائے اور سائمہ بھی ہوں تو سال گزرنے کے بعد ان میں ایک بکری بطورِ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ليس في أقل من أربعين من الغنم السائمة صدقة فإذا كانت أربعين سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة۔

(الهداية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ فصل في الغنم) له

بھینسوں کا نصابِ زکوٰۃ

سوال:۔ احادیث مبارکہ میں گائے، اونٹ، بکری وغیرہ کا نصابِ زکوٰۃ تو مقرر ہے مگر بھینس کا نہیں، تو شرعاً بھینسوں کا نصابِ زکوٰۃ کتنا ہے؟

الجواب: بھینس نصابِ زکوٰۃ میں گائے کی طرح ہے یعنی جتنا نصاب گائے کا سمجھیں گے، اتنا ہی نصاب بھینسوں کا بھی ہے، اسی طرح اگر دونوں مخلوط ہوں تب بھی ایک ہی نصاب ہوگا یعنی دونوں کا نصاب ایک ہی شمار کیا جائے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: (قوله والجاموس كالبقر) لأن اسم البقر يتناولها إذ هو نوع منه فيكمل نصاب البقر بها وتجب فيه زكاتها وعند الاختلاط تؤخذ الزكوٰة من أعلاها الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۵ كتاب الزكوٰة۔ باب صدقة البقر) ته

له وقال العلامة عالم بن العلاء الأنصاري: وليس في أقل من الأربعين من الغنم صدقة فإذا كانت أربعين وفي الكافي سائمة غير مشتركة ففيها شاة إلى مائة وعشرين۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۲۲۲ كتاب الزكوٰة۔ الفصل الأول في صدقة السوائم)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸ كتاب الزكوٰة، فصل في نصاب الغنم۔

ته وفي الهندية: والجاموس كالبقر وعند الاختلاط يجب ضم بعضها إلى البعض لتكميل النصاب ثم تؤخذ الزكوٰة من أعلاها إن كان بعضها أكثر من البعض۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۷ كتاب الزكوٰة۔ الفصل الثالث في زكوٰة البقر)

ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۳۳ كتاب الزكوٰة۔ باب زكوٰة البقر۔

گھر میں پالے ہوئے جانوروں میں زکوٰۃ

سوال: اگر کوئی شخص جانوروں کو دیکھ بھال گھر میں ہی کرتا ہو لیکن یہ جانور تجارت کے لیے ہوں تو کیا ان جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جو جانور بغرضِ تجارت رکھے جائیں چارے وغیرہ کا بندوبست گھر میں کرے یا باہر چراگاہ میں، تو یہ جانور بمنزلہ سامانِ تجارت ہو کر سال گزرنے کے بعد ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اُن کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب تک پہنچتی ہو۔

لما قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتہا نصاباً من الورق او الذہب لقولہ علیہ السلام فیہا یقومہا فیؤدی من کل مائتی درہم خمسۃ دراہم۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی العروض) [1]

تجارت کے لیے جانوروں میں سونا چاندی کا نصاب معتبر ہے

سوال: اگر کوئی شخص تجارت کیلئے گائے یا بیل رکھتا ہو اور ان کی تعداد تیس سے کم ہو تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جو جانور تجارت کی نیت سے پالے جائیں تو اس میں جانوروں کا نصاب زکوٰۃ ضروری نہیں بلکہ جب ان جانوروں کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے جانوروں کی تعداد نصابِ زکوٰۃ تک نہ پہنچی ہو۔

لما قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتہا نصاباً من الورق او الذہب لقولہ علیہ السلام فیہا یقومہا فیؤدی من کل مائتی درہم خمسۃ دراہم۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ فصل فی العروض) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: قولہ لا فی العلوفۃ والعوامل ..... والمراد بنفی الزکوٰۃ عن العلوفۃ زکوٰۃ السائمۃ لانہا لو کانت للتجارۃ وجبت فیہا زکوٰۃ التجارۃ۔

(بحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الغنم)

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: قولہ وفی عروض تجارۃ بلغت نصاب ورق او ذہب ..... ای یجب ربع العشر فی عروض التجارۃ اذا بلغت نصاب احدہما۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۲۵ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ المال)

انتظام میں فارم ہی میں اپنے خرچ سے کرتا ہوں، تو کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور گھر میں ایسے پالے جاتے ہوں اور ان کے لیے چارہ وغیرہ بھی قیمتاً لایا جاتا ہو اور باہر چراگاہ میں چرتے ہوں لیکن سال کا کم حصہ تو ایسے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں، لہٰذا آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ اگر ان بھینسوں کو صرف دودھ کے لیے پال رکھا ہو اور ان کے دودھ کو فروخت کیا جاتا ہو تو اس صورت میں دودھ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس رقم پر پورا سال گزر جائے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: ولیس فی العوامل والحوامل والعلوفة صدقة ..... ثم السائمة هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر الحول حتی لو علفها نصف الحول او اکثر کانت علوفة لان القلیل تابع للاکثر۔ (الهدایة ج۱ ص۱۹۱ کتاب الزکوٰة، فصل فی الخیل) [1]

گائے بیل اور دودھ کی ذاتی ضرورت کے لیے رکھی ہوئی بھینسوں میں زکوٰۃ

سوال:۔ میں ایک کاشتکار آدمی ہوں، میرے پاس کچھ بیل ہیں جو کہ میں نے ہل چلانے کے لیے رکھے ہوئے ہیں اور دو بھینسے (سنڈے) رہٹ چلانے کے لیے اور کچھ گائے بھینسیں دودھ کی ذاتی ضروریات کے لیے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بچے بھی ہیں، تو کیا میرے ذمے ان جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور کسی عمل (ہل یا رہٹ وغیرہ) کے لیے رکھے جائیں ان میں شرعاً زکوٰۃ نہیں اور جو جانور دودھ یا بچوں کے لیے پالے جاتے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ سال کا اکثر حصہ چراگاہ میں مفت کا چارہ کھاتے ہوں اور نصاب تک بھی پہنچتے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولیس فی العوامل والحوامل والعلوفة

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم المصری الحنفیؒ: وقوله هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر السنة بیان للسائمة بالمعنی الشرعی ..... قید بالاکثر لافادة انه لو علفها نصف الحول فانها لا تکون سائمة فلا زکوٰة فیها لوقوع الشك فی السبب۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰة، باب صدقة السوائم)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۴۱ کتاب الزکوٰة، باب زکوٰة الخیل

صدقة لانها لا نماء لها فلم یوجد المقصود ولنا قوله علیه السلام لیس فی الحوامل والعوامل ولا فی البقرة المثیرة صدقة ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الخیل) ۔ ؎۱

بھیڑوں کے ساتھ ان کے بچے بھی نصاب میں شمار ہوں گے

سوال: ہمارے ملک افغانستان میں اکثر لوگ بھیڑیں پالتے ہیں جن میں بسا اوقات بڑی بھیڑوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو نصاب تک نہیں پہنچ سکتی تو کیا بڑی بھیڑوں کے ساتھ اُن کے چھوٹے بچے بھی نصاب میں شمار کیے جائیں گے یا نہیں؟

الجواب: جانوروں کے نصابِ زکوٰۃ میں بڑے جانوروں کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی شمار کیے جائیں اور جب نصاب کو پہنچیں تب اُن میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا فی حمل وفصیل ولد الناقة وعجول ولد البقرة ..... الا تبعاً لکبیر ولو واحداً اھ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۳ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم) ؎۲

گھوڑوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: میں نے سواری کے لیے ایک گھوڑا پال رکھا ہے تو کیا میرے ذمے اُس گھوڑے کی زکوٰۃ شرعاً واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں جو گھوڑا سواری کے لیے رکھا جائے وہ وجوبِ زکوٰۃ سے فارغ ہے یعنی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لہٰذا آپ پر بھی اس گھوڑے کی

؎۱ لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وقیده وکذا فی المعلوفة والعوامل لحدیث لیس فی الحوامل والعوامل والعلوفة صدقة ولان السبب هو المال النامی. الخ

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی الغنم)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ، الفصل الخامس فیما لا زکوٰۃ فیه

؎۲ لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ولیس فی الفصلان والحملان والعجاجیل صدقة عند ابی حنیفة رحمه الله الا ان یکون معها کبار وهذا آخر اقواله وهو قول محمد۔

(الهدایة ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی الخیل)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ، فصل فی الغنم۔

زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوٰة لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية۔ (الهداية ج۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة) [1]

اونٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال: ہمارے علاقے میں لوگ اونٹ زیادہ پالتے ہیں تو شرعاً کتنے اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور کتنی واجب ہے؟

الجواب: اسلام کے قانونِ زکوٰۃ کے مطابق جب اونٹ سال کا اکثر حصہ چراگاہ میں چرتے ہوں، اور ان پر پورا سال گزر جائے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے بشرطیکہ جب اونٹوں کی تعداد کم از کم پانچ ہو جائے تو ان میں ایک بکری واجب ہو جائے گی۔

لما قال العلامة برهان الدين: قال ليس في أقل من خمس ذود صدقة فإذا بلغت خمساً سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة إلى تسع الخ۔

(الهداية ج۱ ص۱۷۷ كتاب الزكوٰة فصل في الإبل) [2]

صرف نصف سال چراگاہ میں چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے پاس تقریباً پچاس کے قریب بھینسیں ہیں جن کو میں سال کے چھ ماہ اپنے گاؤں کے جنگل میں چراتا ہوں اور چھ ماہ اپنے گھر سے چارہ وغیرہ دیتا ہوں، کیا مجھ پر ان مویشیوں کی زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: مویشیوں میں وجوبِ زکوٰۃ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ سال کا اکثر حصہ

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ولا في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوٰة لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ كتاب الزكوٰة)

ومثله في خير الفتاوى ج۳ ص۳۲۳ كتاب الزكوٰة۔

[2] لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: وليس فيما دون خمس من الإبل السائمة زكوٰة فإذا بلغت خمساً ففيها شاة۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۳۷ كتاب الزكوٰة فصل في صدقة السوائم)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶ كتاب الزكوٰة باب نصاب الإبل۔

ہوں اور سائمہ بن جائیں ہوں کو کہا جاتا ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارہ کرتی ہیں جبکہ صورت مسئولہ کے متعلق ہے چونکہ آپ اپنے مویشیوں کو نصف سال اپنے گھر سے چارہ کھلاتے ہیں اور نصف سال باہر جنگل میں چراتے ہیں اس لیے ان مویشیوں پر سائمہ کی تعریف صادق نہیں آتی، لہٰذا آپ پر ان مویشیوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: باب السائمة (هي) الراعية وشرعًا (المكتفية بالرعي) المباح ذكره الشمني (في أكثر العام لقصد الدر والنسل) ذكره الزيلعي وزاد في المحيط (والزيادة في السمن) ليعم الذكور فقط لكن في البدائع لو أسامها للحم فلا زكاة فيها ...... (فلو علفها نصفه لا تكون سائمة) فلا زكاة فيها للشك في الموجب اهـ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۵،۲۷۶ باب السائمة) [۱]

---

[۱] قال العلامة عبد الرحمن بن محمد الكليبولي الشهير بداماد أفندي: (ذات سائمة) هي المكتفية بالرعي، الرعي بالكسر الكلأ وبالفتح مصدر .... (في أكثر الحول) فإن علفها نصف الحول أو أكثر فليست بسائمة لأن أربابها لا بد لهم من العلف أيام الثلج والشتاء فاعتبر الأكثر ليكون غالبًا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج۱ ص۲۹۳ باب زكاة السوائم)

ومثله في الفقه الإسلامي وأدلته ج۲ ص۷۴۳ كتاب الزكاة الفصل الخامس زكاة الحيوان والأنعام۔

باب العشر
(عشر کے احکام و مسائل)

چشمہ کے پانی سے سیرابی کی صورت میں عشر کا حکم

سوال:۔ جو زمینیں چشموں سے سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر کا کیا حکم ہے؟ یعنی ان میں عشر ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب:۔ چشموں سے سیراب ہونے والی زمینوں میں عشر دینا واجب ہوگا کیونکہ اس میں مؤنت اور محنت کم ہوتی ہے اور عشر کا دارومدار مؤنت اور محنت پر ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: تجب العشر فی ماء البئر التی حفرت فی ارض العشر والعیون التی تظہر فی ارض العشر وکذا یجب ماء السماء وماء البحار العظام عشری۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار ص۱۸۶) [1]

عشر کس جگہ کے حساب سے واجب ہوتا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص نے باغ کی فصل کاشت کی ہو مگر رستہ کی تنگی کی وجہ سے اپنے شہر میں کوئی قبول نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اگر یہ شخص وہ ثمار فروخت کے لیے کسی دوسرے شہر لے جائے تو یہ آدمی عشر کس جگہ کے حساب سے دے گا؟

الجواب:۔ اگر اپنے شہر میں جنس سے زکوٰۃ ادا کرے تو ٹھیک ورنہ دوسرے شہر میں فروخت کرتے وقت متعلقہ شہر میں جنس کی قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) [2]

---

[1] قال الامام برہان الدین المرغینانیؒ: ثم الماء العشری ماء السماء والآبار والعیون والبحار التی لا تدخل تحت ولایۃ احد۔ (الہدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۹۹ باب زکوٰۃ الزرع والثمار)
ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۳۲۳ باب العشر۔

[2] قال فی الہندیۃ: ویقومہا المالک فی البلد الذی فیہ المال حتی لو بعث عبد التجارۃ الی بلد آخر فحال الحول تعتبر قیمتہ فی ذلک البلد ولو کان فی مفازۃ تعتبر قیمتہ فی اقرب الامصار الی ذلک الموضع۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ والعروض)

ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی نصف عشر کا وجوب

سوال:۔ آبپاشی کے لیے اگر ٹیوب ویل استعمال ہوتا ہو جس میں زمیندار کو بجلی کے بل کے علاوہ مزید کچھ اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں، اس صورت میں آمدنی پر عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق جس کھیت کی زراعت میں آبپاشی کے لیے بوجھ اٹھانا پڑے تو اس میں نصف عشر واجب ہوگا، چونکہ ٹیوب ویل سے آبپاشی کی صورت بلا بوجھ کسی سے ممکن نہیں اس لیے اس پر نصف عشر واجب ہے۔

لما فی الهندیة: وما سقی بالدولاب والدالیة ففیه نصف العشر وان سقی سیحا وبدالیة یعتبر اکثر السنة فان استویا یجب نصف العشر. (الهندیة ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوة الباب السادس فی زکوة الزرع والثمار)[1]

ائمہ مساجد کو دی گئی جیری کی آمدنی میں عشر یا نصف عشر کا وجوب

سوال:۔ بعض علاقوں میں سادات یا ائمہ مساجد کو قوم کچھ زمین دیتی ہے جس کو عرف میں جیری کہا جاتا ہے، بسا اوقات یہ زمین مالکانہ حقوق کے طور پر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ تو ائمہ مساجد کی ملکیت تصور ہوگی، لیکن جو جیری مساجد کے لیے وقف ہو اور ائمہ مساجد اس میں کاشت کریں تو اس میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ زمین سے عشر کی ادائیگی کے لیے مالک ہونا شرط نہیں بلکہ زمین کی آمدنی جس کے لیے ہو اُس پر عشر یا نصف عشر واجب ہے، ائمہ مساجد جیری سے جو آمدنی لیتے ہیں اس میں عشر یا نصف عشر واجب رہے گا۔

لما فی الهندیة: وکذا ملك الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الارض الموقوفة ویجب فی ارض المأذون والمکاتب. (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوة الباب السادس فی زکوة الزرع والثمار)[2]

---

[1] قال الشیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمدؒ: وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر، الدالیة الدولاب، والسانیة البعیر الذی یستقی علیه الماء. (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب العشر)

ومثلہ فی الدر المختار وعلیٰ صدره رد المحتار ج۲ ص۳۲۸ باب العشر۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: وکذا ملك الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الارض الموقوفة. (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العشر)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۵۳ باب زکوة الزرع والثمار۔

حکومت کا عشر اور زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: حکومت عوام سے جو عشر اور زکوٰۃ وصول کر کے تقسیم کرتی ہے تو کیا اس سے مالک کی ذمہ داری فارغ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حکومت کے واسطے سے زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مروجہ نظام زکوٰۃ کی خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کسی کے لئے مشکل نہیں کہ عموماً زکوٰۃ اصل مصرف میں خرچ نہیں ہوتی بلکہ سیاسی وابستگی اور پارٹی تعلقات کی بنیاد پر غیر مستحقین کو دی جاتی ہے اس لئے اس کو دیکھتے ہوئے کہ زکوٰۃ ضائع ہو رہی ہے احتیاط یہ ہے کہ ادا شدہ پر اکتفا نہ کریں بلکہ دوبارہ ادا کرنا بہتر ہے۔

لما قال العلامة صدر الشريعة: وإن أخذ الزكوة البغاة لكن قيل إن صرفوا إلى مصارفها لا إعادة على الملاك وإن لم يصرفوا إلى مصارفها فعليهم الإعادة۔[1]

(شرح الوقاية ج ۱ ص [illegible] كتاب الزكوة الأموال)

پاکستانی زمین کی شرعی حیثیت

سوال: پاکستان کی جو زمین ہے اقوام میں کا تعلق کسی بھی صوبے سے ہو ہموار ہو یا پہاڑی از روئے شریعت اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز پاکستان بننے سے پہلے یا بعد جن لوگوں کو زمین ملی ہے اس میں عشر کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ہمارے ملک کی زمین خواہ وہ پاکستان بننے سے قبل کسی کو ملی ہو یا بعد میں تاہم حکومت کی طرف سے مالکانہ قبضہ تملیک کرنے کے قبل یا مالکانہ تصرفات کا اختیار دے دیا گیا ہے اس لئے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم ہونے کے بعد یہ زمین عشری ہے خراجی زمین نہیں ہے۔[2]

---

[1] لما قال العلامة الحصكفي: أخذ البغاة والسلطان الجائر زكوة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره وإلا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله إعادة غير الخراج۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۵ باب زكوة الغنم)
ومثله في السراجية ص ۲۷ كتاب الزكوة۔

[2] وللتفصيل فليراجع إلى الكتاب المسمى بالقول الماضي في الأحكام الأراضي للعلامة مفتي محمد شفيع صاحب رحمه الله۔

قرض مانع وجوب عشر نہیں

سوال: اگر زمیندار پر کچھ قرض ہو تو کیا مقروض ہونے کے باوجود زمین کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا قرض مانع وجوب عشر ہے؟

الجواب: عشر کا وجوب زمین کی آمدنی پر ہے اس میں غنا یا مالک نصاب ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے مقروض ہونے کے باوجود عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔

قال الامام برهان الدين المرغيناني: قال ابو حنيفة رحمه الله في قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقي سيحا او سقته السماء (الهداية مع فتح القدير ج۲ ص۱۸۶ باب زكوة الزروع والثمار)[1]

مالیہ یا آبیانہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال: فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عشر اور خراج دونوں ایک زمین سے نہیں لیے جائیں گے لیکن اگر حکومت زمیندار سے آبیانہ یا مالیہ کے نام پر ٹیکس وصول کرتی ہے تو کیا اس سے عشر ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: فی زمانہ حکومتی ٹیکس دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) آبیانہ جو کہ پانی کے عوض لیا جاتا ہے (۲) زرعی ٹیکس جو کہ پیداوار پر لگایا جاتا ہے۔ اول الذکر یعنی آبیانہ چونکہ اس پانی کے عوض میں حکومت وصول کرتی ہے جس کا وہ انتظام کرتی ہے اس لیے اس صورت میں بوجہ اخراجات اور محنت و مشقت عشر (جو سوال میں مقصود ہے) کے بجائے نصف عشر (بشرط تحقق) لازم ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدين: ان العلة في العدول عن العشر الى نصفه في مستقى غرب ودالية هي زيادة الكلفة كما علمت وهي موجودة في شراء الماء (رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب العشر)[2]

---

[1] قال ابو بكر بن علي بن محمد: قال ابو حنيفة في قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر حتى قليل الصاع وما دونه لا شيء فيه وقيل حده نصف الصاع والمراد بالارض هنا العشرية وفيه اشارة الى انه لا يلتفت الى المالك سواء كان بالغا او صبيا او مجنونا او عبدا او مكاتبا لان الارض وقف اعني بالمساجد او المدارس۔

(الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۵۳ باب زكوة الزروع والثمار)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوة الباب السادس في الزروع والثمار۔

[2] قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن: نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۱۴۲ باب عشر)

سال کے بعد بیچ جانے والے غلہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک شخص کے پاس کوئی غلہ ہے، اس میں ۲۵ من گندم پڑا رہا سال گذر گیا اس میں زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب گندم برائے تجارت نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس میں نمو نہیں پائی جاتی اور گندم سے جب عشر ادا کر دیا گیا ہو تو دوبارہ سال گذرنے سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

لما قال ابن نجیمؒ: وخرج ایضاً ما اذا دخل من ارضه حنطة تبلغ قیمتها قیمة نصاب ونوی ان یمسکها ویبیعها فامسکها حولاً لا تجب فیها الزکوٰۃ کما فی المیراث۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۹ کتاب الزکوٰۃ) ۱ھ

عشر کا وجوب بائع پر ہے یا مشتری پر؟

سوال:- اگر مالک نے کھیت کو ٹھیکہ پر فروخت کر کے اس کے حوالے کیا تو زمین کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کس کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں اگر فصل تیار ہونے کے بعد فروخت کی جائے تو عشر کی ذمہ داری بائع پر ہے لیکن کچی فصل کے فروخت کی صورت میں عشر مشتری کے ذمہ واجب ہوگا۔

لما قال فی الہندیۃ: واذا باع الارض العشریۃ وفیہا زرع قد ادرک مع زرعہ او باع الزرع خاصۃ فعشرہ علی البائع دون المشتری ولو باعہا والزرع بقل ان قصلہ المشتری فی الحال فعشرہ علی البائع وان ترکہ حتی ادرک فعشرہ علی المشتری۔ (الہندیۃ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار)

۱ـ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وقدمنا ان ... ولا تصح نیۃ التجارۃ لانه لا یصح ... فلا تصح فیما ملکه بغیر عقد کارث ودخول کلامیا ذکر ومثله ما یخرج من ارضه ... فان بقیت بالکلیۃ ولا اختیار له فیه وتوقف قال فی البحر: وخرج ای بقید العقد ما اذا دخل من ارضه حنطة تبلغ قیمتها نصاباً ونوی ان یمسکها ویبیعها فامسکها حولاً لا تجب فیها الزکوٰۃ کما فی المیراث۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

۲ـ قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۳ باب العشر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۶ فصل شرائط الفریضۃ۔

دیا جائے گا؟

الجواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر مالکِ زمین پر ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک کاشتکار پر ہے، اور فقہاء صاحبینؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں، علامہ ابن عابدینؒ نے اس میں یوں تفصیل نقل کی ہے کہ اگر زمین کا اجارہ اجرِ مثل کے برابر ہو یعنی جو زمین ہو اس کی مناسبت سے اجرۃ مقرر کیا ہو تو عشر مالکِ زمین پر ہوگا، اور اگر اجارہ تھوڑے اجرۃ اجرِ مثل سے کم مقرر کیا ہو تو عشر کاشتکار پر ہوگا، لیکن بہتر یہ ہے کہ عرفِ عام پر چھوڑ دیا جائے، اگر علاقے کے رواج کے مطابق مالکِ زمین پر عشر ہو تو عشر مالکِ زمین سے لیا جائے گا اور اگر کاشتکار پر ہو تو کاشتکار پر لازم ہوگا، چونکہ ہمارے علاقے میں کاشتکار کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اسلئے صاحبینؒ کے قول کی رو سے کاشتکار کو ادا کرنا ہوگا۔

قال العلامۃ ابن الحصکفیؒ: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولہما نأخذ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۴ باب العشر)[1]

شفتل (چارے) میں عشر واجب ہے یا نہیں!

سوال: اگر ایک آدمی نے اپنی زمین میں شفتل (چارہ) کاشت کیا ہو، اگر یہ بار بار کاٹا جائے تو کیا ہر بار عشر ادا کرنا ہوگا یا ایک دفعہ کافی ہے؟

الجواب: شفتل کاشت کرنے سے چونکہ زمین کا استغلال پایا جاتا ہے اس لیے اس میں عشر یا نصف عشر لازمی ضروری ہے، اور چونکہ یہ بار بار کاٹا جاتا ہے اس لیے اس کی کل آمدنی کا حساب کرکے عشر ادا کیا جائے گا ورنہ ہر بار ادا کرنا ہوگا۔

لما قال ابو بکر بن علی بن محمدؒ: اما اذا اتخذ ارضہ مقصبۃ او شجرۃ او منبتاً للحشیش وساق الیہ الماء ومنع الناس منہ یجب فیہ العشر۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)[2]

---

[1] وفی الہندیۃ: ولو آجر ارضاً عشریۃ فالعشر علی الآجر عند ابی حنیفۃؒ وعندہما علی المستاجر۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۶ باب العشر۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الا فیما لا یقصد بہ) .... وان المدار علی القصد حتی لو قصد بہ ذلک وجب العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

گنے میں عشر کا حکم

سوال: گنے سے اگر گڑ تیار کیا جائے تو اس سے عشر یا نصف عشر دیا جائے گا اور اگر گنا شوگر ملز میں فروخت کیا جائے تو اس میں عشر کا کیا طریقہ کار ہوگا؟

الجواب: گنا زمین کی مستقل آمدنی ہے اسلئے اس میں عشر یا نصف عشر کی ادائیگی ضروری ہے تاہم اگر گنا مل پر فروخت ہو تو قیمت سے عشر ادا کیا جائے گا ورنہ گڑ بنانے کے بعد اس کی جنس یا قیمت سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قیمت سے عشر ادا کرنے کی صورت میں خرچ شدہ رقم منہا کرنا جائز نہیں بلکہ کل قیمت سے عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الشیخ الاسلام ابو بکر بن علی بن محمدؒ: واما القصب فهو ثلثة انواع قصب السکر وقصب الذريرة والقصب الفارسي فقصب السکر وقصب الذريرة فيهما العشر۔

(الجوهرة النيرة ج ا ص۱۶۵ باب زكوة الزروع والثمار) [1]

گڑ یا اس کی قیمت سے عشر ادا کرنا جائز ہے

سوال: گنے سے گڑ تیار کرنے کی صورت میں کیا زمیندار گڑ سے عشر ادا کرے گا یا گڑ کی قیمت سے؟ جبکہ دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

الجواب: چاہی یا نہری زمین سے نصف عشر اور بارانی زمین سے عشر ادا کیا جائے گا اور گڑ یا اس کی قیمت دونوں سے عشر ادا کرنا جائز ہے، مثلاً بیس من گڑ میں سے ایک من گڑ یا اس کی قیمت بطور عشر دینا لازمی ہے اور بارانی زمین کے بیس من میں دو من گڑ یا اسکی قیمت دینا ہوگی۔ (مرتب)

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: وما سقي بغرب او دالية او سانية ففيه نصف العشر على القولين لان المؤنة تكثر فيه وتقل فيما يسقى بالسماء او سيحا وان سقي سيحا او بدالية فالمعتبر اكثر السنة كما مر في السائمة۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۱۹۰ باب زكوة الزروع والثمار) [2]

---

[1] قال الامام برهان الدين المرغينانيؒ: وما قصب السكر وقصب الذريرة ففيهما العشر لانه يقصد بهما استغلال الارض بخلاف السعف والتبن لان المقصود الحب۔

(الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۱۹۰ باب زكوة الزروع والثمار)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر۔

[2] قال شيخ الاسلام ابو بكر بن علي بن محمدؒ: وما سقي بغرب او دالية او سانية ففيه نصف العشر الدالية الدولاب والسانية البعير الذي يستقى عليه الماء۔ (الجوهرة النيرة ج ا ص۱۶۵ باب زكوة الزروع والثمار)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۸ باب العشر۔

مونگ پھلی میں عشر کا بیان

سوال:- مونگ پھلی جو کہ اکثر بارانی زمین میں ہوتی ہے اور اس کی فصل کو پانی کی بھی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی تو کیا اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ یہ فصل عموماً بارانی زمین کی پیداوار ہوتی ہے اس لیے اس میں عشر واجب رہے گا۔

لما قال في الهندية: ويجب العشر عند أبي حنيفة في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير والدخن والأرز وأصناف الحبوب والبقول والرياحين والأوراد والرطاب وقصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء والخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر...... ولا تحتسب أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ وغير ذلك فيجب إخراج الواجب من جميع ما أخرجته الأرض نصفاً أو عشراً۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۶ كتاب الزكوة، الباب السادس في زكوة الزرع والثمار)[1]

تمباکو کا عشر کب ادا کیا جائے گا؟

سوال:- تمباکو کا عشر سبز پتوں سے دینا ہوگا یا ان کی قیمت سے جبکہ تمباکو کو بھٹی میں پکانے پر کافی خرچ آتا ہے تو آیا سبز پتوں سے عشر ادا کرنا ہوگا یا بھٹی میں پک جانے کے بعد عشر دینا ہوگا؟

الجواب:- شریعت مقدسہ میں عشر اصل میں اس پیداوار سے دینا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہو، تاہم اگر قیمت دینا چاہے تو پہلے عشر علیحدہ کر کے پھر علاقے کی مروجہ قیمت لگا کر مساکین کو دے دی جائے اور اگر پکنے سے قبل عشر ادا نہ کیا گیا تو پکنے کے بعد تمام تمباکو سے عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا اور اس میں سے خرچہ منہا نہیں ہوگا۔

لما قال الامام برهان الدين المرغيناني: قال أبو حنيفة في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سقي سيحاً أو سقته السماء۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج ۲ ص ۱۸۶ باب زكوة الزروع والثمار)[2]

---

[1] قال الامام برهان الدين المرغيناني: وكل شيء أخرجته الأرض مما فيه العشر لا يحتسب فيه أجر العمال ونفقة البقر۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج ۲ ص ۱۹۵ باب زكوة الزروع والثمار)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۸ باب العشر۔

[2] قال الشيخ ابو بكر بن علي بن محمد: قال أبو حنيفة في قليل ما أخرجت الأرض وكثيره العشر الا القليل الصاع وما دونه فلا شيء فيه وقيل حده نصف صاع والمراد بالارض هنا العشرية۔

(الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۱۶۵ باب زكوة الزروع والثمار)

ومثله في الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص ۲۷۲ كتاب الزكوة فصل في العشر۔

گھر کے اندر پھل دار درختوں میں عشر واجب نہیں

سوال:- اگر ایک آدمی کے گھر میں کچھ پھل دار درخت ہوں تو کیا اس کے پھلوں میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- گھر کے اندر اگر پھل دار درخت یا سبزی وغیرہ ہو تو ان میں عشر واجب نہیں کیونکہ یہ گھر کے تابع شمار ہوں گے۔

لما قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وجل في داره شجرة مثمرة لا عشر فيها وإن كانت البلدة عشرية بخلاف ما إذا كانت في الأرض۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۴۴ الفصل العاشر في العشر والخراج) [1]

مزروعہ زمین کے اردگرد پھل دار درختوں میں عشر کا مسئلہ

سوال:- اگر زمین میں باقاعدہ زراعت ہوتی ہو اور اس کے اردگرد پھل دار درخت ہوں جن سے کافی پھل اور آمدنی حاصل ہوتی ہو تو کیا اس آمدنی میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- اگر زمین قابل زراعت ہو اور مستقل باغ نہ ہو تو مزروعہ زمین کے حکم میں ہو کر اس کے درختوں کی آمدنی میں عشر واجب نہیں۔

لما قال الإمام حافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب: بوابستان ما يحوطه حائط فيه نخيل متفرقة يمكن الزراعة وسط الأشجار وإن كانت الأشجار ملتفة لا يمكن الزراعة فوسطها فهي كرم وليس في الأشجار التي على المسناة شيء۔ (البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۸۹ الباب الثالث في العشر والخراج) [2]

درختوں کے پتوں میں عشر کا حکم

سوال:- اگر کسی علاقہ میں درختوں کے پتے فروخت کیے جاتے ہوں تو کیا ان کی آمدنی میں عشر یا نصف العشر

---

[1] قال في الهندية: ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فيها۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة، الباب السادس في زكوٰة الزروع والثمار)

[2] قال في الخلاصة الفتاوىٰ: والبستان كل حوط فيه أشجار متفرقة يمكن الزراعة وسط الأشجار وليس في أشجار التي على المسناة شيء فإن كانت الأشجار ملتفة لا يمكن الزراعة وسطها فهي كرم۔
(خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۴۶ الفصل العاشر في العشر والخراج)
وكذلك في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۶۳ باب العشر۔

واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: عشر کے وجوب کے لیے استغلال کا قصد اور نیت کرنا شرط ہے، چونکہ درختوں کے پتے مقصود بالزراعۃ نہیں ہوتے اس لیے ان کی آمدنی میں عشر واجب نہیں ہے۔ قال ابن نجیمؒ: وان یکون الخارج منها مما یقصد بزراعته نماء الارض (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۴ باب العشر)

البتہ اگر زمین کا تیار کرنا اور درخت لگانا اس لیے ہو کہ مقصود بالزراعۃ ہو تو پھر ان کے پتوں میں عشر واجب ہے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادۃ بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبۃ او مشجرۃ او منبتا للحشیش یجب فیها العشر۔ (الهدایۃ ج۱ ص[illegible] باب زکوٰۃ الزروع والثمار) [1]

بھوسہ میں عشر واجب نہیں

سوال: بسا اوقات غلہ سے بھوسہ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، کیا ایسی صورت میں بھوسہ میں عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مقصد کے لیے فصل بوئی جاتی ہو یعنی جو مقصود بالزراعۃ ہو تو عشر اسی سے ادا کیا جائے گا، اس کے علاوہ ضمنی طور پر جو چیز حاصل ہو اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہو تو اس میں عشر یا نصف عشر واجب نہیں۔ چونکہ گندم اور مکئی کی کاشت سے مقصود غلہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بھوسہ یا گھاس میں عشر واجب نہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: اما الحطب والقصب والحشیش فلا تستنبت فی الجنان عادۃ بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبۃ او مشجرۃ او منبتا للحشیش یجب فیها العشر۔ (الهدایۃ ج۱ ص۱۸۱ باب زکوٰۃ الزروع والثمار) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فلو استغل ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب والحشیش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص[illegible] مطلب مهم فی حکم اراضی مصر [illegible] باب العشر)
ومثله فی الهندیۃ ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: الا فیما لا یقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف ... فلو استغل ارضه بها یجب العشر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)
ومثله فی الهندیۃ ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار۔

سبزیوں میں عشر کا وجوب

سوال:۔ بعض سبزیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے سال بھر رہنے کا امکان نہیں ہوتا اور وہ جلدی خراب ہو جاتی ہیں، کیا زمین سے ایسی سبزیوں کے حاصلات پر عشر یا نصف عشر واجب رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر یا نصف عشر کے وجوب کیلئے زمین کی آمدنی میں کسی مدت کیلئے باقی رہنا ضروری نہیں، اسلئے وہ آمدنی جو زمین سے حاصل ہو اس میں عشر یا نصف عشر واجب رہے گا، اگرچہ بعد از وقت کے لیے کھانے کی صلاحیت رکھتی ہو، موجودہ دور میں تو ان سبزیوں کا بڑے بڑے گوداموں کے ذریعے کافی عرصے تک محفوظ رہنا کوئی بعید امر نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قوله بلا شرط نصاب وبقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعا وقيل نصفه وفي الخضراوات التي لا تبقى وهذا قول الامام وهو الصحيح۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر)[1]

افیون میں عشر کے وجوب کا مسئلہ

سوال:۔ کیا افیون کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ افیون متعدد مفید اشیاء کا مادہ ہے اسلئے اس کی زراعت اور تجارت کی سبیل اختیار کرنا ضروری ہے تاہم اگر نشہ آوری کیلئے ہو تو پھر اس کی کاشت و کاروبار ناجائز ہے۔ زمین سے آمدنی کے وقت نیت جو بھی مقصود ہو اور اس کی ہر قسم سے اسلئے آمدنی میں عشر کی ادائیگی لازمی امر ہے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: قال ابوحنیفةؒ في قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقي سيحا او سقته السماء الا القصب والحطب والحشيش۔ (الهداية ج۱ ص۲۰۱ باب زكوة الزروع والثمار)[2]

---

[1] قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: فاما كون الخارج مما له ثمرة باقية فليس بشرط لوجوب العشر بل يجب سواء كان الخارج له ثمرة باقية او ليس له ثمرة باقية وهي الخضراوات كالبقول والرطاب والقثاء والبطيخ والبصل والثوم ونحوها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۹ فصل واما شرائط المحلية)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس في زكوة الزرع والثمار۔

[2] وفي الهندية: ويجب العشر عند ابي حنيفةؒ في كل ما تخرجه من الحنطة ... وفي ما له ثمرة باقية او غير باقية قل او كثر۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۶ باب في زكوة الزرع والثمار)

ومثله في تبيين الحقائق ج۱ ص۲۹۱ باب العشر۔

مقروض پر بھی عشر واجب ہے

سوال:- اگر کوئی شخص مقروض ہو تو کیا اس پر عشر کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟ یا قرض مسقط عشر ہے؟

الجواب:- قرض اگرچہ وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے لیکن وجوب عشر سے مانع نہیں، مقروض ہونے کے باوجود بھی عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ويمنع الدَّين وجوبها عشر وخراج وكفارة۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۰ کتاب الزکوٰۃ) لہ

رفاہ عامہ کے کاموں پر عشر کی رقم خرچ کرنا

سوال:- کیا عشر کی رقم کو رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:- عشر کا تعلق صدقات واجبہ سے ہے جس میں فقیر کی تملیک شرط ہے چونکہ رفاہ عامہ کے کاموں میں فقیر کی تملیک نہیں پائی جاتی اس لیے رفاہ عامہ کے کاموں میں عشر کی رقم نہیں لگائی جا سکتی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: هي تمليك خرج الاباحة فلو اطعم يتيما ناويا الزكوٰة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم ..... جزء مال خرج المنفعة عينه لشارع۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۶ کتاب الزکوٰۃ) لہ

شہد میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟

سوال:- میں نے شہد کی مکھیاں پالی رکھی ہیں جن سے شہد کا کاروبار کرتا ہوں، کیا اس میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟

الجواب:- فقہاء کرام نے مطلقاً شہد میں عشر کا قول کیا ہے اس میں شہد کی پالتو یا جنگلی مکھیوں کی کوئی قید نہیں اس لیے آپ پر اس شہد میں عشر ادا کرنا لازمی ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ثم انما یجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر

لہ قال العلامة ابن نجيمؒ: وقيد المصنف بالزكوٰة لان الدين لا يمنع وجوب العشر والخراج ويمنع صدقة الفطر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۶ کتاب الزکوٰۃ)

لہ قال العلامة ابن نجيمؒ: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى لقوله تعالى: وآتوا الزكوٰة ـ واية دعم التمليك وهو تمليك جزء من ماله وهو ربع العشر او ما يقوم مقامه ـ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

فاما اذا كان في ارض الخراج فلا شيء فيه. (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۶۲ فصل مقدار الواجب)

تاہم اگر مچھلیاں خراجی زمین میں رکھی گئی ہوں تو عشر لازم نہیں۔

کیا مچھلیوں میں عشر واجب ہے

سوال: حضرت مفتی صاحب! ہم نے قابل کاشت زمین میں سے کچھ حصہ پر مچھلیاں پالنے کے لیے ایک تالاب بنایا ہوا ہے جس میں مچھلیاں پال کر فروخت کرتے ہیں، تو اس قطعہ زمین میں عشر کس طرح ادا کیا جائے گا، مچھلیوں سے یا ان کی قیمت سے؟

الجواب: عشر کے لیے زمین ہی کی پیداوار ہونا شرط ہے، مچھلیاں چونکہ زمین کی پیداوار نہیں اس لیے ان میں عشر نہیں، البتہ اگر مچھلیاں تجارت کی نیت سے پالی جاتی ہوں اور حسب وہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال الشيخ ابو عبيد: انه لا يأخذ من السمك شيئا حتى يبلغ مائتي درهم فاذا بلغ مائتي درهم اخذ منه الزكوٰة. (كتاب الاموال لابي عبيد ص ۴۷۴)[2]

کافر حکمران کا مسلمانوں سے ٹیکس یا عشر وصول کرنا

سوال: اگر ایک مسلمان کاشتکار سے کافر بادشاہ ٹیکس یا عشر وصول کرے تو کیا اس کا عشر ادا ہو جائے گا یا دوبارہ دینا ضروری ہے؟

الجواب: کافر حکومت کو مسلمانوں سے خراج وغیرہ لینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے کافر حکومت جب کسی مسلمان زمیندار سے عشر یا ٹیکس وصول کرے تو اس سے عشر ادا نہ ہوگا

---

[1] قال العلامة الحصكفي: ويجب العشر في عسل وان قل في ارض غير الخراج ولو غير عشرية كجبل ومفازة بخلاف الخراجية لئلا يجتمع العشر والخراج. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۲ باب العشر) ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۸۶ باب زكاة الزرع والثمار.

[2] قال العلامة الحصكفي: ولا شيء في قير ونفط وعين يعلوا الماء مطلقا اي في ارض عشر او خراج ولكن في حريمها الصالح للزراعة من ارض الخراج خراج لا فيه لتعلق الخراج بالتمكن من الزراعة واما العشر فيجب في حريمها العشري ان زرعه والا لا لتعلقه بالخارج.

قال العلامة ابن عابدين: (تحت قوله ولا في عين قير) لانه ليس من انزال الارض انما هو عين فوارة كعين ماء فلا عشر فيها ولا خراج. (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر)

مسلمان پر دوبارہ عشر دینا لازم ہے۔

لما قال العلامة عبد الغفور الهمايوني السندي: وأما آنچه حكام نصاریٰ انگریز می گیرند پس در ادا خراج محسوب نمی گردد زیرا که کافرین لیس لهم ولایة أخذ الخراج من المسلمین والمؤمنین وایضاً لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا أدى المسلمون الیهم مالاً بنیة الخراج لا یخرجون من عهدته لانهم لیسوا بمقاتلین لاهل الحرب ولا ذابین اعداء الاسلام عنهم وعن دارهم بل هم اهل الحرب واعداء المسلمین والاسلام اعاننا الله تعالیٰ علیهم والمصرف للخراج المقاتلون لاهل الحرب والذابون الاعداء عن دار الاسلام الخ

(سراج الهند فی تحقیق خراج السند بحوالہ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۳۸ باب العشر)[1]

فرنیچر اور کھیلوں کے سامان کیلئے کاشت شدہ درختوں میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ ہمارے علاقے میں لوگ بعض درختوں کو فرنیچر، کھیلوں کے سامان اور دیگر اشیاء کی بناوٹ کے لیے کاشت کرتے ہیں، کیا ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ خود درختوں میں عشر نہیں لیکن جب درختوں کی زراعت ہی کو مقصد بنایا جائے تو اس میں عشر واجب ہے۔

کما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: المراد ما لا یقصد به استغلال الارض غالباً کالشجر نعم لو قصد الاستغلال بشیء منها کما اذا اتخذ الجنان مقصبة ومشجرة۔

(بحوالہ جدید فقہی مباحث ج ۹ ص ۲۳۲)[2]

---

[1] قال العلامة الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: عشر وخراج از حقوق شرعیہ است پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہمچنیں محصول سرکاری مسقط این حقوق نباشد

(امداد الفتاویٰ جلد ۲ ص ۵۵ باب العشر)

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر) ای لو استنمی ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذلک ویبیعه کان فیه العشر (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر مطلب مهم فی حکم اراضی مصر والشام)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۶ باب زکوٰة الزرع والثمار۔

ایک ہی رقم سے عشر اور زکوٰۃ دونوں ادا کرنا

سوال :- اگر کوئی شخص پیداوار سے عشر ادا کرے پھر اس کو فروخت کر دے تو کیا اس پر اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس شخص کے پاس نقدی کا نصاب بھی ہے؟

الجواب :- اگر یہ شخص پہلے سے صاحبِ نصاب ہو اور اس نے ابھی تک نصاب کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور یہ رقم زکوٰۃ کی ادائیگی سے قبل صاحبِ نصاب کے ہاتھ آ جائے تو اس رقم کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ولو کان له طعام فادی عشره ... او کان له ارض فادی خراجها ... ثم باعها یضمها الی ثمنها من النصاب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۴ فصل شرائط التی ترجع الی المال)[1]

ذاتی استعمال کیلئے کاشت کردہ سبزی میں عشر واجب ہے

سوال :- اگر کوئی زمیندار اپنے ذاتی استعمال کے لیے سبزی وغیرہ کاشت کرے تو اس پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- عشر ہر اس پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو زمین سے نکلے چاہے اپنی ذات کے لیے کاشت کی جائے یا تجارت کے لیے، اس لیے ذاتی استعمال کے لیے کاشت کی ہوئی سبزی میں بھی عشر واجب ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: واما وقته فوقت خروج الزرع وظهور الثمر عند ابی حنیفةؒ وعند ابی یوسفؒ وقت الادراک۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۸ باب العشر)[2]

خودرو پودوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال :- ہماری زمین میں قدرتی گھاس اور خودرو پودے بکثرت ہیں، تو اس کی

---

[1] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: ما المستفاد في اثناء الحول من جنس المال فيما النتاج والارباح فيضم اليه ويزكى معه عند الحنفية تيسيرا على المزكى۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۷۴۲ المبحث الثالث سبب الزكوة الخ)

[2] قال العلامة الحصكفیؒ: ويؤخذ العشر عند الامام عند ظهور الثمرة وبدو صلاحها۔ ...... (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۱ باب العشر)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ باب زکوٰۃ الزرع والثمار۔

حفاظت کرتے ہیں اور دوسروں کو اس میں آنے جانے سے روکتے ہیں تو کیا اس میں عشر واجب ہے؟

الجواب: خودرو گھاس میں اگرچہ عشر واجب نہیں لیکن جب اس کی حفاظت کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بنایا جائے تو عشر واجب ہے۔

لما فی الهندية: فلا عشر فی الحطب والحشيش ..... ولو كان يقصده ويسقيه يجب فيه العشر كذا فی محيط السرخسی۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۶ باب زكوة الزرع والثمار)

جدید طریقہ کاشت کے عشر پر اثرات

سوال: آج کل جدید طریقہ کاشت میں زمین پر کافی خرچہ آتا ہے جیسے کھاد، ادویات وغیرہ، تو کیا ان اخراجات کی وجہ سے عشر پر کوئی اثر پڑے گا؟ یعنی کامل عشر نصف میں تبدیل ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ادویات و کھاد پر خرچ ہونے والی رقم منہا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین کی پیداوار پر اخراجات زیادہ ہوتے ہوں تو اس پیداوار میں بیسواں حصہ عشر واجب ہوگا اور جس زمین پر اخراجات کم ہوتے ہوں تو دسواں حصہ عشر لازم ہوگا لیکن اخراجات کو منہا کرنا جائز نہیں لہٰذا جدید طریقہ کاشت پر اخراجات زیادہ آنے کے باوجود منہا کرنا جائز نہیں، البتہ عشر بیسواں حصہ کے حساب سے ادا کرنا ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفی: وتجب فی مسقی سماء وسيح بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول ..... ويجب العشر ويجب نصفه فی مسقی غرب ودالية لكثرة المؤنة۔ قال ابن عابدين: تحت قوله (لكثرة المؤنة) علة لوجوب نصف العشر فيما ذكر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۵، ۳۲۸ باب العشر مطلب فی حكم اراضی مصر والشام)

لما قال العلامة ابن عابدين: وقد تقدم انه حتى لو اشتغل ارضه بها يجب العشر فلو استنمى ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او بالحشيش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر مطلب فی حكم اراضی مصر والشام)

ومثله فی الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۸۰۳ المطلب الرابع زكوة الزروع والثمار۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلی: ويجب نصف العشر فيما سقى بالدوالی والنواعير والنواضح .....
وسبب نقص الواجب هو كثرة المؤنة فی السقی وخفتها ... (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۸۰۳ المطلب الرابع زكوة الزروع والثمار: تفاوت مقدار الواجب وعلته۔)

فصل مقصود پر عشر واجب ہے

سوال:۔ ہمارے علاقے میں مکئی وغیرہ کثرت سے کاشت کی جاتی ہے اور اس سے کاشتکار کے پیش نظر اناج نہیں بلکہ چارہ ہوتا ہے جو جانوروں کے لیے انتہائی کارآمد شے ہے تو مقصود بالذات فصل ہوتی ہے تو کیا اناج یا اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ اناج اور فصل دونوں میں عشر ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک میں عشر ادا کر دیا جائے تو دوسرے میں عشر نہیں ہے۔ مسئلہ ہذا واضح فرما کر ثواب دارین حاصل کریں؟

الجواب:۔ مکئی کے دانوں میں عشر واجب ہے اس کے گھاس وغیرہ میں عشر واجب نہیں البتہ باجرہ اور جوار جو بطور گھاس کاشت کی جاتی ہو وہ اگر مقصود ہو تو اس کے ڈنٹھلوں میں سے ایک گٹھا عشر دینا واجب ہوگا اسی پر وہ سب چیزیں قیاس کی جاتی ہیں جن میں مقصود گھاس اور ڈنٹھل ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ، الا فیما لا یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف الخ حتی لو اشتغل ارضہ بہا یجب العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

البتہ اگر صرف گھاس کاٹ کر فروخت کرتے ہوں یا جانوروں کو کھلاتے ہوں تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ. قال فی النہر وفیہ انہ لو قصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ صار ھو المقصود فلو حصلنا رشد بقولہم بخلاف ما ... او القصب والحشیش وکان یقطع ذلک ویبیعہ کان فیہ العشر کذا فی البدائع (رد المحتار ج۲ ص... باب العشر)[1]

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ ومنہا ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الارض وتستغل الارض بہ عادۃ .... حتی قالوا فی الارض اذا اتخذھا مقصبۃ او فی شجرۃ الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انہ یجب فیہا العشر لان ذلک غلۃ وافرۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیۃ)

ومثلہ فی الہدایۃ ج۱ ص۲۰۱ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

بائع کا مشتری کو کچھ رقم چھوڑ دینے پر عشر کا حکم

سوال:- زید نے عمرو سے پچاس ہزار روپے میں باغ خریدا اب زید کو اس باغ میں نقصان ہوگیا ہے اور زید نے عمرو کی منت سماجت کرکے دس ہزار روپے معاف کرالیے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کو عشر پچاس ہزار روپے میں سے دینا ہوگا یا چالیس ہزار کے حساب سے؟

الجواب:- عشر پیداوار کی اس رقم کے مطابق واجب ہوتا ہے جس پر بیع ہوچکی ہو، چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو نے اصل ثمن سے دس ہزار روپے چھوڑ دیئے ہیں اس لیے زید چالیس ہزار روپے کا عشر ادا کرے گا کیونکہ عمرو نے ثمن میں جو کمی کی ہے وہ اصل بیع یعنی عقد کے ساتھ ملحق ہوگی گویا کہ بیع چالیس ہزار روپے پر ہی ہوئی ہے۔

لما فی الهندیة: حط بعض الثمن صحیح ویلتحق باصل العقد عندنا کالزیادة سواء بقی محلا للمقابلة وقت الحط او لم یبق محلا کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۷۳ کتاب البیوع، الباب السادس عشر فی زیادة الثمن) [1]

جنگلات میں عشر واجب نہیں

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ سوات، ہزارہ اور کوہستان وغیرہ کے پہاڑوں پر گھنے جنگلات کی کثرت ہے جن میں سے بعض عوام کی اور بعض حکومت کی ملکیت ہیں تو کیا عوامی جنگلات میں پورا عشر واجب ہے یا نصف یا سرے سے عشر واجب ہی نہیں ہے؟

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: والزیادة فیه والحط منه ای من الثمن یلتحقان باصل العقد عندنا وعندهما فلا یلتحقان ...... ومعنى انهما بالحط والزیادة یغیران العقد من وصف مشروع الی وصف مشروع وهو کونه رابحا او خاسرا او عدلا ولهما ولایة الرفع فاولی ان یکون لهما ولایة التغییر فصار کما اذا اسقطا الخیار او شرطاه بعد العقد واذا صح یلتحق بالعقد لان وصف الشئ یقوم به لا بنفسه بخلاف حط الکل لانه تبدیل لاصله لا تغییر لوصفه۔

(البحر الرائق ج۶ ص۱۲۹ فصل فی بیان التصرف فی المبیع والثمن الخ)

الجواب: جنگلات کے ان درختوں میں عشر نہیں ہے تاہم فروختگی کی صورت میں سال گذرنے پر ان کی قیمت پر حسب ضابطہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: ولكن لا عشر فيما هو تابع للارض كالنخل والاشجار لانه بمنزلة جزء الارض لانه يتبعها في البيع الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۲۳ باب العشر) [1]

بارانی اور چاہی زمین میں عشر کا حکم

سوال: ایک شخص مثلاً زید کی زمین کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے لیکن امسال برسات کے موسم میں بارشوں کی کثرت کی وجہ سے کنواں چلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، تو کیا زید حسب سابق نصف عشر ادا کرے گا یا پورا عشر ادا کرے گا؟

الجواب: عشر کا تعلق چونکہ پانی سے ہے اور فصل جس پانی سے بھی سیراب ہوتی ہو اس کے مطابق عشر واجب ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ فصل بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اور کنواں چلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لیے اس فصل میں پورا عشر واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويجب في مسقي سماء اي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب... ولو سقي سيحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلاثة وقيل اربعة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۷۱ باب العشر) [2]

---

[1] وفي الهندية: ولا عشر فيما هو تابع للارض كالنخل والاشجار۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس في زكوة الزروع والثمار)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلية۔

[2] قال العلامة الكاساني رحمه الله: وعن انس رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال فيما سقته السماء والعيون وكان بعلا العشر وما سقي بالرشاء ففيه نصف العشر ولان العشر وجب مؤنة الارض فيختلف الواجب بقلة المؤنة وكثرتها ولو سقي الزرع في بعض السنة سيحا وفي بعضها بآلة يعتبر فيه ذلك لان للاكثر حكم الكل كما في السوم في باب الزكوة۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۶۲ فصل واما بيان مقدار الواجب)

ومثله في الهداية ج۱ ص۱۸۲ باب زكوة الزروع والثمار۔

عشر میں حولانِ حول شرط نہیں

سوال:- زید کی ایک ہزار روپے کی افیون کی فصل ہوئی تھی تو اس نے سو روپے عشر ادا کر کے افیون اپنے پاس رکھ لی جو کہ پورا ایک سال اس کے پاس پڑی رہی تو کیا سال گزرنے پر اس افیون میں دوبارہ عشر یا زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایک فصل میں صرف ایک بار عشر ادا کیا جائے گا بار بار سال گزرنے سے عشر واجب نہیں ہوتا البتہ اگر فصل بار بار اگتی ہو تو ہر بار عشر واجب ہوگا تاہم اگر فصل فروخت کی جائے اور اس کے بدلے میں نقد رقم مل جائے اور اس رقم پر سال گذر جائے تو ضابطۂ زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله وبلا حول حتى لو اخرجت الارض مرارًا وجب في كل مرة لاطلاق النصوص عن قيد الحول ولان العشر في الخارج حقيقة فيتكرر بتكرره. (رد المحتار على هامش الدر المختار ج۲ ص۴۹ باب العشر) [۱]

پھل پکنے سے پہلے بیع کی صورت میں عشر مشتری پر ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اگر کوئی شخص اپنے باغ کو پھل لگنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی پر فروخت کرے اور پھل پکنے تک مشتری بائع سے درختوں پر رہنے کی اجازت بھی لے لے تو پھل پکنے کے بعد عشر بائع پر واجب ہوگا یا مشتری ادا کرے گا؟

الجواب:- عشر ہر اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کی ملکیت میں فصل پیدا ہو چونکہ صورتِ مسئولہ میں پھل مشتری کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے اس لیے اس کا عشر دینا بھی اسی کے ذمے ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراكه فالعشر على المشتري

---

[۱] قال العلامة الكاسانيؒ: والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو اخرجت الارض في السنة مرارًا يجب العشر في كل مرة لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول. (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۶ فصل واما شرائط المحلية)

ومثله في الهداية ج۱ ص۱۸۶ باب زكوة الزروع والثمار۔

ولو بعده فعلى البائع. قال ابن عابدين: قوله ولو باع الزرع...... ثم هذا اذا باع الزرع وحده وحصل ما اذن عنده وترکه المشتري باذن البائع حتى ادرك فعشرهما على المشتري...... ولو فيها نبات لم يبلغ فعلى المشتري بكل حال. (رد المحتار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۵ باب العشر)[1]

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں

سوال: ہم نے کچھ بنجر زمین قابل کاشت بنائی ہے جس میں سالانہ دو فصلیں ہوتی ہیں، تو کیا اس طرح کی زمین سے بھی عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں بھی آپ پر عشر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ وجوب عشر کے لیے ملکیت زمین شرط نہیں ہے۔

لما في الهندية: ولكن ملك الارض ليس بشرط للوجوب لوجوبه في الاراضي الموقوفة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۵ الباب السادس في زكوة الزرع والثمار)[2]

ٹاہلیوں میں عشر نہ ہونے کی علت کی وضاحت

سوال: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ حطب (لکڑیوں) میں عشر واجب نہیں ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ گھاس، لکڑی اور پانی انسانوں میں مشترک ہے لیکن آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ باقاعدہ کھیتوں کے کناروں یا پانی کے نالوں پر درخت لگائے جاتے ہیں اور لوگوں کو آگ جلانے کے لیے یا مکانوں کی تعمیر وغیرہ کے لیے درخت کاٹنے

---

[1] وفي الهندية: ولو باع الزرع ان قصله المشتري في الحال فالعشر على البائع ولو تركه حتى ادرك فعشره على المشتري كذا في شرح الطحاوي.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس في زكوة الزرع والثمار)

[2] قال العلامة ابن عابدين: قوله ووقف اقول ان ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب في الخارج لا في الارض فكان ملكه لها وعدمه سواء. (رد المحتار على هامش الدر المختار ج۲ ص۴۹ باب العشر)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۵۶ فصل واما شرائط الفرضية.

سے منع کیا جاتا ہے، تو کیا اس صورت میں بھی عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے درختوں میں عشر واجب نہ ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ درخت زمین کے تابع ہیں لہٰذا اس علت کے باعث کسی بھی صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: وکذا لاعشر فیما هو تابع للارض کالنخل والاشجار لانه بمنزلة جزء الارض لانه یتبعها فی البیع الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۳۸ باب العشر)[1]

فروخت کرنے کی نیت سے اگائے ہوئے بیج (پنیری) پر عشر کا حکم

سوال: ہمارے علاقے میں مرچ، پیاز، ٹماٹر، بینگن وغیرہ کا بیج (پنیری) کاشت کیا جاتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد اسے باقاعدہ فصل حاصل کرنے کے لیے دوسرے کھیت میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے کچھ (پنیری) کچھ لوگ تو صرف اپنے لیے کاشت کرتے ہیں اور بعض لوگ فروخت کرنے کے لیے کاشت کرتے ہیں، تو کیا ایسے بیج سے عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی چیز کے اگانے اور کاشت کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت سے نفع اٹھایا جاتا ہو یعنی آمدنی کی غرض سے کاشت کیا جاتا ہو تو اس میں عشر ہے اور اگر فروخت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے کھیت کے لیے برائے فصل کاشت کیا گیا ہو تو پھر جب یہ فصل کامل ہو جائے تو اس میں سے عشر ادا کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: قوله لا فیما لا یقصد الخ اشار الی ان ما اقتصر علیه المصنف کالکتان وغیره لیس المراد به ذاته بل لکونه من جنس ما لا یقصد به استغلال الارض غالباً وان المدار علی القصد

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

حتی لو تصد به ذلک وجب العشر کما صرح به بعضہم۔

(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص۵۳ باب العشر) [1]

فصل کے بار بار آگنے پر عشر کا حکم

سوال:- جوار باجرہ وغیرہ کی فصل کئی بار اگتی ہے تو کیا ہر بار اس سے عشر دینا واجب ہے یا ایک بار ہی دینا کافی ہے؟

الجواب:- عشر کا تعلق فصل کے آگنے کے ساتھ ہے چاہے وہ ایک بار آگے یا بار بار ہر مرتبہ اس سے عشر ادا کیا جائے گا لہٰذا صورت مسئولہ میں جوار باجرہ وغیرہ میں سے جتنی بار بھی آگے اتنی بار عشر دینا واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وحولان حول حتی لو اخرجت الارض مرارًا وجب فی کل مرة لاطلاق النصوص عن قید الحول ولان العشر فی الخارج حقیقة فیتکرر بتکرره الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۹ باب العشر) [2]

درختوں اور لکڑیوں میں عشر و زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:- زید نے اپنے کھیت سے کچھ درخت کاٹے ہیں کی قیمت تقریباً چار ہزار روپے ہے جس میں ایک ہزار روپے اس نے مزدوری میں دے دیئے اب زید باقی رقم میں عشر ادا کرے گا یا زکوٰۃ اور کس حساب سے ادا کرے گا۔

الجواب:- اگر زید نے یہ درخت کھیت میں بقصد فصل بوئے تھے تو پھر ان

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۸ فصل واما شرائط الفرضیة) ومثله فی الهدایة ج ۱ ص۱۸۱ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: والحول لیس بشرط لوجوبها، حتی لو اخرجت الارض فی السنة مرارًا یجب العشر فی کل مرة لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولان العشر فی الخارج حقیقة فیتکرر الوجوب بتکرر الخارج۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۶۲ فصل واما شرائط المحلیة) ومثله فی الهدایة ج ۱ ص۱۸۳ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

درختوں کی کل قیمت یعنی چار ہزار روپے میں عشر واجب ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قولہ الا فیما لا یقصد ...... فلما علی القصب حتی لو قصد بہ ذلک وجب العشر کما صرح بہ بعد۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۲۸ باب العشر)

اور اگر یہ درخت کھیت کے تابع تھے اور بقصد فصل نہیں تھے تو پھر ان میں عشر واجب ہے نہ زکوٰۃ۔

لما فی الھندیۃ: ولا عشر فیما ھو تابع للارض کالنخل والاشجار۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) لہ

اجارہ کی نقد رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اجارہ اگر نقد رقم پر ہوا ہو مثلاً فی جریب ایک ہزار روپیہ یہ اجارۂ زمین تو مالک نے اب اس رقم پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یا عشر؟

الجواب:۔ اجارہ کی یہ رقم تو موجر کی آمدنی کے تابع ہو کر سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی عشر نہیں، البتہ اس زمین سے فصل حاصل کرنے والے پر عشر واجب ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستأجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولہما نأخذ وقال ابن عابدینؒ: قال فی فتح القدیر لہما ان العشر منوط بالزرع وھو للمستأجر ... فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولہما فی ذلک۔

(رد المحتار مع الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۴ مطلب ھل یجب العشر علی المزارعین فی اراضی السلطانیۃ) لہ

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنہا ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الارض وتستغل الارض بہ عادۃ فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۸ فصل واما شرائط المحل)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۶ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولو آجر الارض العشریۃ فعشر الخارج علی المؤجر عندہ وعندھما علی المستأجر وجہ قولہما ظاہر لما ذکرنا ان العشر یجب فی الخارج والخارج ملک المستأجر فکان العشر علیہ کالمستعیر الخ۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۶ فصل واما شرائط الفرضیۃ)

ومثلہ فی النتف فی الفتاوی ج ۱ ص ۱۲۰ المعاملۃ فی الاراضی العشریۃ۔

عشر فی الفور واجب ہے یا علی التاخیر؟

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک زمیندار آدمی بہت زیادہ مقروض ہے، جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو اس کا عشر اسی وقت ادا نہیں کرتا بلکہ ایک کاپی پر لکھ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ قرض خواہ بہت تنگ کر رہے ہیں اس لیے پہلے قرض ادا کرتا ہوں کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے جبکہ میری ساری فصل بھی قرضہ کی مقدار سے کم ہے، جب خدا تعالیٰ قرض سے نجات دے دیں گے تو پھر یہ سب عشر ادا کروں گا۔ تو کیا از روئے شریعت اس زمیندار کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام میں عشر کی ادائیگی علی الفور واجب ہے، اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بھی مقروض ہونے کی وجہ سے عشر دینے میں تاخیر کرے گا تو اس عمل سے گنہگار ہو جائے گا کیونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (سورة ...) جبکہ احادیث میں بھی عشر کی بلا تاخیر ادائیگی کا حکم وارد ہوا ہے۔

لما فی الهندية: ولا يأكل شيئاً من طعام العشر حتى يؤدي عشره

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۶ باب العشر)

تاہم اگر وہ عشر کا مال اپنے قرض میں دیدے تو اس سے اس کا قرض تو ادا ہو جائے گا مگر عشر اس کے ذمہ قرض رہے گا، اور اگر زندگی میں ادا نہ کیا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔

الکما فی الفتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج۱ ص۲۶۲

اسی طرح الدر المختار میں بھی یہ تصریح ہے کہ: ولذا كان للامام أخذه جبراً ويؤخذ من التركة ويجب مع الدين وفي أرض صغير الخ

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۵ باب العشر)

نہری و بارانی پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں عشر کا مسئلہ

سوال: اگر کسی زمین کو نہری اور بارانی پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار پر عشر کس حساب سے واجب ہوگا؟ کیا اس زمین کی پیداوار میں بارانی پانی سے پیداوار کے حساب سے عشر واجب ہوگا یا نہری پانی کے حساب سے؟ براہ مہربانی تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب۔ جو زمین دو مختلف انواع پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں وجوب عشر کے لیے اکثریت کا اعتبار ہوگا، مثلاً ایک فصل کو اگر پانچ بار آبپاشی کی ضرورت ہے تو تین بار جس پانی سے اسے سیراب کیا جائے عشر اسی کے حساب سے دیا جائے گا یعنی ایک فصل کی آبیاری تین بار نہری یا کنوئیں کے پانی سے کی گئی اور دو بار بارانی پانی سے تو اس کی پیداوار میں نصف العشر کے حساب سے عشر ادا کیا جائے گا اور اگر تین بار بارانی پانی سے سیراب کی گئی ہو تو پورا عشر لازم ہوگا۔ البتہ اگر اس زمین کو دونوں قسم کے پانی سے مساوی طور پر سیراب کیا جائے تو فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نظراً للفقراء کی وجہ سے نصف العشر کے حساب سے عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وإن سقي بعض السنة بآلة والبعض بغيرها فالمعتبر الأكثر كما مر في السائمة والعلوفة وإن استويا يجب نصف العشر نظراً للفقراء كما في السائمة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۸ باب العشر)

امارت اسلامیہ جبراً عشر وصول کر سکتی ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے اور وہ یہ کہ کیا امارت اسلامیہ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی سے زبردستی عشر وصول کرے؟ براہِ مہربانی جواب باحوالہ عنایت فرمائیں؟

الجواب: عشر چونکہ زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اموالِ ظاہری کی طرح ہے اس لیے اگر کوئی شخص خود عشر ادا نہ کرتا ہو تو امارت اسلامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے جبراً عشر وصول کرے اور اس وصولی سے اگرچہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ملے گا، تاہم اگر اپنے اختیار سے عشر ادا کرے تو اجر و ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: فلهذا جاز أن يأخذه جبراً ويسقط عن صاحب الأرض إلا أنه لا ثواب له إلا إذا أدى اختياراً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۸ باب العشر) [1]

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: وهذا حولان فيه معنى المؤنة ولذا كان للإمام أخذه جبراً ويؤخذ من التركة. قال العلامة ابن عابدينؒ تحت قوله أخذه جبراً: ويسقط عن صاحب الأرض كالزكاة بغير أنه إذا أداه بنفسه يثاب ثواب العبادة وإذا أخذه الإمام كرهاً يكون له ثواب ذهاب ماله في وجه الله۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر)

نابالغ کی مملوکہ زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ کیا نابالغ بچوں کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ کیا عشر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط ہے جس طرح زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کا بالغ ہونا شرط لازم ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اگرچہ مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کا بالغ ہونا ضروری ہے مگر عشر کا معاملہ اس سے الگ ہے، عشر زمین کی پیداوار پر لاگو ہوتا ہے اس میں مالک کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے صورت مسئولہ میں نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، مالک کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: واما العقل والبلوغ فلیسا من شرائط الوجوب حتی یجب العشر فی ارض الصبی والمجنون لان فیه معنی المؤنة۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۳۳ باب العشر)[1]

خودرو گھاس میں عشر کے وجوب کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں ایک خاص قسم کا گھاس ہوتا ہے جسے لوگ جانوروں کے لیے چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے پانی دیتے ہیں تاکہ سوکھ نہ جائے، اس مقصد کے لیے اپنی زمین کا کچھ حصہ مخصوص کر دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس گھاس سے منع بھی کرتے ہیں، کیا ایسی گھاس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عشری زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جو مقصود ہو چاہے اس کی کاشت کی جائے یا از خود پیدا ہو جائے، چونکہ خودرو گھاس عموماً مقصود اصلی نہیں ہوتا

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: (و) یؤخذ من الترکة و (یجب) مع الدین و (فی ارض صغیر ومجنون ومکاتب ومأذون ووقف) وتسمیته زکوٰۃ۔ قال العلامة ابن عابدینؒ تحت قوله (وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب) من مدخول العلة فلاثة اشیاء فی وجوبه عقل والبلوغ والحریة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۵ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

اس لیے اس میں عشر واجب نہیں، لیکن جب اس کی حفاظت کی جائے، اس کو بروقت پانی دیا جائے اور دوسروں کو اس سے منع کیا جائے تو پھر اس صورت میں وہ گھاس مقصودی ہو جاتا ہے جس کی طرف حکم شرعی متوجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق اگر واقعی اس قسم کے گھاس کے لیے زمین مخصوص کر کے اس میں گھاس کی نشو و نما کی جاتی ہو تو پھر اس میں عشر واجب ہے، بصورت دیگر کوئی عشر نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: (إلا فيما) لا يقصد به استغلال الأرض (نحو حطب وقصب) فارسي (وحشيش) وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي وأشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطيخ وقثاء وأدوية كحلبة وشونيز حتى لو اشتغل أرضه بها يجب العشر۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر) لے

فتاویٰ ہندیہ اور درمختار کی عبارت و شجر القطن سے پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض کتب فقہ مثلاً الدر المختار اور ہندیہ وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شجر قطن (کپاس کے پودے) میں زکوٰۃ واجب نہیں، تو کیا واقعی کپاس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے؟ جبکہ کپاس آج کل ہمارے ملک کی بہت اہم پیداوار ہے، براہ مہربانی فقہ حنفی کی روشنی میں ہماری اس الجھن کو دور فرمائیں؟

الجواب: احناف کے ہاں عشری زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جو مقصودی ہو، کپاس چونکہ مقصودی پیداوار ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ بالاتفاق واجب ہے، البتہ مقدار نصاب میں احناف کے ہاں اختلاف ہے۔

لے لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وعلل عدم الكل بأن ما لا يقصد به استغلال الأرض لا يجب فيه العشر مثل السعف والتبن. اهـ

وقال فيه أيضاً: إنما استثنى الثلاثة لأنه لا يقصد بها استغلال الأرض غالباً حتى لو اشتغل بها أرضه وجب العشر.

(البحر الرائق ج۲ ص۲۳۱ باب العشر)

ومثله في الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس في زكاة الزرع والثمار۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ قال ابو یوسفؒ فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیه العشر اذا بلغت قیمته خمسة اوسق من ادنی ما یوسق. الخ
قال محمدؒ و یجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امثال من اعلیٰ ما یقدر به نوعه ـ (الهدایة ج۱ ص۱۸۶ باب العشر)

وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ، ویجب فی العصفر والکتان وبزرہ لان کل واحد منهما مقصود فیه ثم اختلفا فیما لا یوسق کالزعفران والقطن فاعتبر ابو یوسفؒ قیمة ادنی ما یوسق کالذرة واعتبر محمد خمسة اعداد من اعلیٰ ما یقدر به نوعه فاعتبر فی القطن خمسة احمال کل حمل ثلاث مائة من. الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۵ باب العشر)

اور جہاں تک درمختار اور ہندیہ کی عبارات کا تعلق ہے تو وہاں شجرہ قطن یعنی کپاس کے پودے کی نفی ہے کپاس کی نہیں اس لیے کہ اس کی پیداوار میں مقصود اصل کپاس ہوتی ہے اس کا پودا نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ، (تحت قوله وشجرة قطن) اما القطن نفسه ففیه العشر کما مر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر) ؎

۞

؎ لما قال العلامة ابن عابدینؒ، تحت قوله بلا شرط نصاب وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا وقیل نصفه وفی الخضر وات التی لا تبقی وهذا قول الامام وهو الصحیح کما فی التحفة وقالا لا یجب الا فیما له ثمرة باقیة حولا بشرط ان یبلغ خمسة ان کان مما یوسق والوسق ستون صاعا کل صاع اربعة امناء والا فحتی یبلغ قیمة نصاب من ادنی الموسوق عند الثانی واعتبر عند الثالث خمسة امثال ما یقدر به نوعه ففی القطن خمسة احمال وفی العسل افراق وفی السکر امناء وتمامه فی النهر۔
(ردالمحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نہری زمین میں عشر اور نصف عشر کا مسئلہ

سوال:- ایسی نہری زمین جس کی نہر کھودنے، اصلاح اور دیکھ بھال پر محنت اور رقم خرچ کرنی پڑتی ہو کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب:- سوال میں مذکورہ نہری زمین کے بارے میں دو مختلف اور متضاد رائیں ملتی ہیں؛ اوّل یہ کہ سوال میں مذکورہ جیسی زمین میں عشر لازم ہوگا، اور اس کے مقابلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے۔ درج ذیل کتابوں کی عبارات اپنے اطلاق و صراحت سے رائے اوّل کا ثبوت دے رہی ہیں:-

(۱) درمختار میں ہے: ویجب العشر فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنهر ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیة ای دولاب لکثرة المؤنة (ج ۲ ص ۷۳ باب العشر)

یعنی جو زمین مطر و نہر سے سیراب ہوتی ہو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور غرب و دالیہ سے سیراب کی جاتی ہو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہوگا۔

(۲) کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق میں ہے: یجب فی عسل ارض العشر ومسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیة۔ (ج ۲ ص ۲۳۸، ۲۳۹ باب العشر)

یعنی عشری زمین کے شہد اور مطر و نہر سے سیراب کی گئی زمین کی پیداوار میں عشر لازم ہے اور جو زمین غرب و دالیہ سے سیراب کی جاتی ہو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے۔

(۳) بدائع الصنائع میں ہے: فما سقی بماء السماء او سقی سیحا ففیه عشر کامل وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر (ج ۲ ص ۶۲ باب العشر)

یعنی جو زمین باران و نہر سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں عشر اور جو غرب و دالیہ اور سانیہ سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے۔

(۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: وما سقی بالدولاب والدالیة ففیه نصف العشر وان سقی سیحا وبدالیة یعتبر اکثر السنة فان استویا یجب نصف العشر (ج ۱ ص ۱۸۶ الباب العشر)

یعنی جو زمین دولاب و دالیہ سے سیراب کی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے اور جو نہر و مطر سے سیراب کی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں عشر لازم ہے اور جب زمین کو دونوں قسم کا پانی دیا گیا ہو تو پھر ان میں سے جو پانی زیادہ دیا گیا ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

اپنی زمین تک پہنچا دیا تو اس کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

(۷) امداد الفتاوی میں ہے: الجواب فی رد المحتار ویجب العشر فی مسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیة وفی کتب الشافعیة اوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه ولو سقی سیحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصہ پیداوار کا دے اور اگر مفت کے پانی سے کرتا ہے تو کنوئیں سے آبپاشی کرنے میں بھی بیسواں حصہ دے اور نہر سے کرنے میں دسواں حصہ دے جبکہ زمین عشری ہو یعنی کسی کافر سے منتقل ہوئی ہو۔ (جلد ۲ ص ۴۵ باب العشر کتاب الزکوٰۃ)

اور ایضاً امداد الفتاوی میں ہے: سوال: بہشتی زیور حصہ سوم ص ۲۹ میں ہے اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے فقط بارش کے پانی سے پیداوار ہوگئی یا ندی اور دریا کے کنارے ترائی میں کوئی چیز بوئی اور بے سینچے پیدا ہوگئی تو ایسے کھیت میں جتنی پیداوار ہوئی ہے اس کا دسواں حصہ خیرات کرنا واجب ہے اور اگر کھیت کو رہٹ چلا کر کے یا کسی اور طریقہ سے سینچا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ خیرات کرے۔ فقط۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہری اور بارانی کھیت میں دسواں حصہ واجب ہے اور چاہی میں بیسواں۔ اور علاج القحط والوبا میں مرقوم ہے: اگر بارانی ہو تو دسواں حصہ اور اگر چاہی ہو یا نہری ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ علاج القحط میں نہری زمین کا حکم صراحتاً بیسواں حصہ مرقوم ہے اور عربی کتابوں میں سے بھی نہری کا حکم دسواں حصہ معلوم ہوتا ہے۔ کما فی القدوری العشر واجب سواء سقی سیحا او سقته السماء۔ ازیں سوا اس عرضداشت کے جواب سے ممتاز فرمایا جاوے۔ (۱) سینچنے سے کیا مراد ہے (۲) نہر سینچی کا اسباب، نہر سینچی کے کیا معنی ہیں؟

الجواب: کچھ تعارض نہیں ہے، جس نہری میں دسواں حصہ لکھا ہے مراد وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے، چنانچہ بہشتی زیور کی بھی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصہ لکھا ہے مراد اس سے وہ ہے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے۔ (جلد ۲ ص ۵۵ کتاب الزکوٰۃ باب العشر)

اور بہشتی زیور کی اس عبارت "اور طریقہ" کا یہ ہے کہ اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے بلکہ

کا ترجمہ "جنتی کالے" میں یہ لکھا گیا ہے: "طریقه دا دے چه کله دا زمکه باران وه یا د سیند دریاب وغیره نه اوبه کیدله او اوبه را ویستو ته حاجت نه وو نو په بیدا وار کښې لسمه حصه خیرات ورکول واجب دی او که اوبه اوخیږی په بل طریقه اوبه کیدے نو بیا شلمه ده"۔ اس ترجمہ سے معلوم ہوا کہ سیچنے کا معنیٰ ہے کہ پانی کو کسی چیز یا آلہ کے ذریعہ نکال کر زمین کو دیا جائے۔

(۸) خیر الفتاوی میں ہے: سوال: چترال میں گرمیوں کے موسم میں برف کا پانی ندیوں اور نالیوں میں بہتا ہے، لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو دیتے ہیں یہ نہریں کہیں ایک فرلانگ لمبی کہیں ایک میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعض جگہ تقریباً بیس دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد تقریباً ڈیڑھ دو ماہ تک روزانہ نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اب اس پانی سے جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر ہوگا یا نصف عشر، درمختار وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشر ہونا چاہئے جبکہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔ (سائل: مولوی فضل مولیٰ چترال)

الجواب: آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا، چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور پھر دو ماہ تک اس سے سیراب ہوتی رہے تو اسے مؤنت کثیرہ قرار نہیں دیا جا سکتا، خصوصاً جبکہ آپ کے یہاں سابقہ تعامل بھی عشر ہی کا ہے وتجب فی مسقی سماء او سیح کنہر۔ معلوم ہوا کہ نہر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی کاٹ کر لائی جاتی ہے۔ (جلد ۳ صفحہ ۳۹۳،۳۹۲ باب العشر)

(۹) شرح التنویر میں ہے: ولو سقی سیحا وبآلۃ اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹ باب العشر) یعنی جو فصل نہر سے سیراب ہونے کے ساتھ آلہ (رہٹ وغیرہ) کے ذریعہ بھی سیراب کی جاتی ہو تو اس صورت میں غالب کا اعتبار کیا جائے گا یعنی زیادہ پانی سیح (کھلا نہر) کا دیا گیا ہو تو عشر لازم ہوگا اور اگر زیادہ پانی آلہ سے دیا گیا ہو تو نصف عشر لازم ہوگا اور برابر کی صورت میں نصف عشر لازم ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عشر کا تین چوتھائی لازم ہے۔

اور رائے اوّل کی تائید فقہاء کی اس تعبیر "ویجب نصفہ فی مسقی غرب ودالیہ"
(یعنی جو زمین غرب ودالیہ سے سیراب ہوتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے) سے
بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ تعبیر صاف طور سے بتا رہی ہے کہ نصف عشر کے لزوم میں انہی خرچ و
مؤنت کا اعتبار ہے جو پانی دینے اور زمین کو سیراب کرنے کے وقت لازم آتا ہے اور جو اس سے
پہلے آیا ہو اس کا نصف عشر میں دخل نہیں ہے ورنہ پھر فقہاء اس تعبیر "ویجب نصفہ فی مسقی
غرب ودالیہ" کی جگہ یہ تعبیر فرماتے "ویجب نصفہ فی مسقی البیر" یعنی جو زمین کنوئیں سے
سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے، مگر فقہاء نے پہلی تعبیر کو اختیار
فرمایا ہے جس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اس خرچ اور مؤنت کا ہے جو
پانی دینے اور زمین کے سیراب کرنے کے وقت آتا ہے اور جو خرچ و مؤنت اس سے پہلے
آتا ہے وہ معتبر نہیں ہے — نیز اس رائے کی تائید اس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے:

عن عبد اللہ ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون
او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

(ترجمہ) "حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ
زمین جو آسمان (بارش کے پانی) یا چشمے سے سیراب ہوتی ہو یا عاثور سے سیراب کی جاتی ہو تو اس
کی پیداوار میں دسواں حصہ لازم ہے اور وہ زمین جو کنوئیں سے کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو تو اس
کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہے" — اور حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے کہ عاثور جیسے
ایک گڑھا ہوتا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے جس سے فصل سیراب کی جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل کتابوں سے رائے ثانی کا ثبوت ملتا ہے:۔

(۱) احسن الفتاویٰ میں ہے: "چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ در دیار ما ایں
کار دیدہ شد تنہا ہستند کہ از مزرعہ تا منبع آب مثلاً دوازدہ ہزار بلکہ زیادہ فاصلہ دارد در میان
کار دو محنت بسیار است کہ اگر کار کردہ نشود آبش خشک شود و خرچ و مصارف کاریز باندازہ
ای می باشد کہ نصف بلکہ دو حصہ محصول پیداوار زمین بکار کنان صرف میشود در ایں صورت
عشر واجب شود یا نصف عشر؟ مسئلہ مذکورہ بالا را بتحقیق و حوالہ کتاب در یافتہ تحریر
فرمودہ رفع اشتباہ فرمایند اجر دارین حاصل فرمایند۔"

الجواب باسم ملہم الصواب: در ایں صورت نصف عشر واجب است قیاساً علی الغرب

وکذا فی الشامیة تحت قوله (وقواعدنا لا تاباه) لان العلة فی العدول عن العشر الی نصفه فی مستقی غرب ودالیه هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء (رد المحتار ج۲ صـ۵۵ باب العشر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(ج۶ صـ۳۳۶ باب العشر)

(۲) فتاوی دارالعلوم دیوبند میں اس سوال کے جواب میں ہے کہ نصف عشر کا کیا معنی ہے یعنی عشر دیں یا نصف؟ الجواب: نصف عشر بیسواں حصہ ہے اور یہ فرق پانی کی قیمت وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اراضی عشریہ میں اصل عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا واجب ہے لیکن اگر زمین کو پانی دینے میں مزدوری زیادہ صرف ہوئی اور مشقت ہوئی اور خرچ بڑھ گیا تو بجائے عشر کے نصف عشر دینا واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا احتیاط رائے اول میں ہے کہ عشر لازم ہوگا کیونکہ زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کم دینے میں عدم فراغ ذمہ کا خطرہ ہے۔

میت کے مال میں وجوبِ عشر

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم کاشتکار لوگ ہیں اپنی اور دوسروں کی زمینوں میں کھیتی باڑی کرتے ہیں چند دن قبل ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، انتقال سے پہلے انہوں نے کچھ زمین میں گندم کاشت کی جو ان کی زندگی میں پختہ ہو گئی تھی، اب ہم نے اس کی کٹائی وغیرہ مکمل کر لی ہے۔ تو کیا ان کے اس مال پر عشر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: عشر حاصلِ اراضی کا وظیفہ ہے اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق آپ کے والد مرحوم کی کاشت کردہ اراضی کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے۔[1]

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لو مات من علیه العشر والطعام قائم یؤخذ منه بخلاف الزکوٰة۔ (البحر الرائق ج۲ صـ۲۳۶ باب العشر)

☼ ☼

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: یؤخذ من الترکة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ صـ۳۲۶ باب العشر)